فتاویٰ جامعہ اشرفیہ

جلد ہفتم

فتاویٰ

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ

سابق صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

ترتیب و تخریج

مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی



عنی بالطبع والنشر

مجلس البرکات

دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم

مبارک فور اعظم جرہ یوفی الهند رمز البريد ٢٧٦٤٠٤



بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۴۳/نحل ۱۶)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو، اگر تمھیں علم نہیں۔

فتاویٰ جامعہ اشرفیہ

مبارک پور

جلد ہفتم

فتاویٰ

شارح بخاری، فقیہ اعظم ہند

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ

سابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

ترتیب و تخریج

حضرت مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

باہتمام مجلس فقہی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو-پی

ناشر مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو-پی

کتاب : فتاویٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (جلد ہفتم)

فتاویٰ نوشتہ : فقیہِ اعظم ہند شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہٗ
سابق صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ترتیب وتخریج : مفتی محمود علی مشاہدی مصباحی، استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، موبائل نمبر 8756457290

تصحیح : مفتی محمود علی مشاہدی مصباحی، مولانا محمد قاسم مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی

کمپوزنگ : مولانا محمد اسلم مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

سنہ اشاعت : بارِ اول، رجب ۱۴۴۴ھ/فروری ۲۰۲۳ء

صفحات : ۶۱۶

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت :

باہتمام : مجلس فقہی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو-پی

ناشر : مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو-پی

ملنے کے پتے

(۱) مجلس فقہی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو-پی

(۲) مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

(۳) مجلس برکات، کٹرہ گوکل شاہ، دہلی

(۴) المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ

(۵) دائرۃ المعارف، کریم الدین پور، گھوسی، ضلع مئو

شرفِ انتساب

استاذ العلما، جلالۃ العلم، حافظِ ملت حضرت علامہ

عبد العزیز محدث مراد آبادی ثم مبارک پوری

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

وصال: ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

اور آپ کی شہرۂ آفاق دینی و علمی یادگار

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقیقتِ حال

نحمده و نصلي علىٰ رسوله الكريم.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ قلم اور اس کے لکھے کی قسم۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم یاد فرمائی ہے۔ اس میں قلم کی عظمت و سربلندی کا اظہار ہے۔ اس سے یا تو عام قلم مراد ہے جس سے دینی اور دنیاوی فوائد و مصالح وابستہ رہتے ہیں۔ یا اس سے نوری قلم مراد ہے جس نے بحکم الٰہی لوحِ محفوظ پر قیامت تک ہونے والے تمام امور و کوائف لکھ دیے۔ بہر صورت قلم کی اہمیت مسلّم ہے۔ قرآن کریم کی کتابت کا مرحلہ ہو یا احادیث نبویہ کے محفوظ کرنے کا معاملہ، کونین کے احوال و واقعات ہوں یا دونوں جہاں کی تقدیروں کے مسائل، قلم ماضی، حال اور مستقبل کے احوال کا سب سے بڑا محافظ ہے۔

ابی الکریم جلالۃ العلم حضور حافظ ملت۔نوّر اللہ مرقدہ۔زبردست استاذ اور محدث جلیل تھے۔آپ نے شب و روز محنت فرماکر جامعہ اشرفیہ مبارک پور قائم فرمایا۔ اس کے ہر گوشے میں حضور حافظ ملت اور اکابر اہل سنت کے خلوص کا لہو شامل ہے۔ عالمی سطح پر شناسا حلقوں میں اس کی شہرت و مقبولیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کے متعدد شعبے اپنے منصوبوں میں بڑی حد تک کامیابیوں کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

درس نظامی اہل سنت کا ایک جامع نصاب تعلیم ہے جو عام طور پر مدارس اہل سنت اور دیگر لوگوں کی درس گاہوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے مصنفین بھی اہل سنت کے علما اور اکابر ہیں۔ اہل سنت کے نشریاتی ادارے انھیں شائع کرتے تھے۔ تجارتی فوائد کے پیش نظر کچھ غیر مسلموں نے بھی ان کی اشاعت کی جانب توجہ کی، مگر خدا جانے کیا ہوا کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد علماے اہل سنت نے ان کی اشاعت سے کوتاہی برتی، اسی دوران کچھ خالص کاروباری اداروں نے اسلاف تحشیہ نگاروں کی جگہ اپنے بڑوں کا نام رکھ کر جگہ جگہ دجل و فریب سے کام لیا اور خالص اسلامی عقائد و مراسم کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کی، اور بڑی ڈھٹائی سے یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے کہ یہ سارا نصاب ہمارے علما نے تیار کیا ہے، علماے اہل سنت کا

اس سے کچھ لینا دینا نہیں۔ اگر ہم چھاپ کر نہ دیں تو یہ بریلوی جاہل رہ جائیں گے۔

جہان اہل سنت کو غیروں کی اس غلط بیانی کا شدید احساس تھا، متعدد بار انفرادی اور اجتماعی طور پر اس پر غور و خوض کیا گیا۔ مگر "اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے"

بزرگوں کے فیضان سے مجلس برکات قائم ہوئی۔ بفضلہ تعالیٰ اس سے اب تک اعدادیہ سے فضیلت تک کی درسی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں مصنفین، حواشی نگاروں کے احوال اور علوم و فنون کے مختصر کوائف بھی ہیں، جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذۂ کرام اور دیگر علما نے حد درجہ محنت و جاں فشانی فرمائی۔ نگراں ہیں صدر العلما حضرت مولانا محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، فجزاهم الله تعالىٰ خير الجزاء.

ہم دعا کرتے ہیں مولا تعالیٰ اس شعبے کا تحقیقی اور نشریاتی سفر اسی طرح جاری رکھے اور اپنے فضل سے ہر بلا و آفت سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ و التسلیم.

از

عبدالحفیظ عفی عنہ

(سربراہ اعلیٰ)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

مؤرخہ

۲۶ر صفر ۱۴۴۳ھ

۴ر اکتوبر ۲۰۲۱ء

حضور شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ماہ وسال کے آئینے میں

مفتی محمد نسیم مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

واقعات	تاریخ، مہینہ، سنہ ہجری			تاریخ، مہینہ، سنہ عیسوی		
ولادت	۱۱	شعبان	۱۳۳۹	۲۰	اپریل	۱۹۲۱
دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ [1]	۱۴	شوال	۱۳۵۳	۱۶	جنوری	۱۹۳۵
بیعت بدست حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ		صفر	۱۳۵۹		مارچ	۱۹۴۰
مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ، میرٹھ میں داخلہ	۱۳	محرم	۱۳۶۱	۲۱	جنوری	۱۹۴۲
مدرسہ مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، بریلی شریف میں داخلہ		شوال	۱۳۶۱		اکتوبر	۱۹۴۲
تقریب ختم بخاری شریف	۲۹	جمادی الآخرہ	۱۳۶۲	۳	جولائی	۱۹۴۳
دستار بندی	۱۴	شعبان	۱۳۶۲	۱۶	اگست	۱۹۴۳

تدریسی خدمات

مدارس	تاریخ، مہینہ، سنہ ہجری			تاریخ، مہینہ، سنہ عیسوی		
مدرسہ بحر العلوم، اعظم گڑھ (مئو)	از:۱۴	ذی قعدہ	۱۳۶۲	۱۳	دسمبر	۱۹۴۳
	تا:۸	جمادی الآخرہ	۱۳۶۳	۳۱	مئی	۱۹۴۴
مدرسہ خیر الاسلام حسین آباد جپلہ، ضلع پلاموں، بہار	از:۱۵	جمادی الآخرہ	۱۳۶۳	۷	جون	۱۹۴۴
	تا:۱۶	ربیع الآخر	۱۳۶۴	یکم	اپریل	۱۹۴۵
مدرسہ حنفیہ مالیگاؤں، ضلع ناسک (مہاراشٹر)	از:۲۲	ربیع الآخر	۱۳۶۴	۶	اپریل	۱۹۴۵
	تا:۹	شوال	۱۳۶۴	۱۷	ستمبر	۱۹۴۵
مدرسہ عین الحق، بیت الانوار، گیوال، بیگہ، گیا، بہار	از:۱۰	شوال	۱۳۶۴	۱۸	ستمبر	۱۹۴۵
	تا:۹	شوال	۱۳۶۶	۲۶	اگست	۱۹۴۷

(۱) ۱۰ر شوال کو دار العلوم اشرفیہ مدرسہ مصباح العلوم کی بنیاد رکھی گئی اور ۱۴ر شوال کو داخلہ ہوا۔

مدارس	تاریخ	مہینہ	سنہ ہجری	تاریخ	مہینہ	سنہ عیسوی
دار العلوم اہل سنت شمس العلوم، قصبہ گھوسی، اعظم گڑھ (مئو)	از:۱۴	ذی الحجہ	۱۳۶۶	کیم	اکتوبر	۱۹۴۷
	تا:۱۸	ذی قعدہ	۱۳۷۳	۶	جولائی	۱۹۵۴
مدرسہ فضل رحمانیہ، پچپڑوا، گونڈہ (بلرام پور)	از:۲۰	ذی قعدہ	۱۳۷۳	۲۱	جولائی	۱۹۵۴
	تا:۱۰	شعبان	۱۳۷۵	۲۴	مارچ	۱۹۵۶
مدرسہ مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، بریلی شریف	از:۲۴	شوال	۱۳۷۵	۴	جون	۱۹۵۶
	تا:۲۷	ذی الحجہ	۱۳۸۶	۸	اپریل	۱۹۶۷
جامعہ عربیہ انوار القرآن، گونڈہ (بلرام پور)	از:۲۷	محرم	۱۳۸۷	۸	مئی	۱۹۶۷
	تا:۸	ربیع الآخر	۱۳۹۵	۲۰	اپریل	۱۹۷۵
مدرسہ ندائے حق، جلال پور، فیض آباد (امبیڈکر نگر)	از:	ربیع الآخر	۱۳۹۵		اپریل	۱۹۷۵
	تا:۶	ذی الحجہ	۱۳۹۶	۲۷	نومبر	۱۹۷۶
جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں بحیثیت صدر شعبہ افتا	از:۲۳	ذی الحجہ	۱۳۹۶	۱۳	دسمبر	۱۹۷۶
	تا:۶	صفر	۱۴۲۱	۱۱	مئی	۲۰۰۰

واقعات	تاریخ	مہینہ	سنہ ہجری	تاریخ	مہینہ	سنہ عیسوی
خلافت سلسلۂ رضویہ از حضرت صدر الشریعہ	۲۱	شوال	۱۳۶۷	۲۶	اگست	۱۹۴۸
گورنر اترپردیش کے ایم منشی کی کتاب "لیجسلیٹیو لیڈرز" کے خلاف احتجاج (۱)		محرم	۱۳۷۶		ستمبر	۱۹۵۶
مسند افتا پر رونق افروزی (۲)	۲۰	شوال	۱۳۷۸	۲۹	اپریل	۱۹۵۹
سلسلۂ رضویہ اور ان تمام سلاسل کی خلافت جو رسالہ: "النور و البہاء" میں مذکور ہیں۔	۱۷	رمضان	۱۳۸۱	۱۲	فروری	۱۹۶۲
"اشرف السیر" کی تصنیف	۲۷	محرم	۱۳۸۸	۲۶	اپریل	۱۹۶۸
"اسلام اور چاند کا سفر" کی تصنیف	۱۶	شوال	۱۳۹۱	۵	دسمبر	۱۹۷۱
گونڈہ جیل میں قید (۳)	۲۱	صفر	۱۳۹۳	۲۷	مارچ	۱۹۷۳

(۱) مذکورہ کتاب میں گورنر نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں سخت توہین کی تھی۔

(۲) حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دستار باندھ کر شعبہ افتا کی خدمت سپرد فرمائی۔

(۳) بھنگا بازار، ضلع بہرائچ میں ایک پنڈت نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر فرمائی۔ دیوبندیوں نے ہندوؤں کو بھڑکا کر مقدمہ دائر کرا دیا، جس کی سزا میں ۳۰ دن جیل میں قید رہے۔

آغاز تصنیف شرح بخاری	۲۱	ذی الحجہ	۱۴۰۲	۱۰	اکتوبر	۱۹۸۲
خلافت از حضرت احسن العلماء قدس سرہ، بموقع عرس قاسمی، مارہرہ شریف			۱۴۰۴			۱۹۸۴
پہلا حج		ذی الحجہ	۱۴۰۵		ستمبر	۱۹۸۵
"سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ" کی تصنیف	۲۹	ربیع الآخر	۱۴۰۹	۱۱	نومبر	۱۹۸۸
"فتنوں کی سرزمین کون - نجد یا عراق" کی تصنیف	۷	جمادی الاولی	۱۴۱۱	۲۶	نومبر	۱۹۹۰
کولمبو (لنکا) کا پہلا تبلیغی سفر	۲۰	ربیع الآخر	۱۴۱۳	۱۸	اکتوبر	۱۹۹۲
کولمبو (لنکا) کا دوسرا تبلیغی سفر	۸	صفر	۱۴۱۶	۷	جولائی	۱۹۹۵
افریقہ کا تبلیغی سفر	۱۷	صفر	۱۴۱۷	۴	جولائی	۱۹۹۶
پہلا عمرہ	۸	ربیع الاول	۱۴۱۷	۲۵	جولائی	۱۹۹۶
پاکستان کا تبلیغی سفر	۱۷	ربیع الاول	۱۴۱۷	۳	اگست	۱۹۹۶
شیخ عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ ایوارڈ (پاکستان)	۱۸	ربیع الاول	۱۴۱۷	۴	اگست	۱۹۹۶
امام احمد رضا ایوارڈ	۱۰	شوال	۱۴۱۷	۱۹	فروری	۱۹۹۷
دوسرا عمرہ		رمضان	۱۴۱۸		جنوری	۱۹۹۸
دوسرا حج		ذی الحجہ	۱۴۱۸		اپریل	۱۹۹۸
پاکستان کا دوسرا تبلیغی سفر (بسلسلۂ شرکت جلسہ دار العلوم امجدیہ کراچی، بموقع گولڈن جبلی)		صفر	۱۴۱۹		جون	۱۹۹۸
تکمیل شرح بخاری	۱۱	رمضان	۱۴۱۹	۳۰	دسمبر	۱۹۹۸
خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف کے سجادہ نشین کی طرف سے "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب بموقع عرس قاسمی	۲۰	رجب	۱۴۲۰	۳۱	اکتوبر	۱۹۹۹
شاہ برکت اللہ گولڈ میڈل	۹	شعبان	۱۴۲۰	۱۸	نومبر	۱۹۹۹
جشن تکمیل شرح بخاری	۲۱	شوال	۱۴۲۰	۲۹	جنوری	۲۰۰۰
وصال	۶	صفر	۱۴۲۱	۱۱	مئی	۲۰۰۰

تقدیم

محمد نظام الدین رضوی

شیخ الحدیث وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حامدًا و مصلّيًا و مسلّمًا

چار بڑے مفتیان دار العلوم

مفتیان دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم (مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ) میں چار مفتی بڑے بلند پایہ اور جامع الاوصاف رہے ہیں:

(۱) حافظ ملت مولانا شاہ **عبد العزیز** محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۲) فقیہ اسلام حضرت مولانا حافظ **عبد الرؤف** محقق بلیاوی ثم مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۳) شارح بخاری حضرت مولانا مفتی **محمد شریف الحق** امجدی نائب مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۴) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی **عبد المنان** عزیزی، اعظمی، مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت کچھ علوم و فنون میں مہارت کے ساتھ "فن فتویٰ نویسی" میں بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے، میں نے آپ کے مختصر و مبسوط متعدّد فتاوی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ راے قائم کی ہے مثلاً • جماعتِ فجر قائم ہونے کے بعد سنت فجر پڑھنے کی تحقیق • غیر انبیا پر کلمہ: "علیہ الصلاۃ والسلام" کا اطلاق • حلال و حرام گوشت کے باہم مخلوط ہونے پر تحری کا حکم • مشینی ذبیحہ کا حکم • عالم دین کے ساتھ تمسخر کا حکم • سال گرہ منانے کا حکم • شیعوں کی امامت کا حکم • اور اس طرح کے متعدّد فتاویٰ۔

مؤخر الذکر فتویٰ بہت مختصر مگر فنِ فتویٰ نویسی میں آپ کی بصیرت کا مظہر ہے۔

آپ سے سوال ہوا کہ: ”شیعہ امام کی اقتدا میں نماز ہوگی، یا نہیں؟“

آپ نے جواب لکھا:

”وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مرزائی، شیعہ کسی کی اقتدا میں نماز نہ ہوگی۔“

بعد میں معلوم ہوا کہ ایک بستی میں سنی اور شیعہ رہتے تھے، کسی وہابی نے یہ سوال کر کے دونوں کو لڑانا چاہا تھا، مگر حضرت نے یہ جواب دے کر اس کی سازش کی جڑ کاٹ دی، مجھے یہ بات اپنے بعض اساتذہ سے درس گاہ میں معلوم ہوئی۔

آپ کی زندگی جدّ و جہد سے عبارت تھی، آپ کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے:

”زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام“

آپ گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے فتویٰ نویسی کی طرف توجہ نہ دے سکے، اسی لیے آپ کے فتاوی کی تعداد کم ہے مگر آپ کی درس گاہِ فیض سے بہت سے متبحر علما پیدا ہوئے جو بعد میں صاحبِ بصیرت مفتیوں میں شمار ہوئے اور ان کے فتاوی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جیسے کراچی میں حضرت مولانا مفتی **ظفر علی** نعمانی، اور ہندوستان میں حضرت شارح بخاری و حضرت بحر العلوم رحمھم اللہ تعالیٰ۔ مؤخر الذکر نے حضرت سے فتویٰ نویسی کیسے سیکھی ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

فقیہ اسلام حضرت مولانا حافظ **عبد الرؤف** بلیاوی رحمہ اللہ معروف بہ ”حافظ جی“ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلمیذ رشید ہیں اور بہت سے علوم و معارف پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ”علم الفقہ“ کے ماہر و محقق ہیں ”**فتاوی رضویہ**“ جلد سوم تا جلد ہفتم کی تحقیق کر کے آپ نے ہی اسے قابلِ اشاعت بنایا اور آج ایک زمانہ اس سے فیض یاب ہو رہا ہے، آپ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باعث فتویٰ نویسی کی طرف توجہ نہ دے سکے مگر بہت سے اچھے مفتی تیار کر گئے، آپ کے ایسے تلامذہ میں حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ بحر العلوم فتویٰ نویسی میں حافظ ملت اور حضرت حافظ جی علیہما الرحمۃ و الرضوان دونوں کے شاگرد ہیں جس کا تفصیلی تذکرہ انھوں نے اپنی نجی مجلسوں میں کئی بار کیا ہے، ہم یہاں ایک مجلس کی گفتگو نقل کرتے ہیں:

حضرت بحر العلوم فرماتے ہیں:

اشرفیہ میں باضابطہ شعبۂ دار الافتا نہیں تھا۔ مختلف اساتذہ اور خود حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ بھی فتویٰ لکھ دیا کرتے۔ مولانا **علی احمد** صاحب مرحوم اسے رجسٹر میں نقل کرتے۔ میراث کے مسائل مولانا **علی احمد** صاحب مرحوم ہی لکھا کرتے تھے، اس لیے وہ مفتی بھی کہے جانے لگے تھے۔ اشرفیہ میں میرے آنے کے ایک سال بعد یہاں باضابطہ دار الافتا کا قیام عمل میں آیا اور شوال ۱۳۷۶ھ سے فتویٰ نویسی کی ذمہ داری مجھے سونپ گئی، تین یا چار گھنٹے فتویٰ نویسی کرتا تھا اور تین یا دو گھنٹے درس دیتا، اس زمانے میں کل چھ گھنٹیاں ہوتی تھیں۔ فتویٰ نویسی سے میری ذاتی دلچسپی بھی تھی۔ میں پہلے بھی فتاوی لکھتا تھا، تلسی پور کے دورانِ قیام بھی جب میں رمضان شریف کی تعطیل میں مبارک پور آتا تو مدرسے میں پہلے سے جمع شدہ تمام سوالات کے جوابات میں ہی لکھا کرتا تھا۔

فتویٰ نویسی میں نے حضرت حافظ ملت مولانا شاہ **عبد العزیز** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا حافظ **عبد الرؤف** صاحب (معروف بہ ''حافظ جی'' رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے سیکھی، جو بھی فتویٰ لکھتا دونوں بزرگوں کی بارگاہ میں پیش کرتا، یہ میرے لیے ضروری تھا، جب دونوں حضرات کی تصدیق ہو جاتی تب فتویٰ جاری کرتا، جب حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مصروفیات بہت بڑھ گئیں اور میرے فتاوی پر حضرت کو اعتماد بھی ہو گیا تو فتویٰ کی اصلاح اور نگرانی کا کام حضرت حافظ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سپرد فرما دیا۔ مجھے جب بھی اصلاح اور تبادلۂ خیال کی ضرورت ہوتی فوراً حافظ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور بسا اوقات دیر دیر تک بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا، وہ بھی دوران درس۔ مگر حضرت نہ کبھی خفا ہوتے اور نہ اکتاتے، پوری توجہ کے ساتھ گفتگو جاری رہتی۔

سوالات کے جوابات کی تیاری کے لیے ایک اہم موڑ یہ ہوتا ہے کہ جواب کس کتاب میں، کس باب میں اور کہاں ملے گا، حضرت حافظ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے بارے میں نشان دہی کرتے۔

أقول : مثال کے طور پر داڑھی ایک مشت بڑھانا واجب ہے اور اس سے فاضل کو کاٹ دینا مسنون۔ یہ بہت مشہور مسئلہ ہے مگر یہ کہاں ملے گا یہ ایک مبتدی کے لیے دشوار ہے، یوں تو بال ترشوانے اور تراشنے کے مسائل فقہا نے ''كتاب الحظر و الإباحة'' میں بیان کیے ہیں اور ایک حیثیت سے اس کا ذکر ''كتاب الحج'' کے بعض ابواب میں بھی ہوتا ہے مگر داڑھی کا یہ مسئلہ ان ابواب میں نہیں ملتا، فقہا نے داڑھی کے یہ احکام ''كتاب الصوم'' کے ضمن میں بیان کیے ہیں۔ ظاہر ہے ایک مبتدی کا مطالعہ بہت وسیع

نہیں ہوتا اس لیے اسے وسیع النظر استاذ کی طرف رجوع کے بغیر چارہ نہیں۔

داڑھی مونڈنے والے حجام کی کمائی حلال ہے یا حرام۔ یہ مسئلہ بھی بادی النظر میں "کتاب الحظر و الإباحة " کا ہے مگر اس کا حکم "إجارة علی المعاصی" کے ضابطے سے مستنبط ہوتا ہے جس کا حکم "کتاب الإجارہ" میں بیان کیا جاتا ہے۔

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا مسئلہ کہاں ملے گا بظاہر اس کے لیے کتبِ فقہ میں کوئی باب نہیں قائم کیا گیا کیوں کہ اس کا تعلق اگر اجنبی مرد و عورت کی صحبت سے ہوتا تو اس کا حکم " کتاب الحدود ، باب الزنا " میں ملتا مگر یہاں صحبت یا قربت نہیں ہوتی بلکہ عورت کے شکم میں ایک خاص جگہ پر سوراخ کر کے ٹیوب میں پرورش پانے والے نطفے کو رحم میں منتقل کیا جاتا ہے بظاہر اس کا تعلق جراحت اور آپریشن سے ہے تو اس کا حکم " باب الجراحات" میں مذکور ہونا چاہیے مگر اس باب نے بھی اس کے لیے کوئی جگہ نہ رکھی، اس کا حکم فقہا نے "باب ثبوت النسب" میں بیان کیا ہے۔

نس بندی کرانا حلال ہے یا حرام اس کا تعلق بھی "باب الجراحات " سے ہے مگر اس کا حکم "کتاب السیر " کے "باب الجهاد" میں ملتا ہے۔

مذبوح اور غیر مذبوح جانوروں کا گوشت مخلوط و مشتبہ ہو گیا تو اسے کھایا جائے یا نہیں، یا تحری کے ذریعے جس گوشت کے حلال ہونے پر دل جمے اسے کھایا جائے اور بقیہ کو چھوڑ دیا جائے یہ مسئلہ "کتاب الذبح "میں ملنا چاہیے یا " کتاب التحری " میں، مگر آپ کو حیرت ہوگی کہ اس کا حکم ہدایہ کی آخری جلد کے آخری صفحہ پر ہے۔ یعنی " کتاب الخنثیٰ " کے بعد مسائل شتیٰ میں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس طرح سے آئے دن مفتی کو یہ دقت پیش آتی رہتی ہے جو کبھی استاذ کی نشاندہی سے، کبھی اپنی جستجو سے اور کبھی صرف خدا کی توفیق سے حل ہو پاتی ہے۔

حضرت بحر العلوم نے فرمایا کہ بسا اوقات میرے اور حافظ جی کے درمیان حکم شرعی کی تعیین میں اختلاف واقع ہو جاتا تو دیر تک تبادلۂ خیال ہوتا رہتا اور اس سے حکم منقح ہو کر سامنے آجاتا۔

أقول: اس کے نظائر بہت زیادہ ہیں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے خلاصۂ مقالات میں جابجا اس کے شواہد کا نظارہ کیا جاسکتا ہے انسانی خون چڑھانے کا جو مسئلہ اگلے صفحے پر آرہا ہے وہ بھی اس کی واضح نظیر ہے۔

ایک بار آپ نے اپنی فتویٰ نویسی کی تاریخ مجھے اس طرح املا کرائی:

فتویٰ نویسی کے لیے جب میرا تقرر یہاں ہوا تو طے یہ پایا کہ فتوی لکھ کر حضور حافظ ملت رَحِمَہُ اللّٰہ تَعَالٰی کو دِکھا لیا کریں، اور حضرت کی تصدیق کے بعد اسے جاری کریں۔ میرا طریقہ یہ تھا کہ پہلے میں سوالات کو بغور پڑھ کر یہ متعین کرتا کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے۔ پھر میں وہ سوال لے کر حضرت مولانا **عبد الرؤف** بلیاوی رَحِمَہُ اللّٰہ تَعَالٰی کے پاس پہنچتا کہ میں نے سوال سے یہ سمجھا ہے، اس میں سے ان نکات کا جواب دینا ہے۔ حضرت اتفاق کر لیتے تو اب یہ مرحلہ ہوتا کہ ان نکات کا جواب کہاں کہاں ملے گا۔ اس سلسلے میں حضرت کو بڑی مہارت تھی فوراً بتاتے، فلاں فلاں جگہ دیکھو، میں دیکھ کر جزئیات فراہم کرتا اور ایسا بہت ہوتا کہ مجھے اس سے اختلاف رائے ہوتا کہ اس عبارت سے وہ مطلب نہیں نکلتا پھر حضرت سے تبادلۂ خیال ہوتا رہتا جب کسی ایک حکم پر اتفاق ہو جاتا تو میں جواب لکھ کر حافظ جی کو دِکھاتا، ان کی تائید کے بعد اب میں حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوتا حضرت کو اس میں کہیں کچھ تامل ہوتا تو فرماتے۔ پھر جب آپ بھی متفق ہو جاتے اور دونوں جگہوں سے تصحیح ہو جاتی تو اسے سوال نامہ پر نقل کرتا، اس کے بعد وہ فتویٰ جاری کیا جاتا۔

اس سلسلے میں عموماً یہ بات پیش آتی کہ میں جزئیات تلاش کر لیتا تو حافظ جی کے پاس پہنچتا اور وہ درس میں مشغول ہوتے پھر بھی سب کچھ چھوڑ کر مجھ سے گفتگو فرماتے، بحث بھی ہوتی۔ بہت کریم و شفیق تھے، وہ کام کرانا چاہتے تھے اس لیے کبھی بھی میری دخل اندازی پر برہم نہ ہوئے بلکہ شگفتہ پیشانی کے ساتھ ہی گفتگو اور بحث کرتے۔ سالہا سال اسی پر میرا عمل در آمد رہا پھر آہستہ آہستہ پوچھ گچھ کی ضرورت کم ہوتی گئی تو مسودہ بنا کر ان حضرات کو دِکھاتا، پھر حافظ ملت نے اپنی کثرت مصروفیات کی بنا پر صرف مولانا **عبد الرؤف** بلیاوی صاحب کی تصدیق سے فتویٰ جاری کرنے کی اجازت دے دی۔ ۱۸ر سال کی اس پوری مدت میں مسودہ بنانے سے لے کر ریکارڈ رجسٹر میں نقل کرنے تک سارا کام میں تنہا کرتا تھا۔

أقول: استفادہ کبھی تحقیق حکم کے لیے ہوتا ہے کہ مسئلہ معلوم نہ ہو تو اس کا حکم معلوم کر لیا جائے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی مسئلے میں جزئیات مختلف قسم کے سامنے آجاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے لیے ارباب نظر سے استفادہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً انسان کا خون، جان یا عضو یا جمال مقصود بچانے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں ایک دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ جائز ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ: تمھارے اوپر اللہ نے یہی تو حرام کیے: مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور کے ذبح پر غیر اللہ کا نام لیا گیا۔ تو جو مضطر ہو اور خواہش سے نہ کھائے نہ حد سے تجاوز کرے اسے خون پینے یا مردار کھانے پر کوئی گناہ نہیں۔

یہ آیت جواز کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

لیکن اس کے برخلاف قرآن حکیم میں دوسری جگہ فرمایا گیا: ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ “(۲)

ترجمہ: ہم نے انسان کو مکرم بنایا۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے نصوص کی بنیاد پر فقہا نے فرمایا کہ حالت اضطرار میں کسی انسان کو یہ جائز نہیں کہ دوسرے انسان کے بدن سے کچھ کاٹ کر کھائے اور جان بچالے اگرچہ دوسرا انسان اس کی اجازت بھی دے دے۔ یہاں تک کہ ایک انسان کا بال دوسرے انسان کے بال میں جوڑنا بھی اسی تکریم انسانی کی خلاف ورزی کی بنا پر حرام قرار دیا گیا۔ یہ دلیل چاہتی ہے کہ انسانی خون دوسرے کے بدن میں چڑھانا کسی بھی حال میں حلال نہ ہو، دونوں دلیلیں کتاب اللہ کی ہیں اور بظاہر دونوں سے دو مختلف احکام ثابت ہوتے ہیں۔

اس کا ایک حل یہ پیش کیا گیا کہ آیتِ کریمہ ”فَمَنِ اضْطُرَّ“ کا تعلق انسانی خون سے نہیں بلکہ حیوانی خون سے ہے مگر یہ حل اس لیے ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے کہ ”فتاویٰ ہندیہ“ وغیرہ کی تصریحات سے خاص انسانی خون سے علاج کا جواز بحالت اضطرار ثابت ہوتا ہے۔ پھر حل کیا ہو؟

اب یہاں انسان کے سیال اور غیر سیال اجزا و اعضا میں وجہ فرق بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ میں نے اپنی کتاب ”**انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم**“ میں تفصیل کے ساتھ ان اجزا میں متعدّد وجوہ سے فرق بیان کیا ہے مثلاً خون نکل جائے تو جلد ہی غذاؤں اور دواؤں سے اس کا متبادل خون پیدا ہو جاتا ہے جب کہ کوئی عضو مثلاً گردہ یا پھیپھڑا کٹ جائے تو اس کا متبادل کسی بھی دوا یا غذا سے پیدا نہیں

---

(۱) البقرۃ، آیت: ۱۷۲.

(۲) الاسراء، آیت: ۷۰.

ہوتا، پھر سیال اجزا میں سے ایک جز دودھ بھی ہے اور یہ خون سے ہی تیار ہوتا ہے جسے شیر خوار بچے کو پلانا جائز ہے جیسا کہ کتاب و سنت اس کے شاہد ہیں، اور عالم انسانی کا اس پر اتفاق بھی ہے مگر غیر سیال اجزا میں ایسی کوئی نظیر نہیں پائی جاتی؛ اس لیے انسانی خون چڑھانے کا جواز آیتِ کریمہ ''فَمَنِ اضْطُرَّ'' سے ثابت ہے، اور چوں کہ یہ انسانی جان بچانے کی ضرورت کی وجہ سے ہے تو یہ انسانی جان کی تکریم بھی ہے اور اس میں اس جزء انسانی کی بے حرمتی ہرگز نہیں۔

ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ مفتی کو اشتباہ نہیں ہوتا مگر دل کو اپنے تحقیق کردہ حکم پر اطمینان کامل بھی نہیں ہوتا ایسے وقت میں فقہ اسلامی پر وسیع اور گہری نظر رکھنے والے مفتی اور مربی کی تائید کی حاجت پیش آتی ہے اس کی مثال چاند پر انسان کے پہنچنے کا مسئلہ ہے۔ فقیہ جلیل حضرت علامہ مفتی **محمد شریف الحق** امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تحقیق میں ایک عظیم الشان کتاب ''**اسلام اور چاند کا سفر**'' بھی تصنیف فرمادی مگر ''لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ'' کا وثوق حاصل نہ تھا، وہ اپنی کتاب کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

''ایک عظیم اجتماع میں جہاں تقریباً پچاس علما جمع تھے بھرے مجمع میں میں نے حبرِ امت، افقہ ملت، سرکار مفتیِ اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ سے سوال کیا، جواب میں ارشاد فرمایا: ''انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے۔'' سرکار مفتی اعظم کے فیصلہ کن ارشاد کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا۔'' (اسلام اور چاند کا سفر، ص: ۱۷، از: شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

اس تفصیل سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت بحر العلوم اور آپ کے استاذ محترم حضرت حافظ جی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ استفادہ و افادہ اور رجوع و مباحثہ بجائے خود بہت ہی وقیع اور مفید علمی مذاکرہ ہے۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو ''فتاویٰ بحر العلوم'' کے کثیر فتاویٰ حضرت حافظ ملت، حضرت حافظ جی اور حضرت بحر العلوم علیہم الرحمۃ والرضوان کی مشترکہ کاوشوں اور تحقیقات کا مجموعہ ہیں، اور بہت سے فتاویٰ مؤخر الذکر دو بزرگوں کی تحقیقات کا ثمرہ ہیں۔ اور جن فتاویٰ پر اول الذکر دونوں بزرگوں، یا ان میں سے بعض کی تصدیقات نہیں ہیں وہ بھی ان بزرگوں کے تربیت یافتہ ایک محتاط اور متدین مفتی کا فتویٰ ہونے کی وجہ سے معتمد ضرور ہیں۔

حضرت بحر العلوم فرماتے ہیں کہ حضور حافظ ملت کے وصال کے بعد جب مدرسہ کی انتظامیہ نے مجھے

یہاں کا صدر المدرسین منتخب کیا اور میری ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو اب الگ سے ایک مزید مفتی کی ضرورت محسوس ہوئی تو ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ سے حضرت مولانا مفتی **محمد شریف الحق** امجدی یہاں تشریف لائے اور دار الافتا، ان کے حوالہ ہو گیا۔

صاحبِ فتاوی

صاحبِ فتاویٰ حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دور میں حضور سیدی و مرشدی مفتیِ اعظم ہند مولانا **مصطفیٰ رضا خاں** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نائب اور فقیہ اعظم ہند تھے، دینی امور میں خلقِ کثیر نے آپ کی طرف رجوع کیا، آپ مرجع انام تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے آپ کے پاس سوالات آتے اور آپ سب کا تشفی بخش جواب دیتے، فقہ، حدیث، سیرت، تاریخ پر آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا، علوم قرآن پر بھی اچھی نظر تھی، آپ شب و روز اکثر مطالعۂ کتب، یا خدمت حدیث، یا خدمت فقہ میں مصروف رہتے، خداے پاک نے آپ کے وقت میں بڑی برکت دی تھی، کم وقت میں زیادہ کام انجام دیتے تھے، کبھی آپ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے، حافظہ قوی، نظر دقیق اور استحضار قابلِ تعریف تھا، سخا و استغنا آپ کی خاص صفت تھی جو انسان کو خداے غنی سے قریب کر دیتی ہے، ان اوصاف نے علما کو آپ سے اور آپ کو علما سے قریب کر دیا تھا، فتویٰ نویسی کا ذوق خداداد تھا جیسے آپ کو فتویٰ لکھائے بغیر سکون نہ ملے، رمضان کی تعطیل میں بھی یہ مبارک شغل جاری رہتا، دار العلوم اشرفیہ میں آپ ذو الحجہ ۱۳۹۶ھ میں صدر شعبۂ افتا کی حیثیت سے تشریف لائے تھے، اس وقت دار الافتا سنٹرل بلڈنگ میں واقع جامعہ کی لائبریری کے ایک گوشے میں تھا، وہاں کتابوں کی فراہمی آسان تھی، جب آپ عمامہ زیب سر کر کے تخت پر تشریف فرما ہوتے تو لگتا تھا کہ عدالت اپنے جاہ و جلال کے ساتھ قائم ہو چکی ہے، پہلے آپ اپنے ہاتھ سے فتاویٰ تحریر فرماتے تھے پھر جب "گلوکوما" کی بیماری کی وجہ سے ایک آنکھ کی روشنی چلی گئی اور دوسری نظر بھی کمزور ہو گئی تو آپ املا کرانے لگے۔ باضابطہ سب سے پہلے راقم الحروف نے محرم ۱۴۰۱ھ سے فتاویٰ کی املا نویسی شروع کی، حضرت مفتی صاحب عموماً ایک بار سوال سن کر فوراً جواب لکھوانا شروع فرما دیتے، آپ کے یہاں مضامین کی آمد تھی، آورد نہیں تھا؛ اس لیے آپ تیزی کے ساتھ بولتے چلے جاتے اور میں بھی اسی رفتار سے لکھتا چلا جاتا، میں نے فتویٰ نویسی اسی املا نویسی سے سیکھی، یہ سلسلہ ڈھائی تین سال تک جاری رہا مگر میں بھی پورے ذوق و شوق کے ساتھ املا نویسی کا فریضہ انجام

دیتا رہا۔ اس دوران بارہا جزئیات کی تخریج اور مسائل کی تحقیق کی حاجت پیش آئی، میں نے خوش دلی کے ساتھ سعادت سمجھ کر یہ کام کیا، پھر ایک وقت آیا کہ خود حضرت نے ہی مجھے کار افتا پر مامور فرما دیا۔ حضرت آج کا کام کل پر ٹالنے کو ناپسند کرتے تھے آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ جو بھی کام ہو جلد سے جلد نپٹ جائے، مگر ہند و بیرونِ ہند سے لوگوں کے رجوع عام کی وجہ سے تاخیر ہو جاتی تھی۔

ہم یہاں "**مجلس شرعی کے فیصلے**" جلد اول کے مقدمے سے آپ کا حال نقل کرتے ہیں جسے میں نے آپ کے مختصر تعارف کے لیے لکھا تھا:

"حضرت شارح بخاری [۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء ــــ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء] بہت سے اوصاف اور خوبیوں کے مالک تھے مثلاً آپ بیک وقت محدث، مفسر، شارح، متکلّم، مناظر، مدرس، مصنف، اصولی، محقق، مرشد، مقرر، مدبر، ناقد اور مؤرخ تھے۔ لیکن آپ کا سب سے نمایاں اور ممتاز وصف یہ تھا کہ آپ ایک "عظیم مفتی و فقیہ" تھے۔ آپ قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (حال مئو) کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل دار العلوم اشرفیہ مبارک پور (۸/ سال) مدرسہ عربیہ اندر کوٹ میرٹھ (چند ماہ) اور دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف (ایک سال) میں کی، مؤخر الذکر ادارہ سے ۱۹۴۲ء میں دورۂ حدیث کیا اور فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس میں رہ کر طالبانِ علومِ نبویہ کو علم دین کی دولت بانٹتے رہے۔ ۱۹۷۶ء میں صدر شعبۂ افتا کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور تاحیات یہاں کی مسند افتا کے صدر نشین رہے۔ اس کے علاوہ جامعہ اشرفیہ کے ناظم تعلیمات اور سرپرست مجلس شرعی کے مناصب جلیلہ پر بھی فائز تھے۔

حضرت شارح بخاری کے فتاویٰ اور فقہی و تصنیفی کارنامے کثیر بھی ہیں، عظیم بھی، نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (۹/ جلد)، فتاویٰ شارحِ بخاری (۱۲/ جلد) اسلام اور چاند کا سفر، تحقیقات (۲/ جلد)، منصفانہ جائزہ اور مقالاتِ شارحِ بخاری (۳/ جلد) سے آپ کے علمی، فقہی کارناموں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور فتاویٰ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ عصر حاضر کے مفتیانِ کرام میں آپ کے فتاویٰ کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ جشن تکمیل شرح بخاری کے موقع پر آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے رضا اکیڈمی نے آپ کو چاندی سے تولا۔ خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے آپ کو "برکاتی مفتی" اور "فقیہ اعظم ہند" کے تکریمی خطابات سے نوازا گیا۔

آپ مجلس شرعی کے اولین سرپرستوں میں سے ایک ہیں۔ مجلس شرعی کو تاحیات علمی تعاون دیا، اور

ان سیمیناروں میں راقم سطور کے مقالات کی کھلے دل سے حوصلہ افزائی فرمائی، داد وتحسین اور کلمات خیر سے نوازا۔ آپ کی شخصیت مجالس علمیہ کے لیے ایک شمع انجمن کی حیثیت رکھتی تھی جسے موت نے ہماری آنکھوں سے روپوش کر دیا۔“

(مجلس شرعی کے فیصلے)

حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف، دار العلوم انوار القرآن بلرام پور، دار العلوم ندائے حق جلال پور اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے فتاوی کی جو تفصیل راقم الحروف سے بیان فرمائی ہے اور جو کچھ میرے پیش نظر ہے اس سے ایک محتاط اندازے کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ اب تک آپ کے قلم سے صادر ہونے والے فتاوی کی تعداد پچاس ہزار سے کم نہیں، مگر وہ تمام فتاوی نہ محفوظ ہیں، نہ دست یاب۔ جو محفوظ ہیں ان کی تعداد بھی بہت ہے ہم یہاں بہت کچھ حذف مکررات کے بعد ان کی جلدوں کا خاکہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

جلد (۱،۲،۳)	کتاب العقائد	(فتاوی شارح بخاری کے نام سے دائرۃ البرکات سے شائع ہو چکی)
جلد (۴)	کتاب الصلاۃ	(مجلس فقہی سے شائع ہو چکی)
جلد (۵)	کتاب الصلاۃ، کتاب الجنائز	(مفتی نسیم صاحب کے زیر ترتیب)
جلد (۶)	کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج	(پیش نظر ہے)
جلد (۷)	کتاب النکاح	(تقریباً مکمل ہے)
جلد (۸)	کتاب الطلاق	(تقریباً مکمل ہے)
جلد (۹)	کتاب البیوع	(تقریباً مکمل ہے)
جلد (۱۰)	کتاب الحدود، کتاب الاضحیہ، کتاب الذبائح، وغیرہ	(تقریباً مکمل ہے)
جلد (۱۱)	کتاب السیر	(باقی)
جلد (۱۲)	کتاب الوصایا، کتاب المیراث۔ مسائل شتّٰی	(باقی)

اس خاکے سے ظاہر ہے کہ حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاوی کی دنیا میں ایک عظیم الشان کام کیا ہے جس کے باعث پوری جماعت اہلِ سنت کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تربت اقدس

پر تاابد رحمت و انوار کی بارشیں برسائے۔ آمین

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کثرتِ کار کی بنا پر جوابات میں عموماً حکم شرعی کے بیان اور کبھی بقدر حاجت ایک دو کتابوں سے فقہی جزئیات کی نقل پر اکتفا کرتے اور ایسا بہت ہوتا کہ صرف "ہاں" یا "نہیں" پر جواب ختم فرمادیتے تاکہ سائل کو جلد از جلد حکم شرعی معلوم ہوجائے اور وہ اس پر عمل پیرا ہوکر عند اللہ عہدہ برآ ہوسکے۔ آیتِ کریمہ: "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کا تقاضا بھی یہی ہے، ہاں اگر مسئلہ ایسا ہوتا جس میں تاخیر کی گنجائش ہوتی تو اسے مؤخر فرماتے اور حاجت ہوتی تو اس کا جواب تحقیق کے ساتھ اِملا کراتے، مثال کے طور پر سوال ہوا کہ فلاں شخص نے یہ کلمۂ کفر بک دیا ہے یا فلاں سے نماز میں ایسی غلطی ہوگئی ہے جس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا کسی کو تکلیف پہنچائی ہے جس سے معافی مانگنا لازم ہے یا کسی کا مالی حق دبایا ہے جس کی واپسی لازمی ہے تو ایسے سوالات کے جوابات میں تاخیر نہ کرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حکمِ شرعی معلوم نہ ہونے کے باعث وہ توبہ و تجدیدِ ایمان نہ کر سکے، اور فوت ہوجائے یا حق اللہ یا حق العبد کی ادائگی سے پہلے ہی اس کی قضا آجائے اور دار الاسلام میں جہل عذر نہ ہونے کے باعث وہ عند اللہ ماخوذ ہو اس لیے ایسے امور کے جواب میں تعجیل چاہیے گو وہ مختصر یا بہت مختصر ہو۔ اس کے بر خلاف "سورج گردش میں ہے یا زمین؟" اس کے جواب میں تاخیر ہو سکتی ہے کہ ہم ظاہر کے مطابق اعتقاد رکھنے کے مکلف ہیں، سائنسی دقائق کے عدم علم پر ہم ماخوذ نہ ہوں گے۔

غرض یہ ہے کہ ان اسباب کے باعث حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کے فتاوی کثیر تو ہوئے مگر سارے ہی فتاویٰ مبسوط اور تحقیقی نہ ہوئے اور حضرت کو اپنی حیات میں ان فتاویٰ پر نظر ثانی کا موقع بھی نہ ملا کہ ان میں حسبِ ضرورت کچھ اِضافہ فرماتے تاہم تحقیقی فتاویٰ کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔

شارح بخاری کے فتاوی کی ترتیب مختلف مراحل میں:

شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمة الله تعالیٰ علیه نے شرح بخاری کی تکمیل کے بعد اپنے فتاوی کی جانب توجہ مبذول کی اور ۱۹۹۹ء کے اوائل میں مولانا مشرف علی مصباحی کاتب کو اپنی جیب خاص کے صرفہ سے مختلف ابواب و کتب سے متعلق فتاوی کو الگ کرنے اور حسب ضرورت دوسرے کاغذ پر نقل کرنے کے لیے منتخب کیا، مولانا موصوف نے تقریباً ڈیڑھ سال تک حضرت شارح

بخاری کی حیات میں یہ کام انجام دیا، ۶؍ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱؍ مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات، بعد فجر حضرت اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور جو کام آپ نے شروع کیا تھا وہ بھی رک گیا، کچھ دنوں کے بعد فرزندان شارح بخاری نے اس جانب توجہ کی اور حضرت شارح بخاری کے تلمیذ مفتی محمد نسیم مصباحی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے گزارش کرکے اس کام کے لیے ان کو آمادہ کیا۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں درجۂ تخصص کے طلبہ سے اساتذہ جامعہ کی نگرانی میں اہم موضوعات پر کم سے کم سو صفحات پر مشتمل مقالہ لکھوایا جاتا ہے، انہی مقالات کا ایک مجموعہ تین جلدوں میں "فتاوی رضویہ جہان علوم و معارف" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ صدر العلماء، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات و سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے سال ۲۰۰۳ء-۲۰۰۴ء، اور ۲۰۰۴ء-۲۰۰۵ء کے درجۂ تخصص کے طلبہ کو مقالہ نویسی کی بجائے شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاوی کی تبویب کا کام سپرد فرمایا اور مفتی محمد نسیم مصباحی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو ان کا نگراں متعین کر دیا تاکہ یہ کام آسانی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، یہ کام جن طلبہ کے حوالے کیا گیا تھا ان کے اسما حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا محمد سلیم مصباحی۔ بریلی شریف (۲) مولانا محمد منصور عالم مصباحی۔ کٹیہار

(۳) مولانا محمد آفاق عالم مصباحی۔ کشن گنج (۴) مولانا محمد کلیم احمد مصباحی۔ سیتا مڑھی

(۵) مولانا محمد مبین احمد مصباحی۔ ہزاری باغ (۶) مولانا شریف الحسن مصباحی۔ بلرام پور

(۷) مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی۔ سدھارتھ نگر (۸) مولانا محمد اشتیاق عالم مصباحی۔ گریڈیہ

(۹) مولانا محمد ناصر حسین مصباحی۔ جام تاڑا (۱۰) مولانا محمد جابر خان مصباحی۔ بریلی شریف

فتاوی کی جو فائل انھیں دی گئی تھی اس میں ایک ایک فتویٰ میں متعدد کتب و ابواب کے مسائل تھے ان طلبہ نے مفتی محمد نسیم مصباحی کی نگرانی میں ذمہ داری کے ساتھ ان مسائل کو ایک دوسرے سے الگ کیا اور ان کی تبویب کی اور اصل کاپی مفتی محمد نسیم مصباحی کے حوالے کر دی۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے فتاوی تھے جن کو الگ کرنا تھا یا ماہ نامہ اشرفیہ سے نقل کرنا تھا یا کہیں اور سے حاصل کرنا تھا مفتی محمد نسیم مصباحی نے یہ سارا کام خود انجام دیا اور وقتاً فوقتاً مختلف طلبہ سے بھی کچھ کام کرایا، اور شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام فتاویٰ کو کتب فقہ و فتاویٰ کے مطابق یکجا کر دیا۔

لیکن اس کے بعد ابھی بھی بہت کام باقی تھا۔ حوالوں کی تخریج، ایک ہی موضوع سے متعلق متعدّد فتاوی میں سے قابل اشاعت فتاوی کی تعیین، ناقل کی طرف سے در آئی غلطیوں کی اصلاح، اور تحقیق و ترتیب اور مختصر و مجمل مقامات پر حاشیہ لکھنا وغیرہ۔

شروع کی تین جلدوں میں یہ کام بھی مفتی محمد نسیم صاحب نے انجام دیے جسے دائرۃ البرکات، گھوسی نے "فتاوی شارح بخاری" کے نام سے شائع کیا۔

مجلس فقہی کا قیام:

عزیز ملت حضرت مولانا الحاج شاہ **عبد الحفیظ** صاحب دامت برکاتہم العالیہ سربراہ اعلی جامعہ اشرفیہ کی تحریک پر ۱۳/ شوال ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۱/ اگست ۲۰۱۳ء بروز چہار شنبہ "فتاوی جامعہ اشرفیہ" مبارک پور کی ترتیب اور اشاعت کے لیے علما کا ایک بورڈ تشکیل دیا گیا جس کا نام ارکان کی ایک دوسری نشست میں "**مجلس فقہی**" جامعہ اشرفیہ مبارک پور طے ہوا۔

۲۲/ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ/ ۲۹/ ستمبر ۲۰۱۳ء کی قرارداد کے مطابق مجموعۂ فتاوی کا نام "فتاوی جامعہ اشرفیہ مبارک پور" تجویز ہوا اور اس میں یہ طے ہوا کہ اس سلسلے کی پہلی جلد حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے فتاوی کا مجموعہ ہوگا اس لحاظ سے دائرۃ البرکات سے شائع شدہ فتاوی شارح بخاری کی ۳/ جلدیں دوسری، تیسری، چوتھی جلدیں ہوں گی۔

یہ تینوں جلدیں مفتی محمد نسیم مصباحی صاحب نے تحقیق کے بعد دو، ڈھائی سال کی مدت میں چھاپ کر عام کردیں۔ اس لیے مجلس نے اس کے آگے کی جلدیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔

مجلس فقہی کے قیام کے بعد مفتی محمد نسیم صاحب نے اس سلسلے کی جلد پنجم اور جلد ششم کو مرتب کرنے کی ذمہ داری لی تھی اور انھوں نے چند سالوں میں ہی جلد پنجم مرتب کر کے عطا فرمادی جسے ہم پانچ سال پہلے شائع کر چکے ہیں اور ابھی جلد ششم نصف سے زائد انھی کے پاس ہے۔ ان شاء اللہ ہم اسے ملتے ہی جلد از جلد شائع کر دیں گے۔ ان دو جلوں کی ترتیب میں تاخیر کے سبب آگے کی جلدوں کی اشاعت میں دیر بہت ہو چکی اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب جلد ششم کا انتظار کیے بغیر جلد ہفتم شائع کر دی جائے۔

الحمد للہ جلد ہفتم آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جلد ہشتم، جلد نہم اور جلد دہم کی کمپوزنگ اور دو، تین بار تصحیح کا کام بھی ہو چکا ہے۔ صرف قابل غور مقامات پر غور وفکر اور تحقیق و تحشیہ کا کام باقی ہے جو میرے ذمہ کا کام ہے اور ہم آہستہ آہستہ یہ کام انجام دے رہے ہیں، اللہ عزوجل نے توفیق بخشی تو سال بھر میں تین جلدیں مزید اشاعت پذیر ہو جائیں گی۔

مجلس فقہی کے قیام اور تحریک کا سارا سہرا حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کے سر جاتا ہے۔ انھوں نے ہی اس بارے میں سوچا، مجلس علما بلائی اور سب کے مشورے سے کام کرنے والے افراد منتخب کیے اور کام شروع ہو گیا۔

تعارف حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی:

عزیز ملت حضرت مولانا الحاج شاہ **عبد الحفیظ** مصباحی دامت برکاتہم العالیہ ضلع مرادآباد کے مشہور قصبہ بھوج پور میں ۶/ جمادی الاولی ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۶/ اپریل ۱۹۴۴ء کو بدھ کے دن حافظ ملت مولانا شاہ **عبد العزیز** محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے تقوی شعار، عارف باللہ ولی کے گھر پیدا ہوئے۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا **امجد علی** اعظمی قدس سرہ نے "عبد الحفیظ" نام تجویز فرمایا اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا **مصطفیٰ رضا خاں** علیہ الرحمۃ نے چار سال، چار ماہ، چار دن کی عمر میں "بسم اللہ" شریف پڑھائی۔

موصوف عصری علوم کے ساتھ دینی علوم سے بھی ہم آہنگ ہیں۔ ان کی تعلیم کا آغاز دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم سے ہوا۔ اس کے بعد بھوج پور میں جونیئر ہائی اسکول، شبلی کالج اعظم گڑھ سے ہائی اسکول و انٹر میڈیٹ اور مرادآباد ڈگری کالج سے بی۔ ایس۔ سی سال اول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کا رخ کیا اور گریجویشن کی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد انجینئرنگ کا کورس بھی کیا۔ انجینئرنگ کی تعلیم کے بعد چند ماہ ممبئی میں ملازمت سے وابستہ رہے۔ پھر حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے حدیث وفقہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ان کو دار العلوم اشرفیہ بلا لیا جہاں اجلہ علمائے کرام سے اکتساب علم وفیض کیا۔

آپ کو حضور مفتی اعظم ہند مولانا **مصطفیٰ رضا خاں**، برہان ملت حضرت مولانا **برہان الحق**، مجاہد ملت حضرت مولانا **حبیب الرحمٰن** عباسی اور خلیفۂ حافظ ملت حضرت حافظ و قاری **محمد حنیف** بلرام پوری علیہم الرحمہ سے اجازت و خلافت اور حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے۔

۱۹۷۶ء میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے رحلت فرمانے کے بعد عزیز ملت جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب کیے گئے۔ یہ حضور حافظ ملت کی علمی عظمتوں کے امین اور ان کے حقیقی جانشین ہیں۔ آپ نے جامعہ اشرفیہ میں زمام صدارت سنبھالنے کے بعد شش جہات میں اپنی قربانی، جہد مسلسل، سعی پیہم کی بدولت اس کے عروج وارتقا میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ہر شعبہ میں چار چاند لگا دیے۔ بقول ڈاکٹر شکیل اعظمی:

باغ اشرفیہ سجاتے ہیں عزیز ملت — اس کی زینت کو بڑھاتے ہیں عزیز ملت
باپ کا عزم دکھاتے ہیں عزیز ملت — مشکلیں سہل بناتے ہیں عزیز ملت
اے خدا ان کے عزائم کو تو کر اور بلند — ڈال دیں شان سے یہ اوج ثریا پہ کمند

عزیز ملت کے عہد صدارت کی خدمات کا جائزہ لینے کے لیے کافی صفحات درکار ہیں۔ تعمیراتی خدمات کا مصباح العلوم کے بام و در سے مشاہدہ کیا جاسکتا ہے جو آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہیں۔ تعلیمی میدان میں اختصاص فقہ، حدیث، ادب اور تقابل ادیان کے شعبہ جات، اشاعتی میدان میں مجلس برکات اور فقہی میدان میں مجلس شرعی جیسے عظیم علمی فقہی شعبہ جات آپ کی بہتر سربراہی کے مرہون منت ہیں۔ ان شعبوں کے ذریعے اہل سنت و جماعت کی جو خدمات انجام دی جارہی ہیں ان کی مثال نظر نہیں آتی۔ اور یہ سب عزیز ملت کے اخلاص وللٰہیت اور حسن تدبیر کا ثمرہ ہیں۔ حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے، اور مخالفت زیادہ ہوتی ہے تو کام کی مشین تیز کر دیتا ہوں" حضرت عزیز ملت کی زندگی اس کا عملی نمونہ ہے آپ نے مخالفتوں کے ہجوم میں بہت سے اہم کام کیے۔ انھیں میں سے ایک کام "مجلس فقہی" کا قیام اور "فتاوی جامعہ اشرفیہ" مبارک پور کی اشاعت کا خصوصی اہتمام بھی ہے۔ واضح ہو کہ ایک اندازے کے مطابق ان فتاوی کا مجموعہ تیس یا کچھ کم و بیش جلدوں پر مشتمل ہے، خدائے پاک حضرت عزیز ملت کا سایۂ عاطفت دراز سے دراز فرمائے اور جامعہ اشرفیہ کا یہ چمن ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔

مجلس فقہی کے ارکان:

(۱) عزیز ملت حضرت علامہ شاہ **عبدالحفیظ** صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ (سرپرست)

(۲) حضرت علامہ **محمد احمد** مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ (صدر)

(۳) حضرت مفتی **محمد نظام الدین** رضوی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ (ناظم)

(۴) جناب مفتی **بدر عالم** مصباحی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ (رکن)
(۵) جناب مفتی **محمد نسیم** مصباحی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ (رکن)
(۶) جناب مفتی **زاہد علی سلامی** استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ (رکن)

اور اس سلسلے میں تعاون کے لیے حسب ذیل حضرات کا انتخاب عمل میں آیا:

(۱) جناب مولانا **محمود علی مشاہدی** استاذ جامعہ اشرفیہ
(۲) جناب مولانا **محمد صادق** مصباحی استاذ و مفتی دار العلوم اہل سنت سعید العلوم کچھمی پور، مہراج گنج
(۳) جناب مولانا **محمد جنید** مصباحی جامعہ اشرفیہ

ترتیب و تحقیق:

پیش نظر مجموعۂ فتاوی کی ترتیب و تحقیق کا فریضہ محبِ گرامی حضرت مولانا مفتی **محمود علی مشاہدی** مصباحی استاذ و مفتی دار العلوم اشرفیہ نے ادا کیا ہے، قابل غور مقامات کی تحقیق راقم الحروف نے کی ہے اور آخری بار تصحیح و نظر ثانی حضرت صدر العلماء صدر مجلس فقہی نے فرمائی ہے۔ خدائے پاک ہمیشہ ہم سب کو یہ توفیق خیر بخشے اور صحت و سلامتی کے ساتھ شاد و آباد رکھے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم.

مولانا محمود علی مشاہدی:

موصوف ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو اِٹوا، ضلع سدھارتھ نگر کے موضع ڈوکم آمیا میں جناب **مقصود علی** بن **رحمت علی** بن **عنایت علی** کے گھر پیدا ہوئے اور مدرسہ حشمت العلوم، ڈوکم آمیا اور مدرسہ امداد العلوم، مٹھنا میں درجۂ خامسہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اشرفیہ میں داخل ہوئے، نصاب تعلیم میں فرق کی وجہ سے جامعہ کے درجۂ خامسہ سے تعلیم شروع کی اور ۲۰۰۳ء میں فراغت کے بعد بھی تشنگیِ علم برقرار رہی، اس لیے مزید، دو سال یہاں رہ کر درجۂ تحقیقِ فقہ کا نصاب بھی مکمل پڑھا اور فتویٰ نویسی کی اچھی مشق کی، اس تحقیق اور مشق نے مولانا موصوف کی خوابیدہ صلاحیتوں کو خوب خوب نکھارا اور اب وہ ایک اچھے مفتی، مدرس، مقالہ نگار اور مصنف ہیں۔

ترتیب کا کام تو بورڈ کی تشکیل کے بعد ہی شروع کر دیا گیا تھا مگر کچھ موانع کی وجہ سے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے تاخیر ہوئی۔ میں نے یہ کام عزیز ملت دام ظلہ العالی کے حکم پر خالص رضاے الٰہی کے لیے اپنی سعادت سمجھ کر قبول کیا تھا مگر شروع سے ہی حوصلہ شکن حالات سامنے آتے رہے اور میں منزل کے قریب پہنچ کر بھی منزل سے دور رہا، سچ یہ ہے:

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

یہ کام میرا نہیں تھا، جامعہ کا تھا اور وہ بھی ہم سب کے محسن حضور حافظ ملت اور حضرت شارح بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ کا تھا۔ خدا سب کو اخلاص کی دولت بے پایاں سے نوازے اور مجھے استقامت بخشے۔

سب سے پہلے ہم نے "**فتاویٰ حافظ ملت**" کی تحقیق کا کام محب محترم جناب مولانا **محمد جنید** مصباحی، استاذ دار العلوم اشرفیہ کو ہمراہ لے کر شروع کیا، تحقیق مکمل ہوگئی تو اس کے مرتب حضرت مولانا **مبارک حسین** مصباحی مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ کو وعدے کے مطابق اشاعت کے لیے سپرد کر دیا۔ اس مجموعہ کا نام "**فتاوی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور**" جلد اول ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا موصوف دار العلوم اشرفیہ کے استاذ، کہنہ مشق قلم کار، اور خطیب و ادیب ہیں، تحقیق کا ذوق بھی اچھا ہے، بہت سی کتابوں کے مصنف اور تلخیص نگار ہیں۔ حافظ ملت اور کئی اساتذۂ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاوی کو رجسٹر سے نقل کر کے تحقیق و تخریج کے بعد ماہنامہ اشرفیہ میں "فتاویٰ حافظ ملت" کے عنوان سے شائع فرما چکے ہیں۔

موصوف نے "فتاویٰ حافظ ملت" میں دار العلوم اشرفیہ کے کچھ بڑے اساتذہ کے ایسے فتاوی بھی شامل کیے ہیں جو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مصدقہ ہیں، یہ مولانا موصوف کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس کے لیے وہ ملت کی طرف سے شکریہ کے حق دار ہیں۔

اب یہ جلد بھی الحمد للہ اشاعت پذیر ہو چکی ہے۔

اس کے بعد ہم نے فتاوی جامعہ کی جلد پنجم کا کام شروع کیا جو تقریباً پانچ سال پہلے شائع ہو کر مقبول

خاص وعام ہو چکی ہے۔ اور اب جلد ہفتم آپ کے پیش نظر ہے اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ خدا کرے جامعہ نے جو ذمہ داری اس ناچیز کو سونپی ہے وہ جلد از جلد تکمیل آشنا ہو۔

واللہ المستعان و علیه التکلان و هو حسبي و نعم الوکیل.

ہدیہ تشکر:

ترتیب فتاوی اور کار اشاعت میں جن احباب اور کرم فرماؤں نے کسی بھی حیثیت سے تعاون کیا ہے مجلس ان سب کی شکر گزار ہے خدا سب کو جزائے خیر دے۔ **آمین بجاہ حبیبك النبی الکریم علیه وعلی أله وأصحابه وأزواجه الصلاۃ والتسلیم.**

محمد نظام الدین الرضوی

(محمد نظام الدین رضوی)

ناظم مجلس فقہی

وشیخ الحدیث وصدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

۲۲؍ ربیع الآخر ۱۴۴۴ھ

۱۸؍ نومبر ۲۰۲۲، بروز جمعہ

اجمالی فہرست

كتابُ الزَّكاة

(فتاوی کی تعداد: ۲۸۷)

ابواب	فتاوی کی تعداد
الباب الأول في تفسير الزكاة	٥٢
الباب الثاني في زكاة السوائم	٠٤
الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة	٣٧
الباب الرابع في زكاة الزروع والثمار	٢٣
الباب الخامس في المصارف	١٣٨
الباب السادس في صدقة الفطر	١٥
الباب السابع في صدقة النفل	١٨
میزان	٢٨٧

الباب الأول
في تفسيرها وصفتها وشرائطها

زکات واجب ہونے کی شرطوں کا بیان

ارکان اسلام میں نماز کے بعد دوسرا اہم رکن زکات ہے۔ لغوی اعتبار سے زکات کا لفظ دو معنوں کا حامل ہے، اس کے ایک معنی پاکیزگی، طہارت اور پاک صاف ہونے یا کرنے کے ہیں اور دوسرے معنی نشوونما اور بالیدگی کے ہیں جس میں کسی چیز کے بڑھنے، پھلنے پھولنے اور فروغ پانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

زکات فرض ہے اس کا منکر کافر، اور نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق اور ادا میں تاخیر کرنے والا گنہگار مردود الشہادہ ہے۔ (بہار شریعت، حصہ پنجم، ص:۸۷۴، زکات کا بیان، مطبوعہ دعوت اسلامی)

زکات کی تعریف: زکات شریعت کی جانب سے مقرر کردہ اس مال کو کہتے ہیں جس سے اپنا نفع ہر طرح سے ختم کرنے کے بعد رضائے الٰہی عَزَّوَجَلَّ کے لیے کسی ایسے مسلمان فقیر کی ملکیت میں دے دیا جائے جو نہ تو خود ہاشمی ہو اور نہ ہی کسی ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہو۔ (در مختار)

زکاۃ واجب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں:

(۱)۔مسلمان ہونا۔

کافر پر زکاۃ واجب نہیں یعنی اگر کوئی کافر مسلمان ہوا تو اُسے یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ زمانہ کفر کی زکاۃ ادا کرے۔ (عامہ کتب) معاذ اللہ کوئی مرتد ہو گیا تو زمانہ اسلام میں جو زکاۃ نہیں دی تھی ساقط ہو گئی۔ (فتاوی ہندیہ)

(۲)۔بلوغ۔

(۳)۔عقل، نابالغ پر زکاۃ واجب نہیں اور جنون اگر پورے سال کو گھیر لے تو زکاۃ واجب نہیں اور اگر سال کے اوّل آخر میں افاقہ ہوتا ہے، اگرچہ باقی زمانہ جنون میں گذرتا ہے تو واجب ہے، اور جنون اگر اصلی ہو یعنی جنون ہی کی حالت میں بلوغ ہوا تو اس کا سال ہوش آنے سے شروع ہوگا۔ یوہیں اگر عارضی ہے مگر پورے سال کو گھیر لیا تو جب افاقہ ہوگا اس وقت سے سال کی ابتدا ہوگی۔ (جوہرہ، فتاوی ہندیہ، ردالمحتار)

(۴)-آزاد ہونا۔

غلام پر زکاۃ واجب نہیں، اگرچہ ماذون ہو (یعنی اس کے مالک نے تجارت کی اجازت دی ہو) یا مکاتب یاام ولد یا مُستسعیٰ (یعنی غلام مشترک جس کو ایک شریک نے آزاد کر دیا اور چونکہ وہ مالدار نہیں ہے، اس وجہ سے باقی شریکوں کے حصے کما کر پورے کرنے کا اُسے حکم دیا گیا)۔(فتاوی ہندیہ وغیرہ)

(۵)-مال بقدر نصاب اُس کی مِلک میں ہونا، اگر نصاب سے کم ہے تو زکاۃ واجب نہ ہوئی۔ (تنویر، فتاوی ہندیہ)

(۶)-پورے طور پر اُس کا مالک ہو یعنی اس پر قابض بھی ہو۔

(۷)-نصاب کا دَین سے فارغ ہونا۔

(۸)-نصاب حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو۔

(۹)-مال نامی ہونا یعنی بڑھنے والا خواہ حقیقۃً بڑھے یا حکماً یعنی اگر بڑھانا چاہے تو بڑھائے یعنی اُس کے یا اُس کے نائب کے قبضہ میں ہو، ہر ایک کی دو صورتیں ہیں وہ اسی لیے پیدا ہی کیا گیا ہو اسے خلقی کہتے ہیں، جیسے سونا چاندی کہ یہ اسی لیے پیدا ہوئے کہ ان سے چیزیں خریدی جائیں یا اس لیے مخلوق تو نہیں، مگر اس سے یہ بھی حاصل ہوتا ہے، اسے فعلی کہتے ہیں۔ سونے چاندی کے علاوہ سب چیزیں فعلی ہیں کہ تجارت سے سب میں نُمو ہوگا۔ سونے چاندی میں مطلقاً زکاۃ واجب ہے، جب کہ بقدر نصاب ہوں اگرچہ دفن کر کے رکھے ہوں، تجارت کرے یا نہ کرے اور ان کے علاوہ باقی چیزوں پر زکاۃ اس وقت واجب ہے کہ تجارت کی نیت ہو یا چرائی پر چھوٹے جانور وبس، خلاصہ یہ کہ زکاۃ تین قسم کے مال پر ہے۔

(۱) ثمن یعنی سونا چاندی۔

(۲) مال تجارت۔

(۳) سائمہ یعنی چرائی پر چھوٹے جانور۔ (عامہ کتب)

(۱۰)-سال گزرنا، سال سے مراد قمری سال ہے یعنی چاند کے مہینوں سے بارہ مہینے۔ شروع سال اور آخر سال میں نصاب کامل ہے، مگر درمیان میں نصاب کی کمی ہوگئی تو یہ کمی کچھ اثر نہیں رکھتی یعنی زکاۃ واجب ہے۔ (فتاوی ہندیہ) (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ پنجم، زکات کا بیان) (مرتب غفرلہ)

[۱] زکات نکالنے کا آسان طریقہ

مسئلہ- زکات نکالنے کا آسان طریقہ کیا ہے؟ تجارتی مال کی قیمت اور عورتوں کے زیورات کی قیمت جوڑ کر جتنا روپیہ ہو ان روپیوں کی زکات نکالی جائے، یا تجارتی مال کا الگ اور عورتوں کے زیورات کی زکات الگ نکالی جائے؟

محمد سلیمان قادری، نیشنل میڈیکل ہال، رتسڑ، بلیا، یوپی

۳ر ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ

الجواب

بہتر یہی ہے کہ مال تجارت کی قیمت اور زیورات کی قیمت اکٹھا جوڑ کر ان کو چالیس پر تقسیم کر دیا جائے، حاصل قسمت مقدارِ زکات ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۲] پونجی اور نفع کے مجموعہ پر زکات واجب ہے

مسئلہ- زکات ادا کرنے کے بعد رقم کو بینک میں جمع کر دیا، یا دکان میں لگا دیا۔ اب آیندہ سال صرف اس رقم کے منافع پر زکات واجب ہوگی یا اصل رقم پر بھی واجب ہوگی؟

زکات کی ادائگی کے بعد بچی ہوئی رقم سے زمین خریدی تو آیندہ سال اس زمین کی صرف پیداوار میں زکات واجب ہوگی، یا زمین میں بھی واجب ہوگی؟

فضل امام، جامع مسجد لکھنورہ، پوسٹ کشن پورہ، سیوان، بہار

۲۸ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ

الجواب

زکات پونجی اور نفع دونوں کے مجموعہ پر واجب ہوگی۔ زمین پر زکات نہیں اس کی پیداوار میں عشر ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۳] سال پورا ہونے سے پہلے زکات نکالنے کا حکم

مسئلہ- کسی کے پاس اتنا مال آیا کہ وہ صاحب نصاب ہوگیا، مال پر سال پورا ہونے سے پہلے اگر وہ زکات نکال دے تو زکات ادا ہو جائے گی، یا نہیں؟

عبد الرزاق، آزاد نگر، اورئی، جالون، یوپی

۴؍ شعبان ۱۴۱۱ھ

الجواب

ادا ہو جائے گی۔ [فتاوی ہندیہ میں ہے: ويجوز تعجيل الزكاة بعد ملك النصاب، ولا يجوز قبله، كذا في الخلاصة.] (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

[۴] نصاب پر سال پورا ہوتے ہی زکات ادا کرنا واجب ہے

مسئلہ- اگر ہر سال جنوری، یا فروری کے ماہ میں اپنے مال کا حساب کر لیا جائے اور اس کی زکات رمضان المبارک میں ادا کی جائے تو کیا کوئی حرج ہے؟

محمد یسین اشرفی، محلہ پورہ صوفی، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

حساب کرنے کے وقت کا اعتبار نہیں، نصاب پر جب سال پورا ہو جائے فوراً زکات ادا کرنا واجب ہے، ادا کرنے میں دیر کرنا گناہ ہے مثلا: ایک شخص پہلی محرم کو مالک نصاب ہوا تو سال گزرنے پر پہلی ہی محرم کو اس پر واجب ہے کہ زکات ادا کرے، ذرا بھی دیر نہ کرے ورنہ گناہ گار ہوگا۔

یہ جو مال داروں نے نکال رکھا ہے کہ صرف رمضان ہی میں زکات دیتے ہیں دوسرے مہینوں میں نہیں دیتے خلاف شریعت ہے، ان میں سے جن لوگوں کے نصاب پر رمضان سے پہلے سال تمام ہوا وہ لوگ

---

(۱)- الفتاوى الهندية، ج:۱، ص: ۱۹۴، كتاب الزكاة/ الباب الأول، دار الكتب العلمية، بيروت.

اس وقت زکات نہ ادا کر کے رمضان کا انتظار کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ اس لیے لازم ہے کہ ہر شخص یاد رکھے کہ وہ کس وقت مالک نصاب ہوا تھا۔ سال پورا ہونے پر اسی وقت حساب کر کے زکات نکال دے، اور اگر کسی کو یہ یاد نہ ہو کہ وہ کس تاریخ، کس مہینے میں مالک نصاب ہوا تھا تو وہ سوچے اور غور کرے، یاد کرنے کی کوشش کرے جس تاریخ پر دل جمے اسی کو معین کر لے۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

[۵] فرض ہونے کے باوجود زکات نہ دینے والے عالم کی سزا

مسئلہ- مال دار ہونے کے باوجود عالم زکات نہ دے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا مال دار سید پر زکات کی ادائگی ضروری ہے؟

محمد حنیف رضا، دار العلوم رضاء المصطفیٰ، ٹیپو سلطان نگر، کرناٹک

۱۷ر صفر ۱۴۱۳ھ

---

(۱)- جنوری، فروری کا اعتبار نہیں، اعتبار عربی مہینوں کا ہوگا۔ عربی مہینے کی جس تاریخ، گھنٹہ، منٹ پر مالک نصاب ہوا، سال پورا ہونے پر اسی مہینے کا وہی گھنٹہ، منٹ اس کے لیے زکات کا سال ہے۔ عربی مہینے کی اسی تاریخ، گھنٹہ، منٹ پر زکات ادا کرنا واجب ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: تجب على الفور عند تمام الحول حتى يأثم بتأخيره من غير عذر. [ج: ١، ص: ١٨٨، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، درا الكتب العلمية، بيروت]

اسی میں ہے: العبرة في الزكاة للحول القمري، كذا في القنية، [ج:۱، ص:۱۹۳، كتاب الزكاة، الباب الأول]۔

در مختار میں ہے: وحولها أي الزكاة قمري بحر عن القنية، لا شمسي، وسيجيء الفرق في العنين.

اس کے تحت رد المحتار میں ہے: قوله: وسيجيء الفرق في العنين : عبارته مع المتن: وأجل سنة قمرية بالأهلة على المذهب وهي ثلاث مائة وأربع وخمسون وبعض يوم، وقيل: شمسية بالأيام وهي أزيد بأحد عشر يوما اه. ثم إن هذا إنما يظهر إذا كان الملك في ابتداء الأهلة، فلو ملكه في أثناء الشهر، قيل: يعتبر بالأيام، وقيل يكمل الأول من الأخير، و يعتبر ما بينهما بالأهلة ينظر ما قالوه في العدة ط [رد المحتار المطبوع مع الدر المختار، ج:٣، ص:٢٢٣، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، قبيل زكاة المال، دار الكتب العلمية] والله تعالى أعلم. (مرتب غفرلہ)

الجواب

عالم مالک نصاب ہو اور اس پر زکات فرض ہو اس کے باوجود وہ زکات نہ دے تو اس کی بھی وہی سزا ہے جو عوام کی ہے، اسی طرح سید اگر اتنا مال دار ہو کہ اس پر زکات فرض ہو تو اس پر بھی زکات فرض ہے، نہیں دیتا ہے تو گناہ گار ہے۔

البتہ سید کو زکات لینا جائز نہیں، سید کو دینے سے زکات ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

[۶] زکات صرف مال نامی پر ہے

مسئلہ- ایک شخص تجارت کرتا ہے، رہنے کے لیے مکان ہے، اور دکان کرنے کے لیے بھی تین کمرے ہیں، ایک کمرہ میں تجارت کرتا ہے دو کو بھاڑے پر دے دیا ہے۔ تو کیا ان دونوں کمروں کی مالیت لگا کر اس مالیت پر زکات نکالے، یا جو ان دونوں کمروں سے کرایہ ملتا ہے صرف اس رقم کی زکات نکالے؟

محمد سلیمان قادری، نیشنل میڈیکل ہال، رتسڑ، بلیا، یوپی

۳/ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ

الجواب

کرایے کے مکانوں پر زکات نہیں یعنی اگر مکان یا دکان کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس مکان، یا دکان کی وجہ سے زکات واجب نہ ہوگی، زکات صرف مال نامی پر ہے اور مال نامی تین ہیں: سوائم، نقدین (سونا، چاندی) مال تجارت۔ (در مختار ورد المحتار)

ہاں اگر کرایہ کی رقم اتنی جمع ہو جائے جو بقدر نصاب ہو یا دوسرے روپے کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر بھی زکات واجب ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

[۷] زکات کی ادائگی کے وقت نیت ضروری ہے

مسئلہ زید اگر کسی غریب کو روپیہ اس نیت سے دے دے کہ بعد میں فیصلہ کروں گا کہ یہ دیا ہوا روپیہ بمد زکات رہے گا، یا خیرات، اور بعد میں اس کا فیصلہ کرے کہ دیا ہوا روپیہ بمد زکات رہے گا، ایسا کرنا

درست ہوگا یا نہیں؟

محمد یسین اشرفی، محلہ پورہ صوفی، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

۲۲ر محرم ۱۴۱۲ھ

الجواب

اس صورت میں زکات ادا نہ ہوگی[1] زکات کی ادائگی صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مستحق زکات کو دیتے وقت زکات کی نیت ہو، یا اپنے مجموعی مال سے جب روپیہ علاحدہ کرے اس وقت یہ نیت کرلے کہ یہ اتنا

---

(۱)- حضور شارح بخاری -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- نے اس فتوی میں صرف ایک صورت کا حکم تحریر فرمایا ہے، اور وہ یہ ہے کہ زید نے جو مال غریب کو دیا ہے وہ بعینہ فقیر کی ملکیت میں باقی نہ ہو یعنی خرچ ہو چکا ہو، ممکن ہے کہ آپ نے سائل سے بیان لے کر اس کی تحقیق کرلی ہو؛ اس لیے صرف اسی ایک صورت کا حکم ذکر کیا۔

ہم اپنے دینی بھائیوں کی معلومات کے لیے اس مسئلے کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ زید نے جو مال غریب کو دیا ہے اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) زید کو معلوم ہے کہ وہ مال بعینہ اس غریب کے پاس موجود ہے۔

(۲) وہ مال اس غریب کے پاس سے ہلاک ہو گیا، یا اس نے اسے خرچ کرلیا اور اپنے استعمال میں لے آیا۔

(۳) کچھ بھی علم نہیں کہ وہ مال اس غریب کے پاس بعینہ موجود ہے یا ہلاک ہو گیا ہے۔

دوسری صورت کا حکم وہی ہے جو شارح بخاری -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- نے تحریر فرمایا ہے کہ اس صورت میں زکات ادا نہ ہوگی۔

اور پہلی صورت میں حکم یہ ہے کہ زکات ادا ہو جائے گی، فقہاے کرام کی عبارت "إذا دفع إلى الفقير بلا نية ثم نواه عن الزكاة فإن كان المال قائما في يد الفقير جاز". کا مطلب یہی ہے۔

تیسری صورت جب کچھ معلوم نہ ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ دوبارہ زکات ادا کرے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: وأما شرط أدائها فنية مقارنة للأداء، أو لعزل ما وجب، هكذا في الكنز ... ولو قال: ما تصدقت إلى آخر السنة فقد نويت عن الزكاة لم يجز، كذا فى السراجية... وإذا دفع إلى الفقير بلا نية ثم نواه عن الزكاة فإن كان المال قائما في يد الفقير جاز وإلا فلا، كذا فى معراج الدراية، والزاهدي، والبحر الرائق، والعينى وشرح الهداية. [ج:۱، ص: ۱۸۸، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، دار الكتب العلمية، بيروت]

تنویر الابصار میں ہے: (وشرط صحة أدائها نية مقارنة) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم في يد الفقير. [ج:۳، ص:۱۸۷، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیۃ]

روپیہ زکات کا ہے۔ مثلا: کسی کے پاس دس ہزار روپے ہیں اس میں سے ڈھائی سو روپے الگ کیا کہ یہ زکات کے ہیں اب ان ڈھائی سو روپیوں کو کسی کو دیتے وقت زکات کی نیت کی حاجت نہیں علاحدہ کرنے کے وقت جو نیت کی تھی وہ کافی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۸] زکات ادا کرنا فرض ہے

مسئلہ- ایک صاحب نصاب شخص زید ہے، جس کو گورنمنٹ کی جانب سے انکم ٹیکس دینا پڑتا ہے، نہ دینے کی صورت میں وہ سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری جانب شریعت مطہرہ میں زکات، وعشر فرض عین ہیں نہ دینے کی صورت میں قابل عتاب ہے۔ ان دونوں صورت میں کس کو واجب الادا سمجھا جائے گا، اور کس کو ساقط کیا جائے گا، یا پھر دونوں ادا کرنا پڑے گا؟

محمد ارشد امام، مقام و پوسٹ براھبنے، ضلع رانچی، بہار

الجواب

زکات، صدقۂ فطر، عشر ادا کرنا فرض اور واجب ہے۔ انکم ٹیکس، یا حکومت کے کسی ٹیکس کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہو سکتا جس پر یہ چیزیں واجب ہوں انھیں بہر حال ادا کرنا واجب ہے، نہیں ادا کرے گا گناہ گار ہوگا۔ واجب اس کے ذمہ رہ جائے گا۔ رہ گیا انکم ٹیکس اس کو وہ جانے اور حکومت جانے [۱]۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱)- اس کا حاصل یہ ہے کہ انکم ٹیکس کی وجہ سے زکات معاف نہ ہوگی۔

ہاں! انکم ٹیکس کا مطالبہ حکومت کی طرف سے ہوتا ہے، جس سے بچنا دشوار ہے تو اسے بدرجہ دین شمار کر کے زکات والے مال کے مجموعہ سے کم کر دیں گے جو باقی بچے گا اس پر زکات فرض ہوگی، مثلاً کسی کے پاس مجموعی مال زکات ایک لاکھ بیس ہزار روپے ہے مگر اس پر بیس ہزار روپے انکم ٹیکس کے بھی عائد ہوتے ہیں تو ٹیکس کی یہ مقدار مجموعی مال سے کم کر کے صرف ایک لاکھ روپے کی زکات "ڈھائی ہزار روپے" فرض ہوگی۔

عشر پوری پیداوار پر واجب ہوتا ہے اس لیے انکم ٹیکس کی وجہ سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، رہ گیا صدقۂ فطر کا نصاب تو اس کا حال مال زکات کی طرح ہے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

[۹] بغیر نیت کے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- زید کی بیوی خالدہ اپنے میکے سے اتنا زیور لائی- جو اس کے والدین نے دیا تھا- جس کی قیمت نصاب تک پہنچ جاتی ہے۔ خالدہ کے سسرال والوں نے بھی اس کو نصاب کی قیمت سے زیادہ ہی کے زیورات دیے ہیں- اب سوال یہ ہے کہ خالدہ خود ہی اپنے میکے اور سسرال والوں کے زیورات کی زکات ادا کرے، یا صرف اپنے میکے کے، یا اس کا شوہر ہی دونوں کی زکات ادا کرے۔ زیورات کا مالک کون ہوگا؟

غریق الہدی، محلہ باغ، پوسٹ ادری، ضلع مئو

الجواب

خالدہ کو جو زیورات اس کے میکے سے ملے ہیں وہ (اس کی) مالک ہے اس کی زکات صرف خالدہ پر فرض ہے خالدہ خود ادا کرے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خالدہ اپنے شوہر سے کہہ دے کہ وہ میری طرف سے ان زیورات کی زکات ادا کر دے اور شوہر ادا کر دے تو ادا ہو جائے گی۔ یا شوہر خود ادا کرے لیکن خالدہ کو بتا دے کہ تیرے اوپر جو زکات واجب ہے وہ میں ادا کر رہا ہوں تو بھی زکات ادا ہو جائے گی۔ لیکن اگر شوہر از خود ادا کرے نہ اس طرح کہ خالدہ اس سے کہے اور نہ یہ کہ خالدہ کو یہ بتائے کہ خالدہ ادائے زکات کی نیت کرے زکات ادا نہ ہوگی۔ زکات کی ادائگی کے لیے ضروری ہے کہ جس پر زکات واجب ہو وہ زکات کی نیت سے ادائگی کرے خواہ فقیروں کو دیتے وقت زکات کی نیت کرے، یا یہ کہ بقدر زکات مال علاحدہ کرتے وقت نیت کرے۔ دوسرے کے مال کی زکات فقیروں کو دینے سے زکات ادا نہ ہوگی جب تک کہ جس کی طرف سے زکات ادا کی جا رہی ہے وہ نیت نہ کرے۔ (۱)

اور جو زیور خالدہ کو اس کی سسرال والوں نے دیے ہیں اس کی دو صورت ہے اگر اس کے سسرال

---

(۱)- اس فتوے کی دلیل رد المحتار کا یہ جزئیہ ہے:

لو أدى زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز لم يجز لأنها وجدت نفاذًا على المتصدق ؛ لأنها ملكه ولم يصر نائبا عن غير فنفذت عليه.[ج:۳،ص: ۱۸۸، كتاب الزكاة، مطلب: في زكاة المبيع وفاء، دار الكتب العلمية، بيروت]

آج کل کا عرف یہ ہے کہ بیوی اپنے امور دینی و دنیوی کی ذمہ داری عملی طور پر شوہر کو دے دیتی ہے اور وہ اس کے جملہ امور انجام دیتا ہے، اس حیثیت سے شوہر اپنی بیوی کا وکیل ہوتا ہے، جہاں یا جس گھر کا یہ عرف ہو وہاں، شوہر کے ادا کرنے سے بھی بیوی کی زکات ادا ہو جائے گی کہ بیوی کی طرف سے شوہر کو عرفاً اجازت ہوتی ہے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

والوں نے خالدہ کو ان زیورات کا مالک بنا دیا ہے، صرف پہننے کے لیے نہیں دیا ہے تو ان زیورات کی زکات بھی خالدہ ہی پر واجب ہے اور اگر صرف پہننے کے لیے دیے ہیں مالک نہیں بنایا ہے تو اس کی زکات خالدہ پر نہیں، جو لوگ مالک ہیں ان پر ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۰] اپنا حق زکات کی نیت سے چھوڑ دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- کسی مدرس نے کسی مدرسے میں ملازمت کی اور اس مدرسہ میں اس کی کچھ تنخواہ باقی رہ گئی ہے طلب کرنے پر کمیٹی کے لوگ ٹال مٹول کرتے ہیں یعنی دینے کی نیت نہیں ہے۔ مدرس نے ناامید ہو کر باقی رقم کو اس مدرسہ میں زکات وفطرہ کی نیت سے چھوڑ دیا، اس صورت میں اس پر زکات وفطرہ جو واجب تھا وہ ادا ہوا یا نہیں؟

معین الدین پلاموی

الجواب

اس (صورت) میں نہ زکات ادا ہوگی نہ فطرہ۔ در مختار میں ہے:

و أداء الدين عن العين و عن دين سيقبض لا يجوز (۲).

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

كجعله ما في ذمة مديونه زكاة لماله الحاضر (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۱] مال زکات الگ کرنے کے بعد اگر ہلاک ہو جائے تو زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے متعلق کہ: زید، بکر، خالد تینوں حقیقی بھائی ہیں۔ انھوں نے اپنے بھائی بکر کو زکات کی رقم ادا کی نیت سے دیا، بکر ادا کرنے بس سے جا رہے تھے کہ بس

---

(۱)- آج کے عرف کے مطابق ایسے زیورات کا مالک اُس عورت کا خاوند ہوتا ہے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۲)- الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۱۹۰، ج:۳، كتاب الزكات، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۱۹۰، ج:۳، كتاب الزكات مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، دار الكتب العلمية، بيروت

اکسیڈنٹ کر گئی۔ بکر صاحب انتقال ہو گئے۔ زکات کی رقم معلوم نہیں کس نے لے لیا۔ زکات ادا ہوئی یا نہیں؟

محمد عبد اللہ، نیو مارکیٹ، ڈبرو گڑھ، آسام

۱۴؍ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ

الجواب

صورت مسئولہ میں زکات ادا نہ ہوئی، زید و خالد پر واجب ہے کہ دوبارہ زکات ادا کریں۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲] نابالغ پر زکات نہیں

مسئلہ- زکات کے متعلق وضاحت طلب بات یہ ہے کہ نابالغ بچوں کے نام خریدے گئے NSC پر جو رقم ان کی ملکیت دے دی گئی ہے اور جو چھ سال بعد واجب الاداء ہوگی کیا ان کے والدین پر زکات نکالنا واجب ہے یا نہیں؟

حاجی محمد شرافت اللہ صدیقی، صاحب گنج، دودا بازار، بڑگاؤں، گونڈہ، یوپی

۲۸؍ شعبان ۱۴۰۶ھ

الجواب

جب تک بچے نابالغ رہیں گے اس وقت تک ان کے نام خریدے ہوئے NSC پر زکات نہیں نہ ان بچوں پر نہ ان کے والدین پر۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- در مختار میں ہے: (وشرط أداءها نية مقارنة له ولو حكما، أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء.

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے:

فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة، ولو مات كانت ميراثا عنه. [ج:۳، ص: ۱۸۷ – ۱۸۹، كتاب الزكاة / مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، دار الكتب العلمية، بيروت.]

(۲)- تنویر الابصار میں ہے: وشرط افتراضها عقل وبلوغ وإسلام وحرية.

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

فلا تجب على مجنون وصبي، لأنها عبادة محضة، وليسا مخاطبين بها [ج: ۳، ص: ۱۷۳، كتاب الزكاة، مطلب في أحكام المعتوه، دار الكتب العلمية، بيروت.] (مرتب غفرلہ)

[۱۳] گھر کے جتنے افراد مالک نصاب ہیں اپنی اپنی زکات الگ الگ نکالیں

مسئلہ- زید اپنے پورے گھر والوں کے آمد و خرچ کا ذمہ دار ہے، سب کو اپنے اپنے خرچ کے لیے پیسہ خود دیتا ہے۔ مشترکہ مالیت اور جو زیورات زید کی بیوی تا حد نصاب اپنے باپ کے گھر سے جہیز میں لائی، یا زید کے لڑکوں کی بیویاں اپنے اپنے والد کے گھر سے جہیز میں جو زیورات حد نصاب لائی ہیں، زید سب کی زکات مشترکہ حساب کر کے نکالتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکات نکالنے کے اعتبار سے یہ ایک ہی نصاب ہے یا مختلف؟ اور اس کی قربانی میں ایک ہی جانور کرنا واجب ہے یا مختلف؟

جناب محمد شفیع القادری، بوسی کی گلی، پالی، راجستھان

الجواب

زید کے گھر کے جتنے افراد خود مالک نصاب ہیں اگر ان سب کی نیت زکات ادا کرنے کی ہے تو زکات ادا ہوگی ورنہ ادا نہ ہوگی، زید جو کچھ نکالتا ہے اگر یہ ان لوگوں کے علم میں ہے اور ان سب لوگوں نے اس ادائگی سے زکات ادا کرنے کی نیت کر لی تو زکات ادا ہوئی۔ اور اگر ایسا ہے کہ انھیں خبر بھی نہیں اور زید ادا کر دیتا ہے تو ان لوگوں کی زکات ادا نہ ہوئی۔ ان سب لوگوں پر اپنی اپنی ملکیت کی زکات واجب ہے، ان سب کا حساب الگ الگ لگایا جائے۔

قربانی بہر حال ہر مالک نصاب پر الگ الگ واجب ہے۔ مثلا آپ پر الگ واجب، آپ کی بیوی پر الگ واجب، آپ کی بہو پر الگ واجب۔ ایک قربانی سب کی طرف سے کافی نہ ہوگی۔ جس کے نام سے قربانی کی جائے گی صرف اس کا وجوب ساقط ہوگا۔ بقیہ کے ذمہ واجب رہے گا۔ اسے حکم ہے کہ ایام نحر گزرنے کے بعد جانور کی قیمت صدقہ کرے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۹ر شوال ۱۴۰۱ھ

[۱۴] چھپن روپے چاندی کا مالک "مالک نصاب" ہے

مسئلہ- آج رائج وقت کے حساب سے کتنے روپے نقد رہنے، یا کھیتی رہنے سے زکات واجب، یا

صاحب نصاب کہلائے گا؟

محمد مصطفیٰ، سہد پوا، پانڈے پورہ، پلاموں، بہار

الجواب

چھپن روپے چاندی کا جو مالک ہو وہ مالک نصاب ہے۔ موجودہ اعشاریہ وزن کے اعتبار سے چھپن روپے بھر کی چاندی ۱۸۴ء۶۵۳ر گرام ہوتی ہے اتنی چاندی ہو، یا اتنے نوٹ ہوں جو اتنے چاندی کی قیمت بن سکیں۔ کھیت تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں عشر واجب ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۲ر صفر ۱۴۰۷ھ

[۱۵] زکات واجب نہ ہونے کے لیے حیلہ کرنے کا حکم

مسئلہ—زید اپنے مال وزیورات کی زکات نکالنے سے بچنے کے لیے سال مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنی ساری ملکیت کا مالک اپنی بیوی کو بنا دیتا ہے، اور پھر دوسرا سال مکمل ہونے سے پہلے اس کی بیوی زید کو مالک بنا دیتی ہے۔ اس طرح کسی پر حولان حول نہیں ہوتا اور نہ زکات نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ زید مدارس دینیہ اور غربا و مساکین پہ خوب خرچ کرتا ہے مگر کہتا ہے کہ مال تجارت یا زیورات کے مکمل حساب کرنے کی پریشانیوں سے بچنے کے لیے نیز حساب میں غلطی کے امکان کے پیش نظر عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے ملکیت کی تبدیلی کرتا ہوں۔ کیا شریعت میں ایسا کرنے کی اجازت ہے؟

محمد ضمیر الدین، کیراف محمد نعمت حسین، امام ہاسٹل مسجد، کلکتہ، بنگال

الجواب

ایک حکم قضا کا ہے اور ایک حکم دیانت۔ حکم قضا ظاہر پر ہوتا ہے ہر شخص اپنی املاک کا مالک و مختار ہے وہ جب جسے چاہے اپنی بعض یا کل املاک ہبہ کر دے، شرعا اس سے ممانعت نہیں۔ زید اگر ایسا کرتا ہے اور وہ سال گزرنے سے پہلے اپنی ساری املاک اپنی بیوی کو اس طرح ہبہ کر دیتا ہے کہ اس پر سے اپنا قبضہ اٹھا کر بیوی کو قبضہ دے دیتا ہے تو واقعی اس کے اموال پر حولان حول نہیں ہوتا اور زکات اس پر واجب نہیں۔ مگر چوں کہ وہ ایسا زکات سے فرار کے لیے کرتا ہے اس لیے دیانۃً سخت معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔ زکات فرض ہے اور

اسلام کے ارکان میں سے ہے، اس کی ادائگی میں جو ثواب ہے وہ نفلی صدقات میں نہیں، اس سے فرار سخت معیوب، ناپسندیدہ۔ ایسے لوگوں کو اصحاب سبت کے قصے سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والتسلیم کی شریعت میں سنیچر کو شکار کرنا حرام تھا، کچھ یہودی دریائے اردن کے کنارے آباد تھے، من جانب اللہ آزمائش میں مبتلا کیے گئے کہ سنیچر کے دن مچھلیاں بکثرت ظاہر ہوتیں۔ پانی کی بالائی سطح پر تیرتی رہتیں اور دوسرے دونوں میں غائب ہوجاتیں۔ انھوں نے دریا کے کنارے ایک بڑا گڑھا کھود لیا جس کا تعلق دریا سے رکھا، جمعہ کی شام میں نالی کا راستہ کھول دیتے جس سے گڑھے میں پانی آتا جس کے نتیجے میں سنیچر کے دن مچھلیاں بکثرت گڑھے میں آجاتیں۔ یہ لوگ سنیچر کی شام کو اس نالی کا منھ بند کر دیتے اور پھر اتوار کو گڑھے سے مچھلیاں پکڑ لیتے۔ اس چالاکی پر وہ سب بندر بنا دیے گئے۔

یہ بہانہ کہ حساب کتاب دشوار ہے عذر لنگ ہے، لین دین کے لیے تو حساب میں کوئی دشواری نہیں اور اللہ کے لیے زکات دینے کے لیے بہانہ بازی؟ بہر حال چوں کہ حکم شریعت ظاہر پر ہے اس لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شخص تارک فرض ہے۔ اور نیت کا حال اللہ عز وجل جانتا ہے وہ اس کے مطابق اپنے بندوں کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷؍ ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

[۱۶] مال قرض کی زکات کس حساب سے ادا کی جائے

مسئلہ —زید نے ایک دکان کھولی اور اس نے بکر سے پچاس ہزار روپیہ کا مال لیا، اور صرف چالیس ہزار روپیہ بر وقت ادا کیا، اور سال کے آخر میں اس کی دکان میں بیس ہزار روپے کا مال موجود ہے اور تیس ہزار روپیہ لوگوں کے پاس ہے جنھوں نے مال لے کر ابھی پیسے نہیں دیے ہیں، اور ادھر زید پر بکر کا دس ہزار روپیہ قرض بھی ہے تو زید کس حساب سے زکات دے؟

محمد امین کشمیری، متعلم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۱۶؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ھ

الجواب

زید پر جو قرض ہے اس کو وضع کر کے جتنی مالیت کا سامان موجود ہو اس کی زکات فورا ادا کرے۔ [1] صورت مذکورہ میں دس ہزار کی زکات سال گزرنے پر فورا ادا کر دے، بقیہ جو لوگوں پر قرض ہے اگر اس کے وصول ہونے کی امید قوی ہے تو ان کی بھی زکات واجب ہے، خواہ ابھی ادا کرے خواہ قرض وصول ہونے کے بعد۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۷، ۱۸] جمع رقم وصول کرنے کے بعد گزشتہ دنوں کی زکات ادا کرنا ضروری ہے

مسئلہ - ① - زید سروس سے ریٹائرڈ ہو چکا ہے، اس کے پاس تین لاکھ روپے تھے جسے اس نے بینک میں تین سال کے لیے جمع (فکس) کر دیا ہے۔ اس جمع شدہ رقم سے ہر ماہ تین ہزار روپے حاصل کر کے اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ اس کو ہر ماہ جو فائدہ ملتا ہے اسے بچا نہیں سکتا۔ اور اصل رقم تین سال پورا ہونے پر ہی توڑ سکتا ہے اگر کسی خاص ضرورت کے تحت اس جمع شدہ رقم کو توڑتا ہے تو اس کو نقصان ہوگا اور فائدہ کم ملے گا جس سے اپنی ضرورت پوری نہیں کر پائے گا ایسی حالت میں اگر وہ مالک نصاب ہے تو زکات کس طرح ادا کرے گا؟

② - عمر نامی شخص کی ایک بہن ہے شادی شدہ اور عمر دراز ہے، اس کا شوہر کئی سال قبل دوسری شادی کر کے الگ رہتا ہے۔ اور پہلی بیوی کا خیال نہیں رکھتا ہے۔ یہ عورت اپنے رشتہ داروں کی مدد کی مستحق ہے، کیا اس کو فطرہ وزکات کی رقم بغیر ظاہر کیے ہوئے کہ زکات کی رقم ہے دے سکتا ہے؟ چوں کہ ایسا اندیشہ ہے کہ زکات بول

---

(۱)- فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأما شرط وجوبها ... ومنها الفراغ عن الدين : قال أصحابنا - رحمهم الله تعالى - : كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء كان الدين للعباد كالقرض وثمن المبيع وضمان المتلفات وأرش الجراحة ، وسواء كان الدين من النقود أو المكيل أو الموزون أو الثياب أو الحيوان وجب بخلع أو صلح عن دم عمد ، وهو حال أو مؤجل، أو لله تعالى كدين الزكاة. [ج:۱،ص: ۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها، دار الكتب العلمية، بيروت] (مرتب غفر له)

کردینے سے شاید وہ انکار کر دے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر قرآن وحدیث سے جواب مرحمت فرمائیں۔

امین الدین احمد، ہزاری باغ روڈ، برہی، ہزاری باغ، بہار

الجواب

❶ سال پورا ہونے پر اس کا جتنا نقد بچے اس کا چالیسواں حصہ ادا کر دے۔ مثلاً تین لاکھ اس کا جمع ہے اور سال پورا ہونے پر بھی یہ تین لاکھ رہے گا تو تین لاکھ کی زکات ساڑھے سات ہزار روپے ادا کرے۔ تین لاکھ روپے جمع کرنے پر ہر ماہ اس کو جو رقم ملی ہے اور خرچ ہو گئی اس پر زکات نہیں۔ البتہ چوں کہ تین سال پورا ہونے سے پہلے یہ رقم بینک سے نکال نہیں سکتا اس لیے سال اول اور دوم کی زکات ادا کرنا فوراً ضروری نہیں۔ جب روپیہ وصول کرے گا اس وقت گزشتہ دنوں کی بھی زکات فوراً ادا کرنا ضروری ہوگا جس میں اس پر بار پڑے گا، اس لیے وہ ہر سال کی زکات اسی سال میں نکال دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ اگر یہ عورت مالک نصاب نہیں تو اسے زکات اور صدقۂ فطر کی رقوم دینا جائز ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ اسے بتایا جائے کہ یہ زکات اور فطرہ کی رقم ہے۔ بہ نیت زکات دے دینا کافی ہے۔ مگر یہ تحقیق کر لیجیے کہ مالک نصاب نہیں اگر اس کے پاس اس کی ملکیت کے سونے چاندی کے زیورات اتنے ہوں کہ وہ مالک نصاب ہو جائے تو پھر اسے زکات اور فطرہ کی رقم دینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۹، ۲۰] حج کے لیے پیشگی جو روپے جمع کر دیے گئے اس کی زکات ساقط ہے

مسئلہ- ❶ حج کے لیے جو روپیہ حج کمیٹی، یا حج کمپنی کو رمضان سے پہلے دیا اور رمضان میں زکات دینا ہے تو اس رقم کی زکات دینا فرض ہے یا نہیں؟

❷ مکان بنانے کے لیے باپ نے بیٹے کو رقم دی کچھ مٹیریل خریدا، کچھ نقد باقی ہے کہ زکات کا سال پورا ہو گیا، اب اس باقی رقم کی زکات ادا کرنی ہوگی، یا پوری رقم خرچ میں شمار کی جائے گی؟

الحاج غلام مصطفیٰ خاں، روشن ساڑی سنٹر، غوری گنج، بنارس

الجواب

❶ حج کے لیے جو پیشگی رقم حج کمیٹی کے یہاں جمع کر دی گئی ظاہر یہی ہے کہ اس کی زکات ساقط ہے؛

کیوں کہ اب وہ اس کی ملک سے نکل گئی لیکن اگر خدانخواستہ روپیہ جمع کرنے والا حج کی روانگی سے پہلے فوت ہو جائے تو روپیہ اس کے وارثین کو واپس ملے گا اس صورت میں وارثین پر واجب ہے کہ ان روپیوں کی زکات ادا کر کے (جو باقی بچے اسے آپس میں) تقسیم کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ باپ نے مکان بنانے کے لیے بیٹے کو جو رقم دی اس طرح کہ بیٹے کو اس کا مطلق مالک بنا دیا کہ وہ جو چاہے کرے باپ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اگر چہ بہانہ یہ بنایا ہے کہ مکان بنانے کے لیے دیا ہے تو اب جو رقم سامان خریدنے سے بچی ہے اور اس پر سال پورا ہو گیا ہے اس کی زکات بیٹے پر واجب ہے جب کہ وہ مالک نصاب ہو، اور اگر باپ نے بیٹے کو اس رقم کا مالک نہیں بنایا ہے بلکہ صرف اس لیے دیا ہے کہ وہ مکان بنوائے حتی کہ اگر وہ اس رقم کو کہیں اور خرچ کرے تو باپ کو اعتراض ہو تو اس رقم کی زکات باپ پر واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱/ ذو قعدہ ۱۴۱۲ھ

[۲۱] بینک میں کسی کے نام روپے جمع کرنا حقیقۃً اسے ہبہ کرنا ہے

مسئلہ — زید نے اپنی ملکیت اپنے نابالغ بچوں کے نام جمع کرا دیا ہے اس طرح اب ان میں کوئی مالک نصاب نہ رہا حالاں کہ اگر رقم زید کے پاس رہتی تو وہ مالک نصاب تھا، کیا صرف بینک میں کسی کے نام رقم جمع کر دینے پر وہ شخص مالک سمجھا جائے گا؟ زید کے عمل سے کیا واقعی زکات معاف ہو جائے گی؟

محمد ضمیر الدین، کیر اف محمد نعمت حسین، امام ہاسٹل مسجد، کلکتہ، بنگال

۱۷/ ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

الجواب

بینک میں کسی کے نام روپیہ جمع کرنا حقیقت میں اسے ہبہ کرنا ہے۔ اب چوں کہ یہ اپنے نابالغ بچوں کے نام جمع کرتا ہے تو یہ ہبہ تام ہے۔ نابالغ بچوں کے نام جو کچھ رقم بینک میں جمع ہوئی وہ زید کی ملکیت سے نکل گئی اور اس کے مالک اس کے نابالغ بچے ہو گئے۔ اس لیے اب زید پر زکات فرض نہیں۔ اور اگر معاذ اللہ اس کی نیت اس سے زکات سے فرار ہو تو عند اللہ ضرور ماخوذ ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۲] زکات اس پر واجب ہے جو پورے نصاب کا مالک ہو

مسئلہ- بیان فرمائیں کہ زید اور عمرو دو بھائی صرف ایک ہی نصاب کے مالک ہیں تو کیا صدقۂ فطر اور قربانی دونوں پر واجب ہے؟ یا صرف ایک پر یا کسی پر نہیں؟

محمد تیسر الدین رضوی، مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس، یوپی

الجواب

جب زید و عمرو کے مابین مشترک ایک ہی نصاب ہے تو زکات، یا صدقۂ فطر، یا قربانی کسی پر واجب نہیں؛ اس لیے کہ یہ سب اس شخص پر واجب ہے جو پورے نصاب کا مالک ہو۔ الفتاوی الھندیۃ میں صدقۂ فطر کے بیان میں ہے: وھي واجبة علی الحر المسلم المالك لمقدار النصاب(۱)۔

اور صورت مسئولہ میں ان دونوں میں سے کوئی بھی مقدار نصاب کا مالک نہیں؛ اس لیے ان میں سے کسی پر نہ زکات واجب ہے نہ صدقۂ فطر اور نہ قربانی۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۳، ۲۴] فکس ڈیپازٹ کے روپے پر سال بہ سال زکات واجب ہے

مسئلہ- ❶ زکات کے بارے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ جو فیکس ڈیپازٹ ہے اس کی زکات ہوگی یا نہیں؟

❷ یا صرف چالو کھاتہ پر جو پیسہ ہے بینک میں صرف اسی کی زکات ہوگی۔ اوپر لکھے ہوئے مسئلہ پر غور کر کے قرآن و حدیث اور فقہ کے مطابق جواب سے فیض یاب کریں تاکہ لوگ اس کے مطابق عمل کریں۔

عبد الرشید قادری، نہونہ، روہتاس، بہار

الجواب

❶، ❷ فکس ڈیپازٹ میں جو روپیہ جمع کیا ہے اس پر سال بہ سال زکات واجب ہے اور چالو کھاتے پر بھی۔ واللہ تعالی اعلم

۱۰ر ذو قعدہ ۱۴۲۰ھ

---

(۱)- الفتاوی الھندیۃ، ص: ۲۱۰، ج: ۱، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

[۲۵] پی، ایف میں جمع شدہ رقم کی زکات

مسئلہ- پی، ایف میں جمع شدہ رقم کی زکات کس طرح ادا کی جائے جب وہ رقم ریٹائرمنٹ کے بعد ملے گی؟ ہر سال حساب لگا کر دیا جائے تو درست ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

سلطان پور

الجواب

آسانی اسی میں ہے کہ ان جمع شدہ رقوم کی سال بہ سال زکات ادا کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ر محرم ۱۴۲۱ھ

[۲۶] زرِ ضمانت پر زکات کا حکم

مسئلہ- کارخانہ کنٹراک پر چلانے کے لیے لیا، اور مالک کارخانہ کو پانچ ہزار بطور ضمانت دیا۔ اس زر ضمانت پر زکات واجب ہے یا نہیں؟ اس زر ضمانت کی حیثیت یہ ہے کہ کارخانہ میعاد مقرر تک ٹھیک سے چلایا تو واپس ملے گا ورنہ نقصان کا معاوضہ کاٹ کر باقی جو بچے گا واپس ملے گا۔

محمد مقبول احمد، مدرس جامعہ مدینۃ العلوم، خانقاہ قادری، کپولی شریف، گورول مظفر پور، بہار

۱۴ر صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

اس زرِ ضمانت پر بھی زکات ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۷] مقروض پر کب زکات واجب ہے اور کب نہیں

مسئلہ- چند مسائل پیش خدمت ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:

مقروض پر زکات، صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں اگر مقروض نے لاکھوں روپے قرض لیا بھی ہو اور

(۱)- تحقیق کے لیے دیکھیں "جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے" اور "مجلس شرعی کے فیصلے" جلد اول، مطبوعہ: مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

لاکھوں روپے بطور ادھار کسی کاروبار کے سلسلے میں دیے ہوں مگر ادھار کنندگان نے وہ رقم واپس نہ کی ہو؟ اگر ایسے شخص پر زکات یا صدقۂ فطر واجب نہیں، تو کیا جب تک وہ قرضہ سے سبکدوش نہ ہو اس کو صدقۂ فطر یا دیگر صدقات دیے جاسکتے ہیں؟ نیز ایسی صورت حال میں غلہ یا دیگر پیداوار پر عشر کے لیے کیا حکم ہے؟

کشمیر

۱۲ر جنوری ۲۰۰۰ء

الجواب

جو شخص خود مقروض ہے لیکن اس نے خود اپنا روپیہ دوسروں کو قرض دیا ہے تو اب دونوں کا حساب لگایا جائے اگر اس پر جو قرض ہے وہ دوسروں کو قرض دیے ہوئے روپیوں کے برابر یا زائد ہے تو اس پر زکات، صدقۂ فطر، قربانی کچھ نہیں، یہ مال زکات لے سکتا ہے۔ اور اگر اس کے اوپر جو قرض ہے وہ کم ہے اور جو روپے اس نے دوسروں کو دیے ہیں وہ زیادہ ہیں مگر قدر نصاب سے کم تو بھی اس پر زکات نہیں اور یہ زکات وفطرہ وغیرہ لے سکتا ہے۔ اور اگر جو روپے اس نے دوسروں کو قرض دیے ہیں وہ بقدر نصاب زائد ہیں تو اس پر زائد روپیوں کی زکات فرض ہے، اس پر صدقۂ فطر بھی واجب ہے اور قربانی بھی۔ مثلاً اس کے اوپر چالیس ہزار قرض ہیں اور اس نے جو لوگوں کو قرض دیا ہے وہ چالیس ہزار سے کم ہیں یا چالیس ہزار ہی ہیں، سو دوسو روپے زائد ہیں تو اس پر زکات واجب نہیں اور یہ زکات لے سکتا ہے لیکن اگر اس نے لوگوں کو جو قرض دیے ہیں وہ مثلاً پچاس ہزار ہیں تو اس پر دس ہزار کی زکات فرض ہے اور صدقۂ فطر و قربانی بھی واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر محرم ۱۴۲۱ھ

[۲۸] قرض ادا کرنے کے بعد مقدار نصاب بچے ہوئے مال کی زکات واجب ہے

مسئلہ- قرض لے کر دس ہزار نوٹ بنک میں جمع کیا ان پر زکات واجب ہے یا نہیں جب کہ زمین فروخت کر کے قرض ادا کر دیا۔

محمد مقبول احمد، مدرس جامعہ مدینۃ العلوم، خانقاہ قادری، کپولی شریف، گورول مظفر پور، بہار

۱۴؍ صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

جب قرض ادا ہو گئے تو بینک میں جمع کیے ہوئے روپیوں پر زکات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۹] نصاب کا دَین سے فارغ ہونا

مسئلہ— یورپ اور امریکہ میں سرمایہ دار طبقہ کے لوگ بینک سے قرض لیتے ہیں، جس کو یہاں کی زبان میں ''مورٹ گیج'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک شخص خود لاکھوں کا مالک ہے مگر اس نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے بینک سے ایک لاکھ کا قرض لیا جس کی ادائگی ایک مخصوص مدت دس سال، پندرہ سال، بیس سال، ۳۵؍ سال تک میں ہوتی ہے، اس قرض کو ماہانہ قسطوں میں ادا کیا جاتا ہے مثلاً پانچ سو ڈالر ماہانہ۔

سوال یہ ہے کہ اس کا ایک لاکھ کا بزنس ہے اور ایک ہی لاکھ کا قرض اور یہ قرض ایک لمبی مدت کو محیط کہ اگر مقررہ مدت سے قبل ادا کر کے گلو خلاصی کرنا چاہے تو بینک اس کو قبول نہ کرے گا، لا محالہ اس مدت تک اس کی ادائگی ہونی ہے، تو اب اس صورت میں زکات کیسے ادا ہوگی؟ اور اس کا طریقہ کیا ہوگا؟

یوں ہی شخص مذکور اپنی تجارت کے لیے تو قرض نہیں لیتا ہے مگر اپنا مکان خریدنے کے لیے اس نے قرض لیا، اور اس کی بھی شرح ادا مثل سابق ہے تو اس پر زکات کا کیا حکم ہے؟

نیز ایک شخص نے دس لاکھ ڈالر بینک سے قرض لیا اور نئی تجارت شروع کی اور اس کی آمدنی سات سو ڈالر ماہانہ ہے جب کہ قسط وار قرض کی ادائگی پانچ سو ڈالر ماہانہ ہو رہی ہے۔ اور یہ قرض مذکور بیس سال میں ادا کرنا ہے تو اس صورت میں اس پر زکات کس طرح عائد ہوگی اور شرح زکات کیا ہوگی؟ کیوں کہ ان مذکورہ صورتوں میں ایک طرح سے وہ مقروض ہے۔ بینوا توجروا

محمد قمر الحسن قادری، خطیب و امام مسجد النور، ہوسٹن، ٹیکس، امریکہ

۲۰؍ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

الجواب

تینوں قسم کے افراد پر اتنے سرمایہ کی زکات نہیں جتنا ان پر قرض ہے۔ مثلاً پہلی صورت میں ایک لاکھ

ڈالر قرض لیا تھا جس سے اس نے کاروبار شروع کیا۔ سال پورا ہونے پر اس نے قسط وار کچھ قرض بھی ادا کر دیا۔ مثلاً اس نے ماہانہ پانچ سو ڈالر ادا کیا تو بارہ مہینے میں چھ ہزار اس نے قرض ادا کر دیا، اب اس کے اوپر چورانوے ہزار قرض رہا، اپنے کل سرمایہ میں سے چورانوے ہزار منہا کر کے بقیہ تجارتی سرمایے اور پسماندہ رقوم کی زکات ادا کرے۔ مثلاً قرض لی ہوئی رقم کو ملا کر اس کا کاروبار دو لاکھ میں چل رہا ہے۔ سال تمام پر یہ شخص چورانوے ہزار منہا کر کے ایک لاکھ چھ ہزار کی زکات ادا کرے۔

علی هذا القیاس، دوسرے فریق بھی یہی کریں۔ تیسرا شخص سال پورا ہونے کے بعد بقدر قرض منہا کرنے کے بعد اگر مالک نصاب ہے تو جتنا مال ہے اس کے نصاب پر زکات دینا فرض ہوگا۔ اور اگر سال تمام پر بقدر قرض وضع کرنے کے بعد یہ شخص مالک نصاب نہیں رہتا تو اس پر زکات نہیں۔

مثلاً جب یہ فرض کیا گیا کہ وہ ماہانہ پانچ سو ڈالر قرض ادا کرتا رہا تو سال بھر میں چھ ہزار قرض ادا کیا اب اس پر نو لاکھ چورانوے ہزار قرض رہا، اس کا جتنا سرمایۂ تجارت ہو وہ اور پسماندہ رقوم اس میں سے نو لاکھ چورانوے ہزار وضع کرنے کے بعد اگر اتنا مال تجارت بچے، یا اتنا مال پسماندہ ہو جو بقدر نصاب ہو اور اس نصاب پر سال گزر چکا ہو تو اتنے کی زکات اس پر فرض ہے، اور اگر قرض کی مقدار وضع کرنے کے بعد نہ اتنا مال تجارت ہے جو بقدر نصاب ہو، اور نہ اتنا پسماندہ ہے جو بقدر نصاب ہو مگر دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو بھی اس کے اوپر اتنے مقدار کی زکات واجب ہے۔

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ، یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کی مقدار مال تجارت۔ آج کل ہمارے ہندوستان کے بھاو سے سونے کے نصاب کی قیمت زیادہ ہے اور چاندی کے نصاب کی قیمت کم۔ چاندی کی نصاب کا وزن اعشاریہ مروجہ اوزان سے ۱۸۴ء۶۵۳ گرام ہے؛ اس لیے مال تجارت میں چاندی ہی کے نصاب کی قیمت کا اعتبار ہے۔ اس وقت ہمارے یہاں ہندوستان میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت لگ بھگ چھ ہزار ہوتی ہے، اب نو لاکھ چورانوے ہزار اس شخص کے کل سرمایہ سے وضع کر کے اتنا مال تجارت بچتا ہے جس کی قیمت ہندوستانی روپے سے چھ ہزار ہو جاتی ہو تو اتنے کی زکات اس پر واجب ہے۔ مال تجارت یا ڈالر میں چالیسواں حصہ فرض ہے۔ ڈالر میں زکات اس وقت واجب ہوگی جب وہ اتنا جمع ہو کہ سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت تک پہنچ جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۰] ٹرک کی مالیت پر زکات نہیں

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علماے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید نے ایک لاکھ روپیہ جس کی زکات دے چکا ہے اس رقم سے ایک بھاڑہ [کرائے پر دینے کے لیے] ٹرک خریدا کہ جس سے بھاڑہ کا کام کرے گا۔ اب اس ٹرک سے جو بھاڑہ ملتا ہے، ہر سال اس کی زکات ادا کر دیتا ہے۔ جواب طلب امر بات یہ ہے کہ کیا ٹرک کی مالیت پر بھی زکات واجب ہے، یا صرف اس سے آمدنی شدہ رقم پر؟

محمد اسلام نوری، نوری منزل، پوسٹ و مقام شہرت گڑھ، بستی، یوپی

۱۳ر جمادی الاولی ۱۴۰۴ھ

الجواب

ٹرک کی مالیت پر زکات واجب نہیں۔ یہ کاریگروں کے آلات واوزار کے حکم میں ہے۔ کاریگروں کے آلات واوزار پر زکات نہیں۔ الفتاوی الھندیۃ میں ہے:

منها : فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى (إلى أن قال) زكاة (إلى أن قال) وكذا في كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين [1] ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۱] کرایے پر دیے جانے والے سامان پر زکات نہیں

مسئلہ- عمرو کا خود کا شامیانہ سینٹر ہے جہاں پر وہ اکثر مختلف لوگوں کی شادی بیاہ، پروگرام، فنکشن وغیرہ میں شامیانہ ڈالا کرتا ہے اور کافی کرسیاں، ٹیبل، دیگ، برتن، گلاس وغیرہ مکمل سامان کرایے پر دیتا ہے۔

تو اب یہاں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عمرو پر ان تمام سامان و شامیانہ سینٹر، کرسیاں وغیرہ سب کی زکات بھی ہر سال دینی فرض ہے جب کہ اس کا مکمل سامان (جو کرایے پر دیا جاتا ہے) ایک لاکھ روپے سے زائد کا ہے، اگر نہیں تو کیوں؟ جب کہ اس کے پاس لاکھوں کا مال ہے اور وہ دن بدن مال ہی کو بڑھا رہا ہے (پیسے جمع

(۱)- الفتاوی الهندية، ص: ۱۹۰، ج: ۱، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، دار الكتب العلمية، بيروت.

رکھنے کے بجائے) اور اگر ہاں! تو وہ کیسے؟ جب کہ بہار شریعت میں ایک جگہ ہم نے ملاحظہ کیا تھا کہ "کرایہ پر جو دیگیں اٹھائی جاتی ہیں ان پر زکات نہیں۔"

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کرایے پر دیے جانے والی دیگوں پر زکات نہیں لیکن دیگر سامان (جو کرائے پر دیا جاتا ہے) پر زکات ہے؟

نعیم احمد برکاتی، کاپسٹ، ہاسٹ، ہبلی، کرناٹک

الجواب

آپ نے بہار شریعت میں جو ملاحظہ فرمایا اسی کی روشنی میں کرایے پر دیے جانے والے شامیانے، دیگ، کرسیوں، ٹیبل، میز، برتن، گلاس پر زکات واجب نہیں، وجہ یہ ہے کہ زکات صرف چار چیزوں پر واجب ہے۔ سونا، چاندی، چرائی کے جانور، مال تجارت۔ مال تجارت سے مراد وہ اموال ہیں جو اس لیے خریدے جائیں کہ بعینہ ان کو بیچا جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم

۱۶ر ذو قعدہ ۱۴۱۴ھ

[۳۲] مال شرکت پر زکاۃ ہے اور کارخانے اور فیکٹریوں پر زکات نہیں

مسئلہ- میں نے شیر خریدے ہیں، اور شیر میں جو روپے ہم ڈالتے ہیں اس کو بعد میں بیچنے پر نفع بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی ہوسکتا ہے۔ اب میرے پاس جو شیر خریدے ہوئے ہیں ان پر میں کس حساب سے زکات نکالوں اس کے دام پر جتنے میں اسے خریدا ہوں (اس کا دام ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے۔) اس کا دام قیمت خرید سے زیادہ بھی اور کم بھی ہوتا ہے، مجھے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ قیمت خرید پر نکالنا چاہیے۔ جو شیر ہم خریدتے ہیں ان روپیوں کا کمپنی ۳ر طریقے سے زیادہ تر استعمال کرتی ہے۔

(۱) کمپنی کی بلڈنگ اور شیر بنانے میں (۲) مشین خریدنے میں اور (۳) باقی روپیہ کچھ مال خرید کر بناتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ مٹی اور لوہے کی بنی چیز پر زکات نہیں ہوتی ہے اس لیے ہم اپنی خریدی ہوئی شیر کے رقم کو ۳ر حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے پر جو کاروبار میں لگتی ہے اس پر زکات دیں تو چلے گا کہ نہیں، یا پوری رقم پر زکات نکالیں مہربانی فرما کر جواب دیں۔

حاجی نور محمد، نارائن دھروا اسٹریٹ، پانچویں منزل، ممبئی

الجواب

شیر خریدنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کمپنی کا ایک حصہ خریدا مثلاً ہزار حصہ میں سے ایک حصہ۔ ایسی صورت میں شیر خریدنے میں جو رقم صرف ہوئی اس پر زکات نہیں کیوں کہ وہ رقم اب شیر خریدنے والوں کی ملک میں نہ رہی بلکہ جس سے شیر خریدا ہے اس کی ملک ہوگئی اور خریدار کی ملک میں کمپنی کا وہ حصہ آیا جو اس نے خریدا ہے مثلاً ہزار حصہ میں سے ایک حصہ۔ کارخانے، فیکٹریوں پر زکات نہیں [1]؛ اس لیے کہ یہ پیشہ وروں کے آلات کے حکم میں ہیں جن میں زکات نہیں۔

ہاں اگر نفع میں اتنی رقم ملی جو بقدر نصاب ہو تو اس نفع پر زکات ہے۔ مثلاً زید نے کسی کمپنی کا ایک حصہ ایک لاکھ میں خریدا تو اب اس ایک لاکھ پر زکات نہیں؛ لیکن فرض کیجیے کمپنی کو ایک کروڑ کا نفع ہوا تو اس ایک کروڑ میں زید کا حصہ ایک لاکھ ہوا، اس ایک لاکھ پر زکات ہے۔ الفتاوی الہندیہ میں وجوب زکات کے شرائط میں ہے:

منها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى (إلى أن قال) زكاة (إلى أن قال) وكذافي كتب العلم إن كان من أهله وآلات المحترفين [2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

---

(۱)- شیر کمپنی کے "شیر" آغاز کار میں روپے ہوتے ہیں، اگر وہ روپے خود یا دوسرے مال زکات کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائیں تو زکات فرض ہوگی۔ کمپنی نے جب تک مال خرید کر کاروبار نہیں شروع کیا ہے تب تک وہ شرکت کے روپے ہیں جو کمپنی کے پاس رہتے ہیں۔
اور جب کمپنی اس سے مال مثلاً کپڑا خرید کر تجارت شروع کرتی ہے تو یہ روپے مثلاً کپڑا بیچنے والے کی ملک ہو جاتے ہیں کہ یہ کپڑے کے دام ہوتے ہیں اور ان کے بدلے میں جو کپڑا خریدا گیا اب اس میں شرکت ہو جاتی ہے۔ وہ متاعِ شرکت خود بقدر نصاب ہو یا دوسرے مال زکات سے مل کر ہو تو زکات فرض ہوگی۔
اور اگر شرکت کے روپے جمع کر کے ان سے کوئی فیکٹری یا کارخانہ قائم کیا گیا تو فیکٹری یا کارخانے پر زکات نہ ہوگی لیکن جب فیکٹری یا کارخانے سے مال تیار ہوگا تو وہ متاع شرکت ہوگا اس میں شرائط زکات پائے جانے کی صورت میں زکات فرض ہوگی۔ یہ اختصار کے ساتھ تمام ضروری گوشوں کا حکم ہے۔ محمد نظام الدین رضوی

(۲)- الفتاوى الهندية، ص: ۱۹۰، ج: ۱، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۳۴۳] ٹینٹ کے سامان پر زکات نہیں

مسئلہ- زید نے ایک دکان کھولی، اس میں اس نے اس طرح سامان بنائے جو کرایے پر چلائے۔ مثلاً بجلی کی سجاوٹ کی بتیاں ہیں، قمقمے ہیں، راڈ ہیں وغیرہ وغیرہ تو کیا سالہا سال بکر پر مندرجہ بالا اشیا کی قیمت کی زکات واجب ہوگی یا نہیں؟ یا کسی نے ٹرک خریدا وہ اس کو کرایے پر چلاتا ہے تو ٹرک کی قیمت پر ہر سال زکات واجب ہوگی یا اس کی آمدنی پر؟

محمد ذکی برکاتی، دار العلوم برکاتیہ نوید الاسلام، قصبہ دگھر، شیرپور، بستی، یوپی

الجواب

دونوں صورتوں میں کرایے سے جو آمدنی ہو اس پر زکات ہے اگر وہ بقدر نصاب سال بھر تک محفوظ رہے۔ بجلی وغیرہ کے سامان جو اس نے کرایہ پر دینے کے لیے خریدے ہیں اس سامان کی قیمت پر زکات نہیں اور نہ ٹرک پر ہے۔ ان کے کرایے سے جو آمدنی ہو اور وہ سال بھر بقدر نصاب محفوظ ہو اور دین سے فارغ ہو تو صرف اس پر زکات ہے۔

بجلی کے جو سامان کرایے پر دینے کے لیے خریدے گئے یا جو ٹرک کرایے پر چلانے کے لیے خریدا گیا ان کی حیثیت صنعت کاروں کے آلات کی ہے۔ جیسے بڑھئی کے اوزار، درزی کی مشین، یا کرایے کے مکان، یا کرایے پر اٹھانے والی دیگیں۔ ان سب میں زکات نہیں۔ الفتاوی الھندیہ میں ہے:

ولو اشتری قدورا من صفر یمسکھا و یؤاجرھا لا تجب فیھا الزکاۃ کما لا تجب فی بیوت الغلۃ[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/ ذو قعدہ ۱۴۱۳ھ

---

(۱)- الفتاوی الهندية، ص: ۱۹۸، ج: ۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة، الفصل الثاني في العروض، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۳۴] زیب وزینت کے جائز سامان پر زکات نہیں

مسئلہ—وجوب زکات کے لیے نصاب کا حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا شرط ہے جب کہ حافظ کے لیے قرآن کریم حاجت اصلیہ میں سے نہیں تو گھر میں زیب وزینت کی چیزیں اور تفریحی سامان مثلاً طغرے، فریمیں، ڈیکوریشن کے دیگر اسباب جو تزئین وتحسین کے لیے ریڈیو، ٹیلی ویژن، گراموفون، ویڈیو ریکارڈ پلیٹیں، کیسٹ، کیمرے وغیرہ حاجت اصلیہ میں شامل ہیں کہ نہیں جب کہ یہ سامان تجارت کے لیے نہیں ہیں۔

محمد اسرار الحق اشرفی، خادم فیض الاسلام، ڈین ھاک، ہالینڈ

الجواب

جائز زیب وزینت کے سامان اور تفریح کے سامان حوائج اصلیہ سے ہیں، الفتاوی الھندیہ میں ہے:

وکذا طعام أهله وما يحتمل به من الأواني إذا لم يكن من الذهب والفضة وكذا الجوهر واللؤلؤ والياقوت والزمرد ونحوها(۱)۔

یہ زیب وزینت کے لیے خاص جزئیہ ہے، اسی پر قیاس کر کے جائز تفریح کے سامان کا بھی یہی حکم ہے اور اگر بالفرض یہ حوائج اصلیہ سے نہ بھی ہوں تو بھی ان پر زکات نہیں۔ زکات صرف مال نامی پر ہے جو تین قسم میں منحصر ہے۔ (۱) مال تجارت (۲) سوائم (۳) سونے اور چاندی۔ ان کے علاوہ اور کسی مال میں زکات نہیں۔ اسی میں ہے:

ومنها كون النصاب ناميا حقيقة أو تقديرا، وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين خلقي، وفعلي. وأما الخلقي الذهب والفضة فتجب الزكاة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلا أو نوى النفقة. والفعلي ما سواها، ويكون الاستنماء فيه بنية التجارة أو الإسامة(۲)۔

فرق یہ ہوگا کہ چوں کہ یہ حوائج اصلیہ سے ہیں اس لیے ان کے ہوتے ہوئے اگر ان کے علاوہ حوائج اصلیہ سے فارغ مال بقدر نصاب نہیں تو ان کو زکات بھی لینا جائز، اور ان پر نہ صدقۂ فطر واجب اور نہ قربانی۔

(۱)-الفتاوی الھندیة، ص: ۱۹۰، ج:۱، کتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها، دار الكتب العلمية، بيروت.
(۲)-الفتاوی الھندیة، ص: ۱۹۲، ج:۱، کتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها، دار الكتب العلمية، بيروت.

اور یہ حوائج اصلیہ میں سے نہ ہوتے تو ان کے ہوتے ہوئے انھیں زکات لینا جائز نہ ہوتا، اور ان پر صدقۂ فطر واجب ہوتا اور قربانی بھی۔ واللہ تعالی اعلم

[۳۵] ٹی وی، ریڈیو، اسکوٹر پر زکات نہیں

مسئلہ- ٹی وی، ریڈیو، پانی ٹھنڈا کرنے کی مشین، کار، اسکوٹر پر زکات ہے کہ نہیں؟

مولانا ابو سہیل خان، خطیب نورانی مسجد، بھروچ، گجرات

۲۴/ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ

الجواب

مذکورہ بالا چیزوں میں سے کسی پر زکات واجب نہیں، زکات صرف مال نامی پر ہے اور مال نامی صرف تین ہیں: (۱) سونا چاندی (۲) چرائی کے جانور (۳) مال تجارت۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

وسببه ملك نصاب حوليّ تام (إلى أن قال) نام و لو تقديرا بالقدرة على الاستنماء ولو بنائبه[1].

دوسری جگہ ہے: وثمنية المال كالدراهم والدنانير، أو السوم، أو نية التجارة[2]۔

البتہ اگر ٹی وی کی قیمت بقدر نصاب ہو تو ٹی وی رکھنے والے پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے اس لیے کہ ان دونوں کے وجوب کے لیے مال نامی شرط نہیں۔ حوائج اصلیہ سے فارغ ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۳۶-۴۱] زکات صرف مال نامی میں واجب ہے

مسئلہ- ❶ مفتی جلال الدین احمد امجدی تحریر فرماتے ہیں:

قربانی کے مسئلے میں صاحب نصاب وہ شخص ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی، یا ساڑھے سات تولہ سونا کا مالک ہو، یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت، یا سامان غیر تجارت کا مالک ہو اور مملوکہ چیزیں

---

(۱)-تنوير الأبصار والدر المختار، ص:۱۷٤ - ۱۷٥، ۱۷۹. ملخصا، ج:۳ كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)-تنوير الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ص:۱۸٦، ج:۳، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت.

حاجت اصلیہ سے زائد ہوں"۔ (کتاب انوار الحدیث، ص:۳۶۳)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے لیے نصاب اور ہے اور زکات کے لیے نصاب اور ہے یعنی دونوں کا نصاب الگ الگ ہے، لیکن بکر نے اس کے بر خلاف یہ کہا ہے کہ جو زکات کا نصاب ہے وہی قربانی کا نصاب ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر کا قول شرعاً کیسا ہے اور مفتی صاحب موصوف کی عبارت کا مفہوم کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

❷ کتاب "انوار الحدیث" کی مذکورہ عبارت میں سامان غیر تجارت سے کیا مراد ہے؟ اور حاجت اصلیہ کا کیا مطلب ہے؟ دونوں کو مثالوں سے واضح فرمائیں۔

❸ حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی علیہ الرحمہ قربانی واجب ہونے کے شرائط کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"**تونگری** یعنی مالک نصاب ہونا۔ یہاں مال داری سے مراد وہی ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، وہ مراد نہیں جس سے زکات واجب ہوتی ہے۔" (بہار شریعت مطبوعہ اشاعت الاسلام، دہلی، جلد ۱۵، ص:۱۱۰)

اس عبارت کا کیا مفہوم ہے واضح فرمائیں۔

❹ حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"جو شخص دو سو درم، یا بیس دینار کا مالک ہو، یا حاجت کے سوا کسی ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت دو سو درم ہے وہ غنی ہے اس پر قربانی واجب ہے۔" (بہار شریعت، جلد ۱۵، ص:۱۱۰)

اس عبارت میں غنی سے کیا مراد ہے؟ اور دو سو درم یا بیس دینار میں کیا فرق ہے؟ واضح فرمائیں۔

❺ اگر کسی مسلمان کے پاس صرف رقم ہو تو شرعاً اس پر کیوں کر قربانی واجب ہوگی؟ صرف رقم ہونے کی صورت میں شرعاً ساڑھے باون (۵۲ ½) تولہ چاندی کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟ یا ساڑھے سات (۷ ½) تولہ سونے کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

❻ اقل نصاب کا کیا مفہوم ہے؟ مثال سے واضح فرمائیں۔

ڈاکٹر عبد الوحید رضوی، آزاد نگر، ضلع جمشید پور، بہار

الجواب

❶، ❷، ❸- زکات مال نامی میں واجب ہے غیر مال نامی کتنا ہی کثیر ہو، ان کی قیمت کتنی ہی زائد ہو

کروڑوں تک پہنچتی ہو زکات واجب نہ ہوگی۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها : كون النصاب ناميا حقيقة بالتوالد والتناسل والتجارة ، أو تقديرا بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده أو في يد نائبه. و ينقسم كل واحد منهما إلى قسمين: خلقي وفعلي، فالخلقي: الذهب والفضة، فتجب الزكاة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلا أو نوى النفقة. والفعلي ما سواهما و يكون الاستنماء فيه بنية التجارة أو الإسامة، ونية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة.(1)

اس کا حاصل یہ نکلا کہ زکات صرف سونے چاندی اور مال تجارت اور چرنے والے جانوروں میں ہے جب کہ یہ بقدر نصاب ہوں۔ اب اگر کسی کے پاس کھیت ہے، یا باغ ہے مگر مال نامی میں سے کچھ نہیں تو اگرچہ ان کی قیمت کتنی ہی ہو ان پر زکات نہیں، لیکن اگر ان چیزوں کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

لو له عقار يستغله، (١) فقيل: تلزم لو قيمته نصابا، (٢) وقيل: لو يدخل منه قوت سنة تلزم، (٣) وقيل: قوت شهر فمتى فضل نصاب تلزمه ولو العقار وقفا.(2)

اور فتویٰ قول اول پر ہے جیسا کہ مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی رضویہ، جلد ہشتم، ص:۳۸۹ میں تحقیق فرمائی ہے، اس توضیح سے امید ہے کہ آپ کا اشکال دور ہو گیا ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

❹ غنی کے معنی مال دار کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص زکات، صدقۂ فطر، یا کوئی صدقۂ واجبہ نہیں لے سکتا، مصارف زکات میں فقیر بھی ہے یہ اس کا مقابل ہے۔ درم چاندی کا سکہ ہے، جس کا وزن ساڑھے باون تولے، یا چھپن روپے بھر چاندی ہے۔ مثقال ساڑھے چار (۴½) ماشے کا ہوتا ہے۔ سونے کا نصاب بیس مثقال سونا ہے جو ساڑھے سات (۷½) تولے ہوتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

❺ کسی کے پاس نقد مثلا: نوٹ اتنے ہوں کہ چھپن روپے چاندی کی قیمت کو پہنچ جائیں تو اس پر قربانی

---

(1)- الفتاوى الهندية، ص: ١٩٢، ج:١، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، دار الكتب العلمية، بيروت.

(2)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:٩، ص:٤٥٣، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية، بيروت.

بھی واجب ہے اور صدقۂ فطر بھی اگرچہ اس پر سال نہ گزرا ہو۔ قربانی واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دس ذی الحجہ سے لے کر بارہویں کے غروب آفتاب تک وہ مالک نصاب ہو۔ اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے پہلی شوال کی صبح صادق کے وقت مالک نصاب ہو۔ اور اگر اس نقد پر پورا سال گزر جائے تو زکات بھی واجب ہے؛ اس لیے کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہونے کی وجہ سے سونے، چاندی کے حکم میں ہے۔ وجوب زکات کے لیے سونے، چاندی کے نصاب میں سے کسی ایک کی مقدار کو پہنچنا کافی ہے، اس زمانے میں چاندی کی مقدار کم ہے اور سونے کی زیادہ اس لیے اعتبار چاندی کے نصاب کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❻ اقل نصاب سے مراد یہ ہے کہ نصاب کی پہلی مقدار کو پہنچ جائے مثلاً چھپن روپے بھر چاندی، یا اس کی قیمت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴۲] زمین سے اگر اتنا غلہ پیدا ہو جو سال بھر تک اہل و عیال کے لیے کافی ہو تو صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔

مسئلہ— زید کے پاس دو بیگھہ کھیت ہے، دس تولہ چاندی اور پانچ سو روپے نقد ہیں، اور بکر کے پاس ۲۰؍ تولہ چاندی، ۱۰ بیگھہ کھیت اور ایک ہزار روپے نقد ہیں، کیا زید و بکر پر صدقۂ فطر و زکات و قربانی واجب ہے؟

مولوی نثار احمد، مکتبہ اسلامیہ بیگا پور، پوسٹ پہلی پور، ضلع سلطان پور، یوپی

۲۵؍ شوال ۱۴۱۳ھ

الجواب

دو بیگھہ کھیت سے اگر اتنی پیداوار ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں کا نفقہ زید پر ہے ان سب کو کافی ہو تو زید پر صدقۂ فطر واجب ہے اور قربانی بھی، ورنہ نہیں۔

توضیح یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس اتنی چاندی نہیں جو بقدر نصاب ہو، اور نہ اتنے روپے ہیں جن کی قیمت سے اتنی چاندی مل سکے جسے موجودہ چاندی میں ملانے کے بعد چاندی کے نصاب کو پہنچ سکے، ہاں! دونوں کے پاس کھیت اتنا ہے جس کی قیمت نصاب سے بہت زیادہ ہے اس میں صدقۂ فطر اور قربانی واجب

ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ زمین سے اتنا غلہ پیدا ہوتا ہو جو اہل وعیال کے سال بھر کے نفقہ کو کافی ہوتا ہو، اور یہاں اہل وعیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہو، اس لیے مدار کار اس پر ہے کہ پیداوار کتنی ہوتی ہے۔ البتہ ان میں سے کسی پر زکات واجب نہیں، کھیت کی پیداوار پر عشر واجب ہے؛ اس لیے کہ زکات کے لیے مال نامی ہونا شرط ہے اور کھیت مال نامی نہیں۔

صدقۂ فطر اور قربانی کے لیے اتنا مال ہونا کافی ہے جو دین اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہو اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں دو بیگھہ کھیت کی قیمت کئی نصاب کو پہنچ جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم

[۴۳-۴۴] مالک نصاب کی تعریف وتوضیح

مسئلہ- ❶ مالک نصاب کسے کہتے ہیں؟ اگر کسی کے پاس زمین، یا بھینس، یا اور کوئی جائداد اتنی ہو کہ نصاب کی قیمت تک پہنچ جائے تو اس کو مالک نصاب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس میں حوائج اصلیہ سے فاضل کی شرط ہے اور سال بھر کے کھانے پینے وغیرہ کے اخراجات حوائج اصلیہ میں شمار کیے جائیں گے، یا نہیں؟

❷ اگر کسی شخص کے پاس پانچ بیگھہ، یا دو بیگھہ زمین ہو اور سونا چاندی وروپے وغیرہ نہ ہوں تو وہ مالک نصاب ہے یا نہیں؟ باوجودے کہ اس زمین کی پیداوار سے سال بھر کا غلہ دستیاب نہیں ہوتا ہے بلکہ دو چار مہینے کا خریدنا پڑتا ہے۔ تو کیا ایسے شخص پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے؟

محمد سلیمان، مقام کشم پور، پوسٹ عمل جھاڑی، اسلام پور، دیناج پور، بنگال

الجواب

❶، ❷- مالک نصاب وہ شخص ہے جو ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی، یا ان میں سے کسی کی قیمت کے برابر مال تجارت کا مالک ہو، یا یہ کہ وہ پانچ اونٹ، تیس گائے یا بھینس، یا چالیس بکری یا بھیڑ وغیرہ کا مالک ہو بشرطے کہ یہ جانور سال کے اکثر حصے میں چرائی پر گزارا کرتے ہوں، یا حوائج اصلیہ سے فارغ زمین، یا مکان، یا ایسے اسباب کا مالک ہو جو کرایے پر اٹھتے ہوں اور ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو۔ اب اگر کسی کے پاس اتنا کھیت ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو وہ مالک نصاب ہے۔ یوں ہی اگر کسی کے پاس تیس عدد گائے، بھینس، بیل ہوں تو وہ مالک نصاب ہے۔

مالک نصاب ہونا اور بات ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مالک نصاب ہو مگر اس پر زکات واجب نہ ہو۔ زکات واجب ہونے کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ اور مالک نصاب ہونے کے باوجود نصاب کا حوائج اصلیہ سے فارغ ہونا اور مال کا نامی ہونا شرط ہے۔ مال نامی صرف چار ہیں:

(۱)سونا (۲)چاندی (۳)سوائم (۴)مال تجارت۔

اب اگر کوئی مالک نصاب ہے مگر وہ نصاب حوائج اصلیہ سے فارغ نہیں تو اس پر زکات واجب نہیں۔ یوں ہی اگر کوئی اس معنی کر مالک نصاب ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے مگر وہ مال، مال نامی نہیں ہے جیسے کرایہ کا مکان، وغیرہ تو اس پر بھی زکات نہیں۔

قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے مال نامی کی شرط نہیں لہذا جو شخص ایسے نصاب کا مالک ہو جو مال نامی نہ ہو مگر حوائج اصلیہ سے فارغ ہو تو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے۔ غلہ اگر اتنا ہے کہ سال بھر کھانے کو پورا نہ ہو تو اتنے غلہ پر قربانی و صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ غلہ اور کھانے پینے کا سامان حوائج اصلیہ سے ہے، لیکن اگر کسی کے پاس اتنی زمین ہے جس کی قیمت کسی نصاب کو پہنچتی ہو اگرچہ اس کا غلہ سال بھر کے لیے کافی نہ ہوتا ہو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے، رد المحتار میں ہے:

(واليسار الخ) بأن ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ولو له عقار يستغله . فقيل: تلزم لو قيمته نصاباً، وقيل: لو يدخل منه قوت سنة تلزم، وقيل: قوت شهر، فمتى فضل نصاب تلزمه، ولو العقار وقفا انتهى[1]۔

اور دربارۂ عبادات احتیاط پر عمل واجب ہے؛ اس لیے خادم فتویٰ اس پر دیتا ہے کہ زمین کی پیداوار سال بھر کے لیے کافی نہ ہو جب بھی اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے۔

بھینس اور بیل وغیرہ اگر تیس عدد ہوں اور سائمہ ہوں تو ان پر زکات بھی واجب ہے، اور اس کی وجہ سے صدقۂ فطر اور قربانی بھی۔ گائے بھینس وغیرہ تیس سے کم ہوں تو ان پر زکات واجب نہیں، یا سائمہ نہ

---

(۱)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۹، ص: ۴۵۳، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية، بيروت.

ہوں جب بھی ان پر زکات واجب نہیں، لیکن بھینس اور گائے اس لیے پالی گئی ہیں کہ ان کا دودھ بیچا جائے، اور ان جانوروں کی قیمت نصاب کے برابر ہے تو ان کی وجہ سے بھی صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہوگی، زکات واجب نہ ہوگی۔ یوں ہی بیل اگر گھر کے کام کاج کے لیے ہیں تو نہ زکات واجب ہے، نہ قربانی، نہ صدقۂ فطر۔ اور اگر بیل اس لیے پالے گئے ہیں کہ وہ کرایے پر دیے جاتے ہیں، یا کرایے کی بیل گاڑی میں جوتے جاتے ہیں، اور ان کی قیمت نصاب کے برابر ہو تو اگرچہ زکات واجب نہیں مگر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴۵] زکات، صدقۂ فطر اور قربانی کے شرائط

مسئلہ—زید کے پاس دس بیگھ کھیت ہے اور نقدی رقم دو ہزار روپے ہیں نیز تین ہزار کے زیورات ہیں مگر اس کی عورت کے ہیں، کیا زید مالک نصاب ہے؟ نیز نصاب شرعی کھیت کی مالیت یا غلے کی قیمت شمار ہوگی، یا نہیں؟

مولوی نثار احمد، مکتبہ اسلامیہ، بیگاپور، ضلع سلطان پور، یوپی

الجواب

یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں:

ایک زکات واجب ہونے کے لیے کیا چیزیں چاہیے اور کیا شرائط ہیں۔

دوسرے صدقۂ فطر و قربانی واجب ہونے کے لیے کیا نصاب ہے اور کیا شرائط ہیں۔

یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، ان دونوں میں خلط کرنے کی وجہ سے کافی اشتباہ واقع ہو جاتا ہے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قربانی اور صدقۂ فطر صرف انھیں لوگوں پر واجب ہے جن پر زکات واجب ہے حالاں کہ ایسا نہیں۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ زکات واجب نہیں اور صدقۂ فطر و قربانی واجب ہے۔

اب ان دونوں کو بغور سمجھیے: زکات واجب ہونے کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں:

وہ مالک نصاب ہو، اور یہ نصاب مال نامی ہو، قرض اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہو اور اس پر پورا سال گزر چکا ہو۔

مال نامی صرف تین چیزیں ہیں: (۱) سونا، چاندی، (۲) مال تجارت، (۳) چرائی کے جانور۔ اب اگر کسی کے پاس ان تینوں چیزوں کے علاوہ کتنا ہی مال ہو، کتنی ہی قیمت کا ہو اس پر زکات واجب نہیں مثلاً کرایے کے

مکانات، کھیت، باغ وغیرہ۔ نوٹ سونے چاندی کے حکم میں ہے۔

اب اگر کسی کے پاس کرایے کے مکانات، کھیت، باغ لاکھوں روپے کے ہوں تو ان پر زکات واجب نہیں لیکن اگر مکان کا کرایہ بقدر نصاب سال بھر جمع رہا تو ان روپیوں پر زکات واجب ہے۔ کھیت اور باغ سے جو غلہ پیدا ہوا ان پر عشر واجب ہے زکات واجب نہیں اگرچہ وہ کتنے ہی ہوں۔

رہ گیا قربانی اور صدقۂ فطر ان کے واجب ہونے کے لیے نصاب کا دین اور حوائج اصلیہ سے فارغ ہونا شرط ہے، مال نامی ہونا شرط نہیں اور نہ سال گزرنا شرط ہے جو شخص عید الفطر کی صبح صادق کے وقت مالک نصاب ہوا، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اسی طرح جو شخص ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذوالحجہ کو کسی وقت مالک نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس کرایے کے مکان ہوں جن کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً واجب ہے پیداوار کم ہو یا زیادہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر جن کا نفقہ ہو ان سب کے لیے ایک مہینے کے نفقے کے لیے کافی ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سال بھر کے لیے کافی ہو تو واجب ہے، اسی تیسرے قول پر فتوی ہے [1]۔

زید کی جو مالی حالت آپ نے لکھی ہے اس کے پیش نظر زید پر زکات واجب نہیں کہ مال نامی اس کے پاس صرف دو ہزار ہے جو سونے چاندی میں سے کسی کے نصاب کو نہیں پہنچتا۔ دس بیگھ کھیت کی قیمت اگرچہ کئی نصاب کے برابر ہے مگر یہ مال نامی نہیں اس لیے اس پر زکات واجب نہیں، البتہ اگر دس بیگھ کھیت کی پیداوار اتنی ہو کہ جن کا نفقہ اس پر واجب ہے ان سب کے لیے سال بھر تک کافی ہو تو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے۔ رہ گئے وہ زیورات جو بیوی کے ہیں ان کو زید کے مال میں شامل کر کے زکات واجب نہیں کی جا سکتی۔ بیوی اپنی چیزوں کی خود مالک مستقل ہے۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱)- ردالمحتار میں قربانی واجب ہونے کے شرائط کے بیان میں ہے:

ولو له عقار يستغله، ١. فقيل تلزم لو قيمته نصابا، ٢. وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم، ٣. وقيل قوت شهر، فمتى فضل نصاب تلزمه. (ج:۹، ص:۴۵۳، کتاب الأضحیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) (مرتب غفرلہ)

[۴٦] زمین، مکان پر زکات نہیں

مسئلہ- سائل کے پاس ایک قطعہ مکان ہے جو کہ وراثت میں ملا ہے اس کی بیوی، بچے و پوتی، پوتا سب لوگ اسی میں گزر بسر کرتے ہیں۔

سائل نے اور پانچ قطعہ زمین پچھلے چار پانچ سال کے اندر خریدا ہے، ایک قطعہ زمین میں گیہوں چاول پیدا ہوتا ہے، دوسری زمین احاطہ بنا کر اس میں درخت امرود، آم اور دوسرے بغیر پھل والے درخت لگائے ہیں اور بقیہ زمین میں سبزی اگاتے ہیں۔ تیسری زمین کا مکان بنا کر اس میں اپنی تجارت کے لیے ہینڈلوم لگائے ہیں۔ چوتھی زمین پرتی پڑی ہے جو کہ مستقبل دو چار سال میں حالات ساز گار رہے تو اس میں بھی ہینڈلوم لگانے کا ارادہ ہے۔ پانچویں زمین اس ارادہ سے لے رکھا ہے کہ آگے مستقبل میں بچوں کے کام آئے گی۔ سائل اپنی پونجی جو تجارت میں ہے، یا اس کے پاس نقد یا زیورات کی شکل میں موجود ہے سب کی زکات کا چالیسواں حصہ نکالتا ہے اور زمین کی زکات نہیں نکالتا ہے۔ اوپر دی گئی زمین میں زکات واجب ہے کہ نہیں اور ہے تو کس حساب سے ہے؟ تفصیل سے بتا کر کرم فرمائیں۔

سیف الاسلام، پرانی بستی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

زمین یا مکان پر زکات نہیں اگر چہ مکان کرایے پر اٹھا ہوا ہو، زکات صرف مال نامی پر ہے اور مال نامی منحصر ہے چار چیزوں میں۔ (۱) سونا (۲) چاندی (۳) مال تجارت (۴) چرائی کے جانور۔ کرایے کا مکان کتنی ہی قیمت کا ہو، کرایہ کتنا ہی آتا ہو اس پر زکات نہیں، ہاں کرایہ کی آمدنی اتنی زیادہ ہو کہ ضرورت پوری کر لینے کے بعد بقدر نصاب بچے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکات ہے جس طرح دوسری آمدنی پر ہے۔ اسی طرح ہینڈلوم اور مشینری پر زکات نہیں۔ خواہ ان کی قیمت کتنی ہی ہو؛ کیوں کہ یہ صنعت و حرفت کے آلات میں سے ہیں۔ جن پر زکات نہیں۔ ہاں! ہینڈلوم کی آمدنی اگر اپنی ضروریات پوری کر لینے کے بعد بقدر نصاب بچے اور سال گزر جائے تو اس پر زکات ہے۔

ہاں! کھیت اور باغ میں ان کی پیداوار پر زکات ہے جسے عشر کہا جاتا ہے۔ اگر وہ کھیت اور باغ ایسا

ہے کہ وہ صرف آسمانی بارش سے تیار ہو جاتا ہے جیسے دھان، خود محنت کر کے یا قیمت دے کر پانی حاصل کر کے اسے نہیں سینچا جاتا تو اس میں پیداوار کا دسواں حصہ ہے خواہ غلہ پیدا ہو یا پھل یا سبزی۔ اور اگر اس کھیت یا باغ کو اپنی محنت سے پانی کھینچ کر یا پانی کی قیمت دے کر سینچتے ہیں تو اس میں بیسواں حصہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ر شعبان ۱۴۱۲ھ

[۴۷] زمین کا مسئلہ

مسئلہ- ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کان پور کا شمارہ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں شامل مسائل ضروریہ کے تحت قاضی محمد عطاء الحق صاحب رضوی علاؤالدین پوری کا سوال نمبر (۲) زید کسی اور قسم کا مال نصاب نہیں رکھتا ہے البتہ اس کے پاس چند بیگھہ کھیت ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ کو پہنچتی ہے تو زید پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

اس پر حضور والا کا جواب نمبر (۲) یوں ہے:

کھیت حوائج اصلیہ سے نہیں ہے اس لیے اگر کھیت کی قیمت بقدر نصاب ہو تو اس پر قربانی واجب ہے بشرطے کہ پیداوار اتنی ہوتی ہو کہ جو سال بھر کی ضرورت کو کافی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غور طلب امر یہ ہے کہ یوپی کے اندر اس وقت زمین کی قیمت پانچ ہزار روپے بیگھہ سے کم نہیں ہے اور چند بیگھہ کھیت کی قیمت کئی ہزار روپے ہو جاتی ہے جب کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ڈھائی ہزار روپے سے زیادہ (آج کل کے بھاؤ کے حساب سے) ہوتی ہی نہیں ہے۔ اور چوں کہ کھیت کی قیمت کئی ہزار روپے ہوتی ہے جو نصاب سے اوپر ہے اور نصاب قربانی کو واجب کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جو آپ نے شرط لگائی ہے یہ سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ "بشرطے کہ پیداوار اتنی ہوتی ہو کہ جو سال بھر کی ضرورت کو کافی ہو۔"

پھر دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب کھیت حوائج اصلیہ سے نہیں ہے اور اس کی قیمت بقدر نصاب ہو تو پھر قربانی ہی واجب ہوگی یا زکات اور صدقۂ فطر بھی؟ اگر کھیت کی قیمت بقدر نصاب پہنچ گئی تو زکات ادا کرنے کی

کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا

محمد مظفر احمد قادری رضوی، دار العلوم فیض الاسلام، کشکال، ضلع بستر، ایم پی

الجواب

زکات واجب ہونے کے لیے مال کا نامی ہونا ضروری ہے اور مال نامی منحصر ہے نقدین، مال تجارت اور سوائم میں۔ الفتاوی الہندیہ میں ہے:

ومنها: كون النصاب ناميا حقيقة بالتوالد والتناسل والتجارة، أو تقديرا بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده أو في يد نائبه . وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين: خلقي، وفعلي هكذا في التبيين. فالخلقي الذهب والفضة ؛ لأنهما لا يصلحان للانتفاع بأعيانهما في دفع الحوائج الأصلية فتجب الزكاة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلا أو نوى النفقة، والفعلي ما سواهما ويكون الاستنماء فيه بنية التجارة أو الإسامة ، ونية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة[1] -

کھیت، کرایے کے مکان وغیرہ اس میں داخل نہیں اس لیے کہ وہ مال نامی نہیں ہوتے۔ اور یہ قید کہ "غلہ اتنا پیدا ہوتا ہو کہ سال بھر کی اس کی ضروریات کے لیے کافی ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔" وہ اس بنا پر ہے کہ قربانی کے وجوب کے لیے مال نامی ہونا شرط نہیں۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية وإن لم ينم وبه تحرم الصدقة وتجب الأضحية .[2]

رد المحتار میں ہے:

سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة ؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا، وعليه الفتوى.[3]

---

(۱)- الفتاوى الهندية، ص: ۱۹۲، ج:۱، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲)-تنوير الأبصار مع الدر المختار، ج: ۳،ص: ۳۱۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۲۹۶، ج:۳، كتاب الزكاة، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ زکات واجب ہونے کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ مال کا نامی ہونا ضروری ہے، کھیت مال نامی نہیں اس لیے کسی کے پاس کتنا ہی کھیت ہو اس پر کھیت کی وجہ سے زکات واجب نہیں ہوگی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کھیت کی پیداوار میں عشر یا خراج ہے اب اگر کھیت کی وجہ سے زکات بھی واجب کریں گے تو ایک ہی مال پر دو دو واجب ہو جائیں گے۔ شریعت نے رحم فرماتے ہوئے صرف ایک ہی وظیفہ رکھا مگر چوں کہ یہ حوائج اصلیہ میں نہیں؛ اس لیے اگر اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے۔ لیکن مطلقا قربانی وصدقۂ فطر واجب کرنے میں ضیق ہے، اس لیے یہ شرط زیادہ کی گئی کہ کھیت کی پیداوار اتنی زیادہ ہو کہ اس کے اور اس کے عیال کے نفقہ واجبہ کے لیے سال بھر تک کافی ہو۔ "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ "(۱)۔ واللہ تعالی اعلم

[۴۸] زمین کا مسئلہ

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ:

مالک نصاب کس شخص کو کہا جائے گا، زید نے مالک نصاب کی یہ تعریف کی کہ: جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی، یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو، یا اس کی قیمت کی اس کے پاس جائداد موجود ہو مثلاً زمین، گاے، بھینس، باغ وغیرہ تو اس کو مالک نصاب کہتے ہیں۔

اور عمرو نے مالک نصاب اس شخص کو بتایا ہے کہ: جس کے پاس اتنا غلہ ہو کہ سال بھر اپنی ضروریات کو پوری کر کے بچ جائے تو وہ شخص مالک نصاب کہلاتا ہے۔ اور اس پر قربانی بھی واجب ہے اور صدقۂ فطر بھی۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا زید کی تعریف درست ہے یا عمرو کی؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں ان دونوں کی منازعت کو دفع فرما کر مالک نصاب کی تعریف اور صاحب نصاب مذکور شخصوں کو کہا جائے گا کہ نہیں جواب مرحمت فرمائیں۔

جس کاشت کار کے پاس پانچ بیگھ زمین ہو اور اس کے پاس چاندی سونا روپے پیسے کچھ بھی نہ ہوں تو اس شخص کو مالک نصاب کہہ سکتے ہیں کہ نہیں جب کہ وہ اس زمین سے پورے سال کا غلہ نہیں دستیاب کر پا رہا

(۱)- سورۃ الحج، آیت: ۷۸.

ہے بلکہ دو چار مہینے کا غلہ خریدنا پڑتا ہے تو کیا وہ قربانی اور صدقۂ فطر ادا کرے گا؟

میر سلیمان، مقام کٹم پوسہ، پوسٹ عمل جھاڑی، وایا اسلام پور، دیناج پور، بنگال

الجواب

میں اس وقت سفر کے لیے پابہ رکاب ہوں چوں کہ قربانی کا وقت ہے؛ اس لیے مختصر جواب پر اکتفا کرتا ہوں۔ دلائل اور تفصیل اگر سائل کو مطلوب ہوں تو پھر سوال بھیجے، ان شاء اللہ تعالی حتی الوسع مدلل مفصل جواب حاضر کروں گا۔

جو شخص اتنی زمین کا مالک ہے کہ اس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے وہ ضرور مالک نصاب ہے البتہ اس پر زکات واجب نہیں کیوں کہ زکات واجب ہونے کے لیے مال نامی ہونا شرط ہے زمین مال نامی نہیں۔ اب رہ گیا یہ کہ اس زمین کی پیداوار اتنی نہیں جو سال بھر اس کے اور اس کے اہل و عیال کے کھانے کے لیے کافی ہو اس بارے میں ہمارے علما کے تین قول ہیں: (۱) اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے (اگر اس کی قیمت بقدر نصاب ہو)۔ (۲) یہ کہ واجب نہیں (اگر اس سے اتنا غلہ پیدا ہو جو سال بھر تک کھانے پینے کے لیے کافی ہو تو واجب ہے)۔ (۳) یہ کہ اگر ایک مہینے کے لیے کافی ہو تو واجب ہے۔، رد المحتار میں ہے:

ولو له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا ، وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم ، وقيل قوت شهر ، فمتى فضل نصاب تلزمه، ولو العقار وقفا[1]۔

دربارۂ عبادات احتیاط پر عمل واجب ہے اس لیے خادم قول اول کو راجح سمجھتا ہے۔ لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.[2]

---

(۱)- رد المحتار، ج:۹، ص:۴۵۳، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- "لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا" حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالی نے خداے کریم سے جو لو لگائی تھی اس کی توفیق وہ کسی بندۂ کم علم کو دے دے تو اس کے فضل سے کوئی بعید نہیں۔

شریعت نے زکات اور قربانی مالک نصاب پر ہی واجب کی ہے۔ فرق یہ ہے کہ زکات کے لیے نصاب نامی لازم کیا ہے اور زمین شرعا نصاب نامی نہیں اس لیے اس پر زکات واجب نہیں۔ لیکن قربانی اور صدقۂ فطر کے لیے نصاب نامی کی حاجت نہیں اس لیے زمین کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہوگی خواہ اس سے غلہ جتنا بھی پیدا ہو، غلہ تو معیار نصاب نہیں۔ یہ قول اول کی توجیہ ہے۔

لیکن کاشت کی زمین سے مقصود غلہ حاصل کرنا ہوتا ہے جس سے کھانے پینے کا انتظام ہو سکے، کھانے کا غلہ حوائج اصلیہ سے ہے اس لیے جب غلہ سال بھر کے لیے کافی ہوگا تو "زمین کا نصاب" حوائج اصلیہ سے فارغ ہوگا لہذا اس صورت میں مالک زمین پر قربانی واجب

اور اگر زمین اتنی ہے کہ اس کی قیمت نصاب سے زائد ہو تو بہر حال قربانی و صدقۂ فطر ضرور واجب ہے جیسا کہ ابھی رد المحتار سے گزرا۔ پانچ بیگھے زمین کی قیمت آج کل سب سے کم قیمت نصاب یعنی چاندی کے نصاب سے ضرور زائد ہے اس لیے جس کے پاس پانچ بیگھہ زمین ہو اس پر بہر حال قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے بلکہ ہمارے دیار میں ایک بیگھہ کھیت کا بھی یہی حکم ہے۔

پالتو جانور دو قسم کے ہوتے ہیں: **ایک** وہ جن کو اس لیے پالا جاتا ہے کہ ان کا دودھ بیچا جائے، یا ان کو کرایے پر دیا جائے، یا کرایے کی بیل گاڑی یا یکہ میں جوتا جائے، ایسے جانوروں کی قیمت اگر بقدر نصاب ہو یا زائد تو ان کے مالک پر صدقۂ فطر و قربانی واجب ہے۔ اور اگر وہ گھر کے کام کے لیے پالے گئے ہیں مثلاً اس لیے کہ گھر والے دودھ کھائیں، یا گھر کے کھیت جوتے جائیں، یا گھر کا سامان ڈھویا جائے تو ان میں تفصیل ہے جو فرصت کے وقت میں عرض کی جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم

۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

ہوگی، آخر چاندی، سونے اور روپے کے نصاب پر بھی زکات اسی وقت فرض ہوتی ہے جب وہ حوائج اصلیہ سے فارغ ہوں تو وہ قانون صدقہ فطر میں بھی جاری ہوگا۔

اور اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ -زمین کاشت سے غنا کا حکم "حوائج اصلیہ سے فارغ ہونے کی شرط" سے بے نیاز ہے کیوں کہ زمین سے غلہ کم پیدا ہو یا زیادہ، بہر حال مالک زمین پر عشر واجب ہے۔ تو ایک ماہ کا غلہ پیدا ہونا بھی قربانی کے وجوب کے لیے کافی ہوگا، کیوں کہ سال کے بارہ اجزا ہیں تو کم سے کم غلہ ایک ماہ کے لیے تو کافی ہو، زیر بحث مسئلے کا تعلق "غلہ پیدا کرنے والی زمین" سے ہے تو "أقل ما یطلق علیه الاستغلال" قوت شهر ہے۔ یہ تیسرے قول کی توجیہ ہوئی۔

مگر اس قول کی تعمیر بہت ہی ضعیف بنیاد پر کی گئی ہے کیوں کہ عشر کے مسئلے میں شریعت نے زمین کی قیمت کا قطعی کوئی اعتبار نہیں کیا ہے، بلکہ زمین کو پوری مالیت کے ساتھ عفو کے خانے میں رکھا ہے اس لیے پیداوار کم ہو یا زیادہ، اس پر عشر واجب کیا ہے تاکہ فقرا کو زمین کی پیداوار سے کچھ تو ملے ورنہ وہ بے چارے بہت سی صورتوں میں بالکل محروم رہ جاتے، شریعت نے باب عشر میں قیمت زمین کو قطعی معیار نہیں بنایا، جب کہ قول ثالث میں وہی معیار ہے اور قوت شهر تو شرط ہے۔

تینوں اقوال کے دلائل کی تخریج اور تجزیہ سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے کہ قول اوسط ہی سب میں راجح و قوی ہے اس لیے فتوی اسی پر جاری ہونا چاہیے، خیر الأمور أوسطها.

ہم اللہ عزوجل کا بے پناہ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں یہ فقہ و فہم عطا فرمائی، وهو الموفق۔ ۱۲۔

محمد نظام الدین رضوی، ۱۸/ رمضان ۱۴۴۳ھ، بعد فجر

[۴۹] زمین کا مسئلہ

مسئلہ- زید ایک تاجر ہے اس نے ایک زمین پچاس ہزار ڈالر میں خریدی، یہ اس کے اپنے رہائشی مکان ودیگر حوائج ضروریہ سے فارغ ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ جب میں نے اس کو لیا تھا تو اس کی بازاری مالیت پچاس ہزار تھی مگر اب اس کی بازاری مالیت ایک لاکھ ہے لیکن ابھی نہ تو مجھے اس کو بیچنا ہے اور نہ ہی اس پر کچھ کرنا ہے۔ آگے چل کر اس پر کرایے کے مکانات وغیرہ بنائے جا سکتے ہیں۔ مگر فی الحال وہ زمین کسی بھی کام میں مصروف نہیں ہے۔ اب امر مستفسر یہ ہے کہ اگر یہ رقم زید کے پاس محفوظ ہوتی تو لا محالہ اس کی زکات زید کو نکالنی پڑتی مگر کیا صورت مذکورہ میں اس کی زکات ہے؟ اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر نہیں ہے تو کیوں؟ بینوا توجروا

محمد قمر الحسن قادری، مسجد النور، ہوسٹن، ٹیکسس، امریکہ

۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

الجواب

اس زمین پر یا اس کی قیمت پر زکات نہیں۔ زکات اس مال پر واجب ہے جو حوائج اصلیہ سے فارغ ہونے کے ساتھ ساتھ نامی بھی ہو۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها: كون النصاب ناميا حقيقة بالتوالد والتناسل والتجارة، أو تقديرا بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده أو في يد نائبه. وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين: خلقي، وفعلي، هكذا في التبيين. فالخلقي: الذهب والفضة ؛ لأنهما لا يصلحان للانتفاع بأعيانهما في دفع الحوائج الأصلية فتجب الزكاة فيهما نوى التجارة أو لم ينو أصلا أو نوى النفقة. والفعلي: ما سواهما ويكون الاستنماء فيه بنية التجارة أو الإسامة ، ونية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة(۱)۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ زکات واجب ہونے کے لیے مال کا نامی ہونا شرط ہے اور مال نامی چار چیزوں

---

(۱)-الفتاوی الهندية، ص:۱۹۲، ج:۱، كتاب الزكاة، الباب الأول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها ، دار الكتب العلمية، بيروت.

میں منحصر ہے، سونا، چاندی، مال تجارت اور چرائی کے جانور۔ اور ظاہر ہے کہ زمین ان چار قسموں میں سے کسی میں داخل نہیں۔ اس لیے وہ مال نامی نہیں بایں وجہ حوائج اصلیہ سے فارغ ہوتے ہوئے بھی اس پر زکات نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

قوله وأثاث "المنزل" محترز، قوله: "نام" ولو تقديرا ، وقوله: "ونحوها" أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۰] سال گزرنے سے پہلے زکات فرض نہیں

مسئلہ- میں پردیس میں ملازمت کرتا ہوں، اور سال میں دو مرتبہ چھ چھ ماہ پر وطن جاتا ہوں، جو بھی رقم جمع کرکے ہمراہ لاتا ہوں گھر پر سارے پیسے ختم ہوجاتے ہیں۔ اس سبب سے میں رقم کی زکات نہیں نکال پاتا۔ چوں کہ مسئلہ ہے کہ زکات کے لیے سال گزرنا ضروری ہے اور میں درمیان میں وطن چلا جاتا ہوں۔ مجبوراً میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ راہ خدا میں پیسہ نکالنا میرا مقصد ہے لہٰذا میں ہر ماہ تنخواہ ملتے ہی ایک ہزار روپیہ میں پچیس روپے نکال دیتا اور اس کو بینک میں جمع کردیتا اور جب چھ ماہ کے بعد وطن جاتا تو وہ سارے پیسے غریبوں میں تقسیم کردیتا۔ یا کسی سنی عربی مدرسہ میں دیتا۔

اب دراصل مسئلہ یہ ہے کہ اس جمع شدہ رقم سے اپنے گاؤں کی مسجد کے لیے بجلی کا پنکھا یا جانماز یا اور بھی کوئی ضرورت کی چیز خرید کر مسجد کو بطور نذر پیش کرسکتا ہوں کہ نہیں؟

ایاز القادری رضوی مصباحی، بارسی، شولاپور

۱۱ر جنوری ۱۹۸۹ء

الجواب

یہ رقم زکات نہیں؛ اس لیے اسے ہر کار خیر میں صرف کرسکتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر، مرمت بجلی پنکھا و دیگر ضروریات اور مدرسہ کی تمام مدات میں دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- رد المحتار، ص:۱۸۲، ج:۳ كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۵۱] سال پورا ہونے پر بلا تاخیر زکات ادا کرنا واجب ہے

مسئلہ- عمرو نے ۱۹۸۵ء میں کپڑے کی تجارت شروع کی جو کہ آج تک جاری ہے۔ عمرو نے جب دکان رکھ کر کپڑے کی تجارت شروع کی تھی اس وقت جون کے مہینے میں ماہ مبارک رمضان آتا تھا اور عمرو اپنا سالانہ حساب کر کے ماہ مبارک میں اپنی زکات ادا کرتا تھا اب جب کہ رمضان المبارک کا مہینہ فروری و مارچ میں آتا ہے اور عمرو اپنی آمدنی وغیرہ کا حساب ہر سال جون میں کرتا ہے اور مال کی زکات ماہ مبارک میں ادا کرتا ہے تاکہ ثواب میں زیادتی ہو، تو کیا عمرو کی زکات صحیح ادا ہوتی ہے ؟ اگر نہیں تو عمرو پھر کس صورت پر زکات ادا کرے؟

زمزم ڈریسیز، صدا بازار، پیٹھ ذونار، پونہ، ایم ایس

الجواب

زید کی زکات ادا تو ہو جاتی ہے مگر زکات کی ادائگی میں تاخیر کی وجہ سے گنہ گار ہوتا ہے۔ سال پورا ہونے پر زکات فوراً بلا تاخیر ادا کرنا واجب ہے۔ دیر کرنا گناہ ہے۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے: وافتراضها عمري وقيل فوري وعليه الفتوى [1]۔

رمضان میں زکات ادا کرنے کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے یہ کرے کہ پیشگی رمضان میں ادا کر دے۔ اس کو بہر حال ایک اندازہ تو ہو گا ہی کہ مجھ پر اتنی زکات واجب ہے اور اب ترقی کر کے جون تک میری مالیت اتنی ہو جائے گی اندازہ سے کچھ زائد ادا کرے اور پھر سال تمام پر حساب کرنے پر ادا شدہ رقم کچھ کم پڑے تو بقیہ اب ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸/ ذو قعدہ ۱۴۱۳ھ

[۵۲] سال پورا ہوتے ہی بلا تاخیر زکات ادا کر دی جائے

مسئلہ- زید ماہ شوال کے شروع ہی میں رمضان شریف کے آخری دن کو زکات کی گنتی کے لیے شمار کرتا ہے اسے یہ نہیں معلوم کہ زکات کے لیے سال کے کون سے ماہ سے کون سے ماہ تک گنتی میں لیا جائے

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۱۹۱، ج: ۳، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت

یعنی زید رمضان شریف میں بڑا حصہ زکات کا حق داروں کو ادا کرتا ہے لیکن ایک بیوہ جس کا گزارہ لوگوں کے گھر کے برتن کپڑے وغیرہ دھونے پر چلتا ہے۔ اس کی دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں وہ بھی وہی کام کرتی ہیں، ایک لڑکی کچھ پاگل ہے اور ایک پانچ چھ برس کا لڑکا ہے۔ اس کی بڑی لڑکی کی شادی ہونے والی ہے اور بہت غریب ہے لہذا اس غریب کی شادی کے وقت ان کے لیے زکات کی رقم الگ دینے کے لیے رکھی ہے۔ زکات جلد ادا کرنے کا حکم ہے لیکن ڈر ہے وہ اس کو فضول خرچ کر ڈالے گی اس لیے رکھی ہے تو کیا حکم ہے؟

نذیر جون پورا، بڑودہ، گجرات

۱۳ر جمادی الاولی

الجواب

افضل یہی ہے کہ سال پورا ہوتے ہی فوراً بلا تاخیر زکات ادا کردی جائے لیکن بضرورت تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ سوال میں جو تاخیر کی وجہ لکھی ہے وہ معقول ہے، آسانی کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ شوال کی پہلی تاریخ سے رمضان کی تیس تک زکات کے لیے متعین کرلیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الباب الثاني في زكاة السوائم

سائمہ کی زکات کا بیان

[۱] سال کے اکثر حصے میں چرائی پر گزر بسر کرنے کا مطلب

مسئلہ — زید کے پاس دو سو بھینسیں ہیں وہ ان کو گھاس یا دانہ خرید کر کھلاتا ہے، یا ان کے لیے گھاس والے کھیت خرید کر ان میں چھ، سات مہینے تک چراتا ہے تو ان پر زکات ہے یا نہیں؟

غلام مصطفیٰ، درگاہ کمپاونڈ مسجد، کرلا، ممبئی

الجواب

جب چرانے والے چرانے کی یعنی جو چارہ چراتے ہیں اس کے عوض پیسہ لیتے ہیں۔ مثلا اپنے کھیت میں چراتے ہیں اور اس کا معاوضہ لیتے ہیں تو ان جانوروں پر زکات نہیں۔ بھینس وغیرہ پر زکات اس وقت ہے جب سال کے اکثر حصے میں چرائی پر گزر بسر کریں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فری چراگاہ میں چریں۔ واللہ تعالی اعلم

۲؍ رجب ۱۴۱۳ھ

[۲،۳] طویلے کی بھینس پر زکات نہیں

مسئلہ — ❶ زید نصاب زکات تک، یا اس سے زیادہ گائے، بھینس پال کر اس کے دودھ سے تجارت کرتا ہے، ان جانوروں کی زکات کی ادائگی کس طرح ہوگی؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

❷ زید کے پاس گائے اور بھینس اتنی ہے کہ نصاب زکات کو پہنچ جائے اور وہ ان جانوروں کا دودھ خود استعمال کرتا ہے، اور بچا ہوا دودھ فروخت کرتا ہے جس کی قیمت وقت ضرورت زراعت میں اور کبھی اپنے مصرف میں لاتا ہے، ان جانوروں کی زکات کس طرح ادا کی جائے گی؟ بینوا بالحق والصواب

حاجی جان محمد قادری قریشی، محلہ گریڈیہ، بہار

۳؍رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

الجواب

❶- زکات صرف تین قسم کے مال پر واجب ہے: (۱) سونا چاندی، (۲) چرنے والے جانور، یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بکری، دنبہ، بھیڑ اگر سال کے اکثر حصہ میں چرائی پر گزارہ کرتے ہوں — رہ گئے وہ جانور جن کو گھر باندھ کر سال کے اکثر حصہ میں چارہ کھلایا جاتا ہے توان پر زکات نہیں — (۳) اور مال تجارت۔

اب اگر زید ان بھینسوں کو سال کے اکثر حصہ میں چارہ کھلاتا ہے توان جانوروں کی زکات زید پر واجب نہیں خواہ وہ کتنے ہی ہوں۔ اور اگر زید ان جانوروں کو سال کے اکثر حصے میں چرائی پر رکھتا ہے اور وہ تیس سے کم ہوں تو بھی ان میں زکات نہیں۔ تنویر الابصار اور در مختار میں ہے:

هي شرعا (المكتفية بالرعي المباح في أكثر العام لقصد الدر والنسل والزيادة والسمن [1].

نیز اسی میں ہے: نصاب البقر والجاموس ثلاثون سائمة [2].

ہاں! اگر زید کے پاس اتنی رقم جمع ہوگئی جو بقدر نصاب ہے اور اس پر سال گزر جائے تو اس زائد رقم پر زکات واجب ہے۔ بقدر نصاب کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس چھپن روپے بھر چاندی یا اس کی قیمت کے نوٹ جمع ہو جائیں، اس بھاؤ سے جو زکات نکالتے وقت بازار کا ہو۔ نوٹ سونے چاندی کے حکم میں ہیں، اس لیے کہ یہ ثمن اصطلاحی ہیں۔

اور اگر یہ جانور سال کا اکثر حصہ چرائی پر گزارتے ہوں اور تیس یا تیس سے زائد ہوں توان میں زکات ہے۔ غالباً یہ جانور بھینسیں ہوں گی۔ اب اگر تیس بھینسیں ہوں تو سال بھر کا ایک بچھڑا یا بچھیا واجب ہے۔ اور اگر چالیس ہوں توان میں دو سال کا ایک بچھڑا یا ایک بچھیا۔ اس سے زائد ہوں تو دوبارہ سوال کر کے پوچھا جائے اور اگر یہ جانور بھینس اور گائے کے علاوہ کچھ اور ہوں تو بھی دوبارہ سوال پوچھا جائے۔

---

(۱)- تنویر الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ص:۱۹۶، ۱۹۷، ج:۳، کتاب الزکاۃ، باب السائمہ، دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۲)- تنویر الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ص:۲۰۳، ج:۳، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ البقر، دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۲) پہلے ہی سوال کے جواب سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جانوروں میں زکات واجب ہونے کے لیے قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ ان کی تعداد کا اعتبار ہے، نیز یہ کہ ان کا گزارہ سال کے اکثر حصہ میں چرائی پر ہوتا ہے، یا گھر باندھ کر کھلانے پر، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ دودھ خود کھاتا ہے یا بیچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴] طویلے کی بھینسوں کی زکات کا بیان

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ناچیز بھینس کے دودھ کا کاروبار کرتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو بھینس میرے پاس ہے اس کی زکات ہے یا نہیں؟ تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

نور الحسن طبیلہ والے، غیبی پیر روڈ، شانتی نگر، بھیونڈی، مہاراشٹر

الجواب

ان بھینسوں پر زکات نہیں۔

اولا: اس لیے کہ بھینس پالنے والے بھینسوں کو چارہ خرید کر اپنے گھر کھلاتے ہیں۔ سال کے اکثر حصے میں صرف وہ چرائی پر نہیں رہتیں اور بھینسوں میں زکات اس وقت واجب ہے جب کہ سال کے اکثر حصے میں وہ چرائی پر گزارہ کریں، گھر باندھ کر نہ کھلائی جائیں، وہ بھی اس وقت جب کہ بھینسوں کی تعداد تیس ہو اور ان پر سال گزر جائے۔

ثانیا: اس لیے کہ ان بھینسوں کا حال پیشہ والوں کے آلات کے مثل ہے، اور علما کی کتابوں کے مثل کہ یہ حوائج اصلیہ میں ہیں۔ ان پر زکات نہیں اگرچہ ان کی قیمت لاکھوں لاکھ ہو، الفتاوی الہندیہ میں ہے:

وکذا کتب العلم إن کان من أهله وآلات المحترفین، کذا في السراج الوهاج[1] إهـ.

وجہ اشتراک یہ ہے کہ جیسے آلات محترفین ذریعہ ہوتے ہیں دوسری چیز بنانے کے وہ مقصود بالذات نہیں ہوتے، اسی طرح ان بھینسوں سے مقصود صرف بھینس پالنا نہیں بلکہ دودھ حاصل کرنا ہے۔ یہ بھینس دودھ حاصل کرنے کا آلہ ہوئیں۔ تو بالضرورة حوائج اصلیہ میں داخل ہوئیں۔ اور حوائج اصلیہ میں زکات نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶/ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

---

(۱)- الفتاوی الهندية، ج:۱،ص:۱۹۰، کتاب الزکاة، الباب الأول في تفسیرها وصفتها وشرائطها، دار الکتب العلمیة، بیروت

الباب الثالث فى زكاة الذهب والفضة

سونا، چاندی اور مال تجارت کی زکات کا بیان

[۱] دینار کا وزن

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ

دینار، دینار سرخ، اشرفی کیا چیز ہے، اس کی مقدار کیا ہے، اس وقت اس کی قیمت کیا ہوگی؟

زبیر احمد رضوی، ڈاک بنگلا روڈ، روہتاس، بہار

الجواب

دینار سونے کا ایک سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، یہ موجودہ اعشاریہ وزن سے چار گرام تین سو چوہتر ملی گرام ہے۔ سونے کی اعلی قسم کو دینار سرخ کہتے ہیں۔ دینار سرخ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زر سرخ کا دینار۔ اشرفی سوا گیارہ ماشے سونے کا سکہ ہے۔ موجودہ اعشاریہ وزن سے ۱۱ر گرام چھ سو چونسٹھ ملی گرام ہوتا ہے۔ اتنے وزن سونے کی جو قیمت ہو وہ ان کی چیزوں کی قیمت ہوگی۔ مثلاً ساڑھے چار ماشہ سونے کا ایک دینار ہے تو ساڑے چار ماشہ سونے کی جو قیمت آج بازار بھاو سے ہے وہ دینار کی قیمت ہوئی، اسی طرح سوا گیارہ ماشے سونے کی بازار بھاو سے آج جو قیمت ہو وہ اشرفی کی قیمت ہوئی۔ واللہ تعالی اعلم

[۲] اشرفی کا وزن

مسئلہ- پہلے زمانہ میں اشرفی ہوتی تھی، آج کل اس کی مالیت کیا ہے؟ یعنی ہندوستانی روپیوں کے مقابل ایک اشرفی کتنے روپے کی ہوگی۔ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں۔

شاہ محمد، مقام و پوسٹ پارہ، غازی پور، یوپی

الجواب

ایک اشرفی وزن میں ایک روپے کے برابر ہوتی تھی۔ سونے کا جو بھاؤ ہو اس سے سوا گیارہ ماشے کی قیمت لگالیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳-۵] اصل حکم یہ ہے کہ چاندی کی زکات چاندی سے دی جائے

مسئلہ - ① زید کی شادی جون ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ اس کو شادی کے موقع پر کچھ زیور گھر اور کچھ سسرال سے ملا تھا، زیور میں دو تولہ سونا اس کے علم میں تھا چاندی کے بارے میں اسے علم نہ تھا کہ کتنی ہے کبھی اس طرف توجہ بھی نہ دی، کچھ دن بعد اس کے پاس ڈھائی تولے سونا ہو گیا، بعد کو آدھا تولہ سونا ضائع ہو گیا، سونا دو تولے سے ڈھائی تولہ کب ہوا اور آدھا تولہ سونا کب ضائع ہوا اس کی تاریخیں اس کو یاد نہیں، کچھ دنوں کے لیے باقی دو تولہ سونا بھی اس کے والدین نے اس سے لے کر اس کے بھائی کی شادی میں چڑھا دیا۔ کچھ دن پہلے وہ دو تولہ سونا پھر زید کو واپس مل گیا، اب زید نے اپنی بیوی سے چاندی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ڈیڑھ سو، دو سو تولے چاندی ہوگی جو چوروں کے خوف سے زمین میں دفن کر رکھی ہے، یہ جان کر زید کو زکات کی ادائیگی کی فکر پڑ گئی، اس کو اس قدر چاندی اپنے پاس ہونے کی امید نہیں تھی، وہ ماہانہ ملازم ہے، نقدی میں زکات قسط وار ادا کرنا چاہتا ہے، اس کے دل کو اس کی لگن لگی ہوئی ہے لیکن مندرجہ ذیل دشواریاں ہیں۔ (۱) چاندی زمین میں دفن ہے اس کا صحیح وزن معلوم نہیں۔ (۲) چاندی بالکل خالص نہیں ہے۔ اس میں ملاوٹ بھی ہے۔ (۳) زیورات میں شیشہ لاکھ اور تاگا بھی ہے صحیح وزن معلوم نہیں ہو سکتا۔ (۴) کتنا سونا کتنے دن اس کے پاس رہا اور کتنے دن بالکل نہیں رہا یہ اس کو یاد نہیں ہے۔ (۵) اس کی شادی کے وقت چاندی کا نرخ ۴؍ روپے تولہ تھا جو بعد کو بڑھتا رہا حتی کہ ۳۵؍ روپے تولہ تک ہو گیا، پھر گھٹ کر ۲۵؍ روپے تولہ ہو گیا کب کب چاندی، سونے کا کیا نرخ رہا اس کو یاد نہیں۔ (۶) اگر وہ فروخت کرنا چاہے تو اس کے زیورات موجودہ نرخ سے کم قیمت پر فروخت ہوں گے خالص نہ ہونے کے سبب، ان دشواریوں کے ہوتے ہوئے اس کو کتنا روپیہ زکات میں ادا کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ سلجھا کر عند اللہ ماجور ہوں۔

② ہندہ کے پاس سو تولہ چاندی ہے، ۱۹۲۰ء سے اس نے زکات ادا نہیں کی ہے اب کرنا چاہتی ہے کتنا روپیہ زکات میں ادا کرے؟

❸ جو روپیہ قرض حسن کے طور پر کسی کو دے دیا گیا نہ ابھی تک واپس ہوا ہے نہ یہ معلوم کہ کب واپس ملے گا اس پر زکات ہے یا نہیں؟

صابر سنبھلی، ساکن محلہ سیف خان سرائے سنبھل، مراد آباد، یوپی

الجواب

❶- اصل حکم یہی ہے کہ چاندی کی زکات میں چاندی دی جائے، اور سونے کی زکات میں سونا دیا جائے، یا ادائگی کے وقت اتنے چاندی، سونے کی جو قیمت ہے وہ قیمت دی جائے۔ جس سال زکات واجب تھی اور اس نے ادا نہیں کی، آج ادا کرنا چاہتا ہے تو یا تو بعینہ چاندی یا سونا دے یا آج جو قیمت اس کی ہے وہ دے، چاندی جو زمین میں ہے اس کو نکال کر تولے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ترازو کے دونوں پلڑے پانی میں رکھے ایک طرف باٹ اور ایک طرف زیورات رکھے جو وزن ہوگا صرف چاندی کا ہوگا دھاگے اور نگ کا نہ ہوگا اتنے کی زکات دے۔ چاندی یا سونے میں اگر ملاوٹ ہے مگر چاندی، سونا غالب ہے تو وہ چاندی ہی ہے۔ جیسی چاندی ہو بازار بھاو سے اسی کی قیمت کی ادائگی واجب ہے، آدھا تولہ سونا جو غائب ہو گیا اس کی زکات نہیں۔ اس کی زکات ساقط ہے۔ خوب غور کر کے سوچے جتنے دنوں پر دل جمے کہ اتنے دنوں تک ڈھائی تولہ تھا اتنے دنوں تک ڈھائی تولے کی زکات دے اور جتنے دنوں پر دل جمے کہ ان دنوں میں غائب ہوا ہے ان دنوں سے معاف ہے۔ دو تولے، ڈھائی تولے خالی سونے پر زکات نہیں۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سے کم سونا ہے تو اس کی زکات نہیں مگر یہ کہ سونے کے ساتھ اتنی چاندی بھی ہو کہ سونے کی قیمت کی چاندی اگر خریدیں تو اتنی چاندی ہو جائے کہ چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، یا چاندی سے سونا خریدیں تو اتنا سونا ہو جائے کہ سونے کے نصاب کو پہنچ جائے، چاندی کا نصاب چھپن روپے بھر ہے۔

سائل نے لکھا ہے کہ بیوی نے بتایا ہے کہ اس کے پاس چاندی ڈیڑھ سو، دو سو تولہ ہے، اب اس کے ساتھ دو تولہ سونا بھی ہے اس لیے یہ چاندی اور سونے کے مجموعے کی زکات دے۔ جن دنوں میں اس کا سونا بھائی کی شادی میں چڑھاوے پر گیا تھا، ان دنوں کی بھی سونے کی زکات واجب ہے اس لیے کہ وہ منگنی میں تھا۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ سائل اس کی تحقیق کرے کہ کب سے اس پر زکات واجب ہے، تحقیق نہ کر سکے تو تحری کرے جتنے دنوں پر دل جمے اور جتنی مقدار پر دل جمے اتنے دنوں سے اتنی مقدار کی زکات ادا کرے۔

سال ہائے گزشتہ کی زکات اگر نوٹوں سے ادا کرنا چاہے تو ادائیگی کے وقت جو بھاؤ ہوگا اس کا اعتبار ہے اسی حساب سے ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ ہندہ پر ہر سال جتنی چاندی اس کے پاس ہے اس کا چالیسواں حصہ واجب ہے۔ اکسٹھ سال کا حساب ہم سے نہیں ہو پائے گا کسی ماہر حساب سے حساب کرالیں، ہم صرف حکم شرعی بتادیتے ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں اس پر ڈھائی تولہ چاندی زکات نکالنا واجب تھا، اس نے زکات نہیں نکالی اگر زکات نکالتی تو اس کے پاس صرف ساڑھے ستانوے تولے چاندی بچتی، اور اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ادا کرتی تو چاندی اس کے پاس سو تولہ ہی رہ جاتی، پہلی صورت میں ۱۹۲۱ء میں ساڑھے ستانوے تولہ چاندی کی زکات واجب تھی اور دوسری صورت میں سو تولے کی اب اگر گزشتہ سالوں میں اس کے پاس اس چاندی کے علاوہ اور نقد روپے یا نوٹ یا پیسے تھے جن سے وہ زکات ادا کرتی اور یہی سلسلہ آج تک رہا تو ہر سال ڈھائی تولہ زکات اس پر واجب ہوتی رہی بلکہ سو تولے چاندی کے ساتھ جو مزید نقد روپے یا نوٹ یا پیسے تھے جن پر سال گزر چکا ہو ان کی بھی زکات واجب ہوگئی بہر حال یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو سکتا ہے کہ کسی عالم کے پاس ہندہ کو بیٹھا کر اس سے تفصیلات پوچھ کر کسی ماہر حساب سے حساب لگوایا جائے، اس میں خاص نکتہ یہ ہے کہ اگر اس عورت کے پاس اس چاندی کے علاوہ اور کچھ مال ایسا نہ ہو جس پر زکات واجب ہو تو اسی چاندی میں سے زکات کا حساب لگایا جائے گا یہاں تک کہ چاندی گھٹ کر ساڑھے باون تولے (۶۵۳ء۱۸۴ گرام) سے کم ہو جائے۔ جب چاندی ساڑھے باون تولے سے کم ہو جائے گی تو زکات کا وجوب ختم ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ اگر اس قرض کے ثبوت کے لیے اس کے پاس کوئی قوی ذریعہ ہے تو اس کی زکات واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یکم جمادی الآخرہ ۱۴۰۲ھ

[۶] چاندی کا نصاب چھپن روپے بھر ہے

مسئلہ– ایک خاتون کے پاس ڈھائی بھر سونا یعنی ۳۰ر گرام ہے اور چاندی کے زیورات ۲۰ر بھری کے ہیں یعنی ۱۴۰ر گرام۔ ۳۰ر گرام سونے کی قیمت تقریباً ساڑھے بارہ ہزار ہے اور ۱۴۰ر گرام چاندی کی قیمت

معلوم کیا تو سولہ سو روپے ہوئی، اس کے علاوہ اس خاتون کے پاس غالباً ۲۵؍ سو کے زیورات ہیں سونے کے۔ وہ زکات روپے سے ادا کرنا چاہتی ہے کیسے ادا کرے اور کتنا، کیا وہ مالک نصاب ہے؟

سلطان پور

الجواب

یہ خاتون مالک نصاب ہے اس پر زکات بھی فرض ہے اور صدقۂ فطر اور قربانی بھی واجب ہے، سونے چاندی اور جو اس کے پاس زیورات ہیں ان سب کی قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ ادا کرے، اس کے پاس ۳۰؍ گرام سونا ہے جو سونے کی نصاب کو نہیں پہنچتا ہے لیکن اس کے پاس ۲۰؍ بھری چاندی ہے وہ بھی نصاب کو نہیں پہنچتی ہے لیکن سونے کی قیمت اتنی ہے کہ اس میں اتنی چاندی مل جائے گی کہ نصاب کو پہنچ جائے بلکہ زیادہ۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ چاندی کا بھاو اسی روپے بھری ہے اور سونے کی قیمت بارہ ہزار ہے، اس کو اسی پر تقسیم کیا تو ایک سو بچاس بھری چاندی ہوئی، اس چاندی کو ۲۰؍ بھری چاندی کے ساتھ ملا دیا گیا تو ایک سو ستر بھری چاندی ہوئی جب کہ چاندی کا نصاب چھپن روپے بھر ہے۔ ضرور مالک نصاب ہوگئی۔ اس لیے یہ ڈھائی بھر سونے ۲۰؍ بھری چاندی کی قیمت اور مزید پچیس سو کے جو زیورات ہیں ان کو بھی اس میں شامل کرے اور اس کا چالیسواں حصہ زکات نکال دے۔ آسانی اسی میں ہے۔ مثلاً سونے کی قیمت بارہ ہزار اور بیس بھری چاندی کی قیمت سولہ سو روپے، پچیس سو کے مزید زیورات ان سب کی زکات چار سو ڈھائی روپے ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷؍ محرم ۱۴۲۱ھ

[۷] سونا، چاندی دونوں ہوں اور نصاب کی مقدار میں صرف ایک، پھر بھی دونوں کی زکات واجب ہے

مسئلہ— زید کے پاس ایک سو دس تولہ چاندی ہے اور سونا ۴؍ تولہ، زکات دونوں سونا، چاندی کی نکلے گی یا صرف چاندی کی؟ اس کے برعکس سونا ۸؍ تولہ، چاندی چالیس تولہ ہے، اب زکات سونے کی دینی پڑے گی یا چاندی کی بھی۔ تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

فضیل احمد صدیقی، عید گاہ مکرانا، راجستھان

۱۶؍ رجب ۱۴۰۴ھ

الجواب

دونوں صورتوں میں چاندی اور سونے دونوں کی زکات واجب ہے۔ پہلی صورت میں چوں کہ چاندی کا نصاب مکمل ہے اور سونے کا کم اس لیے چار تولے سونے کی قیمت کی جتنی چاندی ہوتی ہو اتنے کی زکات دیں، اور دوسری صورت میں چوں کہ سونے کا نصاب مکمل ہے اور چاندی کا کم اس لیے چالیس تولے چاندی کی جو قیمت ہوتی ہو اتنے کا سونا فرض کرکے اصل میں ملا کر زکات میں ادا کردیں۔

الفتاوی الهندیة میں ہے:

ولو فضل من النصابين أقل من أربعة مثاقيل ، وأقل من أربعين درهما فإنه تضم إحدى الزيادتين إلى الأخرى حتى يتم أربعين درهما أو أربعة مثاقيل ذهبا كذا في المضمرات(۱) . واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ر رجب ۱۴۰۴ھ

[۸] سونا، چاندی دونوں ہوں تو قیمت کا اعتبار ہوگا

مسئلہ- اگر کسی شخص کے پاس دو تولہ سونا ہو تو زکات فرض ہوگی یا نہیں، جب کہ یہ حکم ہے کہ کچھ سونا، کچھ چاندی ہو تو دونوں کی قیمت ملا کر اگر دونوں میں سے کسی ایک کی حد کو پہنچے تو زکات فرض ہوگی، چاندی ۵۳ر تولہ، تو کیا ایک تولہ میں اس سے بھی ڈبل آجائے کیوں کہ فی الحال سونا کا بھاو اتنا ہے اگر ایک تولہ بھی ہوتا ہے تو ۵۲ر تولہ چاندی کی قیمت سے زیادہ ہوجاتا ہے تو دو تولہ سونا پر زکات کا حکم ہوگا یا نہیں؟

سید آل حسن جیلانی، جامع مسجد وڈھواں، سرندر نگر

الجواب

اگر صرف سونا، یا صرف چاندی ہے تو قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے، یعنی ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو زکات واجب ہوگی جب کہ چاندی بالکل نہ ہو، اسی طرح جب سونا بالکل نہ ہو تو زکات اس وقت واجب ہوگی جب کہ چاندی ساڑھے باون تولہ ہو۔ یعنی سونا، چاندی میں صرف ایک ہو، دوسرا کچھ نہ ہو تو قیمت کا اعتبار

---

(۱)- الفتاوى الهندية، ص: ۱۹۸، ج:۱، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية، بيروت.

نہیں وزن کا اعتبار ہے، یعنی سونا ساڑھے سات تولے ہو اور چاندی ساڑھے باون تولے۔

لیکن اگر سونا بھی ہو، چاندی بھی ہو مگر ان میں کوئی اپنی نصاب کو نہ پہنچا ہو، یعنی نہ تو ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور نہ ساڑھے باون تولہ چاندی بلکہ سونا ساڑھے سات تولے سے کم ہو اور چاندی بھی ساڑھے باون تولے سے کم ہو۔ تو اس صورت میں ایک کے وزن کا اعتبار کر کے یہ دیکھا جائے گا کہ دوسرے کی قیمت سے پہلی بازار بھاو کے اعتبار سے وزن میں اتنی مل جائے گی یا نہیں کہ اس کا نصاب پورا ہو جائے۔ مثلاً ایک تولہ سونا ہے اور دس تولہ چاندی۔ دونوں میں سے کوئی اپنے نصاب کو نہیں پہنچتا ہے، لیکن آج جو سونے اور چاندی کا بھاو ہے اس کے حساب سے ایک تولہ سونا میں اتنی چاندی مل جائے گی کہ دس تولے چاندی ملانے کے بعد ساڑھے باون تولے چاندی سے بڑھ جائے۔ اس لیے اب زکات واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸/ صفر ۱۴۱۲ھ

[۹] نوٹ ثمن اصطلاحی ہونے کی وجہ سے حکماً نامی ہے

مسئلہ— زید مالک نصاب ہے اور ہر سال پابندی کے ساتھ سونے، چاندی اور رقم کی زکات ادا کرتا ہے اور وہ سونا، چاندی اور رقم یوں ہی پڑی رہتی ہے جب کہ سالہا سال زکات ادا ہوتے ہوئے اصل رقم سے زیادہ کی زکات ادا کی جا چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ مالک نصاب رہا یا نہیں؟ اور رہا تو کس طرح اور کیوں؟ واضح رہے کہ سونے، چاندی کی زکات موجودہ قیمت کے اعتبار سے نکالی جاتی ہے۔

نثار احمد خاں، بیڑی دکان، نزد یکی کلالی، ٹکاری روڈ، شہر گیا

۲۸/ شوال ۱۴۰۶ھ

الجواب

سونا، چاندی خلقی طور پر مال نامی ہیں، یہ صرف رکھے رہیں جب بھی ان میں زکات واجب ہے۔ اسی طرح نوٹ بھی ثمن اصطلاحی ہونے کی وجہ سے حکماً نامی ہیں، ان میں بھی بہر حال زکات واجب ہے اگرچہ گھر میں یا بینک میں ہوں ان سے تجارت نہ کی جاتی ہو۔

مالک نصاب وہ شخص ہے جس کے پاس چھپن روپے بھر چاندی، یا بازار بھاو سے اس کی قیمت کے نوٹ

ہوں، یا مال تجارت ہو۔ اگر زکات ادا کرتے کرتے سونا، چاندی اور قم اتنی گھٹ گئی کہ چاندی چھپن روپے بھر سے کم بچی، یا رقم یا مال تجارت چھپن روپے بھر چاندی سے کم بچا تب اس پر زکات نہیں ورنہ ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۰] سونے اور چاندی میں چاندی کا اعتبار کیوں کیا گیا

مسئلہ— سونے اور چاندی کی قیمت میں آج کل زمین وآسمان کا فرق ہے، سونا کی مقدار نصاب مکمل نہ ہونے پر چاندی میں تبدیل کر کے زکات نکالنے کا حکم ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ اگر اس میں غربا کے مفاد کا خیال رکھا گیا ہے تو صدقۂ فطر میں غربا کو مد نظر رکھتے ہوئے نصف صاع گیہوں کے بجائے ایک صاع کھجور، یا اس کی قیمت نکالنے کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا؟

محمد ضمیر الدین، کیراف محمد نعمت حسین، امام ہاسٹل مسجد، ۱۷ر کلکتہ، بنگال

الجواب

سونا اور چاندی دونوں ایک جنس یعنی ثمن خلقی ہیں اور دونوں بازار میں یکساں ملتے ہیں۔ اس لیے ان میں سے ایک کی قیمت دوسرے میں ضم کرنا عبادات میں زیادہ مناسب ہے تاکہ ادائگی میں کمی نہ رہ جائے، بخلاف گیہوں اور کھجور کے کہ کھجور ہمارے دیار میں نایاب ہے، بخلاف گیہوں کے کہ وہ وافر مقدار میں ملتا ہے اور اصل ادائگی یہ ہے کہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور دے، جب کھجور نایاب ہے تو اس سے ادائگی دشوار ہے؛ اس لیے ادا کرنے والوں کی آسانی کے لیے گیہوں سے بھی ادائگی کو کافی سمجھا گیا۔ پھر آپ کو کس نے منع کیا ہے کہ آپ ایک صاع کھجور کی قیمت ادا کریں۔ اس کو آپ یوں سمجھیں کہ زکات مال نامی پر واجب ہے جب کہ وہ ایک معین مقدار تک ہو اور اس پر سے سال گزر جائے، جب سونے کی قیمت چاندی سے ملانے پر وہ مقدار پوری ہوگئی تو زکات واجب ہوگی۔ اور صدقۂ فطر میں شریعت نے اختیار دیا ہے کہ مخصوص چیزوں میں سے جس سے چاہیں ادا کریں، کسی ایک جنس سے ادائگی کا پابند نہیں کیا ہے؛ اس لیے بجائے ایک صاع کھجور کے نصف صاع گیہوں دے دیا تو ادا ہوگیا۔ بخلاف زکات کے کہ بقدر نصاب مال ہونے پر آدمی رقم ادا کرنے پر پابند ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۱۷ر ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

[۱۱] زیور پر مطلقاً زکات ہے اگرچہ پہننے کے لیے ہو

مسئلہ- ایسی عورت جس پر زکات واجب ہے اور ادا نہیں کرتی ہے شریعت کی جانب سے اس پر کیا حکم ہے اور زیور ضروریات اصلیہ میں داخل ہے کہ نہیں ؟۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں اور اختلاف ائمہ بھی نقل کریں۔

محمد شمس الحق نیپالی، مقام علی پٹی، پوسٹ پپرا، ضلع مہوتری، نیپال

الجواب

عورت ہو یا مرد، جس پر بھی زکات فرض ہو اور وہ زکات نہ ادا کرے اور نہ اس کی نیت ہو کہ آیندہ زکات دے گا، وہ بلا شبہ بدترین فاسق، فاجر، مستحق عذاب نار ہے۔ اس کے لیے سخت ترین وعید ہے، عورتیں زکات کے معاملے میں بہت سست ہیں، زیور سے محبت کی بنا پر زکات نہیں دیتیں، اس لیے حدیث میں فرمایا گیا کہ میرے سامنے جہنم پیش کی گئی تو میں نے یہ دیکھا کہ جہنم میں اکثر عورتیں ہیں۔

زیور پر مطلقاً زکات ہے اگرچہ پہننے کے لیے ہو، اگرچہ اس لیے ہو کہ آیندہ ضرورت پر کام دیں گے، جب کہ بقدر نصاب ہوں اور حولان حول ہو جائے۔ تنویر الابصار اور در مختار میں ہے:

واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبرا أو حليا مطلقا مباح الاستعمال أو لا، ولو للتجمل والنفقة ؛ لأنهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيف كانا.(۱)

رد المحتار میں ہے:

كخاتم الذهب للرجال والأواني مطلقا ولو من فضة. قوله: ولو للتجمل أي التزين بهما في البيوت من غير استعمال.(۲)

حنفی کو یہ جائز نہیں کہ کسی اور امام کے قول پر عمل کرے حتی کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے کسی

(۱)- تنویر الأبصار مع الدر المختار، ج:۳،ص:۲۲۷، ۲۲۸، کتاب الزكاة، باب زكات المال، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳،ص:۲۲۷، كتاب الزكاة، باب زكات المال، دار الكتب العلمية، بيروت

مفتی سے یہ پوچھا کہ اس معاملہ میں امام شافعی کا کیا قول ہے تو مفتی امام شافعی کا قول نہ بتائے بلکہ اپنا مذہب بیان کرے، ویسے اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ہدایہ میں ہے:

وقال الشافعي رحمه الله : لا تجب في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال(۱).

لیکن امام شافعی کا قول مرجوح ہے۔

ابوداؤد، نسائی میں ہے:

أن امرأة أتت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ومعها ابنة لها وفى يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال لها: « أتعطين زكاة هذا ». قالت: لا. قال: «أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار ». قال: فخلعتهما فألقتهما إلى النبي -صلى الله عليه وسلم- وقالت: هما لله عز وجل ولرسوله(۲).

نیز زیور پر زکات فرض ہے تو مطلقاً ہے یا صرف تزین و تجمل کے ساتھ خاص ہے۔ احناف کا مذہب یہی ہے کہ زیوروں پر مطلقاً زکات واجب ہے اگرچہ وہ اس لیے بنائے گئے ہوں کہ آیندہ وقت پر کام دیں گے۔ البتہ ابن ملک نے کہا کہ اگر زیور اس لیے بنائے گئے ہیں کہ آیندہ وقت پر کام دیں گے تو زکات نہیں لیکن ابن ملک کا یہ قول بھی اس لیے ساقط ہے کہ پھر اس دلیل سے تمام اموال میں زکات کا سقوط لازم آئے گا، کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ ہم نے یہ مال اس لیے جمع کر رکھا ہے کہ آیندہ وقت پر کام دیں گے۔ سونا چاندی کی تخلیق ہی ثمنیت کے لیے ہے اور ثمنیت بھی وجوب زکات کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ زیور حوائج اصلیہ میں سے نہیں اس لیے کہ حوائج اصلیہ کی تعریف یہ کی گئی ہے:

بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كثيابه، أو تقديرا كدينه(۳).

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

---

(۱)- الهداية، ج:۱،ص:۱۷۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مجلس البركات.
(۲)-أبو داود، ج:۱،ص:۲۱۸، كتاب الزكاة، باب الكنز وما هو وزكاة الحلى، دار الكتب العلمية، بيروت.
(۳)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص:۱۷۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت.

كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر أو البرد أو تقديرا كالدين.[1]

اور زیوران دونوں میں سے کسی ایک میں داخل نہیں اس لیے یہ حوائج اصلیہ میں سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ جمادی الآخرہ ۱۴۰۳ھ

[۱۲] بیوی اور بہو کو زیور کا مالک بنانے کا حکم

مسئلہ- زید صاحب نصاب ہے اور اپنی بیوی کو زیور دیا ہے، اپنی لڑکی کو زیور دیا ہے، اور اپنی بہو کو زیور دیا ہے مگر یہ تین عورتیں الگ الگ صاحب نصاب نہیں ہیں مگر زید صاحب نصاب ہے تو زید اپنی بیوی اور اپنی لڑکی اور اپنی بہو کے زیور کی بھی زکات دے گا یا نہیں؟

محمد یسین اشرفی، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

زید نے زیورات اپنی بیوی اور اپنی بہو، یا اپنی بیٹی کو اس طرح دیا کہ انھیں مالک بنا دیا ہے تو ان زیورات کی زکات زید پر نہیں اور اگر صرف پہننے کے لیے دیا ہے ملکیت اپنی باقی رکھی ہے جیسا کہ ہمارے دیار میں عام طور پر عرف یہی ہے کہ بیوی اور بہو کو صرف پہننے کے لیے زیور دیے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے طلاق ہو جائے تو واپس لے لیے جاتے ہیں۔ اس عرف کے اعتبار سے اپنی بہو اور بیوی کے زیورات کی زکات دینے والے پر ہے۔ ہاں! لڑکیوں کو جو زیور دیا جاتا ہے ہمارے عرف میں لڑکیوں کو اس کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔ اس لیے عرف کے مطابق لڑکیوں کو جو زیور دیے جائیں ان کی زکات باپ پر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۳-۱۷] عورت کے مملوکہ زیورات کی زکات عورت پر فرض ہے

مسئلہ- (۱) زید کی بیوی کے پاس لڑکے اور لڑکی والوں کی طرف سے جہیز کے طور پر ملنے والا سونا

---

(۱)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳،ص:۱۷۸، كتاب الزكاة/ مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء، دار الكتب العلمية، بيروت.

قریب دس تولہ ہے، زید کی مرضی ہے کہ نصاب سے زیادہ سونا یعنی سوا سات تولہ نکال کر باقی سونا کسی غریب یا اپنے رشتہ داروں کو دے دیا جائے؛ کیوں کہ وہ ہر سال پورے پورے سونے کی زکات قریب تین سو روپے دیتے رہنے کی حالت میں نہیں ہے مگر اس کی بیوی سونے کے لالچ میں زید کی مرضی پر راضی نہیں ہے، تو اس صورت میں زکات نکالنا کس کے اوپر فرض ہوگا؟ بیوی پر یا شوہر پر۔

❷ شادی میں جہیز میں لڑکے اور لڑکی والوں کی طرف سے لڑکی کو دیے گئے سامان (مثلاً سونا، چاندی، کپڑا وغیرہ) پر کیا صرف لڑکی کا حق ہوتا ہے؟ یا شوہر کا بھی حق ہوتا ہے؟

❸ بالفرض کسی کے پاس ساڑھے نو تولہ سونا ہے، کیا زکات پورے سونے کا نکالنا پڑے گا یا ساڑھے سات تولہ نکال کر صرف دو تولہ کا نکالنا پڑے گا؟

❹ میں نے ایک سنی مولانا کو رمضان کے ماہ میں ایک مسجد میں تقریر کرتے ہوئے سنا کہ: فطرہ نکالنے سے پہلے اپنے بالغ اولاد اور بیوی وغیرہ سے اجازت لینا واجب ہوتا ہے، بغیر ان کی اجازت کے فطرہ ادا نہیں ہوگا، کیا یہ صحیح ہے؟ (ہمارے یہاں تو شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جو اپنی اولاد سے اجازت لیتا ہو پہلے سے رواج چلا آرہا ہے کہ گھر کا مالک ہی فطرہ نکال کر جہاں چاہتا ہے دیتا ہے)

❺ سونا ساڑھے سات تولہ، یا چاندی ساڑھے باون تولہ ہو جانے پر ہی زکات واجب ہے، یا اس سے زیادہ ہو جانے پر ہوتا ہے؟

الجواب

(❶-❷) جہیز میں لڑکی کو اس کے ماں باپ جو کچھ دیتے ہیں خواہ زیور ہو، یا نقد، یا سامان ان سب کی مالک لڑکی ہوتی ہے، رد المحتار میں ہے: كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة.[1]

لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو جو زیور دیا جاتا ہے، یا جو کپڑے وغیرہ دیے جاتے ہیں ان کے بارے میں رواج مختلف ہے۔ بہت سی جگہ بہت سی برادری میں لڑکی کو مالک بنا دیتے ہیں۔ جہاں کا یہ رواج ہو وہاں لڑکے کی طرف سے لڑکی کو دیے گئے زیورات وغیرہ کی مالک لڑکی ہے۔ بعض جگہ بعض برادری میں یہ رواج

(۱)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ج: ٤، ص: ٣١١، كتاب النكاح، باب المهر، دار الكتب العلمية، بيروت.

ہے کہ لڑکے والے لڑکی کو جو زیور وغیرہ دیتے ہیں وہ صرف پہننے کے لیے دیتے ہیں، لڑکی کو مالک نہیں بناتے، اس صورت میں لڑکے والے کی طرف سے دیے گئے زیورات وغیرہ کی لڑکی مالک نہ ہوگی۔ جہیز میں ماں باپ کی طرف سے لڑکی کو جو زیورات ملے ان سب کی زکات لڑکی پر فرض ہے، شوہر پر نہیں۔ شوہر اگر زکات نہیں ادا کرے گا تو اس پر کوئی الزام نہیں۔

شوہر کے گھر والوں کی طرف سے بیوی کو جو زیور وغیرہ ملے اس میں تفصیل ہے اگر شوہر کے گھر والوں نے اس کی زوجہ کو مالک بنا دیا ہے تو ان کی زکات بھی زوجہ ہی پر ہے، اور اگر مالک نہیں بنایا ہے تو اس کی زکات بیوی پر نہیں شوہر پر ہے جب کہ وہ اور شوہر کی دیگر ملکیت مل کر بقدر نصاب ہو، اور اگر وہ اور شوہر کی ملکیت بقدر نصاب نہ ہو تو ان پر زکات نہیں۔ یہی حکم بیوی کے مملوکہ زیوروں کا بھی ہے کہ وہ جتنے کی مالک ہے وہ بقدر نصاب ہے تو اس پر زکات ہے اور اگر وہ بقدر نصاب نہیں تو ان کی زکات نہیں۔ بیوی جن زیورات کی مالک ہے ان کو بغیر اس کی مرضی کے شوہر کسی کو نہیں دے سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ پورے نو تولہ کی زکات واجب ہے، آدھا تولہ معاف ہے۔ (نصاب سے زیادہ مال ہے تو اگر زیادتی، مشاہدی) پانچواں حصہ سے کم ہے تو جو زائد ہے اس کی زکات معاف ہے۔ (اور اگر یہ زیادتی نصاب کا پانچواں حصہ ہے تو اس کی زکات بھی واجب ہے، مشاہدی) مثلاً آپ کے پاس ساڑھے نو تولہ سونا ہے تو یہ نصاب سے دو تولے زیادہ ہے اور سونا کے نصاب ساڑھے سات تولہ کا پانچواں حصہ ڈیڑھ تولہ ہے۔ ساڑھے سات اور ڈیڑھ نو ہوتا ہے لہٰذا پورے نو تولے کی زکات واجب۔ آدھا تولہ جو زائد ہے یہ چوں کہ نصاب کے پانچویں حصے سے کم ہے لہٰذا اس کی زکات نہیں ہے۔ ہاں اگر ساڑھے دس تولہ سونا ہوتا تو پورے ساڑھے دس تولہ کی زکات واجب ہوتی (۱)۔ اب اگر سونے کے ساتھ چاندی ہو یا نقدی جس کی قیمت اس کے ساتھ ملانے سے نصاب کا پانچواں حصہ پورا ہو جائے تو سب کی زکات واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- ردالمحتار میں در مختار کی عبارت: "وفي كل خمس بحسابه، ففي كل أربعين درهمًا، وفي كل أربعة مثاقيل قيراطان" کے تحت ہے:
قوله: "وفي كل خمس بحسابه" أي ما زاد على النصاب عفو إلى أن يبلغ خمس نصاب، ثم كل ما زاد على الخمس عفو إلى أن يبلغ خمسا آخر. [رد المحتار على هامش الدر المختار، ج: ۳، ص: ۲۲۹، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية، بيروت] (مرتب غفرلہ)

④ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان کی طرف سے فطرہ نکالا جائے تو وہ فطرہ کی نیت کرے ورنہ فطرہ ادا نہ ہوگا۔اور یہ اسی وقت ہوگا جب اسے معلوم ہو کہ میری طرف سے فطرہ نکالا جارہا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ اپنی بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے کوئی فطرہ نکالے تو اسے بتادے، اور اس سے اجازت لے لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑤ پورے ساڑھے سات تولہ سونا پر زکات واجب ہے یوں ہی ساڑھے باون تولہ چاندی پر، اور اگر اس سے زائد ہو تو زائد کی بھی زکات فرض ہے۔ جب کہ وہ نصاب کا پانچواں حصہ ہو، اور اگر سونا و چاندی دونوں ہیں مگر ان میں کوئی بقدر نصاب نہیں لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کی قیمت اتنی ہے کہ دوسرے کے ساتھ ملادیں تو کوئی نصاب پورا ہو جائے تو زکات واجب ہے۔ مثلاً اس زمانے میں کسی کے پاس پچاس تولہ چاندی ہے اور ایک تولہ سونا ہے تو اس پر زکات واجب ہے؛ اس لیے کہ ایک تولہ سونا میں پچاس بھر سے زیادہ چاندی مل سکتی ہے اور کمی صرف ڈھائی تولہ کی تھی، اب پچاس کو پچاس سے ملا دیا تو گویا چاندی سو تولے سے زیادہ ہوگئی اب سو تولے چاندی کی زکات اس پر واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۸] نصاب ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی ہے

مسئلہ— سونا اور چاندی میں سونے کی قیمت زیادہ ہے اور چاندی کی قیمت کم ہے، اور ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو اس پر زکات واجب ہوتی ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی ہو تو اس پر بھی زکات واجب ہوتی ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ غریب بے چارہ کم ہی پر زکات دے، اور امیر کے پاس سونا ہے ساڑھے سات تولہ سے کم ہے تو اس پر زکات نہیں۔ ایسا لوگ کرتے ہیں کہ چاندی کو بیچ کر سونا کر لیتے ہیں۔

شبیر احمد، مدرسہ حنفیہ، عالم خاں، ضلع جون پور، یوپی

الجواب

حضور اقدس ﷺ نے چاندی کی نصاب ساڑھے باون تولے رکھی ہے اور سونے کی ساڑھے سات تولے۔ اب کسی کو بھی یہ اختیار نہیں کہ اس میں کسی قسم کی ترمیم کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ر محرم ۱۴۱۴ھ

[۱۹] بقدر نصاب سونے چاندی پر ہر سال زکات واجب ہے

مسئلہ-کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سونے کا زیور ہے حولان حول پر قدر واجب الادا سونے کی قیمت سے زکات ادا کردی اپنے پاس کے نوٹ وغیرہ سے تو دوسرے سال زیور مذکور پر زکات واجب ہوگی یا نہیں؟

یوں ہی کسی کے پاس دو سو درہم چاندی تھے اس نے اپنی روز مرہ کی آمدنی سے پانچ درم یا ان کی قیمت زکات ادا کردی تو دوسرے سال دو سو درم جمع رہے یا ۱۹۵ بچے اور ان سے زکات ساقط ہوگئی یا نہیں؟

محمد مقبول احمد، مدرس جامعہ مدینۃ العلوم خانقاہ قادری کپولی شریف گورول، مظفر پور، بہار

۱۴ر صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

سونے اور چاندی پر جب کہ وہ بقدر نصاب ہوں ہر سال زکات واجب ہوتی رہے گی البتہ جب نصاب سے کم ہو جائیں تو وجوب ساقط ہو جائے گا، مثلا ایک سو پنچانوے (۱۹۵) درہم بچے تو چوں کہ بقدر نصاب نہیں تو اس پر زکات واجب نہیں۔ (لیکن صورت مسئولہ میں ایسا نہیں بلکہ اس کے پاس مکمل دو سو درم موجود ہیں، اس لیے اس کی زکات واجب ہے۔) واللہ تعالی اعلم

[۲۰] بقدر نصاب سونا چاندی پر بہر حال زکات واجب ہے

مسئلہ-کس روپے پر زکات واجب ہے کس روپے پر نہیں؟ حضور والا سے گزارش ہے کہ زکات کی پوری وضاحت فرمائیں جیسے سونا، چاندی اور کھیتی وغیرہ ہے ان تمام پر کس طرح زکات واجب ہوتی ہے؟

مولانا شاکر حسین، امام جامع مسجد، برماپوری، چاند پور، یوپی

الجواب

سونے چاندی پر بہر حال زکات واجب ہے اگرچہ سونے چاندی کے برتن یا زیور ہوں اسی طرح نوٹ یا سکے ہوں تو ان پر بھی زکات واجب ہے، اسی طرح تجارت کے مال پر بھی خواہ تجارت کا مال کچھ بھی ہو مثلا کپڑا، غلہ، مسالے، برتن، کھلونے وغیرہ، ان سب کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ بقدر نصاب ہوں، حوائج

ضرور یہ اور قرض سے فارغ ہوں، اور ان پر سال گزر چکا ہو۔

چاندی کی نصاب یہ ہے کہ وہ اس روپے سے جو انگریزوں کے زمانے میں چاندی کا چلتا تھا، جس کا وزن سوا گیارہ ماشے ہوتا تھا اس روپے سے ۵۶/ روپے بھر ہو یا اس سے زائد۔ اور اگر کچھ چاندی ہے اور کچھ سونا ہے اور ان میں سے کوئی بھی بقدر نصاب نہیں، دونوں اپنے اپنے نصاب سے کم ہیں، لیکن ان میں سے اگر کسی ایک کی قیمت اتنی ہو کہ اس قیمت سے دوسری چیز اتنی بازار بھاو سے مل سکتی ہو جس سے دوسری کا نصاب پورا ہو جاتا ہے ـــــ مثلاً کسی کے پاس ۵۰/ روپے بھر چاندی ہے تو چاندی کا نصاب پورا نہیں، ۶/ روپے بھر کمی ہے، مگر اس کے پاس ایک روپے بھر سونا بھی ہے اور یہ بھی سونا کے نصاب سے کم ہے لیکن ایک تولہ سونا کی قیمت اتنی ہے کہ اس قیمت سے چھ روپے بھر سے زائد چاندی مل سکتی ہے اس طرح چاندی کا نصاب پورا ہو سکتا ہے ـــــ تو بھی اس پر زکات واجب ہے۔ ادا کرنے میں آسانی یہ ہے کہ سونا چاندی جتنا ہو ادا کرنے کے دن بازار بھاو سے ان سب کی جو قیمت ہو مجموعی قیمت کا چالیسواں حصہ نکال لیں۔ مثلاً ہر سو میں ڈھائی روپے۔

مال تجارت میں نصاب یہ ہے کہ سال کے شروع اور سال پورا ہونے پر اتنی قیمت کا سامان تجارت اس کے پاس رہے کہ اس میں سونے یا چاندی کے نصاب کی مقدار سونا یا چاندی خریدا جا سکے اس کی بھی ادائگی کی صورت یہی ہے کہ کل قیمت کا چالیسواں حصہ نکال دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

[۲۱] سونے چاندی کے علاوہ گھر کے برتن پر زکات نہیں

مسئلہ۔ گھر میں بطور زینت برتن رکھتے ہیں ان پر زکات ہے یا نہیں؟

اللہ بخش اشرفی، مقام باسنی، ناگور، راجستھان

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

الجواب

اگر وہ سونے، یا چاندی کے برتن ہیں تو ضرور زکات ہے، اور اگر دوسری چیزوں کے ہیں تو نہیں، اس لیے کہ زکات صرف چار چیزوں پر ہے، سونا، چاندی، مال تجارت، چرائی پر گزارہ کرنے والے جانور۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۲] سونا چاندی دونوں ہوں تو وہ صورت اختیار کریں جس میں زکات واجب ہو

مسئلہ- کسی عورت کے پاس ۲ر بھر چاندی ہو اور دو بھر سونا ہو تو دو بھر رہنے کی صورت میں اگر سونا کی رقم جوڑ کر چاندی بنایا جائے تو ساڑھے باون تولہ سے زیادہ چاندی بنتی ہے، اور اگر چاندی کی رقم جوڑ کر سونا بنایا جائے تو سات تولہ سونا نہیں بنتا اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اس پر زکات واجب ہے یا نہیں؟

محمد یسین اشرفی، محلہ پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

اس صورت میں اس عورت پر زکات واجب ہے۔ سونے چاندی دونوں ہونے کی صورت میں وہی صورت اختیار کرنا واجب ہے جس میں زکات واجب ہو۔ سونے کا نصاب ۷ر تولہ نہیں ساڑھے سات تولہ ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۳] زیادتی خمس نصاب سے کم ہو تو صرف نصاب کی زکات واجب ہے

مسئلہ- اگر کسی کے پاس ۷۵ر تولہ، یا ۱۲۵ر تولہ یا جتنی بھی چاندی ہو تو زکات کس طرح ادا کریں، کیا اس پورے زیور کی قیمت لگا کر روپیہ سے زکات نکالیں یا صرف باون تولہ چاندی کی قیمت کی زکات نکالیں؟

محمد محمود عالم خاں نوری، خادم مدرسہ رحمانیہ اسلامیہ، مریا، سیتا مڑھی، بہار

الجواب

آسانی اور احتیاط اسی میں ہے کہ جتنا زیور ہو سب کی قیمت جوڑ کر زکات نکالیں۔ ویسے حکم یہ ہے کہ چھپن روپے بھر سے زائد پر اس وقت زکات ہے جب کہ زیادتی خمس نصاب تک ہو۔ یعنی کل نصاب کا ایک بٹا پانچ، اور خمس نصاب سے کم ہو تو صرف نصاب کی زکات ہے اور بقیہ کی معاف۔ اور جب زیادتی خمس نصاب ہو جائے تو نصاب کے ساتھ ساتھ اس زائد کی بھی زکات ہے۔ مثلاً چاندی کا نصاب چھپن بھر چاندی ہے اب اگر کسی کے پاس سرسٹھ روپے بھر چاندی ہے تو اس پر چھپن روپے کی زکات ہے بقیہ کی نہیں لیکن اگر کل چاندی $\frac{1}{5}$۶۷ ہو گئی تو پورے کی زکات واجب ہوگی۔ اسی طرح اس کے اوپر بھی $\frac{1}{5}$۱۱ سے کم ہو تو معاف اور جب کہ $\frac{1}{5}$۱۱ روپے بھر ہو

جائے تو جتنی ہے سب کی زکات دینی ہوگی۔ ایسے ہی سلسلہ بڑھتا جائے گا۔ اس حساب میں دشواری ہے، اس لیے ہم نے لکھا کہ آسانی اور احتیاط اسی میں ہے کہ جتنی چاندی ہو سب کی زکات نکال دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۴] موہوم نفع پر زکات فرض نہیں

مسئلہ- ایک شخص نے کسی بھی سامان کی تجارت شروع کی تدریجا وہ تجارت میں ترقی کرتا رہا اب اسباب تجارت اس کے پاس کافی ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ کتنے کا مال ہوگا۔ اب وہ زکات دینا چاہتا ہے تو زکات کس طرح دے۔

(الف) کیا اس سامان پر اصل لاگت جو ہے اس کی زکات ہے؟

(ب) یا بازار میں جو اس کی عام قیمت ہے اس کی زکات ہے؟

(ج) کوئی شخص ایسا ہے جسے معلوم نہیں کہ صاحب نصاب کس سال سے ہوا ہے تو اب وہ کیا کرے؟

شفیق احمد شریفی، صدر المدرسین دار العلوم غریب نواز، الہ آباد، یوپی

۱۰ر ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

الجواب

ایک تاجر کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی دکان میں کتنی قیمت کا سامان ہے بہت مستبعد ہے اصل حکم تو یہی ہے کہ دکان میں موجود سامان کی قیمت لگائے، ایک فرض کی ادائگی کے لیے تھوڑا سا وقت صرف کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اور اگر واقعی یہ دشواری حرج کی حد تک ہو تو تخمینہ لگائے اور کچھ زیادہ ہی لگائے اس کے مطابق زکات ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(الف، ب) دوکان میں موجود سامان کی جو قیمت تھوک فروشوں کے یہاں سے خریدنے کے بھاو کی ہوگی وہی قیمت زکات دینے کے لیے معتبر ہے۔ جس حساب سے بیچتا ہے اس حساب سے قیمت لگانا شرط نہیں۔ اس لیے کہ اس کو وہ نفع حاصل نہیں ہوا ہے جب مال بیچے گا تب حاصل ہوگا تو وہ معدوم ہوا اور معدوم پر زکات فرض ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ج) سوچ کر جتنے سالوں پر دل جمے اتنے سال سے اپنے آپ کو صاحب نصاب مان لے، اندازے

سے کچھ زیادہ ہی رکھے، اسی میں احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۵] کتابوں کی طباعت پر جو رقم صرف ہوئی ہے اس کے حساب سے زکات دے

مسئلہ— میرا کتابوں کا کاروبار ہے، کتابیں چھپتی ہیں ختم ہوتی ہیں پھر چھپتی ہیں۔ ایسے ہی سال بھر ہوتا ہے تو مجھے کس طرح کی زکات ادا کرنی ہوگی؟ کیا صرف اس مال کی جو میں نے کتابوں میں لگائی ہے یا جتنی بھی کتابیں موجود ہیں کمیشن نکالنے کے بعد اصل رقم پر۔ مثلا دس ہزار کی کتاب ہے عام کمیشن ۴۰ر تو ۶ ہزار ہی اصل رقم ہوئی تو کیا ۶ر ہزار پر زکات ہے یا ۱۰ر ہزار پر؟

شفیق احمد شریفی، صدر المدرسین دار العلوم غریب نواز، الہ آباد، یوپی

۱۰ر ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

الجواب

کتابوں کی طباعت پر جو رقم صرف ہوئی ہے اس کے حساب سے کتابوں کی جو قیمت ہو سال تمام پر اتنے کی زکات دے۔ مثلا ایک کتاب چھپوانے پر دس ہزار روپے صرف ہوئے تو دس ہزار کی زکات دے، یہ ایک مثال ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ سال تمام پر جتنی کتابیں موجود ہوں ان کے چھپوانے میں جو لاگت لگی ہے اس کی زکات دے مثلا مثال مذکور میں ۱۰۰۰ر کتابیں چھپوائی تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک کتاب پر ۱۰ر روپے کی لاگت آتی ہے۔ اس میں سے ۵۰۰ بیچ دیں، سال تمام پر ۵۰۰ رہ گئیں، ۵۰۰ کی قیمت ۵۰۰۰ر روپے ہوئے اب اس پر صرف ۵۰۰۰ر روپے کی زکات فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ر ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

[۲۶] اگر خریداری میں عقد و نقد جمع نہ ہوں تو خریدا ہوا مال حرام نہیں اگرچہ قیمت میں مال حرام دے، اور اس پر زکات بھی واجب ہے

مسئلہ— کوئی شخص اپنی ناجائز رقم سے تجارت کر رہا ہے اور دوسرا شخص اپنی جائز و ناجائز دونوں رقم سے تجارت

کرتا ہے اور حولان حول گزرنے پر وہ دونوں زکات کی رقم غربا میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو ان دونوں کے حق میں شریعت کا کیا حکم نافذ ہوگا؟ آیا وہ دونوں اپنے خبیث مال سے کمائے ہوئے مالوں کی زکات ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد مجیب الرحمن، نیا ٹولہ حسین آباد، میرجان ہٹ، بھاگل پور، بہار

الجواب

یہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ ناجائز طریقے سے حاصل کیے ہوئے مال حرام کو کسی بھی مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں بلکہ جس سے لیا ہے اسے یا اس کے وارثین کو واپس کرنا واجب ہے، لیکن اگر کوئی مال حرام سے تجارت کرتا ہے تو اگرچہ اس کا تجارت کرنا حرام و گناہ ہے مگر تجارت کے لیے جو مال خریدا ہے وہ مال حرام اس وقت ہوگا جب عقد و نقد جمع ہوں۔ یعنی کسی کی دکان پر جا کر مال حرام دکھا کر یہ کہا جائے کہ اس کے عوض فلاں چیز دے دو پھر قیمت میں وہی مال حرام دے جو اس نے دکھایا تھا تو اب خریدی ہوئی چیز بھی مال حرام ہو گئی، لیکن اگر خریداری میں عقد و نقد جمع نہیں تو خریدا ہوا مال حرام نہیں اگر چہ قیمت میں مال حرام ہی دے مثلاً کسی دکان پر دکان دار کو روپیہ دکھا کر یہ نہیں کہا کہ اس کے عوض فلاں چیز دے دو۔ اور مال خریدا تو اگرچہ حرام روپے ہی سے قیمت ادا کرے خریدا ہوا سامان مال حرام نہ ہوگا، یا کہیں سے ادھار سامان لا کر بیچتا ہے اور قیمت مال حرام سے دیتا ہے تو اب خریدا ہوا سامان مال حرام نہ ہوا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

وإن كانا مما لا يتعين فعلى أربعة أوجه: فإن أشار إليها ونقدها فكذلك يتصدق، وإن أشار إليها ونقد غيرها، أو أشار إلى غيرها ونقدها، أو أطلق ولم يشر ونقدها لا يتصدق في الصور الثلاث، وبه يفتى.(۱)

ہمارے دیار میں لین دین کا طریقہ یہی ہے کہ کوئی بھی دکان دار کو پیسے دکھا کر یہ نہیں کہتا کہ اس کے عوض سامان دو۔ دکان پر جا کر آرڈر دے دیتا ہے کہ فلاں فلاں سامان اتنا اتنا دے دو، سامان لینے کے بعد قیمت دیتا ہے، بلکہ تجارتی لین دین میں عموماً ادھار سامان آتا ہے اگر مال حرام کے ذریعہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے کسی ایک ذریعہ سے تجارت کی جائے تو اس سے حاصل شدہ نفع مال حرام نہیں، اس پر زکات واجب اور اس کی زکات ادا کرنا اسی مال سے صحیح، عوام میں افراط و تفریط ہوتی ہے اپنے جی سے سیکڑوں ایسے کاروبار

(۱)- تنویر الأبصار مع الدر المختار، ج:۹، ص:۲۷٦، كتاب الغصب، دار الكتب العلمية، بيروت.

کرتے ہیں جو شرعا حرام ہیں مگر انھیں احساس تک نہیں بلکہ اگر کوئی انھیں روکے تو اس سے جھگڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ضرر و مجبوری کی داستانیں سنانے لگتے ہیں، اور جب از خود کسی چیز کو حرام سمجھ لیتے ہیں تو پھر وہ شرعا حلال ہو تو بھی اسے حلال تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ انھیں لاکھ علما کے ارشادات بتائے جائیں حالاں کہ ہم پر واجب ہے کہ شریعت کا جو حکم ہے اس کے آگے سر جھکا دیں۔ اگر مذکورہ بالا تفصیل نہ تسلیم کی جائے تو بازاروں کی چیزوں کا خریدنا اور حلال ہونا مشکل ہو جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم

۲۶ر محرم ۱۴۱۴ھ

[۲۷] بقایا رقم کی زکات

مسئلہ — ایک تاجر جس کا دس بیس ہزار بقایا لوگوں کے یہاں پڑا رہتا ہے تو آیا جب سال میں زکات نکالے گا تو اس بقایا رقم کی بھی زکات نکالنی ضروری ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ وہ بقایا رقم ایسی ہے جس کے ملنے کی پوری امید ہے۔

محمد ایوب القمر، بالا کوٹ، ایم پی

الجواب

بہتر یہی ہے کہ بقایا رقم کی بھی زکات نکال دے جب بقایا رقم کے ملنے کی پوری امید ہے تو اس کی زکات اس پر واجب ہے جب بھی یہ رقم وصول ہوگی اس کی زکات بلا تاخیر ادا کرنی واجب ہوگی۔ جتنے دنوں تک بقایا تھی اتنے سالوں کی۔ واللہ تعالی اعلم

۱۰ر محرم ۱۴۱۴ھ

[۲۸] پیشگی دیے گئے روپے پر زکات کا حکم

مسئلہ — زید نے کوئی بڑی جائداد زیادہ روپے پر طے کر لیا اور کچھ روپیہ بھی جائداد والے کو دے دیا، اور زید جائداد کا پورا روپیہ مکمل اکٹھا نہ کر سکا نہ جائداد لے سکا مگر جائداد لینے سے انکار نہیں کیا، اس طرح سال دو سال کا وقت گزر گیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا جو روپیہ جائداد والے کے پاس ہے اس روپیہ کی زکات زید کو دینی ہے یا نہیں؟

محمد یسین اشرفی، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

اگر آیندہ زید جائداد خرید لے گا تو ان روپیوں میں زکات نہیں کہ وہ من وجہ جائداد کے مالک کی ملک ہیں لیکن اگر بالفرض زید جائداد نہیں خرید سکا اور یہ روپے واپس ہو گئے تو یہ روپے جتنے دنوں جائداد والے کے پاس تھے ان دنوں کی زکات سال بہ سال زید کو دینی ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

۱۳/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۴ھ

[۲۹] دین کی زکات

مسئلہ-گورنمنٹ کی ملازمت میں ہر ملازم کی ہر ماہ ان کی تنخواہ سے کچھ روپیہ کاٹ کر جنرل فنڈ میں جمع کیا جاتا ہے ایسا قانون ہے۔ اس طرح جمع رقم جب ملازم چاہے نہیں نکال سکتا، اس کے نکالنے کے لیے گورنمنٹ کا قانون ہے کہ (۱) مکان بنانے کے لیے (۲) فیملی ممبر کی بیماری کے لیے (۳) بچوں کی شادی کے لیے (۴) تعلیم کے لیے (۵) مقدمہ خرچ کے لیے۔ ان صورتوں میں ملازم کی تین ماہ کی تنخواہ کے برابر اور بڑا آفیسر دس ماہ کی تنخواہ کے برابر رقم نکالنے کی منظوری دیتا ہے جسے زیادہ سے زیادہ دو قسطوں میں ملازم کو واپس جمع کرنا پڑتا ہے۔ پندرہ سال کی ملازمت کے بعد پارٹ فائنل اوپر لکھے ہوئے مدوں کے لیے دس ماہ کی تنخواہ کے برابر افسر کی منظوری کے بعد نکال سکتا ہے جو واپس جمع نہیں کرنا پڑتا ہے ورنہ ریٹائرمنٹ کے بعد جمع شدہ رقم واپس کرنے کا طریقہ ہے۔ میرے جنرل پروڈینٹ فنڈ میں ۶۷، ۶۸ء سے روپیہ جمع ہونا شروع ہوا ۶۷-۶۸ء میں ۱۳۶/ روپے، ۶۸-۶۹ء میں ۲۲۸/ روپے ۶۹-۷۰ء میں ۳۸۴/ روپے، ۷۰-۷۱ء میں ۴۳۴/ روپے، ۷۱-۷۲ء میں ۵۶۴/ روپے، ۷۲-۷۳ء میں ۵۸۶/ روپے، ۷۳-۷۴ء میں ۵۸۸/ روپے، ۷۴-۷۵ء میں ۵۹۶/ روپے، ۷۵-۷۶ء میں ۶۵۵/ روپے، ۷۶-۷۷ء میں ۷۲۰/ روپے، ۷۷-۷۸ء میں ۱۲۵۵/ روپے، ۷۸-۷۹ء میں ۱۱۷۰/ روپے، ۷۹-۸۰ء میں ۱۲۳۸/ روپے۔ کل رقم ۸۴۹۹/ روپے۔

جنرل پروڈینٹ فنڈ میں جمع رقم کی کیا زکات ابھی ادا کرنا پڑے گا یا رٹائرمنٹ کے بعد جب رقم واپس ہوگی اس وقت؟

اگر زکات بھی دی جائے تو مجھ کو اوپر لکھی رقم کی کتنی زکات ادا کرنی چاہیے؟

محمد شمیم بیگ رضوی، سب انجینئر پی ڈبلوڈی، تال دروازہ، نیکم گڑھ، ایم پی

الجواب

اس جمع شدہ فنڈ پر زکات سال بہ سال اس وقت واجب ہوگی جب یہ رقم بقدر نصاب ہو یا گھر میں کچھ ایسا مال ہو جس پر زکات واجب ہے تو اس فنڈ پر بھی زکات واجب ہوگی۔ اور اگر گھر میں مال زکات ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو لیکن اس فنڈ کے ملنے کے بعد بقدر نصاب ہو جائے تو بھی اس فنڈ پر زکات واجب ہوگی۔

آسانی اسی میں ہے کہ سال بہ سال زکات ادا کر دی جائے کہ زیادہ بوجھ نہ ہو اور حساب میں دقت بھی نہ ہو، ویسے ادائگی واجب اسی وقت ہوگی جب رقم وصول ہو جائے گی یعنی تاخیر سے گنہ گار نہ ہوگا۔

نوٹ: سونے چاندی میں زکات چالیسواں حصہ ہے اور نصاب ۵۶؍ روپے بھر چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا ان کی قیمت کے نوٹ میں یا مال تجارت جن پر سال گزر چکا ہو اور حوائج اصلیہ اور قرض سے فارغ ہوں۔ سونے چاندی کا بھاو گھٹتا بڑھتا ہے اس لیے روپے سے اس کی تعیین نہیں کی جا سکتی ہے آپ خود حساب لگالیں۔ واللہ تعالی اعلم

۱۴؍ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ

[۳۰] جی، پی، ایف کی رقم کی زکات

مسئلہ۔ صوبائی حکومت، یا مرکزی حکومت کے ملازم اپنی تنخواہ سے ایک بٹا آٹھ حصہ بصد مجبوری جمع کرتے ہیں جسے عرف عام میں جنرل پرویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں۔ جس فنڈ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملازم ریٹائرمنٹ کے وقت اس جمع شدہ روپے اور مزید اس پر نفع حکومت وقت کے قانون کے مطابق جو کچھ ملے گا اس کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اس جمع شدہ روپے میں سے ہر ایک ملازم کو مندرجہ ذیل سہولتیں بھی میسر ہیں:

اس فنڈ سے بغیر سود کے قرض لے سکتے ہیں، اور اپنی سہولت کے مطابق زیادہ سے زیادہ چالیس مہینہ میں اس قرض کو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

بیس سال ملازمت ہونے کے بعد اس روپے سے قرض لے کر اسے پھر نہ لوٹانے کی بھی سہولت حاصل ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جی، پی، ایف کے جمع شدہ روپے پر زکات کب واجب ہوگی؟ آیا یہ کہ

جب سے روپیہ جمع ہونا شروع ہوا ہے، یا کل روپیہ وہ ملازم ریٹائر ہونے کے بعد وصول کرے گا اس دن سے ایک سال گزرنے پر واجب ہوگی، یا شروع ہی سے یعنی جب اس ملازم نے ملازمت کی اور روپیہ جمع کرنا شروع کیا؟

محمد عطا کریم، کیراف عسکری احمد، اسسٹنٹ ٹیچر، دھام نگرہائی اسکول، بالاسور، اڑیسہ

الجواب

اس فنڈ پر زکات اسی وقت سے واجب ہو جائے گی جب وہ بقدر نصاب ہو کر اس پر ایک سال گزر جائے اس کے بعد سال بہ سال جتنا اضافہ ہوتا جائے گا اسی کے مطابق زکات بڑھتی جائے گی۔

نصاب کا مطلب یہ ہوا کہ اصل نصاب ۵۶؍ بھر چاندی ہے، چھپن بھر چاندی کی جو قیمت ہے وہ نصاب ہے۔ جب اس پر ایک سال گزر جائے گا تو زکات واجب ہو جائے گی۔ پھر سال بہ سال جتنا اضافہ ہوگا اتنی ہی زکات بڑھتی جائے گی۔

مثلاً فرض کر لیجیے کہ اس وقت چاندی کا بھاؤ ۲۵؍ روپیہ بھری ہے تو چھپن روپے بھری چاندی کی قیمت چودہ سو روپے ہوئے، جب اس فنڈ میں ۱۴۰۰؍ روپے جمع ہو جائیں تو نصاب پوری ہوئی، جب اس پر ایک سال گزر جائے تو زکات فرض ہوئی اب اس پر اضافہ ہوتا جائے گا اسی حساب سے سال بہ سال زکات بڑھتی جائے گی۔

ہاں! جب قانون یہ ہے:

جب تک ملازم زندہ ہے اور مدت ملازمت پوری نہیں ہوتی اس کو یہ روپیہ نہیں مل سکتا تو مال پر اس کا قبضہ نہ ہوا؛ اس لیے زکات کی ادائگی سال بہ سال فوری طور پر واجب نہیں۔ لیکن جب کبھی اس کا یہ روپیہ وصول ہوگا تو جس وقت سے نصاب پوری ہوئی اس وقت سے لے کر سال بہ سال کی شرح سے الگ الگ زکات واجب ہوگی جو ایک کثیر رقم ہوگی۔ جس کا ادا کرنا نفس پر دشوار ہوگا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ جب سے زکات واجب ہو جائے اسی وقت سے سال بہ سال زکات دیتے جائیں کہ اس میں آسانی ہے۔

مثلاً فرض کیجیے کہ کسی کا یہ فنڈ اس سال بقدر نصاب ہو کر سال پورا ہو گیا۔ یہ بھی فرض کر لیجیے کہ چاندی کا بھاؤ پچیس روپیہ بھری ہے تو اب کسی کا فنڈ پہلی محرم ۱۴۰۱ھ کو ۱۴۰۰؍ روپے ہو گیا تھا تو اس پر پہلی محرم ۱۴۰۲ھ کو پینتیس روپیہ زکات واجب تھی اب فرض کیجیے کہ پہلی محرم ۱۴۰۲ھ کو یہ رقم دو ہزار ہو گئی تو پھر ۱۴۰۳ھ کی پہلی محرم کو اس کی زکات پچاس روپیہ ہو گئی۔ اب اگر اس نے ۱۴۰۱ھ کی زکات نہیں دی تو دو سال کی زکات کی

مقدار پچاسی روپیہ ہوگئی۔ پینتیس پہلے سال کی اور پچاس دوسرے سال کی۔ اسی طرح اگر ہر سال زکات نہیں دے گا تو مقدار بڑھتی چلی جائے گی، پھر ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس نے زکات نہیں دی اور وہ مر گیا یہ مال اس کے وارثین کو ملا وہ زکات دیں گے کہ نہیں کیا معلوم، اس لیے بہتر یہ ہے کہ سال بہ سال زکات دے دیا کرے۔ واللہ تعالی اعلم

[۳۱] فکس ڈپازٹ کی رقم کی زکات

مسئلہ - زید ایک کمپنی میں ملازم تھا، زید کی بیماری کے سبب زید کو اپنی ملازمت چھوڑنی پڑی، کمپنی نے ملازمت چھوڑنے کے بعد تقریباً پونے دو لاکھ روپے زید کو دیا، اس سے پیش تر دوران ملازمت زید صاحبِ نصاب نہیں تھا جو رقم کمپنی سے وصول ہوئی اس رقم کے ملتے ہی ڈاک خانہ میں فکس ڈپازٹ کھاتہ میں جمع کرادی۔ جمع رقم کے عوض ماہانہ پندرہ یا اٹھارہ سو روپے بطور نفع ملتا ہے جو ضروریات میں خرچ ہو جاتا ہے، اس جمع شدہ رقم پر زکات واجب ہوگی یا نہیں؟ کتنا روپیہ بچنے پر زکات واجب ہوگی؟ بینوا توجروا

قاضی ریاض الدین، میلاڈ آنند، گجرات

الجواب

کمپنی سے یہ پونے دو لاکھ روپے ملتے ہی زید مالک نصاب ہو گیا اور جب یہ روپے ڈاک خانہ میں فکس ڈپازٹ میں جمع کر دیا تو جب تک یہ روپے ڈاک خانہ میں جمع رہیں گے یہ مالک نصاب ہی رہے گا، اور سال بہ سال اس پر زکات ادا کرنی واجب ہوگی بلکہ اگر اس کے پاس اس کے علاوہ بھی مزید رقم پسماندہ ہو اگر چہ تھوڑی ہی ہو مگر خمس نصاب سے کم نہ ہو تو اس پر بھی زکات واجب ہوگی، یہ اس صورت میں ہے کہ یہ پونے دو لاکھ روپے جو فکس ڈپازٹ میں جمع ہیں محفوظ رہے، اور اگر یہ صورت ہو کہ اسے ماہانہ جو کچھ ملتا ہے وہ جمع شدہ میں سے حذف ہو جاتا ہے تو سال پورا ہونے پر جتنا بچے گا اس کی زکات واجب ہوگی۔ مثلاً اسے ہر مہینہ دو ہزار ملتا ہے اور جمع شدہ سے وضع ہو جاتا ہے تو سال بھر میں پونے دو لاکھ میں سے چوبیس ہزار نکل گئے اور ایک لاکھ اکیاون ہزار بچا تو اب ایک لاکھ اکیاون ہزار کی زکات واجب ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

۱۵ ؍ رجب ۱۴۲۰ھ

[۳۲] ڈاک خانے میں جمع شدہ رقم کی زکات

مسئلہ- زید صاحب نصاب ہے لیکن اس نے اپنی رقم مدت مقررہ چھ سال کے لیے ڈاک خانہ میں جمع کر دی ہے۔ جمع شدہ رقم کی زکات زید ہر سال اپنے پاس سے ادا کرے یا چھ سال کے بعد جب رقم کی وصولی ہو تو ادا کرے اور اصل رقم کے علاوہ جو زائد ملتا ہے اس پر زکات ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کب سے ہے اور اصل رقم کی زکات سالہاے گزشتہ کی کس طرح ادا ہوگی یعنی ہر سال کی یا وصولیابی کے سال کی؟

مولانا محمد انوار، مسجد مجھا خورد، پورن پور، پیلی بھیت، یوپی

۲/ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ

الجواب

زید کی جو رقم ڈاک خانہ میں جمع ہے اس کی زکات ہر سال اس پر واجب ہے، چھ سال کے لیے جمع کیا ہے تو چھ سال کی زکات واجب ہے مثلاً وہ روپیہ ایک ہزار ہے تو اس پر سالانہ ان روپیوں کی پچیس روپے زکات واجب ہے، اس طرح چھ سال کی زکات ڈیڑھ سو روپے ہوئے۔ بہتر یہی ہے کہ ہر سال کی زکات سال بہ سال ادا کرے، اور یہ بھی جائز ہے کہ جب روپیہ وصول کرے تو اکٹھے چھ سال کی پوری زکات ادا کر دے، ڈاک خانے سے جو زائد رقم ملے گی وہ اگر خمس نصاب تک پہنچ جائے تو اس پر بھی سال گزرنے پر زکات واجب ہوگی۔ اب آپ اس کو یوں سمجھیے کہ چاندی کا نصاب چھپن روپے بھر چاندی ہے، اس کا خمس نصاب گیارہ روپے بیس نئے پیسے بھر ہے۔ جب ڈاک خانہ میں جمع شدہ رقم گیارہ روپے بیس نئے پیسے بھر چاندی کو پہنچ جائے تو اس پر بھی زکات ہے اس سے کم پر معاف ہے، اسی طرح اس کے آگے بھی۔ حساب لگاتے وقت ذہن میں یہ رکھیے گا کہ چاندی کا نصاب چھپن روپے انگریزی روپے سے ہے جو گیارہ گرام چار سو چھیاسٹھ ملی گرام کا ہوتا ہے، اور آج کل چاندی میں جو بھری بولتے ہیں وہ دس گرام ہوتی ہے۔ حساب کی پر پیچ گتھیوں میں الجھنے سے بہتر ہے کہ جتنا روپیہ ہو خواہ اصل خواہ ڈاک خانے سے ملی ہوئی زائد رقم سال بہ سال سب کی زکات نکال دیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۳۳] جمع شدہ رقم کی زکات

مسئلہ- بکر کارخانہ میں کام کرتا ہے اور اس کی تنخواہ میں سے کچھ روپے کٹ جاتے ہیں اور کچھ روپے وہ خود کٹواتا ہے، اگر ان روپیوں کو ملایا جائے تو بکر مالک نصاب بن جاتا ہے تو اس روپے کے بارے، میں کیا حکم ہے جو سرکار خود کاٹتی ہے اور ریٹائر ہونے کے بعد دیتی ہے کہ زکات دیا جائے یا نہیں ؟ اگر دیا جائے تو کس طرح سے ؟ اور اس روپے کے بارے میں کیا حکم ہے جو خود کٹواتا ہے ؟

عباس حسین قادری، مقام و پوسٹ منجورا، بکارو اسٹیل سیٹی: بہار

الجواب

جو روپے کمپنی خود کاٹ کر بکر کے نام جمع کرتی ہے، یا بکر اپنی مرضی سے روپے کٹوا کر اپنے نام کراتا ہے ان کو ملا کر اور بکر کے پسماندہ روپیوں کو ملا کر نصاب پوری ہو جاتی ہے اور ان سب پر سال پورا ہو جائے تو بکر پر زکات فرض ہے۔ سب روپیوں کی زکات اس پر فرض ہو جاتی ہے، جو روپے کٹ کر اس کے نام جمع ہیں ان کی زکات اس پر سال بہ سال واجب ہے مگر ادائگی فوراً واجب نہیں جب روپے وصول ہوں گے تب گزشتہ سالوں کی بھی زکات فوراً ادا کرنا واجب ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ سال بہ سال زکات ادا کرتا جائے اس میں آسانی ہے؛ اس لیے کہ اس میں حساب لگانے میں بھی سہولت ہے اور نفس پر شاق نہیں ہوگا، اور روپے ملنے پر حساب لگانا بھی دشوار ہوگا اور ایک مشت زیادہ رقم ادا کرنا نفس پر شاق ہوگا۔ مثلاً پہلے سال کی کٹوتی سے ایک ہزار روپیہ اس کے نام جمع ہو گیا۔ ایک ہزار کی زکات ڈھائی فی صد کے حساب سے پچیس روپے ہوئے اس میں آسانی ہے، اس کے بر خلاف جب وہ ریٹائر ہوگا اور مثلاً اس کو ایک لاکھ روپے ملے تو اسے سال بہ سال روپیوں کا ٹوٹل معلوم کرنا پڑے گا۔ پھر اس کی زکات کا حساب لگانا پڑے گا اس میں کتنا طول عمل ہے مخفی نہیں؛ اس لیے آسانی اسی میں ہے کہ سال بہ سال زکات دیتا رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳؍ شعبان ۱۴۱۸ھ

[۳۴] جہیز کے سامان پر زکات نہیں

مسئلہ- اکثر و بیشتر عورتوں کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہوتا ہے، ان کے نان و نفقہ کا ذمہ ان کے شوہر

پر ہوتا ہے، اگر کسی عورت کو جہیز میں اتنا مال ملے کہ مالک نصاب کی حد کو پہنچا ہوا ہو تو اب اس مال کی زکات ادا کرنے کی ذمہ داری عورت پر ہے یا اس کے شوہر پر؟ عورت کا ذریعہ معاش نہ ہونے کی بنا پر اگر اس مال کی زکات عورت کی طرف سے اس کا شوہر ادا کرے تو کیا زکات ادا ہو جائے گی؟

غلام محمد سلیمانی، نخاس گیٹ، ناگ پور، راجستھان

الجواب

جہیز کا سامان کتنا ہی ہو اس پر زکات نہیں، زکات صرف مال نامی پر واجب ہے۔ ہاں زیور ہو تو زیور پر واجب ہے یعنی میکے والوں نے لڑکی کو جو زیورات دیے ہیں وہ اگر بقدر نصاب ہوں تو ان کی زکات عورت پر واجب ہے صرف زکات ہی نہیں، صدقۂ فطر اور قربانی بھی واجب ہے، عورت کے پاس اگر اور کوئی مال نہیں تو اس پر فرض ہے کہ زیور بیچ کر زکات ادا کرے، قربانی کرے، صدقۂ فطر دے۔ اگر شوہر بیوی کی طرف سے ادا کردے تو صحیح ہے مگر ضروری ہے کہ عورت کو بتادے تاکہ وہ نیت کرلے، شوہر نے اپنی جیب سے ادا کر دیا اور بیوی نے نیت نہیں کیا تو ادا نہ ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

[۳۵] موتی اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان پر زکات نہیں

مسئلہ— فلاح دین و دنیا صفحہ ۲۴۵ اور صفحہ ۲۴۶ جلد اول جس کا دیباچہ مولانا سید ظہور احمد صاحب، شاہ جہاں پوری نے لکھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ”جواہرات اور موتیوں پر بھی اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو زکات نہیں۔ اسی طرح اگر پیسے خرچ کرنے کے لیے نہ ہوں اور نہ تجارت کے لیے ان پر زکات نہیں“۔
دریافت طلب یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا مسئلہ صحیح ہے؟

مقبول نگر، کرناٹک

الجواب

یہ صحیح ہے کہ جواہرات اور موتی اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو ان پر زکات نہیں، اور پیسے جب تک ان کا چلن ہو ثمن اصطلاحی ہیں اور ان پر زکات ہے اگرچہ صرف جمع کرنے کے لیے ہوں؛ وجہ یہ ہے کہ زکات

مال نامی پر ہے مال نامی تین ہیں: ثمن خواہ خلقی ہوں جیسے سونا چاندی یا اصطلاحی ہوں جیسے نوٹ، پیسے۔ سوائم، مال تجارت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۶] قرض لے کر زکات ادا کرنے سے زکات ادا ہو جائے گی

مسئلہ- ایک شخص شادی شدہ ہے، دوسری عورت سے اس کے ناجائز تعلقات ہیں جس کے دو گواہ موجود ہیں، یہی شخص مسجد کے ٹرسٹیوں میں سے ہے۔ کیا ایسے شخص کو مسجد کی کمیٹی میں رہنا مناسب ہے؟

اسی شخص نے ایک دکان دار سے زکات دینے کے لیے آٹھ روز کی مدت پر ایک شے ادھار خریدی، دکان دار نے آٹھ روز کے بعد کئی مرتبہ پیسے دینے کا مطالبہ کیا تو اس شخص نے ٹال مٹول کیا اور ابھی تک دکان دار کو پیسہ ادا نہیں کیا۔ کیا اس طرح زکات ادا کرنے کا اسلام میں حکم ہے؟

یہی شخص گاؤں کے نوجوان بچوں کو غلط حرکات کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس سے گاؤں کے اسلامی ماحول کو خطرہ ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں شرعا کیا حکم ہے؟

ارشد عابد ملا، وداولی، پوسٹ اوچات ٹالا، واڈا، مہاراشٹر

الجواب

زنا کرنے اور شہر کے بچوں کو غلط حرکات پر آمادہ کرنے کی وجہ سے یہ شخص فاسق معلن ہے، جہنم کا مستحق ہے۔ کسی سے قرض لے کر زکات ادا کر دی تو زکات ادا ہو گئی البتہ اگر باوجود وسعت قرض ادا کرنے میں تاخیر کرتا ہے تو ظالم ہے، حدیث میں ہے: مطل الغنی ظلم [1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- السنن لأبي داؤد، ص: ٤٧٥، ج: ٢، كتاب البيوع، باب فی المطل.

فصل في المعادن

دفینہ کا بیان

[۳۷] دفینہ کا حکم

مسئلہ میرے والد کے مکان سے کافی عرصہ کے بعد دفن کیا ہوا مال ملا، اب اس مال پر وارثوں کو زکات دینی جائز ہے اور ہے تو کتنی زکات دی جائے یعنی جس طرح صاحب نصاب زکات ادا کرتا ہے اس طرح، یا اس مال پر زکات کا کچھ اور حکم ہے؟

ابراہیم انصاری، گارڈن کالونی، ممبئی

الجواب

اگر یہ معلوم ہو کہ یہ دفینہ اس کے باپ یا دادا نے گاڑا تھا اور زکات نہیں دی تھی تو جس دن سے اس کو گاڑا تھا اس دن سے لے کر آج تک اس کی زکات چالیس روپے میں ایک روپیہ کے حساب سے ادا کریں، اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو یہ دفینہ اس زمین کے مالک اول کا ہے، وہ نہ ہو تو اس کے وارثین کا ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس دفینہ میں جو سکہ ہے اس کو دیکھا جائے کہ اس پر کون سا سنہ ہے جس سنہ کا ہو یہ دیکھا جائے کہ اس سنہ میں یہ مکان کس کے قبضہ میں تھا، اس سنہ میں جس کے قبضے میں یہ مکان ہو اسی کا مانا جائے گا یا اس کے وارثین کا، اس صورت خاص میں زکات انھیں لوگوں پر ہے جن کی یہ ملک ثابت ہو گا۔ بشرطے کہ یہ معلوم ہو کہ زکات نہیں دی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

الباب الرابع فی زکاۃ الزروع والثمار

زراعت اور پھلوں کی زکات

[۱] عشری اور خراجی زمینوں کا بیان

مسئلہ خراجی اور عشری زمین کسے کہتے ہیں، اور زکات کس پر ہے، تفصیل سے بیان فرمائیں؟

ابوالکلام احمد، مقام وپوسٹ کسم کھور، قنوج، یوپی

الجواب

ہندوستان کی عام زمینیں عشری ہیں جب تک کسی خاص زمین کے بارے میں ثابت نہ ہو جائے کہ یہ خراجی ہے۔ خراجی زمین وہ ہے جسے مسلمانوں نے فتح کر کے بطور احسان مفتوح قوم کو دے دیا، یا دوسرے کافروں کو دے دیا، یا وہ ملک صلح کے طور پر فتح کیا گیا، یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی، یا ذمی نے بادشاہ اسلام کے حکم سے بنجر زمین کو کھیت یا باغ بنایا، یا بنجر زمین ذمی کو دے دی گئی، یا اسے مسلمان نے آباد کیا اور وہ خراجی زمین کے قریب تھی، یا اسے خراجی پانی سے سیراب کیا ان سب صورتوں میں وہ زمین خراجی ہے، اس کے علاوہ بقیہ تمام زمینیں عشری یا عشری کے حکم میں ہیں۔

خراجی زمین پر خراج ہے اور عشری زمین پر عشر۔ عشر کل پیداوار کا دسواں حصہ ہے یا بیسواں حصہ۔ اگر وہ کھیت بارش یا سیلاب کے پانی سے تیار ہو جاتا ہے تو اس میں پیداوار کا دسواں حصہ ہے، اور اگر کھیت بارش یا سیلاب کے پانی سے نہیں تیار ہوتا محنت کر کے پانی دینا ہوتا ہے، مثلاً تالاب سے یا کنوئیں سے کھینچ کر یا قیمتہً پانی لے کر سینچنا پڑتا ہے، مثلاً نہر یا ٹیوب ویل سے، یا اپنا ٹیوب ویل چلا کر یا پمپ سے پانی کھینچ کر تو پیداوار کا بیسواں حصہ ہے۔

اور خراج کی تفصیل بہت طویل ہے جس کا اجمال یہ ہے اگر یہ معلوم ہو کہ سلطنت اسلامیہ میں کتنا خراج مقرر تھا تو وہ دیں۔ ہاں! اگر وہ خراج مؤظف ہے جسے عرف میں لگان کہتے ہیں مثلاً کھیت پیچھے ایک روپیہ دو روپیہ تو وہ دیں بشرطے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقرر فرمایا تھا اس سے زیادہ نہ ہو، اور اگر وہ خراج مقاسمہ ہے یعنی پیداوار کا نصف یا چوتھائی تو وہ دیں بشرطے کہ نصف سے زائد نہ ہو، اور اگر نصف سے زائد مقرر رہا ہو تو صرف نصف دیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنا مقرر فرمایا تھا اس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

ہر قسم کے غلے میں فی جریب ایک درم اور پیداوار کی ایک صاع۔ خربوزے اور تربوز کی پالیز[1] اور کھیرے ککڑی بیگن وغیرہ ترکاریوں میں فی جریب ۵ر درم، انگور اور کھجور کے گھنے باغوں میں جس کے اندر زراعت نہ ہو سکے دس درم۔

جریب کی مقدار انگریزی گز سے ۳۵ x ۳۵ر گز ہے، اور یہاں صاع کی مقدار ۲۸۸ر روپیہ بھر، اور ایک درم چار آنہ $\frac{۱۹}{۲۵}$۵ پائی چاندی ہے، پوری تفصیل کے لیے بہار شریعت حصہ پنجم کا مطالعہ کریں۔ عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکات کے ہیں۔ البتہ خراج کی رقم ہر کار خیر میں صرف ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ر ذو قعدہ ۱۴۱۹ھ

[۴-۴] جو زمین شاہوکاروں سے مسلمانوں کو ملی وہ خراجی نہیں

مسئلہ- ۱ ہندوستان کی زمین خراجی ہے یا عشری؟ خراجی کسے کہتے ہیں اور عشری کسے کہتے ہیں؟

۲ ہمارے یہاں جو زمین ہے وہ دو قسم کی ہے، پہلی قسم جس کے بارے میں ہم کو معلوم نہیں ہے کہ بادشاہوں کے وقت سے اب تک مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہوئے میرے پاس آئی ہے، یا درمیان میں کسی غیر قوم نے کبھی قبضہ کیا تھا، وہ زمین خراجی ہے یا عشری؟

۳ زمین کی دوسری قسم وہ ہے جو پہلے غیر قوم کے پاس تھی جیسے شاہوکار وغیرہ، وہ ایک ایک سال کے

(۱)- پالیز: سبزہ زار، خربوزہ، ککڑی کا کھیت۔

لیے ہم کو دیتے اور ہم سے روپیہ لیتے تھے۔ ایک بیگھا زمین ایک سال کے لیے ایک سو روپے، دو سال کے لیے دو سو روپے، چار سال کے لیے چار سو روپے وعلی ھذا القیاس۔ پھر جب مدت ختم ہو جاتی تھی وہ زمین ہم سے لے لیتے تھے، تھوڑے دن کے بعد کانگریس کے دور میں یہ قانون بنا کہ جو کاشت کار نہیں ہے وہ زمین نہیں رکھ سکتا لہٰذا وہ زمین شاہو کار سے لے کر چار سو روپیہ بیگھا کے حساب سے ہم سے قیمت لے کر زمین والے کو دیا، اور ہم سے کانگریس حکومت نے یہ شرط لگائی کہ یہ زمین تم جوتو اور اس کی فصل کھاؤ اور اپنی ضروریات پوری کرو لیکن اس زمین کو تم فروخت نہیں کر سکتے، نہ کسی کو ھبہ اور نہ صدقہ کر سکتے ہو ایسی زمین خراجی ہے یا عشری؟

دار العلوم معین الاسلام، اہل سنت و جماعت، تھام، ڈاک خانہ تھام، ضلع تھام

الجواب

❶ تا ❸ ہندوستان کے جن حصوں پر مسلمانوں کی سلطنت کا یقینی علم ہو وہاں کی زمین میں اصل یہ ہے کہ وہ عشری ہیں جب تک دلیل سے ان کا خراجی ہونا معلوم نہ ہو، رہ گئے وہ حصے جہاں مسلمانوں کی سلطنت نہ قائم ہو سکی، یا برائے نام قائم رہی مثلاً وہاں کوئی ہندو راجہ حاکم رہا سلطان اسلام کو خراج دیتا رہا۔ وہاں کی زمین خراجی ہے۔

خراجی زمین وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ملک فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو بطور احسان دے دیا، یا دوسرے کافروں کو دے دیا، یا وہ ملک صلح کے طور پر فتح ہوا، یا ذمی کافر نے مسلمان سے عشری زمین خریدی، یا مسلمان نے ذمی سے خراجی زمین خریدی، یا بادشاہ اسلام کے حکم سے ذمی نے بنجر زمین آباد کیا۔ یا بنجر زمین ذمی کو دے دی گئی، یا بنجر زمین مسلمان نے قابل کاشت بنائی اور وہ خراجی زمین کے قریب تھی، یا اسے خراجی پانی سے سیراب کیا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: وما فتح عنوة و لم يقسم بين جيشنا أقر أهله عليه أو نقل إليه كفار أخر أو فتح صلحا خراجية[1] ... وموات أحياه ذمي بإذن الإمام أو رضخ له

---

(۱)- الدر المختار مع تنوير الأبصار، ص: ۲۹۱ – ۲۹۲، ج:٦، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، دار الكتب العلمية، بيروت

خراجي ولو أحياه مسلم اعتبر قربه[1]۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

واعتبر محمد الماء فإن أحياها بماء الخراج فخراجية وإلا فعشرية[2]۔

جس زمین کے بارے میں آپ نے سوال کیا ہے یہ خراجی ہے؛ اس لیے کہ وہ پہلے غیر مسلم کے پاس تھی تولا محالہ وہ خراجی تھی، اب کانگریس نے مسلمانوں کو دی تو خراجی ہی رہی؛ اس لیے کہ خراجی زمین اگر غیر مسلم سے کوئی مسلمان خریدے تو بھی وہ خراجی ہی رہتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۵] نیپال کی زمین پر عشر واجب نہیں

مسئلہ عشری زمین کے بارے میں مشہور ہے کہ دسواں حصہ، یا بیسواں حصہ زکات نکالنا فرض ہے اگر کوئی شخص چالیسواں یا چونسٹھواں حصہ نکالے اور بھروسہ کرلے کہ میں نے زکات ادا کرلیا، میرے ذمہ سے زکات ساقط ہوگئی تو کیا وہ چونسٹھواں حصہ، یا چالیسواں حصہ زکات کا جز ہوگا یا نہیں؟۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ حصہ بھی زکات ہی کا جز ہے مگر زید کا کہنا ہے کہ جب وہ دسواں یا بیسواں حصہ نکالا ہی نہیں تو پھر اس کا جز کیسے ہوگا۔ وہ مذکورہ حصہ جس کو "من سیرا" کہا جاتا ہے یعنی ایک من میں ایک سیر وہ زکات یا زکات کا جز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مسجد، پل، سڑک وغیرہ میں صرف کرنا کیسے ناجائز ہوگا؟

محمد رحمت علی قادری رضوی، نیپال

الجواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ نیپال کی زمین عشری نہیں۔ نیپال دار الاسلام نہیں، اس لیے وہاں کی کسی زمین پر عشر واجب نہیں بلکہ سب خراجی زمینیں ہیں۔ خراج کی رقم سے بغیر حیلہ شرعیہ مسجد مدرسہ دونوں بنوایا جاسکتا

---

(۱)- الدر المختار مع تنویر الأبصار، ص:۳۰۱، ج:٦، کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:۳۰۱، ج:٦، کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، دار الكتب العلمية، بيروت

ہے، خراج کا مصرف مسلمانوں کا رفاہ عام ہے، رہ گئی اگر واقعی کوئی زمین عشری ہے اور اس زمین کا کاشت کار ''من سیرا'' بہ نیت زکات نکالتا ہے تو یہ زکات کا جز ہوگا، اسے مسجد مدرسہ وغیرہ میں بغیر حیلہ شرعیہ صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

[۶] ''نہروں سے جو کھیت سینچا جائے اس میں عشر ہے'' کا مطلب

مسئلہ- جو کھیت سرکاری نہر کے حدود میں آتے ہیں، گورنمنٹ ان کھیتوں پر پانی کی لگان وصول کرتی ہے، کھیت میں اس سے پانی لیا جائے، یا نہ لیا جائے کم لیا جائے یا زیادہ تو ایسی شکل میں ان کھیتوں میں اگر نہر سے پانی دیے بغیر غلہ پیدا ہو تو اس پر عشر یعنی دسواں واجب ہوگا یا بیسواں؟

نثار احمد پردھان، چریاکوٹ، اعظم گڑھ

الجواب

فقہاے نے فرمایا کہ ''نہروں سے جو کھیت سینچا جائے اس میں عشر ہے'' یہاں نہر سے مراد دریا، یا نالا ہے کہ جس سے بغیر محنت اور پیسے کے کھیت سیراب ہو جائے اور گورنمنٹ کی بنوائی نہروں سے پانی لینے میں جب پانی کا پیسہ دیا جاتا ہے تو اس سے جو کھیت سینچا جائے اس میں بیسواں ہوگا۔ در مختار میں ہے:

وفی کتب الشافعية أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه.(۱)

گورنمنٹ کی نہروں سے پانی لینے میں کوئی حرج نہیں اگر پانی نہ لیا پھر بھی گورنمنٹ پیسے وصول کرلے تو ظاہر ہے کہ ان کھیتوں پر عشر واجب ہوگا؛ اس لیے کہ یہ کسی ایسے پانی سے نہیں سینچا گیا جو محنت سے حاصل ہوا ہو یا قیمت سے۔ گورنمنٹ نے جو لگان لی وہ گورنمنٹ کا ظلم ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۷] غلے کی زکات میں چالیسویں والی بات عوام میں غلط مشہور ہے

مسئلہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ، غلہ میں بھی چالیسواں زکات ہوتی ہے، ہمیشہ سے ہم لوگ یہی سنتے

(۱)-الدر المختار فوق رد المحتار، ص:۲۶۸، ج:۳، کتاب الزکاة، باب العشر، دار الکتب العلمیة، بیروت

ہیں، دسواں بیسواں کا مسئلہ تو نیا ہے جسے اب کے مولویوں نے نکالا ہے۔ لہذا اس سلسلے میں بھی شرعی حکم سے آگاہ فرمایا جائے کہ یہ مسئلہ نیا نکالا گیا ہے یا پرانا ہے؟ بینوا توجروا

نثار احمد پردھان، چریا کوٹ، اعظم گڑھ، یوپی
۳؍ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

الجواب

غلے کی زکات میں چالیسویں والی بات عوام میں بہت مشہور ہے مگر یہ صرف عوام کی بات ہے، کبھی کسی عالم نے یہ نہیں بتایا ہوگا، عوام میں ایسی بہت سی باتیں مشہور ہو جاتی ہیں جو غلط ہوتی ہیں مثلاً عوام میں مشہور ہے اور اس پر عوام کا عمل بھی ہے کہ طلاق کی عدت تین ماہ تیرہ دن ہے۔ حالاں کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے، قرآن مجید نے مطلقہ کی عدت تین حیض رکھی ہے جو انتالیس دن میں بھی ہو سکتی ہے، اور دس برس میں بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بھی ہے، عشر اور نصف عشر کا حکم حدیث سے ثابت ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جسے بارش یا چشموں نے سینچا ہو اس میں عشر ہے، اور جسے پانی چھڑک کر سینچا گیا ہو، اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

[۸] اگر بارش کا پانی غالب ہے تو دسواں دینا ہوگا

مسئلہ اگر تھوڑا پانی کھیت میں دیا گیا اور زیادہ بارش کے پانی سے اگا، تو ایسی صورت میں دسواں ہوگا، یا بیسواں؟

نثار احمد پردھان، چریا کوٹ، اعظم گڑھ، یوپی
۳؍ ربیع الآخرہ ۱۴۱۶ھ

الجواب

---

(۱)- الصحيح للبخاري، كتاب الزكاة، باب العشر فيما يسقى من السماء إلخ، ج: ۱، ص: ۲۰۱، مجلس البركات. ونصه: عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر.

اس صورت میں عشر واجب ہوگا۔ در مختار میں ہے: ولو سقی سیحا اعتبر الغالب۔ [1] واللہ تعالیٰ اعلم

[۹] بیر میں عشر ہے

مسئلہ — ہمارے یہاں بیر کی کھیتی ہوتی ہے اور سال میں صرف ایک مرتبہ اس میں پھل آتا ہے اور حسب ضرورت کبھی کبھی پانی بھی دینا پڑتا ہے اور دوائیں زیادہ ڈالنی پڑتی ہیں، آیا ایسی صورت میں بیر میں عشر ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنا؟

مشتاق احمد، ہر سول گجرات

۱۸/ اگست ۱۹۹۹ء

الجواب

بیر میں عشر ہے جس طرح اور پیداواروں میں ہے۔ فقہا فرماتے ہیں:

کل ما أخرجت الأرض ففیه العشر قلیلا کان أو کثیرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱/ جمادی الآخرہ ۱۴۲۰ھ

[۱۰] پیداوار کے عشر کی قیمت دینے میں حرج نہیں

مسئلہ زید تمباکو کی کھیتی کرتا ہے اس کا عشر کیسے نکالا جائے؟ کیا ایسا کر سکتا ہے کہ تمباکو فروخت ہونے پر اور دوسرے مال کی زکات نکالنے کے ساتھ ساتھ فروخت شدہ تمباکو کے پیسے کا بھی زکات نکال دے۔ بینوا توجروا

ابو الکلام احمد، مقام و پوسٹ کسم کھور، قنوج، یوپی

الجواب

اصل حکم یہی ہے کہ تمباکو کی پیداوار سے عشر نکالے مگر چوں کہ اس میں کئی دشواریاں ہیں، اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ پیداوار کے عشر کی قیمت فقرا و مساکین کو دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/ ذو قعدہ ۱۴۱۹ھ

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۲۶۹، ج: ۳، کتاب الزکاۃ، باب العشر، دار الکتب العلمیة، بیروت.

[۱۱] پیداوار میں حولان حول شرط نہیں

مسئلہ- زروع وثمار میں زکات کے لیے حولان حول شرط ہے یا نہیں، نیز زروع وثمار میں کتنے وزن کا ہونے پر زکات فرض ہے؟ کیا اس میں کوئی مقدار معین ہے؟

محمد عظیم اللہ، مدرسہ تبلیغیہ غوثیہ انوار العلوم، ربوتھ، گوپال گنج، بہار

الجواب

زروع وثمار میں نہ حولان حول کی شرط ہے، نہ اس کی کوئی نصاب ہے، تھوڑی پیداوار ہو یا زیادہ بہر حال اس میں سے زکات نکالنی واجب ہے، اگر زمین عشری ہے اور اس میں اپنی محنت یا اجرت پر پانی نہیں دیا جاتا تو پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہے ورنہ بیسواں، اور اگر وہ زمین خراجی ہے تو خراج واجب ہے۔ خراج مختلف قسم کی پیداوار پر مختلف مقدار میں واجب ہے تفصیل سے لکھیے کہ وہ زروع وثمار کیا ہیں تو جواب دیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲] گھر کے سبزی اور پھل پر بھی عشر ہے

مسئلہ- خالد نے نصف بیگھا زمین گھر بنانے کے لیے وضع کیا ہے، اس نصف بیگھا زمین کے کچھ حصہ میں رہنے کے لیے مکان بنایا ہے، اور کچھ حصہ میں بیل کا گھر بنایا ہے، اور کچھ حصہ فصل کی دونی کے لیے چھوڑ رکھا ہے، جیسا کہ دیہاتوں میں ہوتا ہے اور اس نصف بیگھا زمین ہی کے اندر کہیں سبزی کا درخت لگا دیا ہے تو کیا اس پھل دار درخت کے پھل کا عشر نکالنا پڑے گا، از روے شرع کیا حکم رکھتا ہے؟

محمد سجاد حسین، جامعہ کلیمیہ سراج العلوم، مالدہ، بنگال

الجواب

اس درخت (کے پھل) کا بھی عشر نکالنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱/ ذو قعدہ ۱۴۱۴ھ

[۱۳] عشر کاشت کار پر واجب ہے

مسئلہ زید بکر سے مال گزاری پر زمین کاشت کے لیے لیتا ہے، ایسی صورت میں فصل کا عشر زید ادا کرے گا یا بکر؟

محمد اشرف حسین مقال کدھون، پوسٹ، بھوجپور، ضلع پلاموں، بہار

الجواب

زید پر واجب ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۴] مالک پر عشر نکالنا واجب ہے

مسئلہ زید کو دھان ۵۰/ کوئنٹل پیداوار سے حاصل ہوا، اور اس نے کل دھان اپنے چار بیٹوں کو برابر تقسیم کر دیا، اب عشر ہر ایک بیٹا اپنے حصہ سے نکالے یا خود زید پر فرض ہے کہ کل دھان کا عشر نکالنے کے بعد باقی دھان برابر اپنے بیٹوں میں تقسیم کرے۔

نثار احمد، مقام و پوسٹ چھپیا دوہر، پلاموں، بہار

الجواب

زید ہی پر عشر نکالنا واجب ہے، عشر نکالنے کے بعد تقسیم کرے، اسی میں احتیاط ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۵] غلہ تھوڑا ہو یا زیادہ عشر، یا نصف عشر واجب ہے

مسئلہ- زید کچھ کھیتیوں میں سینچائی کر کے کھیتی کرتا ہے، اور کچھ کھیتیوں میں آسمانی پانی سے کھیتی کرتا ہے، تو اب ان دونوں میں کتنے من میں کتنے کلو زکات نکالیں گے۔ عام طور پر لوگ من میں ایک سیر نکالتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

محمد حکیم الدین، مقام کاشی ڈانگہ، پوسٹ عمل جھاڑی، دیناج پور، بنگال

الجواب

جن کھیتوں کو اپنی محنت یا پیسہ دے کر پانی دیتا ہے ان میں نصف عشر واجب ہے، اور جو کھیت آسمانی پانی سے تیار ہوتا ہے اس میں پیداوار کا عشر واجب ہے، اس کے لیے کہ کوئی نصاب مقرر نہیں کہ اتنا پیدا ہو تو واجب ہوگا، تھوڑا پیدا ہو یا زیادہ سب میں عشر، یا نصف عشر واجب ہے۔

تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں ہے:

(و) تجب في (مسقى سماء، وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب، و) بلا شرط (بقاء) وحولان حول (و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب (بلا رفع مؤن الزرع) وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج (۱).

اس کا حساب یہ ہے کہ جتنا غلہ پیدا ہو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں نصف عشر یا عشر واجب ہے یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ یا بیسواں حصہ۔ اگر کھیت آسمانی پانی سے تیار ہو جاتا ہے، یا ایسا کھیت ہے کہ اس میں سرے سے پانی ہی نہیں دینا پڑتا تو جتنی پیداوار ہو کل کا دسواں حصہ واجب ہے یعنی ایک من میں چار سیر، اور اگر اس کھیت میں محنت کر کے پانی پہنچاتا ہے، یا پانی کا پیسہ دینا پڑتا ہے تو اس کھیت میں جتنی پیداوار ہو اس کا بیسواں حصہ واجب ہے۔ یعنی من میں دو سیر۔ من میں ایک سیر دینے سے کبھی بھی زمین کی پوری زکات ادا نہ ہوگی خواہ زمین عشری ہو یا خراجی۔ من میں ایک سیر دینے سے زکات کا ایک جزء ادا ہوگا بقیہ اس کے ذمہ رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۶] اخراجات وضع کیے بغیر عشر پوری پیداوار پر ہے

مسئلہ زمین کی مال گزاری سرکاری ادا کی جاتی ہے۔ آب پاشی نہر، یا ٹیوب ویل سے کی جاتی ہے اور آب پاشی کی اجرت بھی دی جاتی ہے۔ کھاد، شورا، بیج خرید کر ڈالا جاتا ہے۔ کھیتی بھی ٹریکٹر اور مزدور سے کرائی جاتی ہے جس کی اجرت دی جاتی ہے، ایسی صورت میں آب پاشی و کھاد کی قیمت اور مزدوری و بیج کی قیمت، مال گزاری نکال کر عشر نکالنا ہے یا کیا ہے، مطلع فرمائیں؟

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۲۶۵ تا ۲۷۰، ج: ۳، کتاب الزکات، باب العشر، دار الکتب العلمیة، بیروت

مشتاق احمد، افضل پور، جنگی پور، غازی پور، یوپی

الجواب

عشر بہر حال کھیت کی پوری پیداوار پر ہے، مال گزاری، یا بیج کی قیمت، کھیت جوتنے یا بونے کاٹنے کی اجرت، یا کھاد کی قیمت، یا آب پاشی کی قیمت وضع نہیں کی جائے گی، البتہ جب آپ کا کھیت صرف بارش کے پانی سے تیار نہیں ہوتا، اس میں آپ کو قیمت دے کر آب پاشی کے محکمہ سے پانی لینا پڑتا ہے تو بجائے دسویں حصہ کے بیسواں حصہ عشر دینا واجب ہوگا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(و) يجب (نصفه في مسقي غرب ودالية) لكثرة المؤنة، وفي كتب الشافعية أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه (بلا رفع مؤن) أي كلف (الزرع) وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج[1].

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے:

أي يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وكري الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلك[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ر ربیع الآخرہ ۱۴۲۰ھ

[۱۷-۱۸] عشر میں کھاد، کیڑے مارنے والی دواؤں کی قیمت کا لحاظ نہیں

مسئلہ- ❶ اس دور میں سینچائی کے علاوہ کھاد، کیٹ ناشک دواؤں کے علاوہ رکھ رکھاؤ میں کاشت کاری میں بہت اخراجات ہیں اس کے بعد ہی اوپج ہوتی ہے، اس میں کس حساب سے عشر نکالا جائے؟

❷ ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ کاشت کاری کرنے کے سلسلے میں کھاد، دوا یا جو دیگر اخراجات، جیسے مال گزاری، کیڑے مارنے کی دوا، مزدوری وغیرہ کا خرچ کاٹ کر جو بچتا ہے اسی فصل پر عشر نکالا جائے۔

---

(۱)- تنوير الأبصار مع الدر المختار، ص:۲٦٨-۲٧٠، ج:۳، كتاب الزكات، باب العشر، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:۲٦٩، ج:۳، كتاب الزكات، باب العشر مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشام السلطانية، دار الكتب العلمية، بيروت

ایک شخص کا کہنا ہے کہ جو آسمان کے پانی سے پیدا ہوتا ہے اس کے دس من میں ایک من دینا ہے، اور جس میں خرچ ہے، بیس من میں ایک من دینا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

عبد الرشید قادری، انہونہ، روہتاس، بہار

الجواب

کھیت وغیرہ کی پیداوار کے سلسلے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے: جو کھیت آسمانی بارش سے تیار ہو جاتا ہے، جس میں اپنی محنت سے پانی نہیں دیا جاتا، یا خرید کر نہیں دیا جاتا اس میں کل پیداوار کا دسواں حصہ ہے۔ اور جس میں سینچائی کے لیے پانی اپنی محنت سے بھرنا پڑتا ہے، یا قیمت دے کر نہر سے لیا جاتا ہے اس کی کل پیداوار میں بیسواں حصہ عشر واجب ہے۔ کھاد، کیڑے مارنے والی دواؤں وغیرہ کی قیمتوں کا کوئی لحاظ نہیں (1)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰/ ذو قعدہ ۱۴۲۰ھ

---

(1)- حکم وہی ہے جو فتوے میں درج ہے، عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) پوری پیداوار پر واجب ہے، اس میں سے کھیتی کے اخراجات (مثلاً: کھاد اور کیڑے مار دوا کا دام، اور مزدوروں کی اجرت) کم نہیں کیے جائیں گے؛ کیوں کہ شریعت نے لاکھوں اور کروڑوں روپے کی زمین پر اپنا کوئی حق نہیں رکھا، صرف پیداوار پر رکھا ہے، تو پیداوار میں جس چیز کا براہ راست دخل ہے یعنی پانی، اس کی بنیاد پر تخفیف کی ہے کیوں کہ پانی سے ہی پودوں میں حیات آتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ [سورۃ الانبیاء، الآیۃ: ۳۰] ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی۔
لہٰذا سینچائی میں اپنی محنت صرف ہو، یا اپنا پیسہ لگے تو دسواں کے بجائے بیسواں واجب ہوگا اور اگر زیادہ تر آسمان کے پانی سے سینچائی ہو تو پھر کوئی تخفیف نہ ہوگی اور دسواں واجب ہوگا اس کے برخلاف کیڑے مار دوا اور کھاد پر پیداوار کا انحصار نہیں، جس زمانے میں یہ کیڑے مار دوا اور نئی نئی کھاد ایجاد نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی فصلیں تیار ہوتی تھیں اور لوگ اس پیداوار پر گزارہ کرتے تھے، اس لیے فاضل چیزوں کے اخراجات کی بنا پر عشر میں کوئی تخفیف نہ ہوگی۔ اب رہ گئی یہ بات کہ پھر فاضل اخراجات کہاں سے کیے جائیں تو عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری زمین کو ہی عشر کے حساب سے خارج رکھا ہے اس کے مقابل یہ مصارف بہت کم ہیں، پھر اللہ عزوجل پر بھروسا رکھ کر اس کی فرماں برداری کی جائے تو وہ پیداوار میں اتنی برکت عطا فرمائے گا کہ یہ فاضل اخراجات پورے ہونے کے بعد بھی گھر بھرا رہے گا اور دل غنی ہوگا۔ قرآن حکیم میں ہے:
مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا۔ [سورۃ الطلاق، الآیۃ: ۳] جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے کشادگی کی راہ بنا دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲۔ محمد نظام الدین رضوی

[١٩] وجوب عشر کے لیے مالک نصاب ہونا ضروری نہیں

مسئلہ- ایک شخص صاحب نصاب نہیں اور ان کی کچھ زمین ہے اور وہ مقروض بھی ہے، کیا ایسے شخص کو زمین کی پیداوار سے عشر نکالنا واجب ہے؟ اگر عشر نہیں دے گا تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ نیز زکات، صدقۂ فطر ان پر واجب ہے یا نہیں؟ اس سے قبل جو عشر نہیں دیا اس کا کیا حکم ہے؟

محمد مظاہر الحق رضوی

۲۰ / اکتوبر ۱۹۹۸ء

الجواب

زمین کی پیداوار پر بہر حال عشر واجب ہے، زمین کا مالک، مالک نصاب ہو، یا نہ ہو اگر چہ مقروض ہو، اگر چہ قرض اتنا کثیر ہو کہ زمین بیچ کر بھی ادا کرنا چاہے تو ادا نہ کر سکے۔ پیداوار قلیل ہو یا کثیر بہر حال عشر واجب ہے، گزشتہ دنوں کا جو عشر نہیں ادا کیا وہ اس کے ذمے ہے، اسے ادا کرنا اب بھی واجب ہے۔

البتہ اس پر زکات واجب نہیں، اور اگر زمین اتنی ہے کہ اسے بیچ کر قرض ادا کرنے کے بعد بھی اتنی زمین بچے کہ اس کی پیداوار اس کے اور جن لوگوں کا نفقہ اس پر واجب ہے ان کے نفقہ کے لیے سال بھر تک کے لیے کافی ہو تو اس پر قربانی بھی واجب ہے اور صدقۂ فطر بھی، اور اگر قرض ادا کرنے کے بعد اتنی زمین نہ بچے کہ اس کی پیداوار اس کے اور اس کے اہل وعیال کے نفقہ کے لیے سال بھر تک کے لیے کافی ہو تو اس پر نہ قربانی واجب ہے نہ صدقۂ فطر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷ / رجب ۱۴۱۹ھ

[۲۰] سال گزرنے پر جو غلہ بچ جائے اس پر زکات نہیں

مسئلہ کھیت میں جو پیداوار ہوئی سب کا عشر نکالتا رہا سال گزرنے پر اتنا غلہ بچ گیا جو نصاب کی قدر ہے، اس پر زکات ہے یا نہیں؟

محمد مقبول احمد، مدرس جامعہ مدینۃ العلوم، خانقاہ قادری، کپولی شریف، گورول، مظفر پور، بہار

۱۴ / صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

اس غلہ پر زکات نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۱] بقدر نصاب غلے کی قیمت پر سال گزرنے کے بعد زکات واجب ہے

مسئلہ جس کے پاس صرف زمین ہی زمین ہے، کھیت کا عشر بھی نکال دیتا ہے، غلہ خرچ سے زیادہ ہونے پر فروخت بھی کرتا ہے۔ کیا سال گزرنے پر فروخت شدہ غلہ کی آمدنی سے جو پیسے ملے ہوں تو پھر ان کا بھی زکات نکالنا ضروری ہے؟

ابوالکلام احمد، مقام وپوسٹ، کسم کھور، قنوج، یوپی

الجواب

غلہ فروخت کرنے پر جو قیمت ملے اور وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکات واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۹ھ

[۲۲] حکومت جو مال گزاری لیتی ہے یہ نہ عشر ہے نہ خراج

مسئلہ ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی کیوں کہ عشری میں عشر واجب ہوتا ہے اور خراجی میں خراج، اور بھارت میں دونوں لیے جاتے ہیں۔ حکومت ہند مال گزاری لیتی ہے اور علمائے دین تقریر کے ذریعہ عشر نکلواتے ہیں اور بغیر عشر نکالے ہوئے غلہ کو حرام بتاتے ہیں، لہٰذا جواب عنایت فرمائیں کہ مسلمانوں پر ان دونوں میں کس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ آیا مال گزاری یا عشر؟

اختر علی، ہرم پورہ، کان پور

۳/ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

الجواب

حکومت جو مال گزاری وصول کرتی ہے یہ نہ عشر ہے نہ خراج، عشر و خراج وصول کرنا سلطان اسلام کا کام ہے اور جہاں سلطان اسلام نہیں وہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ عشر و خراج نکال کر بطور خود ان کے مصارف

میں صرف کریں۔ ہندوستان کی زمین اصل میں عشری ہے جب تک کسی زمین کے بارے میں یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ خراجی ہے، عشری ہی مانا جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۳] غلے کا عشر نہ نکالنے والے کے گھر کھانے کا حکم

مسئلہ جو مسلمان کاشت کار اپنے کھیتوں کے غلوں کی زکات (عشر) نہیں نکالتے ان کے غلوں کا کھانا، یا ان کا پیسہ کسی نیک کام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

محمد ادریس، بیگا پور، پلہی پور، سلطان پور، یوپی

الجواب

کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالی اعلم

الباب الخامس فی المصارف

مصارفِ زکات کا بیان

[۱] دینی مدارس میں زکات وفطرہ کی رقوم کا استعمال

مسئلہ ایسا مدرسہ جس میں صرف مقامی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، مطبخ کا کوئی نسق ونظم نہیں ہے ایسے مدرسہ میں زکات، صدقات، خیرات، عطیات اور فطرہ، چرم قربانی سے کون کون سی رقم لگائی جا سکتی ہے؟

غلام مصطفیٰ قادری، امام جامع مسجد، کنداپور، کرناٹک

۲۷ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ

الجواب

دینی مدارس میں مطبخ ہو یا نہ ہو، بیرونی نادار طلبہ ہوں یا نہ ہوں زکات وصدقۂ فطر کی رقم لگانا جائز نہیں مگر دین کی بقا، دین کے تحفظ کے لیے، نیز دینی تعلیم کے لیے، دینی مدارس کا ہونا ضروری ہے، برس ہا برس کے تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اگر زکات وفطرے کی رقم نہ لی جائے تو دینی مدارس چل نہیں پاتے، اس دینی اشد ضرورت کے پیش نظر اس کی اجازت ہے کہ حیلہ شرعی کرکے زکات اور فطرے کی رقوم دینی مدارس میں صرف کی جائے خواہ مطبخ نہ ہو۔ در مختار میں ہے:

الحیلۃ أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمرہ بفعل ہذہ الأشیاء [۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج ۳، ص: ۲۹۳، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان.

[۲] ناظم پر واجب ہے کہ حیلہ شرعی کے بعد سفیر کو اجرت دے

مسئلہ بکر کسی مدرسہ کے لیے چندہ فراہم کرتا ہے اور بکر کو یہ معلوم ہے کہ یہ رقم زکات کی ہے پھر بھی وہ بغیر کسی حیلہ شرعی کے نصف رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہے اور نصف رقم مدرسہ کو دیتا ہے، جب کہ بکر کو یہ بھی معلوم ہے کہ زکات دینے والے کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ سفیر آدھی رقم حق المحنت لیتا ہے تو اس کو زکات نہیں دے گا، اس صورت میں زکات دینے والے کی زکات ادا ہوئی یا نہیں؟ اور بکر کا نصف رقم حق المحنت لینا کیسا ہے؟

مسئولہ: عبد السلام جیلانی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یوپی
یکم ذو قعدہ ۱۴۱۳ھ

الجواب

اس صورت خاص میں زکات ادا ہو گئی البتہ سفیر کو یہ جائز نہیں کہ بغیر حیلہ شرعی کیے ہوئے زکات کی وصول شدہ رقم اپنے صرف میں لائے، یہ خیانت ہے جس کا تاوان دینا سفیر پر لازم ہے، تاوان نہیں دے گا تو حق اللہ و حق العبد میں گرفتار ہو گا، اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی کو اس شرط پر چندہ وصول کرنے کے لیے رکھا جائے کہ وہ جتنی رقم وصول کرے گا، اس کے نصف کی مقدار اس کو اجرت میں دی جائے گی، سفیر پر یہ واجب ہے کہ پوری رقم وصول کر کے مدرسہ کے ناظم کے سامنے پیش کرے اور اسے تفصیل بتا دے کہ یہ رقم زکات یا فطرہ کی ہے، پھر ناظم سے اپنی اجرت وصول کرے، ناظم پر واجب ہے کہ زکات اور فطرہ کی رقوم سے حیلہ شرعی کرنے کے بعد سفیر کو اجرت دے۔

زکات اور صدقۂ فطر کی ادائگی کے لیے ضروری ہے کہ کسی مستحق زکات کو فی سبیل اللہ بہ نیت ثواب بلا کسی عوض کے دیا جائے، سفیر کی اجرت میں اگر زکات کی رقم دی گئی، یا سفیر نے خود رکھ لی تو یہ فی سبیل اللہ دینا نہ ہوا بلکہ کام کی اجرت دینی ہوئی؛ اس لیے زکات ادا نہ ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سفیر مستحق زکات نہ ہو مثلاً سید ہو، یا مالک نصاب ہو۔

ہم نے پہلے جو یہ لکھوایا کہ زکات ادا ہو گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ زکات دینے والے پر جو زکات

واجب تھی وہ بری الذمہ ہو گیا لیکن سفیر ماخوذ ہوگا؛ کیوں کہ زکات دینے والے کو یہ معلوم نہیں کہ سفیر خائن ہے، وہ تو سفیر کو دین دار، دینی خدمت گار بلکہ اکثر صورتوں میں عالم سمجھ کر دیتا ہے، اس کے بارے میں خیانت کا اس کو شبہہ بھی نہیں ہوتا، دینی ادارے سے بھیجے ہوئے عالم پر کون شبہہ کر سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۳] سفیر کا حیلہ شرعی کے بغیر زکات کی رقم استعمال کرنا خیانت ہے

مسئلہ- زید ایک دینی ادارہ کا سفیر ہے، ماہ صیام میں چندہ، زکات، فطرہ وصول کرتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید زکات وفطرہ کی رقم کو حیلہ شرعی کے بغیر اپنے مصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بحوالہ کتب جواب سے نواز کر عند اللہ ماجور ہوں۔

محمد احمد القادری صاحب، اسٹیشن روڈ، لڈ نون، ضلع ناگور، راجستھان

۲۶/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ

الجواب

زید حیلہ شرعی کیے بغیر زکات وفطرہ کی رقم اپنے مصرف میں نہیں صرف کر سکتا، وجہ یہ ہے کہ زکات وفطرہ کی ادائگی کے لیے یہ شرط ہے کہ بلا کسی عوض کے فقیر کو اس کا مالک بنایا جائے۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة(۱)۔

اور سفیر جو کچھ لے گا یہ چندہ وصول کرنے کی اجرت لے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چندہ وصول کرنے والا فقیر نہ ہو مالک نصاب ہو؛ اس لیے اسے جائز نہیں کہ حیلہ شرعی کیے بغیر اسے اپنے صرف میں لائے، اور اگر لائے گا تو اس پر اتنی رقم کا تاوان لازم ہے، حیلہ شرعیہ کرنے کے بعد بھی اسی وقت اسے اپنے مصرف میں صرف کر سکتا ہے جب کہ مدرسے کے منتظمین کی طرف سے اسے اجازت ہو۔ واللہ تعالی اعلم

[۴] مرتدین کے مدارس میں زکات کی رقم دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ زکات، فطرہ کی رقموں کو دیوبندی، وہابی، رافضی، خارجی، نیچری، قادیانی، مودودی، جماعت

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ص:۲۹۱، ج:۳، كتاب لزكاة، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

اسلامی، تبلیغی وغیرہم کے مدارس میں دینا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کوئی بات نہیں لیکن عدم جواز کی صورت میں جو کوئی یہ سوچ کر دیتا ہے کہ وہاں بھی تو قال اللہ وقال الرسول کی تعلیم ہوتی ہے تو دینے والے کے ذمے سے زکات فطرہ ادا ہوا کہ نہیں؟

محمد مطیع الرحمن، مقام و پوسٹ گوپال پور، ضلع سمستی پور، بہار

۲۳ر محرم ۱۴۱۳ھ

الجواب

زکات فطرہ کی رقوم ان بدمذہبوں کے مدرسے میں دینا جائز نہیں، اور اگر کوئی دے گا تو زکات وفطرہ ادا نہ ہوگا۔ زکات وفطرہ کے مستحق صرف مسلمان ہیں کسی کافر مرتد کو دے گا تو ادا نہ ہوگا۔ در مختار میں ہے:

وأما الحربي ولو مستأمنا فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقا[۱].

اور سوال میں جن بدمذہبوں کا ذکر ہے وہ سب کے سب مرتد ہیں، روافض کے بارے میں الفتاوی الھندیۃ میں ہے:

وأحكامهم أحكام المرتدين[۲].

بقیہ تمام فرقے شان رسالت میں گستاخی کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں؛ اس لیے انھیں زکات یا فطرہ دینے سے ادا نہ ہوں گے اور دینے والے کے ذمے فرض وواجب رہ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵] کسی تنظیم پر زکات وفطرے کی رقم خرچ کرنے کا حکم

مسئلہ زکات کا پیسہ دین اور اپنی قوم کی حفاظت کے لیے کسی خاص تنظیم کے ذریعہ خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور اگر کیا جاسکتا ہے تو کس حد تک؟

محمد کریم الدین قادری، نبی نگر، ضلع اورنگ آباد، بہار،

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۳۰۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)-الفتاوى الهندية، ج: ۲، ص: ۲٦٤، الباب التاسع فی أحكام المرتدين، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

الجواب

اصل حکم تو یہی ہے کہ زکات اور صدقۂ فطر اور دوسرے صدقات واجبہ کی رقوم کسی تنظیم پر نہیں خرچ کی جاسکتی، ان کی ادائگی کے لیے یہ شرط ہے کہ جسے دیا جائے اسے مالک بنادیا جائے۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة لا يصرف إلى بناء نحو مسجد (۱)۔

لیکن اگر کوئی اشد دینی ضرورت پیش آجائے جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو اور سوائے زکات کے مال کے اور کوئی مال نہ ہو تو حیلہ کر کے اسے دینی ضرورت میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ اسی میں ہے:

الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (۲).

یعنی زکات کا مال کسی مستحق زکات کو دے کر اس کو مالک و مختار بنادیا جائے کہ وہ جو چاہے کرے، اور اس کو قبضہ بھی دلا دیا جائے وہ اپنے ہاتھ میں لے لے پھر بخوشی اسے دینی کام میں صرف کرنے کے لیے بطور چندہ دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۶] محصل کے حق المحنت لینے کا حکم

مسئلہ زید ایک مدرسہ کا محصل ہے جو حق المحنت بھی لیتا ہے، اس کی وصولی میں اس کی اپنی زکات کی رقم بھی شامل ہوتی ہے۔ دریافت یہ ہے کہ زید اپنی رقم کے علاوہ وصولی سے حق المحنت کا حق دار ہے یا مجموعی رقم سے؟

محمد ضمیر الدین، کیراف محمد نعمت حسین، امام ہاسٹل مسجد ۱۷، کلکتہ، بنگال

۱۷/ ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

الجواب

زید اور مدرسہ کے منتظمین سے باہم جو معاملہ طے ہو اس کے مطابق وہ اجرت کا مستحق ہوگا، اگر یہ طے ہے کہ صرف عطیات کی وصولی پر اجرت پائے گا زکات اور فطرہ کی وصولی پر نہیں پائے گا، تو وہ صرف عطیات کی اجرت کا مستحق ہوگا، اور اگر یہ طے ہو جیسا کہ عام طور پر رائج ہے کہ محصل جو کچھ وصول کرے گا ان

(۱)- الدر المختار مع رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)- الدر المختار مع رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۳، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

سب پر اس کو اجرت ملے گی خواہ وہ وصولی عطیات کی ہو یا زکات وفطرہ کی تو سب کی وصولی پر حق المحنت کا حق دار ہوگا[1]۔ زکات وفطرہ کا محصل بنص قرآن مستحق زکات ہے، اگرچہ وہ غنی ہو، ارشاد ہے: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"۔ [2] واللہ تعالیٰ اعلم

[۷] ایک شخص کو بقدر نصاب زکات دینا مکروہ ہے

مسئلہ ایک صاحب نے زکات کی رقم اپنے گاؤں میں اس طرح تقسیم کی کہ کسی کو ایک ہزار، کسی کو پانچ ہزار، اور کسی کو پندرہ ہزار جس میں ان کے اپنے رشتہ دار اور خاندان والے بھی تھے، تو کیا زکات ان کے ذمہ سے ادا ہوگئی؟ یا نصاب کی مقدار سے کم کر کے تھوڑا تھوڑا کئی مرتبہ انھیں لوگوں کو دیں تو زکات ادا ہو جائے گی؟

محمد صادق صاحب، نوادہ، بنارس

الجواب

ایک شخص کو بقدر نصاب زکات دینا مکروہ ہے سوائے اِن دو صورتوں کے

(۱) جسے زکات دیا وہ مقروض ہے، مقروض کو اتنا دے سکتے ہیں کہ قرض ادا ہو جائے۔ اور نصاب سے کم اس کے پاس بچ جائے۔

---

(۱)- سائل کبھی کبھی تحریری سوال کے ساتھ زبانی طور پر بھی کچھ سوالات پیش کر دیتے ہیں، اندازہ یہ ہے کہ یہاں ایسا ہی کچھ ہوا ہے اور حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زبانی اور تحریری دونوں طرح کے سوالوں کا جواب ایک ساتھ جامع اور مختصر انداز میں دیا ہے۔ یہاں یہ **وضاحت** قارئین کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ محصل کو دوسروں سے وصولی کی اجرت ملتی ہے؛ لہٰذا وہ دوسروں سے جو کچھ بھی زکات وعطیات وصول کرے گا اس کی اجرت طے شدہ مقدار میں پائے گا، کہ یہاں اس نے تحصیل اور وصولی کا کام کیا ہے جو نہ اصالۃً اس پر واجب تھا اور نہ ہی یہ اس کا اپنا کام ہے بلکہ یہ فقرا وغیرہ کے لیے تحصیل ہے جس کی اجرت ایک دوسرے نام سے شریعت دیتی ہے، اس کے برخلاف اپنی زکات مدرسے میں جمع کرنا، تحصیل اور وصولی نہیں، وہ تو اپنے پاس از خود حاصل ہے، پھر یہ اپنا کام ہے لہٰذا محصل اپنی زکات جمع کرنے پر ہرگز کسی اجرت کا حق دار نہ ہوگا، شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد نظام الدین رضوی

(۲)- القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ، رقم الآیۃ: ٦٠.

"محصل شرعی" جسے فقہ کی اصطلاح میں عامل کہتے ہیں اس کا حکم یہی ہے مگر مدارس کے محصل عامل نہیں ہیں۔ ہاں! اگر قاضی شریعت اسے زکات کی وصولی پر مامور کر دے تو اس کی حیثیت عامل کی ہوگی، ہم نے اپنی کتاب "تحصیل زکات پر کمیشن کا حکم" میں اس پر گفتگو کی ہے۔ محمد نظام الدین رضوی

(۲) یوں ہی نصاب کی مقدار یا زیادہ اس کو دے سکتے ہیں جو فقیر صاحب عیال ہو کہ جتنی زکات دی ہے وہ اس کے تمام اہل و عیال پر تقسیم کرے تو نصاب سے کم ہر ایک کا حصہ ہو۔ واللہ تعالی اعلم

[۸] زکات کی رقم ان مدارس میں دیں جن کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ مستحقین پر صرف کریں گے

مسئلہ- ایسے مدارس جن کا ناظم اعلی من مانی طور پر فطرہ و زکات وغیرہ کی رقم وصول کر کے مدرسہ چلائے اور صحیح حساب و کتاب معلوم نہ کرائے تو ایسے مدارس میں فطرہ وغیرہ کی رقم دینے سے ادا ہو گی یا نہیں؟

محسن الظفر اشرفی، تنگنگی ڈاک خانہ، روہنی ہاٹ، ضلع کشن گنج، بہار

۱۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۱ھ

الجواب

اگر یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ اس کا ناظم اعلی زکات و فطرے کی رقوم مستحقین پر صرف نہیں کرتا، خود اڑا دیتا ہے یا غیر مستحقین پر صرف کر دیتا ہے اس کے باوجود جو لوگ وہاں صدقۂ فطر یا زکات دیں گے ان کی زکات و فطرہ ادا نہ ہوں گے ایسے مدارس کو زکات و فطرے کی رقم دینا جائز نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۹] بغیر حیلہ شرعیہ کے زکات و فطرے کی رقوم تنخواہ میں وضع کرنے کا حکم

مسئلہ- زید مدرسہ کا صدر مدرس ہے اور رمضان شریف میں مدرسہ کے لیے چندہ کی وصولی میں جاتا ہے اور زکات و فطرہ کی رقم وصول کر کے لاتا ہے، اس میں سے اپنا حق المحنت وصول کرنے کے باوجود ساری رقم اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور تنخواہ میں وضع کراتا ہے بغیر حیلہ شرعیہ کے، سکریٹری مدرسہ کو صرف رسید و حساب دیتا ہے، رقم جمع نہیں کرتا، زید مذکور صرف حافظ قرآن ہے، عالم نہیں ہے پوچھے جانے پر انھوں نے کہا میرے لیے جائز ہے۔ میں صرف مدرس ہوں۔ از روے شرع کیا زکات کی رقم بغیر حیلہ شرعی کے مدرس کا تنخواہ میں وصول کرنا درست ہے؟ کیا ایسا کرنے سے زکات دینے والوں کی زکات ادا ہو جائے گی؟ نیز کیا غیر عالم کو وعظ و تقریر کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

محمد کریم الدین قادری، باسن بیگہ، نبی نگر، اورنگ آباد، بہار

الجواب

زید خائن فاسق وفاجر ہے اور ایک نہیں کئی طرح سے:

اول: چندہ وصول کرنے والے پر واجب ہے کہ جو رقم بھی وصول کرے اسے مدرسے کے مہتمم کے پاس لاکر جمع کرے خواہ وہ رقم زکات کی ہو یا فطرے کی یا عطیات کی۔ کسی مدرس کو یہ جائز نہیں کہ چندے کی رقم وصول کرکے اپنے پاس رکھ لے اور اپنی تنخواہ سے وضع کراتا رہے۔

ثانیا: اس نے زکات اور فطرے کی رقوم بغیر حیلہ شرعیہ اپنی تنخواہ میں محسوب کیں یہ سخت حرام وگناہ ہے۔ زکات اور فطرے کی رقوم بغیر حیلہ مدرسین کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں، حرام وگناہ ہے کیوں کہ زکات اور فطرے کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ درمختار میں ہے: و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة ولا یصرف إلی بناء نحو مسجد [1]۔

ثالثا: مسلمان زکات وفطرے کی رقم مدرسے کے محصل کو اس لیے دیتے ہیں کہ حیلہ کرکے مدرسہ میں صرف کی جائے، اس نے بغیر حیلہ کیے ہوئے اپنی جیب میں رکھ لیا، اس طرح اس نے مسلمانوں کو دھوکا دیا کیوں کہ زکات وفطرے کی رقوم مستحق تک نہیں پہنچائیں اس پر تاوان واجب ہے کہ اب تک جتنی زکات وفطرے کی رقوم اپنی تنخواہ میں محسوب کر چکا ہے وہ سب واپس کرے یا کسی مستحق زکات کو دے، اگر یہ ایسا نہیں کرے گا تو مدت العمر حق اللہ اور حق العباد میں گرفتار رہے گا اور جب تک زکات وفطرے کی رقوم مستحق زکات کو ادا نہیں کرے گا بری الذمہ نہ ہوگا، جو لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ زید زکات وفطرے کی رقوم خود ہڑپ کر جاتا ہے اور زید کو دیا وہ بری الذمہ ہو گئے لیکن اگر کچھ لوگ یہ جانتے ہوں کہ زکات اور فطرے کی رقوم زید خود ہڑپ کر جاتا ہے وہ بھی بنام تنخواہ ان کی زکات اور فطرہ ادا نہ ہوئے۔

رابعا: اس نے بے علم ہو کر یہ فتوی دیا کہ میرے لیے صدر مدرس ہونے کی وجہ سے زکات اور فطرے کی رقوم بغیر حیلہ شرعیہ کیے ہوئے تنخواہ میں وضع کر لینا جائز ہے۔ جاہل کو فتوی دینا حرام سخت حرام موجب لعنت، حدیث میں ہے: من أفتی بغیر علم لعنته ملائكة السماوات والأرض [2]۔

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمية، بيروت

(۲)- الجامع الصغير، ج:۲، ص:۵۱۷، حرف ميم، دار الکتب العلمية، بيروت، لبنان.

اراکین پر واجب ہے کہ اس فاسق، فاجر، خائن اور شریعت پر جری حافظ کو بلا تاخیر تدریس کے عہدے سے الگ کر دیں۔ غیر عالم کو وعظ و تقریر کرنا جائز نہیں، صرف اس کی اجازت ہے کہ جو بات کسی مستند عالم سے سنی ہو یا کسی مستند عالم کی کتاب میں پڑھی ہو اور وہ کما حقہ یاد ہو اور اسے اچھی طرح سمجھ بھی لیا ہو جس میں کوئی شبہہ نہ ہو اسے بیان کر سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۰] زکات کی ادائگی کے لیے تملیک فقیر شرط ہے۔

مسئلہ- ہمارے یہاں رمضان کی سحری وافطاری کے لیے ایک بجلی سے چلنے والی وِسیل چندہ کر کے لائے ہیں اور سحری وافطار کے وقت اس وِسیل کو بجاتے ہیں، اس وِسیل کو مسجد کے اوپری حصہ میں لگایا ہے تاکہ لوگوں کو اس کی آواز برابر سنائی دے مگر مسجد کی چھت سے کچھ مکان اونچے ہونے کی وجہ سے اس کی آواز ہر جگہ برابر نہیں پہنچتی اس لیے مسجد کی چھت مناروں کی جگہ پر کچھ اونچا کر کے اس کے اوپر وِسیل کو رکھنا چاہتے ہیں؛ اس لیے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے لہذا اس کام کے لیے مسلمان کی زکات کا پیسہ یا بینک سود کا پیسہ استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

حاجی ولی محمد گور جی، مقام پوسٹ تھام، ضلع بھڑوچ، گجرات

الجواب

زکات کا پیسہ بغیر حیلہ شرعیہ کیے ہوئے اس وِسیل کے مینارے پر لگانے کے لیے، یا مسجد کی کسی مد میں صرف کرنے کی اجازت نہیں اگر کریں گے تو زکات ادا نہ ہوگی۔ زکات کی ادائگی کے لیے تملیک فقیر شرط ہے۔

در مختار میں ہے:

و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة و لا یصرف إلی بناء نحو مسجد[۱]۔

حیلہ شرعی یہ ہے کہ زکات کی رقم کسی مستحق زکات کو دے کر اس کا قبضہ کرا دیں، کم از کم اتنا کہ وہ اپنے ہاتھ میں لے لے پھر بخوشی مسجد کو بطور چندہ دے دے تو اب مسجد کی ہر مد میں صرف کر سکتے ہیں، اور اس وِسیل کو مینارہ میں فٹ کرنے میں بھی خرچ کر سکتے ہیں۔

(۱)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت

اسی میں ہے:

إن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء[1]۔

بینک میں روپے جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ اگر کوئی دے تو اسے وکیل کے صرفے میں خرچ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۱] غیر مسلم کو زکات کی رقم دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- کیا صاحب نصاب کا زکات وفطرہ وخیرات کی رقوم غیر مسلموں کو دینا جائز ہے یا ناجائز، زکات وفطرہ دیا تو ادا ہوگا کہ نہیں؟ بینوا بالتفصیل

محمد انوار عالم، مقام بکانیر، جونیر مسجد والے، ضلع دھار، مدھ پردیش

۲۷ر ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ

الجواب

زکات وفطرہ غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں خواہ وہ صاحب نصاب ہوں یا بھیک منگے فاقہ کش، زکات وفطرہ کے مستحق صرف مسلمان فقیر ہیں غیر مسلم کو دینے سے ادا نہ ہوں گے فرض ذمے میں رہ جائے گا[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲-۱۳] فقیر، مسکین اور غنی کا حکم

مسئلہ- (۱) ایک شخص مالک نصاب نہیں اور قربانی کے نصاب کا بھی مالک نہیں، یہ جتنا پیسہ کماتا ہے اس کے گھر میں کھانے کے لیے ہی کافی ہے بچت نہیں، اس کا اپنا مکان بھی ہے، ایسا شخص فطرہ دے سکتا ہے

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۳، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲)- شریعت اسلامیہ نے جن لوگوں کو زکات کے مصارف سے الگ رکھا ہے، انھی میں (۱) ایک غیر مسلم بھی ہے۔ باقی لوگ یہ ہیں (۲) صاحب مال کے اصول: جیسے ماں، باپ، دادا، دادی، پردادا، پردادی، اوپر تک۔ اور نانا، نانی، پرنانا، پرنانی، اوپر تک۔ (۳) فروع: جیسے بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، نیچے تک۔ (۴) سادات: یعنی حضور سید عالم ﷺ کے خاندان والے۔ (۵، ۶) شوہر و بیوی۔
یہ لوگ اگرچہ بہت ہی غریب، محتاج، بیمار، کمزور ہوں انھیں زکات دینا جائز نہیں، اس کی حکمت شریعت جانتی ہے، ہم اس سے آگاہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زکات، مال کا فضلہ، جوٹھا ہے اور جوٹھا ہر شخص کو نہیں دیا جاتا ہے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

کہ نہیں؟ اور ایسا شخص فطرہ لے سکتا ہے کہ نہیں؟ (یہ سید نہیں ہے) اور یہ شخص چہلم کا کھانا کھا سکتا ہے کہ نہیں اس شخص کو فقیر کہیں گے یا مسکین، یا غریب۔

❷ دوسرا شخص جس کی آمدنی خرچ سے بڑھ کر ہے کچھ بچت تو ہوتی ہے مگر اس کے پاس گھر نہیں ہے، کرایہ کے مکان میں رہتا ہے۔ یہ شخص زکات فطرہ دینا چاہے تو دینے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس شخص کو غنی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ نہیں تو یہ شخص فطرہ، زکات لے سکتا ہے، یا نہیں اور چہلم کا کھانا یہ شخص کھائے یا نہ؟

محمد سرمد، مومن مسجد، کالیٹ ہاسیٹ، بلاری، کرناٹک

الجواب

❶ یہ شخص فقیر ہے مسکین نہیں کیوں کہ فقیر ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے، یا نصاب کی قدر ہو تو اس کی حاجت اصلیہ میں مستغرق ہو مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے وغیرہ۔ در مختار میں ہے: هو فقير من له أدنى شيء أي دون نصاب إلخ (۱)۔

اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لیے اس کا محتاج ہو کہ لوگوں سے سوال کرے اسے سوال حلال ہے۔ فقیر کو سوال ناجائز کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کے لیے ہو اسے بغیر ضرورت و مجبوری سوال حرام ہے (بہار شریعت بحوالہ فتاوی ہندیہ)

زکات و صدقۂ فطر کے مصارف فقرا و مساکین ہیں یہ زکات و فطرہ لے سکتے ہیں۔ چہلم کا کھانا کھا سکتے ہیں۔ ان پر نہ زکات و فطرہ واجب ہے اور نہ ہی قربانی۔ واللہ تعالی اعلم

❷ اس شخص کی بچت اگر بقدر نصاب پہنچ چکی ہے تو یہ غنی ہے ایسی صورت میں اس پر فطرہ واجب اور بعد حولان حول زکات دینی فرض ہے، اسے چہلم کا کھانا روا نہیں (۲)، اور اگر بقدر نصاب بچت نہیں ہے تو یہ غنی

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص:۲۸۳، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)- "اسے چہلم کا کھانا روا نہیں" یہاں کھانے سے مراد وہ کھانا ہے جو شادیوں کی طرح دھوم دھام سے پکایا اور کھلایا جائے، یا ضیافت کے لیے پکایا جائے اور اس سے مقصود شہرت اور تفاخر ہو۔ پہلے بہت جگہوں پر یہ رسم بد پائی جاتی تھی، اسی کو سامنے رکھ کر حضرت شیخنا الکریم نے یہ حکم ارقام فرمایا ہے، مگر اب یہ رسم بد علمائے کرام کی کوششوں سے عام طور پر ختم ہو چکی ہے، ممکن ہے کسی کورہ میں یہ رسم باقی ہو، تحقیق یہ ہے کہ چہلم کے موقع پر شادیوں کے طور پر جو کھانا ضیافت کے لیے پکایا جائے اسے کھانا ناجائز ہے، کہ یہ موقع غم والم کا ہے

نہیں، یہ فطرہ وغیرہ لے سکتا ہے۔ چہلم کا کھانا کھا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۴] مال زکات سے دار الاقامہ اور دار الشفاء کی تعمیر

مسئلہ- کیا مال زکات سے مدارس عربیہ (جن میں غریب طلبہ کی اکثریت ہوتی ہے) اس کے دار

مسرت و شادمانی کا نہیں اور اگر ایصال ثواب کے لیے سادہ انداز سے کھانا پکایا جائے تو اسے امیر، غریب سب کھا سکتے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ہم یہاں انھی کے فتاوی کے دو اقتباس پیش کرتے ہیں:

سوال: اگر کوئی شخص مرے اور اس کے گھر والے چہلم کا کھانا پکائیں اور جو برادر یا غیر ہوں، ان سے کہیں کہ تمھاری دعوت ہے تو وہ دعوت قبول کی جائے یا نہیں اور کھانا کیسا ہے؟

الجواب: عرف عام پر نظر شاہد کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں۔ لہذا اسے فاتحہ کا کھانا، چہلم کی فاتحہ وغیرہ کہتے ہیں اور شک نہیں کہ اس نیت سے جو کھانا پکایا جائے مستحسن ہے اور عند التحقیق صرف فقراہی پر تصدق میں ثواب نہیں، بلکہ اغنیا پر بھی مورث ثواب ہے۔

حضور پر نور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: في كل ذات كبد حري أجر. ہر گرم جگر میں ثواب ہے۔ یعنی جس زندہ کو کھانا کھلائے گا، پانی پلائے گا ثواب پائے گا۔

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے: صرح في الذخيرة بأن التصدق على الغني نوع قربة دون قربة الفقير.

در مختار میں ہے: الصدقة لا رجوع فيها ولو على غني لأن المقصود فيها الثواب. اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں ہے۔

مجمع بحار الانوار میں توسط شرح سنن ابی داؤد سے ہے: الصدقة ما تصدقت به على الفقراء أي غالب أنواعها كذلك، فإنها على الغني جائزة عندنا يثاب به بلا خلاف.

اور مدار کار نیت پر ہے: إنما الأعمال بالنيات.

تو جو کھانا فاتحہ کے لیے پکایا گیا، بلاتے وقت اسے بلفظ دعوت تعبیر کرنا اس نیت کو باطل نہ کرے گا...

یوں بھی اس نیت محمود میں کچھ خلل نہیں، اگرچہ افضل وہی تھا کہ صرف فقرا پر تصدق کرتے کہ جب مقصود ایصال ثواب، تو وہی کام مناسب تر جس میں ثواب اکثر و وافر، پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں جب کہ نیت ثواب پہنچانا ہے۔

ہاں! جسے یہ مقصود ہی نہ ہو بلکہ دعوت و مہمان داری کی نیت سے پکائے جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں، تو اسے بے شک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں، نہ ایسی دعوت شرع میں پسند، نہ اس کا قبول کرنا چاہیے، کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ غمی، ولہذا علما فرماتے ہیں: کہ یہ بدعت سیئہ ہے، جس طرح میت کے یہاں روز موت سے عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ان کے کھانے دانے، پان چھالیا کا اہتمام میت والوں کو کرنا پڑتا ہے، وہ کھانا فاتحہ وایصال ثواب کا نہیں ہوتا، بلکہ وہی دعوت و مہمان داری ہے کہ غمی میں جس کی اجازت نہیں، كما بيناه ذلك في فتاوانا. [فتاوی رضویہ، ج:۴، ص:۲۲۸-۲۳۰، ملتقطاً، رضا اکیڈمی] محمد نظام الدین رضوی

الاقامہ وغیرہ کی تعمیر جائز ہے۔ کیا مال زکات سے رفاہی دار الشفاء (ہسپتال) کی تعمیر جائز ہے مع حوالہ جات جواب تحریر فرمائیں۔

ساجد، جامعہ اسلامیہ عربیہ، بھدوہی، بنارس

الجواب

زکات کی رقم سے دار الاقامہ کی تعمیر اگرچہ دار الاقامہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لیے ہو، یا دار الشفا (ہسپتال) کی تعمیر اگرچہ دار الشفاء رفاہی ہو جائز نہیں بلکہ ان مقاصد میں صرف کرنے سے زکات ادا نہ ہوگی۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة لا يصرف إلى بناء نحو مسجد(1)۔

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

كبناء القناطر و السقايات و إصلاح الطرقات و كرى الأنهار و كل ما لا تمليك فيه(2)۔

اور ظاہر ہے کہ دار الاقامہ اور دار الشفاء بنوانے میں تملیک نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ دونوں چیزیں کسی کی ملک نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۵] زکات کے روپے سے مسجد کے مکان کی تعمیر جائز نہیں

مسئلہ- مسجد کا مکان ہے اس کی تعمیر کے لیے زکات کا روپیہ لے کر لگانا کیسا ہے؟

محمد صابر حسین، پیش امام جامع مسجد، برہمپوری، ضلع جاہ پور

الجواب

زکات کے روپے سے مسجد کے مکان کی تعمیر جائز نہیں، در مختار میں ہے: لا يصرف إلى بناء

---

(۱)- تنوير الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت

نحو مسجد.[1] واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۶] دینی مدارس میں زکات کی رقم استعمال کرنے کا طریقہ

مسئلہ- غریب بستی میں زکات کا پیسہ لگاکر ناظرہ پڑھانے والے معلم اور اردو تعلیم دینے والے کو تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد عرفان، امام غوثیہ مسجد، ہیر نگری، کارواڑ، کرناٹک

الجواب

زکات کے پیسوں سے کسی معلم کو تنخواہ دینا جائز نہیں اگر دیں گے تو زکات ادا نہ ہوگی؛ کیوں کہ زکات کی ادائگی کے لیے یہ شرط ہے کہ زکات مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنادیا جائے اور اس کا قبضہ کرادیا جائے مثلا کم از کم اتنا ہو کہ وہ اپنے ہاتھ میں لے لے، در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد[2]۔

ہاں اگر مدرسہ بغیر زکات و فطرہ کی رقوم کے نہ چل سکے تو اس کی اجازت ہے کہ حیلہ شرعیہ کرنے کے بعد مدرسہ میں صرف کریں، عمارت بنوائیں، یا معلمین و ملازمین کو تنخواہ دیں۔ اسی میں ہے:

إن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء[3]۔

حیلہ شرعیہ کی صورت یہ ہے کہ زکات و فطرہ کی رقوم کسی مسکین مستحق زکات مسلمان کو دے کر اسے مالک و قابض بنادیں، پھر وہ بخوشی بطور چندہ مدرسہ کو دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۷] بہن مصرف زکات ہے

مسئلہ- بہن مصرف زکات ہے یا نہیں جب کہ وہ بیوہ ہو جائے، اسی طرح جب بہن کا شوہر پاگل

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص:۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۳، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

ہو جائے تو اس کو زکات دینا کیسا ہے؟

اختر حسین انصاری، جی ٹی روڈ، شب پور، ہوڑہ، بنگال

الجواب

بہن مصرف زکات ہے؛ اس لیے دونوں صورتوں میں بہن کو زکات دینا جائز ہے بشرطے کہ مستحق زکات ہو اور مالک نصاب نہ ہو۔ در مختار میں ہے:

مصرف الزکاۃ والعشر فقیر ولا (یصرف) إلی من بینهما ولاد (1)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۸] مال زکات میں زیادتی

مسئلہ- ایک آدمی نے میرے لڑکے کو دس روپے دے کر کہا کہ اس کو اپنے ابا کو دے دینا، یہ زکات کا روپیہ ہے، اس کو بریلی شریف کے مدرسے کو بھیج دیں گے۔ بھول جانے کی وجہ سے لڑکے نے بریلی شریف والے روپیہ کے متعلق نہ کہا، دو یا تین ماہ بعد مجھے معلوم ہوا مگر مجھ سے بھی کوتاہی ہوئی اور اب تک روپیہ نہ بھیجا، وہ روپیہ دکان میں شامل ہے اگر دس روپیہ کے بجائے پندرہ روپیہ بھیج دوں تو کیا اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا؟

محمد یسین اشرفی، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

جو کوتاہی ہوئی اس سے توبہ کریں اور صرف دس روپے بھیج دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۹] زکات و فطرے کی رقوم قبرستان کی چہار دیواری میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں

مسئلہ- زکات کی رقم سے قبرستان کی چہار دیواری کرنا یا سڑک، مدرسہ بنوانا، مدرسہ میں مدرسین

(۱)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۸۳ تا ۲۹۴ (ملخصا) کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت

ملازمین کو تنخواہ دینا، قبرستان کے کسی مصرف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

محمد ادریس، مقام بنکی کھال، پوسٹ میرگنج، ضلع گوپال گنج، بہار

الجواب

زکات اور صدقۂ فطر کی رقوم حیلہ شرعیہ کے بعد مدرسہ کی ہر مد میں صرف کی جا سکتی ہے؛ اس لیے کہ برس ہا برس کے تجربے سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بغیر اس کے دینی مدارس چل نہیں سکتے۔ دین کی بقا اور دینی مدارس کا تحفظ اسی پر ہے؛ اس لیے بضرورت اس کی اجازت دی گئی ہے، قبرستان کے لیے ایسی کوئی ضرورت نہیں؛ اس لیے حیلہ شرعیہ کرنے کے بعد بھی زکات و فطرے کی رقوم قبرستان کی چہار دیواری میں صرف کرنے کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

۵/ ربیع الآخر ۱۲ھ

[۲۰-۲۳] بیٹے کو زکات دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- ① صاحب نصاب نے زکات نکال کر علاحدہ کر دیا بعدہ محتاج ہوا تو اس رقم زکات کو استعمال میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ بعدہ بوقت خوش حالی اسے ادا کرے گا یا نہیں؟

② مذکورہ بالا مسئلہ اگر مقید بالسادات ہو تو کیا حکم ہے یعنی غیر کی زکات تو حرام ہے ان کے حق میں اور اپنی زکات بوقت ضرورت استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

③ طالبان علوم دینیہ اپنے گھر کی زکات بوقت ضرورت یا بلا قید استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

④ رقم زکات کسی کو قرض دیا پھر قرض دار نے ادا کیا تو بعینہ وہ رقم زکات رہی یا نہیں؟

سید محمد شوکت علی رضوی، دارا نگر، روہتاس، بہار

الجواب

①- ادائے زکات کی نیت سے مال علاحدہ کر دیا اور ابھی فقیروں کو دیا نہیں ہے تو یہ ابھی اس کا مال ہے، وہ اسے تصرف میں لا سکتا ہے لیکن جتنے سال مالک نصاب رہا اتنے کی زکات ادا کرنا اس پر فرض ہے۔ بے ادا کیے بری الذمہ نہ ہوگا کتنا ہی تنگ دست ہو جائے۔ واللہ تعالی اعلم

❷ سادات کا بھی یہی حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ بیٹے کو زکات دینے سے زکات ادا نہ ہوگی، اگرچہ کتنی ہی اشد ضرورت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❹ پہلے سوال کے جواب میں لکھ چکا ہوں کہ محض زکات کی نیت سے رقم علاحدہ کر دینے سے زکات کی رقم نہ ہوگی جب تک مستحق زکات کو دے نہ دے؛ اس لیے زکات کی نیت سے علاحدہ کی ہوئی رقم کسی کو قرض دی تو وہ رقم زکات کی نہیں بلکہ مالک کے ملک کی ہے اس پر ہر طرح سے تصرف کا اس کو حق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۴] زکات کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے

مسئلہ- ایک بستی میں بیت المال قائم ہے جس کے ممبران اس بستی کے لوگوں سے زکات، فطرہ صدقات کے پیسے جمع کرتے ہیں، اور اس فنڈ سے بستی کے غریب، نادار، یتیموں اور بیواؤں کو ماہانہ وظیفہ دیا کرتے ہیں، اس کے علاوہ نادار مریضوں کو دواؤں کے لیے یہ انتظام ہے کہ دوکان داروں سے دوائیں دلا کر پیسے بعد میں دوکان دار کو ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح غریب بچیوں کو سلائی سکھانے کے لیے ماسٹرنیوں کو ملازم رکھ کر ان کو تنخواہیں بھی اسی فنڈ سے دیا کرتے ہیں، اور جو بچیاں سلائی کا کام سیکھ جاتی ہیں انھیں سلائی کی مشین بھی دیتے ہیں، اور اس بیت المال کے آفس کا کرایہ اور کلرک اور فنڈ جمع کرنے والوں کو تنخواہیں بھی دیا کرتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا طریقے سے بیت المال کے پیسے خرچ کرنا درست ہے یا اس کے لیے حیلہ شرعی کرنے کی بھی ضرورت ہے؟ بینوا توجروا

غلام مصطفیٰ، مقام و پوسٹ باسنی، ضلع ناگور شریف، راجستھان

الجواب

اس فرضی بیت المال میں زکات اور فطرہ کی رقم دینی جائز نہیں؛ کیوں کہ زکات اور فطرہ کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے اور اس بیت المال کے اکثر مصارف ایسے ہیں جن میں تملیک ہے ہی نہیں۔ ہاں چرم قربانی اور عطیات نافلہ دینے جائز ہیں۔

ہاں اگر اس بیت المال کی اصلاح کر لیں تو اس کو زکات اور فطرہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اصلاح یہ ہے کہ زکات و فطرہ کی رقم وصول کر کے علاحدہ رکھیں، چرم قربانی اور عطیات کی رقم علاحدہ۔ زکات اور فطرے کی

رقم ہاشمیوں کے علاوہ اور لوگوں پر اس طرح صرف کریں کہ جس پر صرف کریں اس کو مالک بنادیں۔ مثلاً کسی لڑکی کی شادی کرنی ہے اور اسے کچھ سامان دینا ہے تو اسے سامان خرید کر دیدیں اور مالک بنادیں۔ شادی میں کھلانے پلانے میں جو صرف ہو اس کا اندازہ کر کے اس لڑکی کو یا اس کے ولی کو نقد دے دیں اور وہ کھلانے پلانے کا انتظام کرے بشرطے کہ وہ لڑکی اور اس کا ولی مالک نصاب نہ ہو۔ یہاں حیلہ شرعی کی اجازت نہیں، حیلہ شرعی کی اجازت ضرورت شرعیہ کے وقت ہوتی ہے، اور اس بیت المال کی جو تفصیل آپ نے لکھی ہے اس کے مطابق یہاں ضرورت شرعیہ نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۵] دنیاوی تعلیم کے لیے زکات کی رقم دینے کا حکم

مسئلہ— چند اہل ثروت حضرات زکات کے پیسے نکال کر ایک مخصوص بینک بناتے ہیں پھر وہ پیسے اپنی قوم کے بچوں کی دنیوی تعلیم کے لیے دیتے ہیں مثلاً کوئی اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ اپنے بیٹے کو اعلی تعلیم دلا سکے۔ بی، اے یا ڈاکٹری وغیرہ کی ڈگری دلا سکے تو یہ بینک ان کو روپیہ دیتی ہے اور سارا خرچ اٹھاتی ہے جو بھی تعلیم میں صرف آتا ہے، وہ پیسے لینے والے اوسط درجے کے لوگ ہوتے ہیں جو خود کما کر اچھی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں لیکن اعلی تعلیم نہیں دلا سکتے ایسے درمیانی حضرات زکات کے پیسے اپنے بچوں کی دنیاوی تعلیم کے لیے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

سید آل حسن جیلانی، جامع مسجد وڈھواں، ضلع سریندر نگر

۸ر صفر ۱۴۱۲ھ

الجواب

یہ تعلیم حاصل کرنے والے بچے اگر بالغ ہوں اور خود مالک نصاب نہ ہوں، سید نہ ہوں اور بینک میں روپیہ جمع کرنے والوں کی اولاد نہ ہوں تو ان لڑکوں کو اس بینک سے رقم اس طرح دی جا سکتی ہے کہ وہ اس کے مالک ہو جائیں اور انھیں یہ اختیار ہو کہ چاہیں تو تعلیم پر صرف کریں اور چاہیں تو کہیں اور صرف کریں۔ اس طرح ان کو اس بینک سے روپے دینا جائز ہے۔ اور اگر انھیں ان روپیوں کا پوری طرح مالک نہیں بنایا بلکہ ان کی تعلیم پر از خود صرف کیا تو یہ جائز نہیں اس لیے کہ زکات کی ادائگی کے لیے شرط ہے کہ اسے مستحق کو اس طرح دیا جائے کہ وہ اس کا مالک و مختار ہو۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد[1]۔

اسی طرح اگر یہ بچے نابالغ ہوں اور ان کے ماں باپ مالک نصاب ہوں، یا بینک میں جمع کرنے والوں کی اولاد ہوں تو انھیں دینا جائز نہیں اگر دیں گے زکات ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۶] دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والے کو دینے کے لیے زکات کی رقم کا حیلہ

مسئلہ- زکات کے پیسوں کا حیلہ شرعی کرنے کے بعد بیت المال کے ممبران کا اسے کسی غریب طالب علم کو دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بطور امداد دینا جائز ہے یا نہیں، اگر مذکورہ صورت شرعی لحاظ سے غلط ہے تو اس کا جائز طریقہ کیا ہے جس سے دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی امداد کی جا سکے۔ بینوا توجروا

غلام مصطفیٰ مصباحی، سکریٹری بیت المال کمیٹی، باسنی، ناگور، راجستھان

الجواب

ناجائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زکات کا مصرف کار خیر ہے بضرورت دینی مدرسہ میں حیلہ کرنے کے بعد صرف کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ضرورت سے مراد یہاں ضرورت شرعیہ ہے عرفی ضرورت نہیں، جب تک حیلہ شرعیہ کے بعد زکات وفطرے کی رقوم مدرسوں میں صرف کرنے کی اجازت نہیں تھی تو دینی مدارس کا برا حال تھا، جب کہ ان کی تعداد پورے ہندوستان میں دو چار ہی تھی، میرے طالب علمی کے زمانے میں خود اشرفیہ کا حال یہ تھا کہ مدرسین کی تنخواہ دینا دشوار تھا ہمیشہ دو، دو، چار چار مہینے کی تنخواہیں باقی رہتی تھیں۔ خود بریلی شریف کے مدرسے کے اخراجات حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ اپنی جیب خاص سے ادا فرماتے تھے اس کے لیے قرض بھی لینا پڑتا تھا۔ حتی کہ وہ وقت بھی آیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کو اپنی جائدادیں رہن رکھنی پڑیں، جب اس کا یقین ہو گیا کہ اگر حیلہ شرعی کی اجازت نہ دی گئی تو دینی مدارس بند کرنے پڑیں گے۔ آپ چاہیں تو اپنے یہاں آزما سکتے ہیں، اگر زکات، فطرے کی رقم لینا بند کر دیں تو دار العلوم تو دار العلوم معمولی مکتب بھی نہیں چل پائے گا، چوں کہ دین کی بقا اور تحفظ دینی مدارس اور علما ہی

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت.

کے دم قدم سے باقی ہے؛ اس لیے مجبور ہو کر علما نے اجازت دی کہ حیلہ شرعی کے بعد زکات وفطرے کی رقوم دینی مدارس میں صرف کی جائیں۔ یہاں زکات کی روح مصرف خیر باقی رہا۔ لیکن دنیوی تعلیم کوئی دینی ضرورت نہیں، دنیوی تعلیم حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی صنعت سیکھنا؛ اس لیے دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیلہ شرعیہ کرنے کے بعد بھی زکات وفطرے کی رقوم دینا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی طالب علم مفلس ہے، مالک نصاب نہیں یا نابالغ ہے اس کا باپ مالک نصاب نہیں تو مفلس ہونے کی بنا پر بلا واسطہ اصالۃ بغیر حیلہ شرعیہ کے زکات وفطرے کی رقم دینی جائز ہے؛ اس لیے کہ مفلس ہونے کی وجہ سے وہ مستحق زکات ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۱۶؍ صفر ۱۴۱۵ھ

[۲۷-۲۸] دور حاضر میں بیت المال میں زکات کی رقم دینے کی شرطیں

مسئلہ- ❶ بیت المال جس کے ذریعے مسلمانوں کو قرض اور مفلس ونادار مسلمانوں کی فی سبیل اللہ امداد کی جاتی ہے، اس بیت المال میں زکات دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

❷ اس بیت المال میں زکات کی رقم دینے سے زکات کی ادائگی سے بری الذمہ کہلائے گا یا نہیں؟

عبد الجبار اشرفی، جامع مسجد حلوائی لائن، رائے پور، ایم پی

۲۳؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ

الجواب

❶،❷ ایسے بیت المال میں اس شرط پر زکات دی جاسکتی ہے کہ زکات کی رقم بقیہ رقوم سے الگ رکھی جائے، اسے زکات کے مستحقین کو بطور تملیک دیا جائے یعنی انھیں مالک بنا دیا جائے، انھیں کسی خاص مصرف میں خرچ کرنے کا پابند نہ بنایا جائے، وہ جو چاہیں کریں، وہ جہاں چاہیں خرچ کریں، نہ اسے کسی کو قرض میں دیں، نہ کسی کی شادی بیاہ میں دیں، نہ کسی ایسے شخص کو دیں جو چھپن روپے چاندی یا اس کی قیمت کا مالک ہو اور نہ سید ہو۔ واللہ تعالی اعلم

۲۰؍ رجب ۱۴۱۳ھ

[۲۹] زکات واجب ہونے کی شرط

مسئلہ تقریباً سترہ سال سے میں آسیب کا شکار ہوں، اگر کہیں ٹیوشن بھی پڑھانا چاہوں تو یہ اثرات نہیں پڑھانے دیتے۔ میری حالت دیکھ کر یہاں کے کچھ پیرزادگان حضرات نے متّصل آستانہ ہی امامت پر مامور فرمادیا اور انھوں نے بھی صرف چالیس روپے ہی فی ماہ تقرر فرمایا۔ ہمارے پاس دو لڑکیاں جوان ہیں ایک لڑکا ۱۲؍ برس کا اور ایک اہلیہ وہ بھی بیمار ۲؍ سال سے ہیں اور فالج کا شکار ہیں۔ ہاں ایک آمدنی مجھے یہ بھی ہے کہ جمعرات وغیرہ کو نعت خوانی میں بیٹھ جاتا ہوں تو دس پندرہ روپے مل جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ہماری ایسی حالت دیکھ کر فطرہ اور زکات بھی دیتے ہیں تو دریافت یہ بات کرنا ضروری ہے کہ کیا ہم فطرہ زکات لے سکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ پوچھنا ہے کہ یہ پیسہ اگر دو یا ڈھائی سو روپے کی رقم ہو جائے تو ہمارے اوپر زکات واجب ہو جاتی ہے یا نہیں؟

مولوی محمد ریاض اللہ خاں، امام مسجد چھوٹی زیارت، بدایوں

۱۹؍ صفر ۱۴۱۳ھ

الجواب

اگر آپ کے پاس چھپن روپے بھر چاندی کی قیمت کے روپے یا نوٹ جمع ہو جائیں تو آپ مالک نصاب ہو جائیں گے اب اگر یہ روپے سال بھر تک آپ کے پاس رہے تو آپ پر ضرور زکات واجب ہو جائے گی، اور اگر بالفرض عید الفطر کے دن صبح صادق کے وقت اتنے روپے آپ کے پاس رہے تو آپ پر صدقۂ فطر واجب ہے اگرچہ سال نہ گزرا ہو، اگرچہ ایک منٹ پہلے ہی آپ کے پاس آئے ہوں، اسی طرح اگر آپ کے پاس دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر ۱۲؍ ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک اتنے روپے ہوں تو آپ پر قربانی بھی واجب ہے مگر آپ کا جو حال ہے اس کے پیش نظر آپ کو یہ کرنا چاہیے کہ بقدر نصاب آپ کے پاس روپے اکٹھے نہ ہونے پائیں روپے ملیں تو غلہ وغیرہ خرید کر گھر میں رکھ دیں، یا گھر والوں پر روپے تقسیم کر دیں جو پیشہ ور فقیر بھیک مانگتے ہیں ان کے پاس بھی اگر چھپن بھر روپیہ کی قیمت کے نوٹ یا روپے جمع ہو جائیں تو وہ بھی مالک نصاب ہو جائیں گے اور ان پر بھی زکات، صدقۂ فطر اور قربانی مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۰] صرف محصل کو دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- کیا زکات کی رقم کسی مدرسہ کے محصل کے حوالے کر دینے سے ہی ہماری زکات ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب

زکات کی رقم صرف محصل کو دینے سے زکات ادا نہ ہوگی؛ اس لیے کہ زکات کی ادائگی کے لیے شرط ہے کہ مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے کہ مالک ہو کر وہ جو چاہے کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا“. (۱)

در مختار میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد أو تكفين ميت (۲)۔

چندہ دینے والے محصل کو مالک نہیں بناتے وہ صرف ایک واسطہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے مدرسے کو پہنچائے۔ زکات اس وقت ادا ہوگی کہ زکات کی رقم کسی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے، اور یہ ظاہر ہے کہ محصل کو کوئی مالک نہیں بناتا۔ پھر اس کا بھی احتمال ہے کہ محصل فقیر نہ ہو مالک نصاب ہو تو اگر بالفرض کوئی محصل کو مالک بنا دے تو زکات ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

۲۵/ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

[۳۱] مریضوں کے علاج پر خرچ کرنے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- ایک ادارہ ہے جو خالص زکات کی رقم سے چلتا ہے۔ اس نے ایک طبی کیمپ (آنکھوں کے آپریشن کا کیمپ) لگوایا اور اس میں مریض مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی ہیں، تو کیا وہ ادارہ اس زکات کی رقم کو خرچ کر سکتا ہے؟ اور اگر نہیں تو فی زمانہ مسلم و غیر مسلم دونوں کے علاج کی کیا صورت از روے شرع ہو سکتی ہے؟

---

(۱)- قرآن مجید، سورۃ التوبہ، آیت: ۶۰۔

(۲)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

الجواب

زکات کی رقم مریضوں کے علاج پر خرچ کرنے سے زکات ادا نہ ہوگی، اس ادارے والے اب تک زکات وفطرے کی جو رقوم مریضوں پر صرف کر چکے ہیں ان میں سے کسی کی زکات ادا نہ ہوئی اور ان سب کا تاوان ادارے والوں پر واجب ہے، ادارے والوں کو حکم شرعی بتایا جائے، سمجھایا جائے، مان جائیں فبہا ورنہ ان کو زکات اور صدقۂ فطر کی رقوم دینا جائز نہیں، جو لوگ دیں گے ان کی زکات وفطرہ ادا نہ ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵؍ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

[۳۲] میت کو کفن دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ — کیا کسی مردہ کو جس کا کوئی وارث نہ ہو یا وہ مردہ مالی اعتبار سے مجبور ہو تو کیا زکات کی رقم سے اس مردہ کے کفن ودفن کا انتظام ہو سکتا ہے؟

الجواب

میت کو کفن دینے سے زکات ادا نہ ہوگی۔ علت یہ ہے کہ اس صورت میں تملیک فقیر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵؍ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

[۳۳] حیلۂ تملیک کے بغیر زکات کی رقم مدرسے کی تعمیر میں خرچ کرنے والے خائن ہیں

مسئلہ — چند اشخاص نے چندہ کیا مدرسہ کے نام پر جس میں بچوں کی تعلیم ہو رہی ہے، زکات کے پچیس ہزار روپے بغیر حیلہ شرعی کے تعمیر عمارت مدرسہ میں صرف کر دیے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن لوگوں نے زکات دی ان کی زکات ادا ہوئی یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے دیدہ ودانستہ زکات کے روپے تعمیر میں خرچ کیے ان کے لیے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الحاج نظام الدین خاں شیرانی، صوفیہ محلہ شیرانی آباد، ناگور، راجستھان

۲۵؍ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

الجواب

جن لوگوں نے زکات کے روپے حیلۂ تملیک کے بغیر مدرسے کی تعمیر میں صرف کیے وہ خائن ہیں، ان سب پر واجب ہے کہ فورا بلا تاخیر زکات کے ۲۵؍ ہزار روپے جن سے وصول کیا ہے انھیں واپس کریں، یا پھر مستحقین زکات کو دیں، اگر یہ لوگ ایسا نہیں کریں گے دنیا اور آخرت میں بندوں کے بھی اور اللہ عزوجل کے بھی مجرم ہوں گے بلکہ مجرم ہیں، جن لوگوں نے زکات کے روپے انھیں دیے تھے اگر ان کے علم میں یہ بات آجائے کہ ہماری زکات کے روپے مستحقین زکات تک نہیں پہنچے تو ان پر فرض ہے کہ جنھیں چندہ دیا تھا ان سے اپنے پیسے واپس لیں اور مستحقین زکات کو دیں، یا پھر ان کی خوشی ان سے نہ مانگیں اور اپنے پاس سے زکات ادا کریں۔ واللہ تعالی اعلم

۲۵؍ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

[۳۴] زکات کی رقم سے امام کو تنخواہ دینا جائز نہیں

مسئلہ مانساء گاؤں میں قریب قریب ڈھائی سو گھر مسلمان ہیں اور قریب قریب سب ہی زکات دیتے ہیں، تو کیا یہاں مسجد یا مدرسہ کے امام اور مولوی صاحب کو زکات کے پیسہ سے تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

از مانساء بازار

۲۴؍ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

الجواب

زکات کی رقم سے امام کو تنخواہ دینا جائز نہیں کیوں کہ تنخواہ اجرت ہے، تنخواہ میں جو روپیہ دیا جاتا ہے وہ فی سبیل اللہ نہیں ہوتا؛ اس لیے کسی کو بھی تنخواہ میں زکات کا پیسہ دینے سے زکات ادا نہ ہوگی۔ زکات کی ادائگی اس وقت ہوگی جب خالص اللہ کے لیے بہ نیت ثواب دیا جائے کسی کام کے عوض نہ دیا جائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر امام فقیر ہے سید وہاشمی نہیں، مالک نصاب نہیں تو اسے زکات دے سکتے ہیں مگر تنخواہ میں نہیں فی سبیل اللہ۔ واللہ تعالی اعلم

[۳۵] زکات کے پیسے سے کوئی سامان خرید کر مستحق کو دینا جائز ہے

مسئلہ- کیا زکات کی رقم سے یتیم خانہ کے بچوں کو کپڑے بنوا کر دیے جا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

مولوی محمد خلیل، خطیب مسجد درگاہ شریف، ماہم، ممبئی

الجواب

زکات کے پیسوں سے کوئی چیز خرید کر خواہ کپڑا ہو یا سامان مستحقین کو دی جا سکتی ہے بشرطے کہ جسے دی جائے اسے مالک بنا دیا جائے اسے پہننے یا برتنے پر مجبور نہ کیا جائے یعنی اگر وہ کپڑا وغیرہ لے کر کسی دوسرے کو دے دے، یا بیچ دے، تو زکات دینے والے کو کوئی اعتراض نہ ہو؛ اس لیے کہ زکات کی ادائگی کی شرط ہے تملیک مستحق، تنویر الابصار میں ہے: و يصرف تمليكا لا إباحة إه [۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۶] حیلہ شرعیہ کے بعد مدارس کے مطبخ میں زکات کی رقوم کا استعمال جائز ہے

مسئلہ- میں ایک مدرسے میں معلم ہوں جو بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے الحاق ہے، مجھ کو بورڈ سے تنخواہ ملتی ہے۔ مدرسہ ہذا میں مطبخ ہے جس میں صدقات، فطرات، عطیات، زکات کی رقم اور غلے سے غریب اور نادار طلبا، مدرسین کا کھانا پکتا ہے، مطبخ ہذا میں طلبہ و مدرسین کھانا کھاتے ہیں۔ میں سید زادہ ہوں، مدرسہ ہذا کے مطبخ میں کھانا کھا سکتا ہوں کہ نہیں؟ از روے شرع تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

ماسٹر خواجہ احسن الزماں، مدرسہ گلشن طیبہ منجری، آنجن بانکے بازار، گیا بہار

الجواب

اگر مطبخ میں زکات و صدقۂ فطر کی رقوم بغیر حیلہ شرعی صرف کی جاتی ہے تو اس میں کسی مدرس اور کسی

(۱)- تنویر الأبصار المطبوع مع الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۲۹۱، ج:۳، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان.

طالب علم کو کھانا جائز نہیں؛ اس لیے کہ زکات وصدقۂ فطر کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے اور کھانا کھلانے میں تملیک نہیں اباحت ہے۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد [1]۔

اور آپ کو بدرجہ اولی کھانا جائز نہیں، اور اگر زکات وصدقۂ فطر کی رقوم حیلہ شرعیہ کے بعد مطبخ میں صرف ہوتی ہے تو جس طرح دیگر طلبہ و مدرسین کو کھانا جائز ہے آپ کو بھی کھانا جائز ہے جیساکہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث میں ہے کہ فرمایا: لها صدقة ولنا هدية [2]۔ واللہ تعالی اعلم

۲۱ر شوال ۱۴۱۴ھ

[۳۷] بنی ہاشم کو زکات دینا جائز نہیں

مسئلہ- ہمارے گجرات میں ایک دیوبندی دار العلوم سے سیدوں کو زکات دینا جائز ہونے کے بارے میں ایک فتوی دیا گیا ہے، وہ اس طرح ہے "آج کل کے دور میں حالات کو دیکھتے ہوئے سیدوں کو جو غریب ہوں ان کو زکات دینا جائز ہے"۔

حالاں کہ علمائے کرام کی مشہور رائے تو یہی ہے کہ سیدوں کو زکات دینا ناجائز ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی رائے ہے کہ سید (ہاشمی) کو زکات دینا جائز ہے۔ نیز امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی ایک رائے یہ ہے کہ سید اور غیر سید کے مال کی زکات سید کو دینا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی دلیل اس طرح ہے کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ حضور ﷺ کے لیے خاص تھا، اس میں سے پانچواں حصہ آپ کے رشتہ داروں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے بعد یہ مال سیدوں کو ملتا نہیں ہے۔ جب عوض بند ہوا تو زکات دینا حلال ہوگا۔ امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ بعض شافعی اور حنبلی علما کی بھی یہی رائے ہے۔ علامہ انور کشمیری نے فرمایا: سیدوں کو مجبور ہو کر بھیک مانگنا پڑے اس سے بہتر تو زکات لینا ہے؛ اس لیے میں بھی جائز

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲)-الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۴۵، باب إباحة الهدي للنبي ﷺ، مجلس البركات، أشرفيه.

ہونے کا فتوی دیتا ہوں۔ علماے کرام کے دلائل کی بنیاد پر نہیں لیکن حالات کی تبدیلی کی وجہ سے جس کو لے کر مولانا قاسمی صاحب نے فتوی دیا ہے جب حالات میں (خمس) پانچویں حصے میں سے سیدوں کو کچھ ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور ہدیہ، نذرانہ، بخشش سے ان کی خدمت کرنے کا جذبہ بھی عموماً مٹ چکا ہے؛ اس لیے میں ان حالات کے مد نظر اطمینان اور یقین کے ساتھ فتوی دیتا ہوں کہ حاجت مند (غریب) سیدوں کو زکات دینا از روے شریعت جائز ہے۔ (بحث ونظر) ماہ اپریل سے جون ۱۹۹۰ء، ص: ۱۰۰، مجاہد الاسلام قاسمی بحوالہ ارکان اسلام اور غریبین، ص: ۳۰ گجراتی، شائع کردہ دار العلوم لوناواڈا، ضلع پنچ محل، گجرات۔

اس دیوبندی فتوی نے سیدوں کے لیے زکات کو لینا جائز قرار دے دیا تو اب حضرت قبلہ سے گذارش ہے کہ سنی عوام کو رہنمائی فرمائیں اور عربی عبارتیں ترجمہ کے ساتھ پیش فرمائیں یہ عرض ہے۔

شبیر علی رضوی، مقام وپوسٹ دیادرا، ضلع بھروچ، گجرات

الجواب

ظاہر روایت، مفتی بہ، مختار یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکات دینا جائز نہیں، انھیں دینے سے زکات ادا نہ ہوگی اگرچہ وہ کتنے ہی تنگ دست و مفلس ہوں۔ عامۂ متون و شروح میں ہے: ولا يدفع إلى بني هاشم[(۱)].

بنی ہاشم کو زکات نہ دی جائے۔

اور یہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ ربیعہ بن حارث اور عباس بن مطلب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں اپنے بچوں کا نکاح کرنا ہے ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں زکات وصول کرنے پر مقرر فرمادیں تاکہ ہمیں بھی وہ ملے جو اور لوگوں کو ملتا ہے، یہ سن کر حضور اقدس ﷺ بہت دیر تک خاموش رہے۔ پھر فرمایا:

إن الصدقة لا ينبغي لآل محمد إنما هي أوساخ الناس[(۲)].

---

(۱)- الدر المختارفوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۹، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲)- الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۳٤٤، كتاب الزكاة / باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله، مجلس البركات.

دوسری روایت ہے: إنما هي أوساخ الناس وإنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد ﷺ. (۱)
یہ زکات کے اموال لوگوں کے میل ہیں محمد اور آل محمد کے لیے حلال نہیں (ﷺ)۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار خدمت اقدس میں صدقہ کی کھجوریں آئیں اور حضرت حسن وہیں لوٹ رہے تھے انھوں نے ایک کھجور منھ میں رکھ لی تو حضور اقدس ﷺ نے ان کے منھ میں انگلی ڈال کر وہ کھجور نکال کر پھینک دی، اور فرمایا: ہم اہل بیت کے لیے صدقہ حلال نہیں۔ (۲)

جب خود حضور اقدس ﷺ نے احتیاج اور ضرورت کے وقت بنی ہاشم کے لیے زکات لینے کی اجازت نہیں دی حتی کہ زکات وصول کرنے کا معاوضہ دینے پر بھی راضی نہیں ہوئے تو آج کس کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے کہ اس میں تبدیلی کرے۔ دیوبندی کا کوئی مذہب نہیں وہ اپنی پارٹی بڑھانے کے لیے خلاف شرع ایسے فتوے دیتے رہتے ہیں جس سے لوگ ان کی پارٹی میں داخل ہوں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ایک روایت نادرہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے آئی ہے کہ اس زمانے میں بنی ہاشم کو زکات دینا جائز ہے۔ مگر ظاہر الروایہ، مختار، مفتی بہ وہی ہے کہ جائز نہیں۔ فتح القدیر میں ہے: (قَوْلُهُ وَلَا يَدْفَعُ إِلَى بَنِي هَاشِمٍ) هَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ ، وَرَوَى أَبُو عِصْمَةَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي هَذَا الزَّمَانِ وَإِنْ كَانَ مُمْتَنِعًا فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ . (۳)

ترجمہ: اور بنی ہاشم کو زکات نہ دی جائے یہ ظاہر روایت ہے، اور ابو عصمہ نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں جائز ہے اگرچہ اس زمانہ میں منع تھا۔

لیکن یہ قول مرجوح ہے قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ یہ صریح احادیث کے خلاف ہے اور حضرت امام ابو یوسف پر تو یہ افترا ہے کہ انھوں نے اسے مطلقا جائز کہا ہے،

---

(۱)- الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۳٤٥، كتاب الزكاة / باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله، مجلس البركات.

(۲)- مشكاة المصابيح، ص: ١٦١، باب من لا تحل له الصدقة، مجلس البركات.
الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٤٣، ٤٤٤، كتاب الزكاة / باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله وهم بنو هاشم و بنو المطلب دون غيرهم، مجلس البركات.

(۳)- فتح القدير، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ج:۲، ص: ۲۷۷، بركات رضا، پور بندر

ان کا مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم اپنی زکات بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں۔

امام صاحب سے بھی ایک روایت ہے، فتح القدیر ہی میں ہے: وعنه وعن أبي يوسف أنه يجوز أن يدفع بعض بني هاشم إلى بعض زكاتهم.[1]

ترجمہ: امام اعظم اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بنی ہاشم کو جائز ہے کہ اپنی زکات بنی ہاشم کو دے دیں۔

کہنا یہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسف پر یہ افترا ہے کہ وہ ہر حال میں بنی ہاشم کو زکات دینا جائز کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ مسلّم ہے کہ فتویٰ ظاہر مذہب پر ہوگا اور ظاہر مذہب یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکات دینا جائز نہیں، تمام متون میں بھی یہی ہے اور اسی کو تمام فقہا نے ترجیح دی، اس کی تصحیح کی۔ در مختار میں ہے: فعلينا اتباع ما رجحوه وما صححوه.[2] فقہا نے جس کو ترجیح دی جس کو صحیح کہا اسی کی اتباع ہم پر واجب ہے۔

رہ گیا اگر واقعی کچھ بنی ہاشم ضرورت مند ہوں اور ان کے گزر بسر کے لیے سوائے زکات اور صدقۂ فطر کے اور کوئی سبیل نہ ہو تو حیلہ شرعیہ کر کے ان کی خدمت میں زکات اور صدقۂ فطر پیش کیا جا سکتا ہے۔ حیلہ شرعی یہ ہے کہ زکات کی رقم کسی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے اور اس کے قبضے میں دے دیا جائے، پھر یہ شخص بخوشی سادات کرام کو نذر کر دے، اس کی اصل وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صدقے کے گوشت کے بارے میں فرمایا: لها صدقة ولنا هدية.[3] وہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے وہ ہمیں دے دے یہ ہدیہ ہو گا۔

صحیح حل ہوتے ہوئے اصل مذہب کو بدلنا، احادیث کریمہ کے خلاف فتویٰ دینا مسلمانوں کا کام نہیں یہودی صفت افراد کا کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۸] سادات کرام کو صدقات واجبہ دینا جائز نہیں

مسئلہ – سید کو صدقۂ فطر، خیرات، زکات، دوسرے کے گھر سے روٹی مانگ کر کھانا جائز ہے کہ نہیں

---

(۱)- فتح القدير، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ج:۲، ص: ۲۷۷، بركات رضا، پور بندر

(۲)- الدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ج:۱، ص: ۱۸۰، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳)- الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۳۴۵، باب إباحة الهدي للنبي ﷺ، مجلس البركات، اشرفيه.

جب کہ قدرت نے سب کچھ کھانے پینے کا سامان دے رکھا ہے؟

محمد رئیس الدین، پوسٹ مقام مبارک پور، وایا سکھو بازار، ضلع سہرسا، بہار

الجواب

سادات کرام کو زکات، صدقۂ فطر اور کوئی بھی صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں اور نہ ہی انھیں لینا جائز۔ دینا لینا دونوں گناہ اور حرام قطعی ہے۔ زکات، فطرہ مال کے میل ہیں۔ ان پاک نظیف حضرات کی شان کے لائق نہیں کہ ایسی چیزوں سے آلودہ ہوں۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الصدقة لا ينبغي لمحمد و لا لآل محمد إنما هي أوساخ الناس (۱)۔

بے شک صدقہ واجبہ محمد اور آل محمد کے لیے ناجائز ہے، کہ یہ لوگوں کا میل ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

إنه لا يحل لكم أهل البيت من الصدقات شيء إنما هي غسالة الأيدي (۲)۔

یعنی اے رسول کے گھر والو تمھارے لیے صدقات (واجبہ) میں سے کچھ بھی حلال نہیں کہ یہ لوگوں کے ہاتھوں کا دھون ہے۔

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

اتفق الأئمة الأربعة على تحريم الصدقة المفروضة على بني هاشم و بني عبد المطلب. (۳)

یعنی چاروں مذاہب کے ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ سارے سادات کرام کے لیے صدقہ مفروضہ حرام ہے۔

رہ گئے صدقات نافلہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ سادات کرام کو یہ دینا اور انھیں اس کا لینا سب جائز اور

---

(۱)- الصحیح لمسلم، ج:۱، ص: ۳٤٤، کتاب الزکاۃ / باب تحریم الزکاۃ علی رسول اللہ ﷺ وعلی آله وهم بنو هاشم وبنو المطلب دون غیرهم، مجلس البرکات، أشرفیه.

(۲)- المعجم الکبیر: مروی از عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنه، ۱۱ / ۳۵۲.

(۳)- میزان الشریعة الکبری، ص: ٤۲٥، کتاب الزکاۃ / باب قسم الزکاۃ، مطبوعہ از طلبہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۱۴۴۰ھ، ۱۴۴۱ھ

باعث اجر و ثواب ہے۔ صدقہ نافلہ یہ ہے کہ مثلا انھیں کوئی چیز نذر کر دی جائے، کچھ ہدیہ کے طور پر دے دیا جائے، یا اور کسی طرح ان کی مال و غیرہ کے ذریعہ امداد کر دی جائے۔ لیکن اس کے واسطے ان حضرات کو بے ضرورت شرعی سوال نہیں کرنا چاہیے کہ حضور اقدس ﷺ نے بے ضرورت سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ایک بار امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو کچھ عطیہ بھیجا، انھوں نے واپس کر کے بارگاہ رسالت میں حاضر کر دیا، اور عرض کیا کہ حضور نے ہمیں حکم دیا تھا کہ کسی سے کچھ نہ لینے میں بھلائی ہے، فرمایا یہ بحالت سوال ہے اور جو بے سوال آئے وہ تو ایک رزق ہے کہ مولی تعالی نے تجھے بھیجا۔ امیر المومنین نے عرض کی کہ واللہ اب کسی سے کچھ سوال نہ کروں گا، اور بے سوال جو چیز آئے گی وہ لے لوں گا[1]۔

فتاوی عتابیہ اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے:

يجوز النفل للهاشمي مطلقا بالإجماع، وكذا يجوز النفل للغني۔[2]

در مختار میں ہے: جازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم۔[3]

واقعی اگر کوئی سید صاحب استطاعت کے باوجود لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور زکات فطرہ کی رقم لیتے ہیں تو ان کی خدمت میں مودبانہ طور پر گزارش کی جائے کہ ایسا کرنا شرعا ممنوع ہے۔ یہ آپ کی شان کے لائق نہیں، آپ اس سے احتراز کریں، اور مسلمانوں کو چاہیے کہ ہدیہ یا نذر و غیرہ کے ذریعہ ان کی خدمت کر دیا کریں، یا حیلہ شرعیہ کے بعد زکات و صدقۂ فطر کا مال دیں۔ حیلہ شرعیہ یہ ہے کہ مالک مثلا مال زکات کا کسی فقیر کو مالک بنا دے اور اس مال پر فقیر کو قبضہ بھی دلا دے، پھر فقیر مالک کو اس مال کا وکیل بنا دے کہ تم یہ مال کسی بھی کار خیر میں صرف کر سکتے ہو۔ اب وہ مال سید صاحب کی نذر کیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱)- صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۹۹، كتاب الزكاة / من أعطاه الله شيئا من غير مسئلة، مجلس بركات

(۲)- النهاية المطبوع مع فتح القدير، ج:۲، ص:۲۷۷، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، بركات رضا پور بندر.

(۳)- رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ج:۳، ص: ۳۰۰، كتاب الزكاة / باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۳۹] سید کو زکات دینے کا حیلہ

مسئلہ- ایک صاحب جو امام بھی ہے اور مدرس بھی مگر تنخواہ اتنی ہے کہ کسی طرح منہ نکل جاتا ہے وہ کرایا کے مکان میں رہتے ہیں خود کا مکان نہیں تو ایک آدمی ان کو اتنے پیسے دینا چاہتا ہے کہ سید صاحب خود کا مکان بنالیں مگر وہ رقم زکات کی ہے تو کیا جائز ہے؟ نہیں تو پھر حیلہ کا راستہ بتائیے کہ کس طرح وہ پیسے پاک کیے جائیں اور شرعی حیلہ ہونے کے بعد سید صاحب اس پیسے سے مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

سید ابراہیم میاں

۱۸ر صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

صورت یہ ہے کہ وہ شخص زکات کے پیسے کسی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنا دے اور قبضہ بھی دلا دے، پھر یہ کہ وہ شخص وہ پیسے سید صاحب کی نذر کر دے اسے سید صاحب اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں۔ در مختار میں ہے: الحیلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴۰] مصارف زکات کی تفصیل

مسئلہ فطرہ، زکات، چرم قربانی کا روپیہ کس مصرف میں خرچ کیا جائے؟ میری بستی میں کچھ ایسی رقم جمع ہے لیکن انگلش تعلیم رکھنے والے کچھ لوگ جائز مصرف میں نہیں لگانا چاہتے ہیں؛ اس لیے آپ سے گذارش ہے کہ اس رقم کو کس راستے میں خرچ کیا جائے آپ اپنے مدرسہ کے لیٹر پیڈ پر اس کے بارے میں درست رائے ظاہر کر دیں کہ اس روپیہ کو اس راستہ میں خرچ کیا جائے، تاکہ میں ان لوگوں کو پیش کر سکوں کہ جائز ناجائز کیا ہے، اور کون سا روپیہ کس مصرف میں خرچ کیا جاتا ہے؟ میرے یہاں دو گروہ ہو گئے ہیں۔ میں اس لیے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا روپیہ کا جائز مصرف کیا ہے بیان فرمادیں۔

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۳، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت؛ لبنان

محمد یوسف، مولا اینڈ کمپنی، کاننگ اسٹریٹ، کلکتہ

الجواب

زکات کے مصارف یہ ہیں:

فقیر، مسکین، ابن سبیل یعنی مسافر جس کے پاس مال نہ رہا، فی سبیل اللہ، اور ایسا قرض دار کہ قرض نکالنے کے بعد مالک نصاب نہ رہے۔

در مختار میں ہے: هو فقير و مسكين و مديون لا يملك نصابا فاضلاً عن دينه وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة وابن السبيل ملخصا(۱)۔

اور صدقۂ فطر کے مصارف وہی ہیں جو زکات کے ہیں یعنی جن کو زکات دے سکتے ہیں انھیں صدقۂ فطر بھی دے سکتے ہیں، اور جنھیں زکات نہیں دے سکتے انھیں فطرہ بھی نہیں دے سکتے، در مختار میں ہے:

صدقة الفطر كالزكاة في المصارف إلا في جواز الدفع إلى الذمي إھ(۲)۔

اس زمانہ میں زکات اور فطرہ کے بہترین مصرف علم دین حاصل کرنے والے طالب علم ہیں حتی کہ فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ طالب علم سوال کر کے بھی زکات کا مال لے سکتا ہے جب کہ اس نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے فارغ کر رکھا ہو اگرچہ کسب پر قادر ہو، بلکہ صاحب در مختار نے تصریح فرمائی ہے کہ بعض علما کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد علم دین حاصل کرنے والے طالب علم ہیں۔ اور علامہ شامی نے اس کو محقق کہا ہے اور یہ انکشاف فرمایا ہے کہ ظہیریہ اور مرغینانی میں ایسا ہی ہے۔ رہ گئے وہ طالب علم جو دنیوی علم حاصل کرتے ہیں مثلاً ہندی، انگریزی، حساب، جغرافیہ وغیرہ پڑھنے والے وہ اگر مسکین یا مدیون نہیں تو ان کو زکات دینی جائز نہیں، اگر دی جائے گی تو زکات ادا نہیں ہوگی، اور یہی حکم ان اسکولوں اور کالجوں کا ہے جن میں دنیوی تعلیم دی جاتی ہے کہ نہ ان میں زکات دینی جائز اور نہ ان میں دینے سے زکات ادا ہوگی۔

اور چرم قربانی کے روپے کا حکم یہ ہے کہ اسے صدقہ کر دیا جائے، اس روپے کو نہ اپنی ذات اور بال بچوں پر

---

(۱)- تنوير الابصار مع الدر المختار، ج:۳،ص:۲۸۳ تا ۲۹۰، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲)-تنوير الأبصار مع الدر المختار، ج:۳،ص:۳۲۵، كتاب الزكات، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت.

خرچ کرنا جائز ہے اور نہ ہی غنی کو دینا، اور روپیہ ہی نہیں اگر چمڑے کے عوض میں کوئی ایسی چیز حاصل کی جس کو ہلاک کر کے نفع حاصل کیا جاتا ہے، جیسے روٹی، گوشت، سرکہ تو اس کو بھی صدقہ کرنا ضروری ہے۔ یونہی جانور کی جھول، رسی اور اس کے گلے میں جو ہار ڈالا ہے وہ ہار ان سب کو صدقہ کر دینے کا حکم ہے، البتہ چمڑے کے بارے میں مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے صدقہ کر دے یا اس کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کسی کام میں لائے، در مختار میں ہے:

(و يتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب أو يبدله بما ينتفع به باقيا لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه) كدراهم (فإن بيع اللحم أو الجلد به أو بدراهم تصدق بثمنه).[1]

اور صدقہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی نیک کام میں خرچ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴۱-۴۴] مصارف زکات کی وضاحت

مسئلہ — ہمارے یہاں ایک انجمن کی نگرانی میں ایک عوامی اردو لائبریری مسلمانوں کے لیے عرصۂ دراز سے قائم ہے اور انجمن مذکورہ کے زیر انتظام ہی بیت المال کا شعبہ بھی قائم ہے۔

بیت المال کی آمدنی کے ذرائع چرم قربانی، فطرہ، زکات اور عطیہ ہیں جس سے مفلوک الحال مسلمان والدین کی لڑکیوں کی شادی میں مناسب اور طے شدہ رقم ادا کر دی جاتی ہے، نادار مسلمانوں کی بیماریوں کا علاج، اس کے علاوہ بیوہ اور مساکین، یتیم بچے، بچیوں کو عید اور بقر عید کے موقع پر ضروری کپڑے خرید دیے جاتے ہیں۔ ان دنوں عوامی اردو لائبریری کی حالت نہایت ہی خستہ ہے، لائبریری اپنے اخراجات پورے نہیں کر پاتی، نئی کتابوں کا خریدنا تو محال ہو گیا ہے؛ اس لیے براے کرام مذکورہ حالات وخدمات کے مد نظر ذیل کے مسائل کا شرعی حل عنایت فرمائیں۔

(۱) کیا بیت المال کی مجموعی تحویل سے (جس میں چرم قربانی، فطرہ، زکات وغیرہ کی رقم شامل ہے) عوامی اردو لائبریری کے لیے قطعہ اراضی خریدا جا سکتا ہے کیوں کہ لائبریری کرایے کے مکان میں ہے؟

(۲) کیا بیت المال چرم قربانی کی فروخت شدہ رقم سے عوامی اردو لائبریری کے لیے قطعہ اراضی خرید سکتا ہے۔؟

---

(۱)- تنوير الأبصار مع الدر المختار، ج:۹، ص:٤٧٤، ٤٧٥، كتاب الأضحية، دار الكتب العلمية، بيروت.

③ کیا بیت المال کی مجموعی رقم (جس میں فطرہ، چرم قربانی، زکات وغیرہ) کو پوسٹ آفس میں چھ سال کی میعاد پر جمع کر کے دوگنی رقم حاصل کر کے مسلمانوں کے فلاحی کاموں میں خرچ کر سکتا ہے؟

④ کیا فطرہ وزکات کی رقم سے لڑکیوں کے لیے سلائی مشین اور کڑھائی کی تعلیم کے لیے ضروری اشیا خریدی جا سکتی ہیں؟

جناب الحاج محمد لقمان صدر اعلی انجمن اصلاح المسلمین

الجواب

تمام سوالات کے جوابات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ زکات، فطرہ، چرم قربانی کے مصارف کی شرعی تعیین ذہن نشین کر لی جائے۔ زکات اور فطرہ کے مصارف قرآن کریم نے معین فرما دیے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، ارشاد ہے: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ" [1] الآیۃ۔ قرآن مجید نے آٹھ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) فقراء: وہ مسلمان جو مالک نصاب نہ ہوں۔

(۲) مساکین: وہ مسلمان جن کے پاس کچھ نہ ہو۔

(۳) زکات وغیرہ کا محصل: جس کو سلطان اسلام یا اس کا نائب زکات وصول کرنے کے لیے مقرر کرے۔

(۴) مولفة القلوب: وہ نومسلم جو ابھی پختہ مسلمان نہ ہوا ہو۔

(۵) مسافر: جس کے پاس مسافرت کی حالت میں مال نہ ہو اگرچہ وہ اپنے وطن میں مال دار ہو۔ ایسا ذریعہ بھی نہ ہو کہ وہ اپنے وطن سے مال منگا سکے۔

(۶) قرض دار: جس کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے اتنا نہ ہو کہ قرض ادا کر سکے۔ خواہ نقد، خواہ جنس۔

(۷) مجاہد فی سبیل اللہ: وہ مسلمان فوجی جو حکومت کا ملازم نہ ہو اور اس کے پاس سامان جہاد نہ ہو۔

(۸) غلام: جس کے مالک نے اس سے طے کر لیا ہو کہ تم اتنی رقم دے دو تو تم آزاد ہو۔

---

(۱)- سورہ توبہ، آیت: ۶۰، پارہ: ۱۰۔

ان میں سے اس زمانے میں مستحق زکات میں سے صرف چار رہ گئے ہیں۔ فقراء، مساکین، مسافر، قرض دار۔ مسافر بھی شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اس کا مستحق نکل سکے، رہ گئے وہ پیشہ ور جو اپنے آپ کو مسافر کہ کر بھیک مانگنے کا پیشہ کرتے ہیں وہ اس میں داخل نہیں۔

ان مستحقین زکات کو زکات یا فطرہ دیا جائے تو ادا ہو گا ان کے علاوہ کسی اور کو دیا جائے تو ادا نہ ہو گا۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ ہاشمی نہ ہوں نیز یہ بھی شرط ہے کہ زکات وفطرہ ان کو اس طرح دیا جائے کہ وہ مالک ہو جائیں، ان کو مالک بنائے بغیر ان پر صرف کیا جائے تو زکات وفطرہ ادا نہ ہو گا۔ در مختار میں ہے:

و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة ولا یصرف إلی بناء نحو مسجد وتکفین میت [1]۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ زکات وفطرہ کی رقم سے اگر کسی کی شادی کرا دی گئی، یا کپڑے بنوا دیے گئے تو زکات ادا نہ ہوئی، ہاں یہ کر سکتے ہیں کہ تخمینہ لگا کر اتنے روپے جتنے شادی میں خرچ ہوں گے ان کو دیدیا جائے اور مالک بنا دیا جائے کہ وہ جو چاہیں کریں کوئی ان پر پابندی نہ عائد کی جائے، یا سامان خرید کر، کپڑے خرید کر ان کو دے دیا جائے اور مالک بنا دیا جائے کہ وہ جو چاہیں کریں خواہ اسے استعمال کریں، یا فروخت کریں، یا کسی اور کام میں صرف کریں، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ زکات وفطرہ کی رقم سے کوئی زمین خرید کر کسی مذہبی ادارے پر وقف کریں، یا اس کی آمدنی کسی مذہبی ادارے پر صرف کی جائے، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ زکات وفطرہ کی رقم سے اردو لائبریری چلائی جائے۔ **اولا:** اس میں تملیک فقیر نہیں، **ثانیا:** اردو لائبریریوں کا حال معلوم ہے کہ ان میں زیادہ تر ناول، غزلیات کی کتابیں ہی ہوتی ہیں ان کا خریدنا رکھنا پڑھنا ہی جائز نہیں۔

چرم قربانی کی ادائگی کے لیے تملیک فقیر شرط نہیں، اسے ہر کار خیر میں صرف کر سکتے ہیں، اس سے محتاجوں کی شادی بیاہ، ان کے لباس اور سامان سب خریدا جا سکتا ہے مگر اردو لائبریری میں صرف کرنا محل نظر ہے، دینی کتابیں تو خریدی جا سکتی ہیں مگر ناول، غزلیات، ادبیات وسیاسیات پر مشتمل رسائل واخبارات خریدنا اس سے بھی جائز نہیں۔ جب زکات اور فطرہ کے مصارف اور ان کے مصارف کا طریقہ، چرم قربانی کے

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

مصرف اور طریقہ سے الگ ہے تو یہ بھی جائز نہیں کہ دونوں قسم کی رقوم مخلوط کی جائیں اور یک جا رکھی جائیں، یہ واجب ہے کہ زکات اور فطرہ کی رقم علاحدہ رکھی جائی اور چرم قربانی کی رقم علاحدہ۔ ان باتوں کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب اصل سوالات کے جوابات سنیے۔

❶ ناجائز و گناہ ہے۔

❷ اگر اس لائبریری میں صرف دینی کتابیں ہوں، دینی رسائل واخبارات آتے ہوں۔ ناول، ادبی، سیاسی اخبارات نہ آتے ہوں تو جائز ہے ورنہ ناجائز و گناہ۔

❸ اس کی اجازت نہیں ان رقوم کو بطور خزانہ جمع کرنا بھی ممنوع ہے، یہ ضروری ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے یہ مستحقین تک پہنچادی جائیں۔ واللہ اعلم

❹ یہ بھی ناجائز و گناہ ہے کہ یہ مستحق زکات کو دینا نہیں ہوا، اور زکات وفطرہ کی ادائگی کے لیے مستحق زکات کو مالک بنادینا ضروری ہے۔ چرم قربانی کی قیمت سے جائز ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۴۵] ۵۶ بھر چاندی کا وزن ۶۵۳ء۱۸۴ گرام ہے

مسئلہ زید بی اے کا طالب علم ہے، اس کے گھر کی معاشی حالت ٹھیک نہ ہونے کی بنا پر کوئی خرچ نہیں ملتا اور وہ اپنی تعلیم کا سلسلہ ٹیوشن کرا کے جاری رکھے ہوئے ہیں، وہ مزید تعلیم کے لیے کمپیوٹر کورس کرنا چاہتا ہے جس میں ہزاروں روپے کا خرچ ہے، تو کیا ایسی صورت میں وہ اپنے لیے زکات کی رقم استعمال کر سکتا ہے؟

محمد شمیم اختر، نواب گنج، بنارس، یوپی

الجواب

اگر اس کے پاس چھپن روپے بھر چاندی، یا اس کی قیمت بھر کا نوٹ نہ ہو تو وہ زکات لے سکتا ہے۔ یہاں روپے سے مراد وہ چاندی کا روپیہ ہے جو انگریزوں کے عہد میں چلتا تھا جو موجودہ اعشاریہ وزن سے ۶۵۳ر گرام ۱۸۴ر ملی گرام ہوتا ہے، چاندی کا بھاؤ بدلتا رہتا ہے، بازار سے چاندی کا بھاؤ معلوم کر کے خود حساب لگالیں کتنی قیمت ہوگی۔ چاندی کا نرخ بھری سے بتاتے ہیں اور دس گرام کو بھر کہتے ہیں جس شخص کے پاس ۶۵۳ء۱۸۴ر گرام چاندی یا اس کی قیمت کے نوٹ ہیں وہ زکات نہیں لے سکتا، وہ مالک نصاب ہے اگرچہ اس کی ضرورتیں ہزاروں

روپے کی ہوں، مثلاً آپ نے کسی سے زکات کے روپے لیے جس کی مقدار نصاب تک پہنچ گئی، یا اس سے زائد ہوں تو آپ مزید زکات نہیں لے سکتے۔ ہاں یہ کر سکتے ہیں کہ جو روپے ملے انھیں خرچ کر دیں اتنا کہ آپ کے پاس کچھ نہ ہو، یا نصاب کی مقدار سے کم ہو تو پھر کسی اور سے زکات لے سکتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴۶] اس زمانے میں مستحق کی تحقیق بہت ضروری ہے

مسئلہ- ایسی حالت میں جب کہ ہمارے دینی مدارس کو امداد کی اشد ضرورت ہے صدقہ و خیرات اپنے رشتہ دار، پڑوسی کو دینا زیادہ ثواب ہے، جب کہ رشتہ دار پڑوسی مستحق تو ہے مگر غفلت اور جہالت کی وجہ سے متبع قرآن و سنت نہیں اور باوجود کوشش کے اسی ہٹ دھرمی پر قائم ہے چوں کہ نیکی کے بارے میں صحابہ کرام کا موقف یہ تھا کہ دو نیکیوں میں وہ نیکی کی جائے جس کا ثواب زیادہ ہو۔

محمد امین ثاقب رضوی، سارن ہاٹ، ضلع پونچھ، جموں و کشمیر

۳۱ر جولائی ۱۹۹۹ء

الجواب

جس کو زکات و صدقہ دیا جائے اگر وہ اسے ناجائز کاموں میں خرچ کرے تو دینا جائز نہیں، اور اگر وہ اپنی ضروریات میں صرف کرے اور واقعی وہ مستحق ہو تو اسے دینا مقدم ہے مگر اس زمانے میں مستحق کی تحقیق بہت ضروری ہے بہت سے غیر مستحق جن کے پاس کثیر مال جمع ہوتا ہے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، مجھے خود اس کا بارہا دھوکا ہوا ہے۔ ایک بوڑھا آدمی جس کی کوئی اولاد نہیں تھی، پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہتا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انتہائی قلاش ہے مگر بعد میں ظاہر ہوا کہ اس کے بیس ہزار بینک میں جمع ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

[۴۷] زکات کی رقوم کے مصارف صرف مسلمان ہیں

مسئلہ- ایک مدرسہ جونیر ہائی اسکول ہے، جس میں مسلم و غیر مسلم دونوں پڑھتے ہیں نیز مسلم و غیر مسلم

مدرسین بھی ہیں۔ اس میں درجہ پنجم تک دینیات بھی پڑھائی جاتی ہے، ایسے مدرسے میں زکات وفطرہ، چرم قربانی، وعقیقہ کی رقم لگ سکتی ہے یا نہیں؟

عبدالغفار اعظمی، دار العلوم سرکار آسی، سکندر پور، بلیا، یوپی

الجواب

زکات اور فطرے کی رقم اس مدرسہ میں ہرگز ہرگز نہ دی جائے، زکات وفطرے کی رقوم کے مصارف صرف مسلمان ہیں۔ حدیث میں ہے: تؤخذ من أغنيائهم و ترد إلى فقرائهم (۱)۔

(ترجمہ) مال دار مسلمانوں سے لی جائے اور غریب مسلمانوں کو دی جائے۔

جب اس اسکول میں ہندؤں کے بھی بچے پڑھتے ہیں تو اگر اس مدرسے میں زکات وفطرہ دیا جائے گا تو ان پر بھی صرف ہوگی، یہ ارشاد حدیث کی خلاف ورزی ہے، اسی طرح چرم عقیقہ وقربانی بھی ہرگز ہرگز نہ دی جائے کہ اس کی قیمت کا صدقہ کرنے کا حکم ہے اور غیر مسلم مشرک پر صرف کرنا تصدق نہیں، سانپ کے بچے کو دودھ پلانا ہے۔

ہاں اس کی اجازت ہے کہ اگر سکریٹری اور ناظم دین دار خدا ترس ہوں وہ وعدہ کریں کہ یہ رقوم صرف مسلمان بچوں پر وہ بھی دینیات کے پڑھنے والوں پر صرف کریں گے، ان رقوم کو علاحدہ رکھیں گے، خلط ملط نہیں کریں گے تو صرف بقدر ضرورت یعنی دینیات کی تعلیم پر جتنی رقوم صرف ہوتی ہوں اتنی دینی جائز ہے وہ بھی اگر زکات وفطرے کی رقوم ہوں تو حیلہ شرعیہ کے بعد صرف کرے۔ بغیر حیلہ شرعیہ دینیات کی مد میں بھی صرف کرنے کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۴۸] زکات کی ادائگی میں حق تقدم رشتہ داروں کو ہے

مسئلہ— ہمارے دیار میں دو تعلیم گاہ بنام جامعہ اہل سنت اور مدرسہ غوثیہ قائم ہے، پرانا مدرسہ امداد العلوم ہے جو علاقہ کے تمام بااثر لوگوں کے مشورے سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اور سب لوگوں کا چندہ بھی آتا تھا اور اب بھی آتا ہے اور اس کو دینی مصلحت کی خاطر الحاق کرایا گیا ہے جیسا کہ اتر پردیش کے بہت سے مدارس ملحق ہیں

---

(۱)- مشكاة المصابيح، ص: ۱۵۵، كتاب الزكاة، مجلس البركات.

اس میں گورنمنٹ کے مقرر کردہ نصاب کے مطابق مولوی، عالم، فاضل، منشی و کامل تک کا امتحان بھی ہوتا ہے، یہ مدرسہ گورنمنٹ کی امداد نیز مسلمانوں کے چندہ زکات، فطرہ، عشر، قربانی، چٹکی کے ذریعہ چلایا جاتا ہے مدرسہ غوثیہ اس کے بعد تعمیر کیا گیا ہے لیکن یہ مدرسہ الحاق نہیں کرایا گیا۔ اس مدرسہ کو صرف مسلمانوں کے چندہ سے چلایا جاتا ہے اور مدرسہ میں درس نظامیہ کے مطابق صرف شرح وقایہ تک تعلیم ہوتی ہے، امداد العلوم بڑا مدرسہ ہے مدرسہ غوثیہ اس کے مقابلے میں چھوٹا ہے لیکن امداد العلوم کی مالی پوزیشن غوثیہ کے اعتبار سے ۴، ۵ ہزار زائد ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں مدرسوں میں کس کو چندہ دینا زیادہ ثواب ہے۔

ریاض حیدر مشاہدی، متعلم جامعہ اہل سنت امداد العلوم، مٹہنا

الجواب

یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ ان دونوں مدرسوں میں کسے چندہ دینا زیادہ ثواب ہے، یہ دونوں مدرسوں کی کماحقہ پوری کیفیات پر مطلع ہونے کے بعد حکم لگایا جاسکتا ہے، فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ ایک بستی کی زکات دوسری بستی میں بھیجنا مکروہ ہے... ہاں اگر دوسری بستی والے زکات دینے والے کے رشتہ دار ہوں، یا وہ زیادہ محتاج ہوں، یا وہ خدا ترس ہوں، یا وہاں بھیجنا مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید ہو تو منتقل کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ درمختار میں ہے:

وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين أو إلى طالب علم وفي المعراج: التصدق على العالم الفقير أفضل أو إلى الزهاد[1].

اس سے معلوم ہوا کہ زکات کی ادائیگی میں حق تقدم رشتہ داروں کو ہے، یا پھر زیادہ ضرورت مندوں کو، یا پھر جو لوگ زیادہ دین دار ہوں یا زیادہ متقی پرہیز گار ہوں، یا جہاں زکات دینے میں مسلمانوں کو زیادہ فائدہ ہو۔ ان دونوں مدرسوں میں اس معیار پر کون حق تقدم پاتا ہے اس کا فیصلہ اس پر موقوف ہے کہ دونوں مدرسوں کے اندرونی، بیرونی حالات، مدرسین، طلبہ اور اراکین کے احوال پورے طور پر معلوم ہوں؛ اس لیے ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان دونوں مدرسوں میں کسے دینا زیادہ ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۳۰٤، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۴۹] اپنے لڑکے کی بیوی کو زکات دے سکتے ہیں

مسئلہ- اپنے لڑکے کی بیوی کو زکات دے سکتے ہیں یا نہیں؟

نور محمد قادری

الجواب

دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۰] بہن اور بھائی کو زکات کی رقم دے سکتے ہیں

مسئلہ- میں اپنی حقیقی بہن جو بیوہ ہے اسے زکات کی رقم دے سکتا ہوں یا نہیں؟ نیز دیگر صدقات وچرم قربانی وغیرہ۔

ایاز القادری، مدینہ مسجد، مقام وپوسٹ پارسی، ضلع شولاپور، مہاراشٹر

الجواب

زکات اور صدقۂ فطر کی رقوم بہن اور بھائی کو دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۱-۵۴] رضاعی ماں کو زکات دے سکتے ہیں

مسئلہ- (۱) کیا محمود اپنی رضاعی ماں کو زکات دے سکتا ہے کیوں کہ اس کی رضاعی ماں بہت غریب ہے۔

(۲) جن کو زکات دی جائے کیا اس کو بتانا ضروری ہے کہ یہ زکات کی رقم ہے۔

(۳) کچھ لوگ ندامت کی وجہ سے زکات نہیں مانگتے لیکن اگر ان کو دی جائے تو لے لیتے ہیں، کیا اس طرح زکات ادا ہو جائے گی؟

(۴) صاحب نصاب زکات کے روپے سے کسی غریب محتاج کی لڑکی کی شادی میں اپنے ہاتھ سے خرچ کرنا چاہتا ہے، اور رقم اس کے والدین کو نہیں دینا چاہتا کیوں کہ یہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ لڑکی کی شادی میں خرچ کرنے کے بجائے کھا ڈالیں گے یا کہیں اور جگہ خرچ کر دیں گے اور لڑکی بالغ بھی ہے، کیا صاحب نصاب کے لیے

ایسا کرنا شریعت میں کوئی قباحت تو نہیں ہے ؟

محمد بدر الدین، پوسٹ بکس ۹۰۶۴۴، دوحہ، قطر

الجواب

(۱) رضاعی ماں کو زکات دے سکتا ہے، کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) یہ ضروری نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کو مالک بنادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ہاں جو مستحق زکات ہے اس کو اگر بے مانگے بھی زکات دی جائے گی تو ادا ہو جائے گی، البتہ یہ تحقیق ضروری ہے کہ جسے زکات دی گئی ہے وہ زکات کا مستحق ہے، بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس اتنے زیور ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مالک نصاب ہوتے ہیں پھر بھی محتاج بنے پھرتے ہیں، مجھے خود اس قسم کا دھوکا ہو چکا ہے، ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص نے مجھ سے فاقہ کی شکایت کی میں نے اس کو زکات کے پیسے کافی دیے پھر بعد میں تحقیق ہوئی کہ اس کے پاس کافی چاندی کے زیور ہیں۔ اور ایک کاک سونے کا بھی ہے اور ہزاروں کا بینک بیلنس ہے غرض کہ تحقیق اور چھان بین کے بعد زکات دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) لڑکی جب بالغ ہے اور وہ صاحب نصاب نہیں تو اگر سامان خرید کر لڑکی کو دے دیا جائے تو زکات ادا ہو جائے گی لیکن اگر سامانوں کا لڑکی کو مالک نہیں بنایا یوں ہی دے دیا کہ یہ جہیز کا سامان ہے یا براتیوں کو کھانا کھلا دیا تو زکات ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۵] نادار بچوں کو زکات کی رقم دی جا سکتی ہے

مسئلہ- ایک انجمن ہے جس کے زیر نگرانی ایک ادارہ چلتا ہے جس میں تین تعلیمی شعبے چلتے ہیں، حفظ وقراءت، ناظرہ قرآن پاک جس میں غریب امیر سبھی قسم کے طالب علم تعلیم حاصل کرتے ہیں جنھیں ادارہ کی جانب سے تمام سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔

مکتب جس میں امیر غریب مقامی و بیرونی طالب علم پڑھتے ہیں، اس میں بچوں کو قرآن پاک و دینیات کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی ہے، اس میں امیر بچوں سے فیس لی جاتی ہے اور غریب بچوں کی مدد انجمن کرتی ہے۔

جونیر یہ بھی مکتب کی شکل پر چل رہا ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ انجمن جو رقم اکٹھا کرتی ہے اسے کن بچوں پر صرف کر سکتی ہے؟ کیا مکتب و جونیر میں پڑھنے والے غریب و نادار بچوں کی تعلیم پر انجمن فطرہ، زکات، صدقات کی رقم خرچ کر سکتی ہے؟ دلائل کی روشنی میں مسائل واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد عمر بقائی، مدرسہ مصباح العلوم، نانپارہ، بہرائچ، یوپی

الجواب

جو بچے نادار ہوں یعنی مالک نصاب نہ ہوں ان کو زکات و فطرہ کی رقم دی جا سکتی ہے خواہ وہ جونیر میں پڑھتے ہوں یا مکتب میں۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۶] مقروض کو کب زکات دے سکتے ہیں؟

مسئلہ—زید ساٹھ، ستر ہزار روپے کا قرض دار ہے اور یہ قرض سودی اور غیر سودی ہے، اگر کوئی صاحب خیر زکات سے ان کا قرض ادا کر دے تو اس کی زکات ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اور زید کے پاس فی الحال قرض کی ادائگی کا کوئی سامان ایسا نہیں کہ جس سے وہ اپنا قرض ادا کر سکے اس لیے دریافت طلب یہ امر ہے کہ قرض بھی ادا ہو جائے اور صاحب خیر کی زکات بھی ادا ہو جائے۔

عبد العلی انصاری، بک سیلر، سہارن پور، یوپی

الجواب

ایسا مقروض جس کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے حوائج اصلیہ سے فاضل مال یا جائداد نہیں، یا ہے مگر اتنی نہیں کہ قرض ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب کا وہ مالک ہو تو اسے زکات دی جا سکتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ

---

(۱)- البتہ یہ رقم بچوں کے لیے ان کے باپ کو دیں اور وہ بچے کو دیں تاکہ باپ کے واسطے سے بچے کا قبضہ متحقق ہو سکے۔ زکات کی ادائگی کے لیے تملیک فقیر ضروری ہے اور تملیک کے لیے قبضہ ضروری۔ باپ فوت ہو چکا ہو تو ماں کے واسطے سے بھی اس کے بچے کو زکات دے سکتے ہیں۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ.[1] واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۷] مقروض کو زکات دینا

مسئلہ- کچھ رشتہ دار جو ظاہراً غریب معلوم نہیں ہوتے مگر اپنی مجبوری کے تحت زکات طلب کرتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے علاج، مکان بنوالینے، شادی میں جائز اخراجات کر لینے سے قرض دار ہو گئے ہیں، اس لیے زکات طلب کرتے ہیں۔ زید ان کی مجبوری کی بات سن کر زکات میں سے پیسہ دے دیتا ہے بایں صورت زید کی زکات ادا ہوئی یا نہیں؟ اس قسم کے لوگوں کو شرع مطہرہ نے زکات کا مصرف مانا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ ان کے پاس حد شرع زیور مل جاتے ہیں۔

جناب محمد شفیع القادری، ۴۵ بوسی کی گلی، پالی، راجستھان

الجواب

جب یہ لوگ مقروض ہیں تو یہ دیکھا جائے گا کہ قرض کی ادائگی کے بعد مالک نصاب ہیں یا نہیں اگر قرض کی مقدار وضع کرنے کے بعد مالک نصاب ہیں تو انھیں زکات دینا جائز نہیں، اور اگر قرض کی مقدار وضع کرنے کے بعد بقدر نصاب نہیں بچتا تو انھیں زکات دینا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ر شوال ۱۴۰۱ھ

[۵۸] نابالغ کو کب زکات دے سکتے ہیں

مسئلہ- نابالغ لڑکیوں یا لڑکوں کو زکات کا پیسہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

محمد یسین اشرفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

۱۷ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(۱)- سورۂ توبہ، آیت: ۶۰، پارہ: ۱۰۔

الجواب

اگران کے ماں باپ مالک نصاب نہ ہوں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۹] داداکو حق حاصل ہے کہ اپنے پوتے کو زکات لینے سے روک دے

مسئلہ- میرا ایک یتیم پوتا ہے جس کی پوری کفالت میں کرتا ہوں بعض لوگ زکات کا روپیہ اس کو دینا چاہتے ہیں بلکہ ضد کرتے ہیں اور میں اس کو گوارا نہیں کرتا کہ وہ زکات کا روپیہ لے جب کہ بچہ ابھی نابالغ ہے۔ اگر زکات کا روپیہ نہ لیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

نثار احمد

الجواب

جب دادا اپنے یتیم پوتے کی پرورش کر رہا ہے اور وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ یہ زکات کا پیسہ لے تو دادا کو حق حاصل ہے کہ اپنے پوتے کو زکات لینے سے روک دے بلکہ اگر دادا مالک نصاب ہے اور پوتا نابالغ ہے تو اسے زکات دینے سے زکات ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ر جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ

[۶۰-۶۱] شوہر اپنی بیوی کو زکات نہیں دے سکتا

مسئلہ- ❶ باپ بیٹے کو، یا بیٹی باپ کو، بھائی اپنے سگے بھائی بہن کو، یا بھائی بہن کی اولاد کو، خسر اپنے داماد و بیٹی کو، یا داماد اپنے سسر ساس سالا سالی کو زکات کی رقم سے مدد کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں کو دینا چاہتا ہے وہ لوگ حاجت مند کے ساتھ ساتھ قرض دار بھی ہیں اور عید الفطر کی خوشی بغیر زکات کے منا بھی نہیں سکتے ہیں۔ زکات ادا کرنے والا بھی زکات کے علاوہ دوسرے طور پر مدد نہیں کر سکتا ایسی حالت میں حکم شرعی کیا ہے؟

❷ بکر کے پاس ایک سال گزرنے کے بعد صرف دو تین ہزار روپیہ بچتا ہے ساڑھے سات تولہ سونا ہے ساڑھے باون تولہ چاندی ہے اس کا کہنا ہے کہ میرے اوپر زکات فرض نہیں ہے؛ لہٰذا صدقۂ فطر بھی مجھ پر

واجب نہیں ہے نہ روزہ دار پر نہ عام لوگوں پر واجب ہے۔

شیخ حفیظ اللہ فردوسی، مسجد روڈ، باری پدہ، اڑیسہ

الجواب

① - باپ اپنی اولاد کو، اولاد اپنے باپ کو، شوہر اپنی بیوی کو، بیوی اپنے شوہر کو زکات وفطرہ کی رقم نہیں دے سکتے بقیہ رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کو دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

② بکر پر بلاشبہہ زکات واجب ہے اور صدقۂ فطر بھی، زکات واجب ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ چھپن روپے بھر چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کا، یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کا مالک ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۶۲] بھانجی کی ضروریات میں خرچ کرنے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ - میری ایک یتیم بھانجی ہے، کیا زکات کی رقم جو مجھ پر واجب الادا ہے اس یتیم بھانجی پر صرف کرنے سے میری زکات ادا ہو جائے گی؟

ایم ایف خان، پاکیزہ بک ڈپو، ڈاستن گنج، پلامو، بہار

الجواب

بھانجی کی ضروریات میں صرف کرنے سے زکات ادا نہ ہوگی بلکہ یہ ضروری ہے کہ زکات کا مال اپنی بھانجی کو اس طرح دیں کہ وہ مالک ہو جائے جو چاہے کرے مثلاً یہ بھی کر سکتی ہے کہ زکات کا مال لے کر آپ کو دے دے کہ لیجیے میری ضروریات میں صرف کیجیے۔

در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد[1]۔

حاصل یہ ہے کہ بھانجی کو زکات کا مال دے سکتے ہیں اسے دینے سے زکات ادا ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- تنوير الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

[۶۳] نانا اپنے نواسے کو زکات نہیں دے سکتا

مسئلہ- زید تقریبا تین سال کا تھا کہ اس کے والد کا ایکسیڈینٹ ہو گیا۔ ماں اسے لے کر اپنے میکے چلی گئی، دو برس کے بعد زید کے نانا نے اس کی والدہ کی دوسری شادی کر دی اب زید تنہا اپنے ننہال میں رہتا ہے۔ زید کے نانا کا خیال ہے کہ اگر زید شرعاً زکات کا مستحق ہو تو ہم اپنی زکات اسی کے نام جمع کرتے جائیں؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

اسد اللہ صاحب، مدرسہ منبع العلوم، دیویٹ، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

نانا اپنے نواسے کو زکات نہیں دے سکتا۔ اگر دے گا تو زکات ادا نہ ہوگی۔

تنویر الابصار میں ہے:

ولا إلی من بینهما ولاد[1]۔ اس کے تحت رد المحتار میں ہے: کأولاد الأولاد[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۶۴] کسی غیر مسلم کو زکات کی رقم دینی جائز نہیں

مسئلہ- ایک شخص غیر مسلم ہے، بہت ہی غریب ہے، کنبہ بڑا ہے ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے کیا ایسے شخص کو زکات کی رقم دے سکتے ہیں؟

محمد مقصود عالم، مدرسہ اسلامیہ، برھی نوادہ، وارانسی، یوپی

الجواب

کسی غیر مسلم کو زکات یا صدقۂ فطر کی رقم دینی جائز نہیں اگر دیں گے تو زکات ادا نہ ہوگی۔ زکات کی ادائگی صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مسلمان مستحق زکات کو دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ

---

(۱)- تنویر الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ج:۳، ص: ۲۹۴، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۲)- رد المحتار علی هامش الدر المختار، ج:۳، ص: ۲۹۳، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

[۶۵] زکات کی رقم کسی کے نام جمع کردینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- زید اپنی زکات کی رقم دینی کام کے فروغ کے لیے کسی دوسرے کے نام سے جمع کر سکتا ہے جس میں بزرگان دین بھی شامل ہوں، ایسا کرنے سے زکات کی ادائگی ہوگی یا نہیں، زید کا یہ عمل از روے شرع درست ہے یا نہیں؟

محمد منیر قصاب، شاہ جہاں پور

۲۹ر ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

الجواب

اس صورت میں زکات ادا نہ ہوگی۔ زکات کی ادائگی صحیح ہونے کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ در مختار میں ہے: و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة [1]۔

اور یہاں سرے سے تملیک ہی نہیں۔ ہاں جس کے نام سے روپیہ جمع کیا ہے وہ اگر مستحق زکات ہو اسے روپیہ دے کر مالک بنا دے اور اس پر قبضہ کرادے پھر یہ دوسرا شخص خود یا زکات دینے والا بطور معاون دوسرے کے نام سے بینک میں روپیہ جمع کردے تو زکات ادا ہو جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم

۷ر جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

[۶۶] سال بھر زکات کی رقم تقسیم کرنے میں حرج نہیں

مسئلہ- بعض لوگ زکات نکالنے کے بعد کچھ رقم تقسیم کرتے ہیں اور باقی سال بھر تقسیم کرنے کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

محمد سلیم قادری، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت.

[۶۷] پیشہ ور بھیک مانگنے والے کو زکات کی رقم نہ دی جائے

مسئلہ- زید اپنے گھر پر مانگنے آئے ہوئے مسافر، فقرا، اپاہج وغیرہ قسم کے لوگوں کو زکات دیتا ہے جس کا اسے علم نہیں کہ اس کے پاس کتنا مال ہے، یا وہ اپنے مکان پر کتنا مال چھوڑ کر آیا ہے، یا واقعی اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟ صرف ظاہراً کمزور حالت دیکھ کر اس کے طلب کرنے پر زکات دے دیتا ہے، یہ زکات ادا ہوئی یا نہیں؟

محمد شفیع القادری، ۴۵ر بوسی کی گلی، پالی، راجستھان

الجواب

زید نے اگر اس ظن غالب پر کہ سائل مالک نصاب نہیں زکات دے دی تو ادا ہوگئی۔ لیکن میرا تجربہ ہے کہ سائلین جن کا پیشہ بھیک مانگنا ہے عموماً مال دار ہوتے ہیں؛ اس لیے پیشہ ور بھیک منگوں کو زکات کی رقم ہرگز ہرگز نہ دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ر شوال ۱۴۰۱ھ

[۶۸] کسی کو اس لیے زکات دینا کہ وہ شان وشوکت ظاہر کرے جائز نہیں

مسئلہ- آج کل غریبوں کی لڑکیوں کی دھوم دھام سے شادی کرنے کے لیے مال دار لوگ اپنی زکات کی کافی رقمیں غریب والدین کو دیتے ہیں۔ اس میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی دو آدمی کی رقم سے وہ شخص نصاب کا مالک ہوجاتا ہے اور نصاب بھر مالک ہونے کے بعد بھی بہت سے مال دار لوگ جان بوجھ کر مزید زکات کی رقمیں حوالہ کرتے ہیں، ایسا کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟

محمد سلیم قادری، اعظم گڑھ

الجواب

ایسا کرنا بہر حال ناجائز ہے، ایک فقیر کو نصاب سے کم دینا چاہیے۔ ہاں اگر وہ اپاہج، یا ایسا معذور ہے کہ کمانے پر قادر نہیں اور زکات کی رقم سال بھر ملتی نہیں تو یہ خیال کرکے کہ اگر اسے کچھ زیادہ نہ دی جائے

گی تو یہ بھوکا مرجائے گا، اگر زیادہ دے دی جائے تو بدرجہ مجبوری اجازت ہے۔ اور کسی کو اس لیے زکات کی رقم دینا کہ وہ اپنی شان وشوکت ظاہر کرے اور رسم ورواج کے مطابق دھوم دھام سے شادی کرے جائز نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۶۹] زکات کی رقم ملنے کی امید پر ضرورت مندوں کو اپنے پاس سے رقم دینے کی جائز صورت

مسئلہ- زید کے پاس ہر سال کچھ مسلمان مالک نصاب فطرہ اور زکات کی رقوم ادا کرتے ہیں۔ عید الفطر کے دن اکثر لوگ فطرہ دیتے ہیں لیکن حق داروں کو ضرورت پہلے ہی ہوتی ہے اگر زید حق داروں کو پہلے ہی اپنے پاس سے کچھ رقم اس نیت سے دے کہ بعد میں ملنے پر لے لوں گا شرعا ایسا کرنا جائز ہے؟

مولوی نثار، بیگاپور، بلہی پور، سلطان پور، یوپی

الجواب

زید یوں کرے کہ ضرورت مندوں کو بہ نیت قرض رقم دے اور فطرہ کی رقم وصول ہونے کے بعد ان لوگوں کو دے کر پھر اپنا قرض وصول کرلے (۱) اور یہ جائز نہیں کہ محتاجوں کو پہلے اپنے پاس سے دے دیا اور زکات وفطرہ کی رقم ملی تو رکھ لیا اس سے زکات اور فطرہ ادا نہ ہوگا، زکات اور فطرہ کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ”إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ“. (۲)۔

یہاں لام تملیک کے لیے ہے؛ اسی لیے در مختار میں فرمایا: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا (۳)۔

اس طرح زید کرے گا تو زکات وفطرہ ادا نہ ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱)-فالحيلة أن يتصدق الدائن بالدين. (رد المحتار، ص: ۱۹۱، ج: ۳، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲)- سورہ توبہ، آیت: ۶۰، پارہ: ۱۰۔

(۳)-الدر المختارفوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

[۷۰] حج کے لیے روپے دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- زید نے بکر کو زکات کے پیسے سے حج کرنے کے لیے بھیجا اور بکر زکات کا مستحق بھی ہے۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر کا حج ہوگا، یا نہیں؟ اور ہوگا تو ثواب کس کو ملے گا؟ زید کو یا بکر کو؟
محمد الیاس رضوی، بوڑا سیلس کارپوریشن، چندر پور، مہاراشٹر

الجواب

اگر زید نے بکر کو حج کرنے کے لیے روپے دیے تو زکات ادا نہ ہوئی، زکات کی ادائگی کے لیے شرط ہے کہ مستحق زکات کو اس کا مالک بنا دیا جائے کہ وہ جس مصرف میں چاہے صرف کرے چاہے کھائے یا پیئے، پہنے چاہے کسی کو دے دے، اور پابند کر کے دینا کہ یہ روپے فلاں مصرف میں صرف کرنا تملیک نہیں۔ در مختار میں ہے: و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة[1]۔

اور اگر زید نے بکر کو روپے دے کر بکر کو مالک بنا دیا کہ وہ جو چاہے سو کرے پھر بکر نے انھیں روپوں سے حج کر لیا اگرچہ یوں کہ زید نے اس کو مشورہ دیا کہ تم ان روپیوں سے حج کرنا تو زکات ادا ہو گئی اور بکر کا حج بھی صحیح ہو گیا البتہ کسی کو بقدر نصاب یا اس سے زائد زکات دینا مکروہ ہے، اس صورت میں زید کو زکات کی ادائگی کا ثواب ملا اور بکر کو حج کرنے کا۔ پہلی صورت میں زید کی زکات تو ادا نہ ہوئی مگر بکر کا حج بلا کراہت درست ہو گیا یہ کہا جائے گا کہ زید نے بکر کو اتنے روپے ہبہ کیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۷۱-۷۴] حج کرنے کے لیے حیلہ شرعی کی اجازت نہیں

مسئلہ- ❶ کیا زکات کی رقم حیلہ شرعی کر کے ایسے شخص کو حج کرنے کے لیے دی جا سکتی ہے جو صاحب نصاب تو ہے مگر حج کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا؟

❷ چوں کہ آج کے دور میں صاحب نصاب اتنی کم رقم پر ہو جاتا ہے کہ جس رقم سے مناسب کاروبار

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

نہیں ہو سکتا، ایسی صورت میں کوئی خاص رشتہ دار جس کو زکات کی رقم دینا جائز نہیں اس کو حیلہ شرعی کر کے زکات دی جاسکتی ہے یا نہیں تاکہ وہ بھی اپنے پیر پر کھڑا ہو سکے؟

(۳) ہمارے یہاں رواج ہے کہ لڑکیوں کی شادی کے لیے غریب لوگ عموماً زکات کی رقم مانگتے ہیں، کسی سے بارات میں کھلانے کے لیے گوشت کی رقم لیتے ہیں، کسی سے چاول کے لیے اور کسی سے مسالہ کے لیے۔ کیا ایسے لوگوں کو زکات کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو غریب لڑکیوں کی شادی کس طرح ہو؟

(۴) کن کن مواقع پر زکات کی رقم دینے کے لیے حیلہ شرعی کیا جاسکتا ہے؟

مختار احمد صابری، پرنسپل مدرسہ نثار العلوم، شہزاد پور، امبیڈکر نگر

الجواب

(۱-۴) حیلہ شرعیہ کر کے غیر مستحق کو زکات کی رقم دینی اس وقت جائز ہے جب کوئی حاجت شرعیہ متحقق ہو جیسے دینی مدارس کہ اگر زکات اور فطرے کی رقم حیلہ شرعیہ کر کے نہ لی جائیں تو دینی مدارس چل نہ سکیں گے، علم دین ضائع ہو جائے گا یا مثلاً کوئی سید ہے وہ فاقہ کر رہا ہے، بچوں کا نان و نفقہ میسر نہیں۔ حج کرنے کے لیے، یا کاروبار بڑھانے کے لیے، یا ٹھاٹھ باٹھ سے شادی کرنے کے لیے حیلہ شرعیہ کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

[۷۵-۷۷] زکات کی رقم بطور قرض دینے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- (۱) زید کو کسی نے زکات کی رقم کا وکیل بنایا، زید نے اس رقم کو کسی غریب کو بطور قرض دیا پھر جس کو قرض اس نے دیا واپس نہ کیا تو کیا زکات ادا ہو گئی، جب کہ زید اب ادائگی زکات کی نیت کر کے مطالبہ کو ترک کر دے۔

(۲) زکات کی رقم کسی غریب مستحق زکات کو قرض دینا کیسا ہے؟

(۳) جس کو زکات کا وکیل بنایا ہے اگر وہ بھی مستحق زکات ہے تو اس رقم کو خود خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

اختر الاسلام، دار العلوم قادریہ چریاکوٹ، اعظم گڑھ، یوپی

۲۸ر ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ

الجواب

❶۔ صورت مسئولہ میں زکات ادا نہ ہوئی۔ در مختار میں ہے: وأداء الدين عن العين، وعن دين سيقبض لا يجوز[1]۔

اس کے تحت رد المحتار میں ہے: وفي صورتين لا يجوز: الأولى: أداء العين عن العين كجعله ما في ذمة مديونه زكاة لماله الحاضر[2]۔

ہاں یہ کر سکتا ہے کہ بقدر قرض مقروض کو مال زکات دے، مقروض اس پر قبضہ کر لے پھر اپنے قرض میں اس کو واپس کر دے بلکہ یہ بھی اجازت ہے کہ مقروض نہ دے تو اس سے چھین لے۔ در مختار ہی میں ہے: وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه، ولو امتنع المديون مد يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ زکات کی رقم کسی کو بھی قرض دینے سے زکات ادا نہ ہوگی اگرچہ جسے دیا ہے وہ فقیر ہو؛ اس لیے کہ زکات کی ادائگی کے لیے تملیک شرط ہے۔ در مختار میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة[4]۔

تملیک اسی وقت ہوگی جب دینے والا اس کی واپسی کا حق نہ رکھے اور قرض دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے پھر واپس لے گا تو تملیک نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ اگر زکات دینے والے نے جسے وکیل بنایا ہے اس سے یہ کہا ہے کہ کسی مستحق زکات کو دے دو تو خود نہیں لے سکتا، ہاں اپنے بچوں اپنی بیوی وغیرہ کو دے سکتا ہے جب کہ اس کی بیوی بچے فقیر ہوں، ہاں اگر وکیل سے یہ کہا ہو کہ جہاں چاہو جسے چاہو دو تو وکیل خود اپنے اوپر بھی صرف کر سکتا ہے۔ اسی میں ہے: وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه إلا إذا قال ربها ضعها حيث شئت[5]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۰، كتاب الزكات، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان
(۲)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳،ص: ۲۹۰، كتاب الزكات، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان
(۳)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۰، كتاب الزكات، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان
(۴)- تنوير الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت
(۵)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۱۸۹، كتاب الزكات، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

[۷۸-۸۰] مال دار کے لیے زکات لینا حلال نہیں

مسئلہ- ❶ زید کے جد امجد پانچ پشت قبل جاموں کے راجہ کے یہاں ملازمت کرتے تھے ویسے جاے پیدائش ضلع بہرائچ ہے لیکن جامو میں کافی عرصہ تک ملازمت کی اسی وجہ سے یہاں پر ان کو جگہ مل گئی لہذا اسی جگہ مع اپنے اہل وعیال کے رہنے لگے۔ اور یکے بعد دیگرے ملازمت کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں زید کے پر دادا مقبول خاں کو راجہ کے یہاں سے بندوق ملی تھی اور "بارہ پروا" کی جاگیر بھی ملی تھی، اس لیے ہندو مسلم سبھی مانتے تھے اور جب کسی کے یہاں فصل تیار ہو جاتی تو ایک کٹھ غلہ نذرانہ دیتے اور ہندو مسلم کی پنچایتوں میں شرکت کیا کرتے تھے؛ اس لیے چودھری منتخب کیے گئے تھے، اور ان میں ایسی جہالت سرایت کر چکی تھی کہ ایک دن گھر والوں میں سے کسی نے ایک زنبور (برے یا ہاڑ) مار ڈالا تو مقبول خاں نے اسے سات دن کا دوکھ لگایا تھا، نذرانے کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ زکات وغیرہ کا مال بھی لینے لگے تو اطراف کے مسلمانوں نے کہا کہ آپ زکات کیوں لیتے ہیں؟ تو مقبول خاں نے کہا کہ ہم فقیر ہیں حالاں کہ بہت ہی مال دار تھے تو کیا صاحب مال زکات وغیرہ لے سکتا ہے۔

❷ فقیر کی اصل تعریف کیا ہے اور اس قوم کی ابتدا کہاں سے ہے، اور جو شخص مال دار ہونے کے باوجود اپنی قومیت یا یوں ہی اپنے کو فقیر کہتے ہوئے زکات وغیرہ لیتے ہیں ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

❸ زید زکات وغیرہ سے بچنا چاہتا ہے اور اپنے کو مذکورہ بالا قوم یعنی پٹھان کی طرف مال دار ہونے کی حیثیت سے منسوب نہیں کرنا چاہتا؛ اس لیے کہ مال دار ہونے کے باوجود بھی وہ اپنے کو فقیر کہتے ہیں اس کے لیے شریعت کی جانب سے کیا حکم ہے۔ (نوٹ: جامو کا راجہ کافر ہے)

محمد کلیم رضا قادری، متعلم جامعہ عربیہ، محلہ خیر آباد، سلطان پور

الجواب

❶- مال دار کے لیے زکات لینا ہر گز حلال نہیں، اس کے حق دار فقرا و مساکین ہیں جن کے پاس یا تو کچھ بھی نہیں ہے یا ہے لیکن نصاب سے کم۔ مال دار قطعی طور پر زکات کا مستحق نہیں، نہ اسے زکات کا مال لینا حلال ہے اور نہ اسے دینا حلال ہے، اور نہ ہی اس کو دینے سے زکات ادا ہوگی۔

ارشاد باری ہے:

"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ". (۱) ـ صدقات فقرا اور مساکین کے لیے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا تحل الصدقة لغني"(۲) ـ یعنی کسی بھی مال دار کے لیے زکات حلال نہیں، و کذا فی الدر المختار. مال دار سے مراد یہاں صاحب نصاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو لیکن نصاب سے کم ہو خواہ وہ کسی بھی ذات برادری سے تعلق رکھتا ہو۔ کچھ لوگوں نے فقیر کے نام سے جو اپنی ایک ذات متعین کر لی ہے اس کی کوئی اصل نہیں، جس کسی نے بھی گدائی کا پیشہ اختیار کر لیا، اس کی اولاد اپنے کو فقیر کہنے لگی اور اس طرح سے یہ لفظ گدائی پیشہ والوں کے لیے قومی نام بن گیا۔ یہ پیشہ کوئی قابل قدر کارنامہ نہ تھا جس کی تاریخ مرتب کی جاتی؛ اس لیے یہ بات مجہول ہے کہ اس قوم کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ جو لوگ مال دار ہونے کے باوجود اپنے کو فقیر بتاتے ہیں اور مال زکات وصول کرتے ہیں وہ فریبی ہیں اور حرام کے مرتکب و سخت گنہ گار۔ بلکہ اگر وہ لوگ فقیر بھی ہوں تاہم قدرت کے باوجود سوال حرام اور سائل گنہ گار۔ در مختار میں ہے: و لا یحل أن یسئل شیئا من القوت من له قوت یومه بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب(۳) ـ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ جو شخص پٹھان ہو کر اپنی قوم فقیر بتائے وہ بھی سخت گنہ گار ہے اور اس پر جنت حرام، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ادعی إلی غیر أبیه وهو یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام۔"(۴)

جو جان بوجھ کر اپنے آپ کو باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے اس پر جنت حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یکم رجب ۱۴۰۴ھ

---

(۱)- سورۂ توبہ، آیت: ۶۰، پارہ: ۱۰۔

(۲)- السنن لأبي داؤد، ص: ۲۳۱، کتاب الزکاة / باب من یجوز له أخذ الصدقة وهو غني.

(۳)- تنویر الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ج: ۳، ص: ۳۰۵، ۳۰۶، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۴)- الصحیح للبخاري، کتاب الفرائض، باب من أدعی إلی غیر أبیه، ج: ۲، ص: ۱۰۰۱، مجلس البرکات

[۸۱] زکات کے پیسوں سے قرض کی ادائگی جائز نہیں

مسئلہ- زید اپنی زندگی میں صاحب نصاب تھا لیکن زید بحالت قرض انتقال کیا، زید کی دو لڑکیاں اپنے مرحوم والد کا قرض بمد زکات ادا کرنا چاہتی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں لڑکیوں کی ادائگی قرض بمد زکات عند اللہ درست ہوگی یا نہیں، زید نے اپنی جائداد اپنے یتیم پوتے کے نام بحالت صحت لکھ دی ہے۔

زہرہ خاتون، املو، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۳۰؍ اکتوبر ۱۹۸۲ء

الجواب

باپ یا کسی مقروض کے قرض کی ادائگی زکات کے پیسوں سے جائز نہیں، اس سے زکات ادا نہ ہوگی۔ در مختار، تنویر الابصار میں ہے: و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة و لا یصرف إلی بناء نحو مسجد و لا إلی کفن میت و قضاء دینه [۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۸۲] وکیل اجازت کے بغیر زکات کی رقم سے کچھ نہیں لے سکتا

مسئلہ- احمد سال میں فطرہ وزکات کے سو روپے نکالتا ہے لیکن وہ سو روپے فطرہ وزکات پانے کے حق دار کو نہ دے کر زید کو دے دیتا ہے، زید اس میں سے ۴۰؍ روپیہ اس لیے لے لیتا ہے کہ وہ بچا ہوا ساٹھ روپیہ فطرہ وزکات کے حق دار کو دے گا، احمد اس بات سے ناواقف ہے کہ کیا بچا ہوا ۶۰؍ روپیہ فطرہ وزکات کے حق داروں کو تقسیم ہوگا بھی یا نہیں، کیا اس طرح سے فطرہ وزکات کا لینا اور دینا جائز ہے اور اگر زید اس پیسہ کو غلط طرح سے استعمال کرے تو اس کی کیا سزا ہے؟

محمد عمر، لال گنج بازار، بستی، یوپی

۵؍ محرم الحرام، ۱۴۰۴ھ

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

الجواب

جب احمد زکات اور فطرہ کی رقم زید کو اس لیے دیتا ہے کہ اسے حق دار کو دیدے تو زید کو یہ جائز نہیں کہ اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھے۔ اس پر فرض ہے کہ سب پیسے مستحقین کو دے حتی کہ اگر وہ خود مستحق زکات ہو تو بھی اسے جائز نہیں کہ بغیر احمد سے دریافت کیے اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۸۳] بہار بورڈ سے ملحق مدارس کو زکات وفطرہ کی رقوم دینے کا حکم

مسئلہ- عالیہ مدرسہ (ملحق شدہ) میں جس میں باہری ومقامی طلبہ رہتے ہوں وہاں صدقۂ فطر، زکات، عشر وغیرہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ نیز ایسے مدرسہ کے طلبہ کو طالب علم کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

مولانا سراج الدین صاحب، نرائن پور، راج محل، صاحب گنج، بہار

۳؍ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ

الجواب

شمس الہدیٰ بورڈ پٹنہ سے ملحقہ مدارس جو حکومت کی تحویل میں ہیں ان کی امداد بذریعہ صدقۂ فطر، زکات، چرم قربانی، عشر و دیگر صدقات واجبہ اگرچہ بعد تملیک ہو کرنا درست نہیں یوں ہی ان مدارس کی امداد صدقۂ نافلہ سے بھی نہ کرنا چاہیے۔

طالب علم کا مطلب اگر یہ لیں کہ علم دین کا سیکھنے والا تو یہ معنی ان مدارس کے لڑکوں پر صادق نہیں آتا کہ آج کل ان مدارس میں علم دین برائے نام ہے۔ در اصل عالیہ مدرسہ اسکول کالج کا بندی، انگریزی، سائنس و دیگر غیر دینی کتابیں داخل کی جارہی ہیں۔ نبی کریم نے علم دین کے حصول کو فرض قرار دیا اور اسی علم کے حاصل کرنے والے کو طالب علم فرمایا چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں: طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة. واللہ تعالی أعلم، کتبه عبده المفتقر إلی مولاه الغني محمد عبد الخالق غفر له

الجواب

بہار بورڈ سے ملحق مدارس کے بارے میں جو کچھ مجیب نے لکھا وہ اگر صحیح بھی ہو تو بھی ان مدارس کو زکات وفطرہ و دیگر عطیات سے مدد دینا بلا شبہہ جائز ہے جب کہ زکات، فطرہ، صدقات واجبہ کی رقوم حیلہ شرعیہ کے

بعد صرف کی جاتی ہوں؛ اس لیے کہ ان مدارس کا بھی معظم مقصود علم دین ہی کی تعلیم ہے، رہ گئی سائنس، جغرافیہ، حساب وغیرہ کی تعلیم یہ ضمنی ہے جیسے درس نظامیہ میں منطق، فلسفہ، اقلیدس، حساب ہمیشہ سے داخل رہا ہے حالاں کہ فلسفہ کے بہت سے مسائل الحاد وزندقہ ہیں، مدرسین وطلبہ کی نیت پر حملہ کرنا دیانت کے خلاف ہے حدیث میں ہے: أفلا شققت عن قلبه (1)۔

ان مدارس کو مدارس دینیہ کہنا اور طلبہ کو طلبۂ دین کہنا بلا شبہہ درست ہے، مسلمان کے فعل کو اچھے محمل پر حمل کرنا واجب، اور بدگمانی حرام، حدیث میں ہے: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث (2)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۸۴] موجودہ حکومت اگر زکات کے لیے بورڈ قائم کرے تو اسے زکات دینا جائز نہیں

مسئلہ- ہمارے ملک ہندوستان میں یا کسی بھی ایسے ملک میں جہاں اسلامی حکومت نہ ہو اور وہاں مسلمانوں کی عزت وآبرو اور ان کی جان ومال محفوظ نہ ہو، وہاں مرکزی یا صوبائی حکومت کی جانب سے زکات بورڈ قائم کر کے زکات وصول کی جائے تو اس حکومت کے قائم کردہ زکات بورڈ میں زکات دینا درست ہے کہ نہیں؟ اور زکات دینے کی صورت میں زکات ادا ہوگی یا نہیں؟ ہمارے صوبہ کرناٹک میں زکات بورڈ قائم کرنے کی جی جان کوشش کی جارہی ہے اور اس کی اجازت کے لیے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا ایک مضمون آج پاسبان اخبار میں چھپا ہے، اس کی کاپی بھی حاضر ہے۔

محمد اسلم عزیزی، مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم، مسلم بلاک فور تھ کراس، بیشوام پور، بنگلور

۸؍ ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ

الجواب

موجودہ حکومت اگر زکات کے لیے کوئی بورڈ قائم کرتی ہے تو اسے زکات دینا ہرگز جائز نہیں؛ اس لیے کہ زکات کی ادائگی صحیح ہونے کے لیے دو بنیادی شرطیں ہیں:

(1)- الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۶۸، باب تحريم قتل الكافر بعد قول لا إله إلا الله، كتاب الإيمان، مجلس البركات

(2)- السنن لأبي داؤد، ص:۶۷۳، كتاب الأدب، باب في الظن.

(ا) پہلی شرط یہ ہے کہ تملیک مستحق یعنی شرعا جو زکات کا مستحق ہے اسے زکات دے کر بالکلیہ مالک بنادیا جائے، وہ جو چاہے کرے۔ مثلا کپڑا دیا تو اس کا پابند نہیں کیا کہ تم پہننا، کھانا دیا تو اس کا پابند نہیں کیا کہ تم خود کھانا بلکہ فقرا کو اختیار ہو خواہ پہنیں یا بیچ دیں، کھانا خود کھائیں یا فروخت کردیں۔ پہننے اور کھانے کی قید لگانے سے تملیک نہیں ہوگی، اباحت ہوئی۔ اسے رفاہ عام کے کاموں میں بھی صرف کرنے کی اجازت نہیں مثلا سڑک، پل، مدرسہ بنانے میں۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد و لا إلى كفن ميت و قضاء دينه[1]۔

شرط ہے کہ زکات تملیکاً دی جائے اباحۃً نہیں؛ اس لیے مسجد وغیرہ بنانے اور مردے کے کفن یا مردے کے قرض کی ادائگی میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اس کے تحت رد المحتار ہے:

قوله : تمليكا فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناويا الزكاة لا يكفي[2]۔

کھانا کھلانا کافی نہیں۔ مگر جب کہ بطور تملیک ہو، اگر اپنے پاس بیٹھا کر کھلا دیا زکات کی نیت کرکے تو کافی نہیں۔

قوله: نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه.[3]

مسجد کے مثل میں صرف کرنے سے زکات ادا نہ ہوگی جیسے پل، سقایا، راستوں کی درستگی، نہروں کا کھودنا، حج، جہاد کے لیے دینا اور ہر وہ صورت جس میں تملیک نہیں۔

(ا)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:٣،ص: ٢٩١، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(٢)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:٣،ص: ٢٩١، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(٣)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:٣،ص: ٢٩١، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ زکات غیر مسلم کو دینے سے ادا نہ ہوگی، ہدایہ اولین میں ہے:

لا يدفع إلى ذمي لحديث معاذ أما الحربي ولو مستامنا فجميع الصدقات لا تجوز له[1]۔

زکات کسی ذمی غیر مسلم کو نہ دے اور حربی کو اگرچہ مستامن ہو کوئی صدقہ دینا جائز نہیں۔

زکات جب بورڈ میں دی جائے گی تو اس کی کیا گارنٹی کہ وہ صرف مسلمانوں پر صرف ہوگی اور یہ کہ وہ بطور تملیک دی جائے گی۔ حکومت کے عملہ کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے اگر بالفرض کبھی بیرونی مقام سے کوئی امداد یہاں کے محتاجوں کے لیے آتی ہے تو محتاجوں کو کم ملتی ہے اور ملازمین کے حصے میں زیادہ آتی ہے۔ زکات تو مفت کا پیسہ ہے وہ ملازمین کتنا شیر مادر کریں اس کو سمجھا جا سکتا ہے، مسٹر ابوالاعلی مودودی کا مضمون آپ نے لفافے میں نہیں رکھا۔ ورنہ اس پر بھی اظہار خیال کر دیا جاتا۔ واللہ تعالی اعلم

[۸۵] مسجد، مدرسہ، عیدگاہ میں زکات، فطرہ اور چرم قربانی کا استعمال

مسئلہ- زکات، فطرہ و چرم قربانی کے رقوم کے مصارف کو فرداً فرداً بیان فرماتے ہوئے یہ ظاہر فرمائیں کہ ان رقوم میں کن سے تعمیر مسجد و مدرسہ و عیدگاہ یا احاطہ مسجد و مدرسہ و عیدگاہ کی مرمت یا جاے نماز خریدنا جائز ہے اور کن سے ناجائز بصورت عدم جواز حیلہ شرعی کے بعد جواز کی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں بحوالہ کتب معتبرہ جواب صواب عنایت فرمائیں۔

محمد ادریس عالم، صدر مدرس اسلامیہ، مکتوبیہ نونڈی، پوسٹ جھڑ گاچھ، ضلع پورنیہ، بہار

الجواب

زکات و فطرہ کی ادائگی کے لیے تملیک فقیر شرط ہے یعنی کسی مستحق زکات کو اس طرح دے دینا کہ اسے پورے طور پر مالک بنادیں۔ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ مثلاً کپڑا دیا تو اس لیے نہ دے کہ پہنے بلکہ اسے کپڑے کا مالک بنادے وہ چاہے پہنے یا دوسرے کو پہنائے یا بیچ ڈالے۔ زکات و فطرہ کا مستحق وہ شخص ہے جو سید اور ہاشمی نہ ہو مالک نصاب نہ ہو۔ زکات دینے والے کا بیٹا پوتا باپ دادا نہ ہو، نہ بیوی ہو، نہ شوہر ہو۔ اگر زکات یا فطرہ کسی کو اس لیے دیا کہ مسجد میں لگادے، یا مدرسے میں صرف کرے یہ تملیک نہ ہوئی۔ در مختار میں ہے:

(۱)- الهداية، ج: ۱، ص: ۱۸۵، باب من يجوز دفع الزكات إليه، كتاب الزكاة، مجلس بركات

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت و قضاء دينه [1]۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ زکات اور فطرے کی رقم کسی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنادیں اور وہ اپنی خوشی سے مسجد یا مدرسے کی تعمیر میں دے تو ثواب یہ اس کی طرف سے چندہ ہو گیا۔ اسے مدرسہ یا مسجد میں صرف کرنا جائز ہوگا، اسی میں ہے:

الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. [2]

یہ حیلہ شرعی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے اور ہانڈی گوشت سے کھول رہی تھی، حضور کے سامنے روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن پیش کیا گیا اس پر ارشاد فرمایا: کیا میں نے وہ ہانڈی نہیں دیکھی ہے جس میں گوشت ہے، عرض کیا: ہاں یارسول اللہ ﷺ لیکن یہ صدقے کا گوشت ہے جو بریرہ کے پاس آیا تھا اور آپ صدقہ کھاتے نہیں، فرمایا: بریرہ مجھے دیدے، یہ بریرہ کے لیے صدقہ ہوگا اور میرے لیے بریرہ کے طرف سے ہدیہ [3]

اور چرم قربانی کی قیمت بغیر حیلہ شرعیہ کے مسجد مدرسہ میں لگائی جاسکتی ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق [4].

اس میں حیلہ شرعیہ کی بھی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۳، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۳)- أخرجه البخاري ونصه: عن عائشة قالت: كان في بريرة ثلاث سنن عتقت فخيرت وقال رسول الله ﷺ: الولاء لمن أعتق، ودخل رسول الله ﷺ و برمة على النار، فقرب إليه خبز وأدام من أدم البيت، فقال: لم أر البرمة، فقيل: لحم تصدق على بريرة وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة ولنا هدية. [ج:۲، ص: ۷٦۳، كتاب النكاح، باب الحرة تحت العبد، مجلس البركات]

(۴)- الفتاوى الهندية، ج:۵،ص:۳۷۲، كتاب الاضحيه، باب السادس ما يستحب فى الأضحية، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

[۸۶] ملفوظ کی عبارت کی توضیح

مسئلہ- زکات وفطرہ وچرم قربانی کی رقم مکتب یا مدرسہ کے صاحب نصاب معلمین یا ناظم و مہتمم کو تنخواہ میں لینا جائز ہے یا نہیں؟ (جب کہ ملفوظات میں ہے کہ: مدرسین کی تنخواہ میں یہ روپیہ یعنی صدقات واجبہ تملیک کے بعد بھی صرف کرنا جائز نہیں۔ ملخص، ص:۹۰) بصورت اثبات اعلی حضرت کے مذکورہ بالا قول کی کیا تاویل ہوگی اور بصورت نفی جنھوں نے یہ رقم دی ہے ان کی زکات وفطرہ ادا ہوا یا نہیں؟

اگر کوئی صاحب نصاب مدرس یا مہتمم زکات یا فطرہ کا روپیہ تنخواہ میں لیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے، اور ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

عبدالستار کیراف جابو ٹیلر، مقام وپوسٹ پرتاب پور، ضلع چترا، بہار

الجواب

چرم قربانی کے بارے میں اسی ملفوظ میں اسی جگہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ مدرسہ میں دینا جائز ہے۔ جب دینا جائز ہے تو مدرسہ کی ہر مد میں صرف کرنا جائز، تصریح فرمائی کہ: چرم قربانی صدقات واجبہ سے نہیں یعنی اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں؛ اس لیے اس میں تملیک فقیر شرط نہیں۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لو باعها بالدراهم ليتصدق به جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم [1]۔

ہاں اگر کوئی قربانی کا چمڑا اس نیت سے بیچے کہ اس کی قیمت میں اپنے صرف میں لاؤں گا، اپنے پاس رکھوں گا تو اب اس کی قیمت کا تصدق واجب ہوگا۔ لیکن اگر کسی نے چمڑا اس نیت سے بیچا کہ اس کی قیمت مدرسہ پر دوں گا تو تصدق واجب نہیں، یہ صدقۂ نافلہ ہے۔

رہ گیا زکات وصدقۂ فطر اس کے بارے میں ضرور یہ فرمایا کہ: مدرسین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں لیکن اس سے مراد یہی ہے کہ بغیر حیلہ شرعی کیے ہوئے دیا تو جائز نہیں۔ حیلہ شرعی کے بعد مدرسین کی تنخواہ میں بھی دینا زکات وصدقۂ فطر کی رقوم کا بلا شبہہ جائز ہے اور یہ خود اوپر کی عبارت سے ظاہر ہے۔ طلبہ کے لیے پہلے

(۱)-الفتاوى الهندية، ج:٥،ص:٣٧٢، كتاب الاضحيه، باب السادس ما يستحب فى الاضحية، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

فرمایا کہ انھیں ان پیسوں سے کھانا دینا جائز نہیں مگر پھر فرمایا کہ زکات وفطرہ کی رقوم طلبہ کو دے دیں پھر ان سے لے لیں اور ان کے کھانے میں صرف کریں۔ حیلہ کے بعد طلبہ پر صرف کرنا جائز ویسے ہی حیلہ کے بعد مدرسین کی تنخواہ میں بھی دینا جائز۔ فتاوی رضویہ میں ہے:

ہاں اگر روپیہ بہ نیت زکات کسی مصرف زکات کو دے کر مالک کر دیں وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہ مدرسین وملازمین وغیرہ جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے۔[1] واللہ تعالی اعلم

(۲) تمام مدارس دینیہ میں دستور یہ ہے کہ زکات وفطرہ کی رقوم حیلہ شرعی کر کے مدرسین کو تنخواہیں دی جاتی ہیں، حیلہ شرعی کے بعد وہ رقم زکات وفطرہ کی نہیں رہتی بلکہ چندہ، مثلاً مدرسہ کے ناظم نے زکات یا فطرہ کی رقوم زید کو دی جو مصرف زکات تھا اس کو مالک بنا دیا اتنے سے زکات ادا ہو گئی پھر زید نے اس کو مدرسہ کو دے دیا، یہ زید کی طرف سے مدرسہ کو چندہ ہوا۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خادمہ حضرت بریرہ کو کسی نے صدقہ کا گوشت دیا تھا جو پک رہا تھا حضور اقدس ﷺ کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے، کھانا طلب فرمایا، روٹی پیش کی گئی۔ دریافت فرمایا: ہانڈی میں کیا پک رہا ہے، عرض کیا گیا یہ صدقہ کا گوشت ہے جو بریرہ کے پاس آیا ہے۔ (فرمایا بریرہ اپنی طرف سے مجھے دے دے) "هو لها صدقة ولنا هدية"[2]۔ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۴ر ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ

[۸۷] زکات کی رقم مقدمہ میں صرف کرنا جائز نہیں

مسئلہ۔ ایک مسلم جماعت اپنے آباء واجداد کے قبرستان کی بازیابی کے لیے زکات وفطرہ کی رقومات سے مقدمہ لڑتی ہے، کیا ایسا کرنا اسلام میں جائز ہے؟

محمد طارق، مقام وپوسٹ غوث پور، غازی پور

---

(۱)- الفتاوى الرضوية، كتاب الزكاة، ص:۴۶۸، ج:۴، رضا اکیڈمی

(۲)- الصحيح لمسلم، كتاب الزكات، باب اباحة الهدية للنبي ﷺ، ص:۳۴۵، ج:۱، مجلس البركات.

الجواب

زکات وفطرہ کی رقوم کو مقدمہ میں صرف کرنا جائز نہیں، اور جو لوگ یہ جانتے ہوئے کہ یہ پیسے مقدمات میں صرف ہو رہے ہیں زکات وفطرہ کی رقوم دیں گے ان کی زکات وفطرہ ادا نہ ہوگی۔ زکات وفطرہ کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ در مختار میں ہے:

و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة و لا یصرف إلی بناء نحو مسجد [1]۔

ہاں اگر مقدمہ لڑنے والے فقیر ہوں مالک نصاب نہ ہوں تو ان کو ذاتی طور پر دیا جاسکتا ہے جس طرح کسی فقیر محتاج کو دینا درست ہے پھر وہ جہاں چاہیں صرف کریں۔ واللہ تعالی اعلم

۱۹/ شوال ۱۴۱۳ھ

[۸۸] فطرہ کی رقم تعلیمی ادارے کو دینا بہتر ہے

مسئلہ- چرم قربانی اور فطرہ کی رقم کسی تعلیمی ادارے کو دینا، یا اپنے غریب رشتہ دار کو دینا کون سا طریقہ بہتر ہے؟

جناب اے این مجاور، ریٹائر ٹیچر، بلگام، کرناٹک

۱/ صفر ۱۴۰۸ھ

الجواب

تعلیمی ادارے کو دینا بہتر ہے؛ اس لیے کہ یہ صدقہ جاریہ ہے اور دین کی اشاعت کا ذریعہ لیکن اگر اپنے عزیز واقارب محتاج ہوں اور انھیں زیادہ ضرورت ہو تو عزیز واقارب کو دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ مثلا انھیں کھانے کی، مکان کی، کپڑے کی تنگی ہے، یا بیمار ہیں اور علاج کے لیے پیسے نہیں تو انھیں کو دینا زیادہ بہتر ہے۔ عزیز واقارب کی امداد کے لیے بہتر یہ ہے کہ صاف ستھرا پیسہ دیا جائے اور بطور عطیہ دیا جائے، خیرات زکات نہ دیا جائے، اس سے خست پیدا ہوتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

[۸۹] زکات کی رقم کالج اور اسپتال میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں

مسئلہ- ہندوستان دار الحرب ہے یا اور کوئی دار، قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اس کی حیثیت واضح کرتے ہوئے بتائیں کہ زکات کی رقوم مدرسین وملازمین کی تنخواہوں اور مدارس واسپتال کی تعمیرات پر صرف ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

المجمع الفقہی الاسلامی منعقدہ بعمارات رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ ۱۲؍ رجب تا ۱۹؍ رجب ۱۴۰۶ھ نے اپنی قرار داد کی ایک تجویز میں جو اس نے عالمی مساجد کونسل کے تحت منظور کیا تھا کہ "زکات کی رقوم مدارس واسپتال کی تعمیر کے لیے یورپین ممالک میں استعمال کی جاسکتی ہیں؟ مذکورہ قرار داد کے اصل متن کا ترجمہ مولانا محمد محمود الازہار صاحب ندوی نے اردو زبان میں شائع کیا تھا اور تعمیر حیات پرچہ میں شائع ہوا تھا بعد میں دوسرے اخبارات نے شائع کیا تھا۔

پس جب زکات کی رقوم یورپین ممالک میں مدارس واسپتال پر صرف ہوسکتی ہیں تو ہندوستان کے اندر بھی مدارس واسپتال پر صرف ہونا چاہیے۔ لہذا جواب طلب امر یہ ہے کہ اس مسئلہ پر مدلل ومفصل طریقہ پر حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں تاکہ ہندوستان والوں کے لیے مدارس واسپتال کی تعمیرات پر صرف کرنے کے جواز وعدم جواز کا شرعی حکم معلوم ہوسکے۔ بینوا توجروا

محمد نصیر الدین، مدرسہ دائرۃ الاصلاح، بڑی بازار، بنکر مارکیٹ، وارانسی

الجواب

ہندوستان دار الاسلام ہے جیسا کہ مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے رسالہ مبارک "إعلام الإعلام" میں دلائل شرعیہ سے ثابت فرمایا ہے اور یہی مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی نے نیز دیوبندی مذہب کے رکن چہارم جناب تھانوی صاحب نے بھی لکھا ہے۔ زکات اور صدقۂ فطر ودیگر صدقات واجبہ کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ یعنی جس مستحق کو دیا جائے اسے اس رقم کا مالک بنا دیا جائے کہ وہ جو چاہے کرے، جہاں چاہے صرف کرے، اسے پابند کرکے نہ دیا جائے کہ تم اسے صرف کھاؤ یا پہنو وغیرہ وغیرہ۔ نیز زکات اور صدقۂ فطر کی رقم اس طرح صرف کرنا کہ اس میں سرے سے کسی کی تملیک ہی نہ ہو جائز نہیں۔

اس طرح زکات ادانہ ہوگی۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت[1] -

زکات، صدقۂ فطر وغیرہ کی رقوم مدرسوں اور اسپتالوں میں صرف کرنا جائز نہیں اور اگر صرف کریں گے زکات اور صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں تملیک مستحق نہیں جیسا کہ در مختار میں تعمیر مسجد کے سلسلے میں تصریح کی۔ مگر اس دور میں دینی مدارس کی بقا زکات اور صدقۂ فطر سے ہے اگر زکات اور صدقۂ فطر کی رقوم مدرسہ میں صرف نہ کی جائیں تو دینی مدارس کا چلنا سخت دشوار اور متعذر ہو جائے گا۔ مجھے خود اپنے بچپن کا زمانہ یاد ہے جب کہ زکات اور فطرے کی رقوم کا دینی مدارس میں صرف کرنے کا رواج عام نہیں تھا تو کوئی دینی مدرسہ چلانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ علما کی تنخواہیں نہیں ملتی تھیں، کبھی کبھی سال سال بھر بھی غائب رہتی تھیں۔ دین کی بقا اور تحفظ دینی مدارس ہی سے ہے اگر دینی مدارس بند ہو جائیں تو صحیح طور سے نکاح پڑھانے والا بھی نہ ملے۔ اس لیے باجماع علما حیلہ شرعی کے بعد دینی مدارس میں زکات اور فطرہ کی رقم صرف کی جاتی ہے۔

حیلہ شرعی کی صورت یہ ہے کہ زکات اور فطرے کی رقم کسی مستحق کو دے کر اسے مالک بنا دیا جاتا ہے اور قبضہ دلا دیا جاتا ہے پھر وہ بخوشی مدرسے کو بطور چندہ دے دیتا ہے، اب یہ رقم چندہ کی ہوگئی۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری وغیرہ تمام محدثین نے روایت کیا کہ حضور اقدس ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ کھانے کے لیے کچھ طلب فرمایا، عرض کیا گیا کچھ نہیں ہے حالاں کہ ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا، دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا یہ صدقہ کا گوشت ہے جو حضرت بریرہ کو دیا گیا تھا، فرمایا بریرہ مجھے دے دے۔ "هو لها صدقة ولنا هدية". اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔[2]

اور بھی اس قسم کی احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بضرورت حیلہ کر کے صدقہ دوسرے

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب إباحة الهدية للنبي ﷺ، ص:۳۴۵، ج:۱، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.

مصارف میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے بشرطے کہ اس کی ضرورت شرعی طور پر موجود ہو۔ دینی مدارس کے لیے شرعی ضرورت موجود ہے۔ اب خواہ یہ مدارس ملک میں ہوں یا بیرون ملک۔ ہر جگہ حیلہ شرعی کے بعد زکات اور فطرہ کی رقوم دینی مدارس میں صرف کی جا سکتی ہیں۔ رہ گئے دنیوی مدارس یا اسپتال ان میں صرف کرنے کی کوئی شرعی ضرورت نہیں؛ اس لیے زکات یا فطرے کی رقم دنیوی مدارس، اسکول، کالج، اسپتال میں صرف کرنے کی اجازت نہیں؛ اس لیے کہ جو چیزیں ضرورۃً ثابت ہوتی ہیں وہ بقدر ضرورت محدود رہتی ہیں۔

رہ گیا رابطہ عالم اسلامی کا فیصلہ وہ ہم احناف خصوصا اہل سنت و جماعت کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ رابطہ عالم اسلامی والے نجدی ابن عبد الوہاب کے پیروکار ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ صرف وہی مٹھی بھر نفوس مسلمان ہیں، بقیہ سارے جہان کے مسلمان گمراہ اور مشرک ہیں جیسا کہ مولوی حسین احمد ٹانڈوی المعروف بمدنی نے "الشہاب الثاقب" میں لکھا ہے۔ اور آج بھی رابطہ عالم اسلامی والوں کا یہی عقیدہ ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ کسی اور مذہب کے پیروکار ہیں جس کی رو سے پوری دنیا کے مسلمان گمراہ اور مشرک ہیں۔ ایسی صورت میں جب ان کا مذہب اور ہے اور ہمارا مذہب اور، ان کا فیصلہ ہمارے لیے کسی طرح دلیل نہیں بن سکتا۔ ہمارے لیے فقہ حنفی کے نصوص اور قرآن و حدیث مشعل راہ ہیں۔ اور یہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اس فیصلے کا کھوکھلا پن اس سے ظاہر ہے کہ مدارس اور اسپتال کے قیام کو فی سبیل اللہ میں داخل مانتے ہیں۔ حالاں کہ اس سے مراد وہ مجاہدین اسلام ہیں جو لشکر اسلام تک پہنچنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں یا وہ حاجی مراد ہیں جو مکہ معظمہ تک جانے کی وسعت نہیں رکھتے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دونوں فریق فقیر ہوں مال دار نہ ہوں۔ ہدایہ میں ہے:

وفی سبیل اللہ منقطع الغزاۃ عند أبی یوسف؛ لأنہ المتفاهم عند الإطلاق. وعند محمد منقطع الحاج ولا يصرف إلى أغنياء الغزاۃ عندنا؛ لأن المصرف هو الفقراء.(1)

اور جب اسکول، اسپتال زکات اور فطرہ کی رقم سے قائم ہوگا تو اس میں مال داروں پر بھی صرف ہوگا بلکہ غیر مسلموں پر بھی صرف ہوگا جب کہ زکات اور فطرہ کی رقم کے مصرف مسلمان ہیں اس میں غیر

(1)- الهداية، ج:1، ص: 185، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.

مسلموں کا ایک حبہ نہیں۔ ثانیاً اسپتال اور مدارس میں صرف کرنے پر تملیک مستحق بھی نہیں ہوگی۔ اس لیے رابطہ عالم اسلامی کا یہ فیصلہ کسی دین دار مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۹۰] کسی دنیوی اسکول، اسپتال کے لیے زکات کا پیسہ ہر گز نہ دیں

مسئلہ- آج کل زکات کی رقم کا حیلہ شرعی کرنے کے بعد اس رقم کا اسکول کے کمرے بنوانے، اسپتال کی عمارت بنوانے، قبرستان کی چہار دیواری بنوانے اور مسجد کی تعمیر میں بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ کیا ان سب امور میں مذکورہ صورت میں زکات کی رقم کا استعمال جائز ہے؟ یا پھر دینی تعلیم کے فروغ کے مقصد سے ہٹ کر یہ زکات کا غلط اور بے جا مصرف ہے؟

غلام محمد سلمانی، نخاس گیٹ، ناگور، راجستھان

الجواب

ابتداءً بضرورت شرعیہ دینی مدارس کے بقا و تحفظ کے لیے صرف دینی مدارس کے لیے اس کی اجازت دی گئی تھی لیکن اب علما دشمن، دینی تعلیم کے دشمن عناصر دینی مدارس کو نقصان پہنچانے کے لیے طرح طرح کے حیلے تلاش کر کے اپنا اثر اور دباو ڈال کر بلکہ بعض جگہ جھگڑا لڑائی کر کے وصول کرتے ہیں، اور من مانی جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، ان لوگوں کو نہ خدا کا خوف ہے اور نہ آخرت کے مواخذے کا ڈر، اصل یہ ہے کہ بضرورت شرعیہ کار خیر کے لیے حیلۂ تملیک کر کے زکات کی رقم صرف کرنا جائز ہے۔ اور جو کام کار خیر نہیں اس میں نہ اس کی اجازت ہے اور نہ جائز ہے۔ جن اسکولوں میں خالص دنیوی تعلیم ہوتی ہے اس میں ایک پیسہ بھی صرف کرنا جائز نہیں، نیز مال داروں اور غیر مسلموں کے علاج میں صرف کرنا جائز نہیں، غیر مسلم اگرچہ غریب ہوں۔ اس سے اسپتال بنوانا بھی جائز نہیں کہ کسی اسپتال میں یہ پابندی لگانا قانوناً ممنوع ہے کہ اس میں کسی غیر مسلم کا علاج نہ ہوگا۔ یہ دنیادار جو شادیوں میں اور اپنے تفریحی سفروں میں بے دریغ اپنے لاکھوں لاکھ روپے خرچ کرتے ہیں ان کو غیر مسلموں کے ساتھ بڑی ہم دردی ہے۔ وہ اپنی جیب خاص سے استپال بنوائیں، اسکول بنوائیں کون روکتا ہے، بے کس و بے یار دینی مدارس کی آمدنی پر کیوں منھ مارتے ہیں، مسلمانان اہل سنت ہوشیار رہیں وہ خدا ناترسوں اور دنیاداروں کے چکر میں نہ پڑیں، کسی دنیوی اسکول یا اسپتال کے لیے زکات کا پیسہ کسی کو ہرگز ہرگز نہ دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

[۹۱-۹۶] زکات کی رقم سے عصری ادارے قائم کرنا

سوال- چند اہم معاملات اور ضروریات کے تحت اسلام کے قوانین جاننے کا متمنّی ہوں تاکہ کوئی فیصلہ کیا جاسکے، امید ہے کہ اس کا خلاصہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے، عین نوازش ہوگی۔

فی زمانہ دینی اور دنیاوی مدرسوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مدرسہ اگر دینی اعتبار سے مکمل ہے تو پھر دنیاوی پہلو سے ادھورا، اور اگر دنیاوی اعتبار سے یکتا ہے تو دینی اعتبار سے بالکل کچا، اور اس طرح دنیا دین پر غالب ہوتی جارہی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ آمین

علاوہ اس کے دینی مدارس میں مالی کمزوری لوگوں کے ایمان کو ہلا کر رکھ دیتی ہے، اور لوگ دین سے بھاگ کر دنیا کمانے کی طرف راغب ہیں۔ ان حالات کے تحت ایک ایسا مدرسہ کھولنے کا ارادہ ہے جس میں دین داری کے علاوہ دنیاداری کے ہر پہلو کو رکھا جائے۔ اسکول کی مادری زبان انگریزی ہو اور دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہو۔ نماز کی پابندی کے علاوہ اس کے پریڈ کسرت کا بھی اہتمام ہو۔ بچہ فجر کی نماز کے بعد پریڈ کرے، اسکول جائے اور پھر دینی تعلیم کے بعد رات میں عشا کی نماز کے بعد سوئے، اس کے رہنے اور کھانے کی ہر سہولت ہو، اور وہ اسکول کے ہی احاطے میں رہے تاکہ وہ وہاں سے نکلنے کے بعد مولوی بھی ہو، سپاہی بھی، ڈاکٹر بھی، وکیل بھی۔ وہاں بچوں سے معقول فیس لی جائے گی اور پندرہ بیس فیصدی غریب اور ذہین بچوں کو مفت تعلیم بھی دی جائے گی۔ اس منصوبے کے تحت مندرجہ ذیل باتوں کا خلاصہ کریں۔ عین نوازش ہوگی۔

① کیا ایسے مدرسے میں زکات کا پیسہ لگانا جائز ہے؟

② اگر کوئی آدمی اپنی زکات کا پیسہ جو ہر سال کئی اداروں کو دیتا ہے وہ اداروں کی مدد کو روک کر اپنی زکات کی پوری رقم اس مدرسے کو دے سکتا ہے؟

③ اس مدرسہ میں غریب اور ذہین بچوں کے وظیفہ کی رقم بینک میں جمع روپے کے سود سے دی جا سکتی ہے؟ تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور مدد ہو سکے؛ کیوں کہ کچھ لوگ ایک رقم بینک میں جمع کر دیتے ہیں اور سود ان بچوں کو ماہانہ یا سالانہ ان حضرات کے نام سے ملتا رہتا ہے۔

④ اس مدرسہ کے اخراجات کے لیے کوئی پروگرام جیسے مشاعرہ وغیرہ کرا کے فنڈ اکٹھا کیا جاسکتا ہے؟

⑤ بچوں کے والدین سے جبراً اسکول کے تعمیر فنڈ میں روپیہ لیا جاسکتا ہے؟
⑥ اس مدرسہ کی تعمیر میں غیر مسلموں کا روپیہ لگایا جاسکتا ہے؟

احمد اللہ خاں صاحب

۹/ رجب ۱۴۰۷ھ

الجواب

① اس مدرسے میں زکات کی رقم صرف کرنا جائز نہیں۔ در مختار میں ہے:
و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة [(۱)]۔ واللہ تعالیٰ اعلم
② جب اس مدرسے میں زکات کی رقم دینی جائز ہی نہیں تو یہ شخص بھی زکات کا ایک روپیہ اس میں نہیں دے سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
③ دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
④ ہر جائز پروگرام کے ذریعے فنڈ اکٹھا کیا جاسکتا ہے، مشاعرہ بھی اگر جائز طریقے سے کیا جائے تو اس کے ذریعہ بھی فنڈ اکٹھا کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
⑤ جبر سے روپیہ لینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
⑥ لگایا جا سکتا ہے البتہ غیر مسلم سے مانگنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے: ”إنا لا نستعين بمشرك“[(۲)]. بغیر مانگے از خود کچھ دے دیں تو لینے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۹۷] خانقاہ کی عمارت میں زکات کی رقم لگانا جائز نہیں

مسئلہ— صدقۂ فطر اور زکات کی رقمیں خانقاہ کی عمارت میں لگانا کیسا ہے؟

نادر رضوی، دار العلوم قادریہ محبوب چھپرہ، برہریا، سیوان، بہار

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۲)- السنن لابن ماجه، ج:۲، ص: ۷٦٤، رقم الحدیث: ۲۲۷٦، کتب التجارات / باب التغلیظ في الربا، دار إحیاء الکتب العربیة

الجواب

زکات وصدقۂ فطر کی رقوم کا خانقاہ کی عمارت میں لگانا جائز نہیں۔ اگر کوئی لگائے گا تو زکات ادا نہ ہوگی۔ خانقاہ تو کیا چیز ہے مسجد کی تعمیر میں بھی لگانا جائز نہیں؛ اس لیے کہ زکات اور صدقۂ فطر کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے خانقاہ یا مسجد کی تعمیر میں سرے سے تملیک ہی نہیں، در مختار میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴/ ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ

[۹۸] مدرسے کو کتابیں دینے سے زکات ادا نہیں ہوگی

مسئلہ- زید اسلامی ودینی کتب کا تاجر ہے جس کی دکان میں ایک لاکھ روپے کی کتابیں ہیں اور ایک لاکھ روپے بینک بیلنس ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس سو گرام سونا ہے تو وہ پیسوں کی بجائے سونے ہی کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی گرام سونا ہی بطور زکات اس کے مستحق کو دے سکتا ہے یعنی مال ہی دے دے۔ تو اس مسئلہ کے تحت اگر زید اپنے کتب خانہ سے پانچ ہزار روپے قیمت کی اسلامی کتب ہی بطور زکات کسی مدرسہ یا اس کے مستحق کو دیدے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سے زکات ادا ہوگی یا نہیں؟

نعیم الدین برکاتی، کتب خانہ برکاتیہ، کول پیٹھ، ہبلی، کرناٹک

۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

الجواب

مدرسہ کو کتابیں دینے سے زکات ادا نہ ہوگی۔ زکات کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ''. (۲)

اور در مختار میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء

---

(۱)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- سورہ توبہ، آیت:۲۸، پارہ:۱۰۔

نحو مسجد. (1)

ہاں اگر مدرسہ کے ناظم کتابیں لے کر حیلۂ تملیک کرلیں تو درست ہے، اور مستحق زکات کو کتابیں دینے سے بہر حال زکات ادا ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱؍ محرم ۱۴۲۱ھ

[۹۹-۱۰۱] رفاہی کام میں زکات کی رقم صرف کرنے سے زکات ادا نہ ہوگی

مسئلہ- ہمارے علاقے میں ایک احمد آباد چیری ٹیبل ٹرسٹ ہے جس میں مسلمانوں کے علاوہ اس کے ٹرسٹی غیر مسلم حضرات بھی ہیں۔ اس ٹرسٹ نے پہلے دواخانہ کے واسطے دو چار کمروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی عمارت کا بیع نامہ کیا تھا بعد میں ٹرسٹ نے دواخانے اور اس کے دیگر لوازمات کے لیے رمضان میں زکات فطرہ کی ایک خطیر رقم وصول کی اور بقر عید کے موقع پر قربانی کی کھالیں بڑی تعداد میں جمع کیں پھر ان کی قیمت سے اس عمارت کو خرید لیا چناں چہ مندرجہ ذیل امور شریعت مطہرہ کی روشنی میں دریافت طلب ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ

(۱) ایسا مسلم رفاہی ٹرسٹ جس کے ٹرسٹی غیر مسلم بھی ہوں کیا وہ ٹرسٹ قربانی کی کھالیں اور دیگر صدقات واجبہ وصول کر سکتا ہے؟

(۲) دواخانہ کے نام پر کسی عمارت کو زکات یا چرم قربانی کی قیمت سے خریدا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں خریدا جا سکتا ہے تو پھر ان حضرات کی زکات اور قربانی صحیح ہو جائے گی یا پھر سے زکات ادا کرنی ہوگی۔

(۳) تاج دار مدینہ آقائے مدنی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا کسی مقروض کی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔

محمد مشتاق احمد، شکیل احمد، بلال کمپلیکس، راکھیل، ۳۸۰۰۲۳، احمد آباد۔ گجرات

الجواب

((۱)-(۲)) اس ٹرسٹ میں زکات فطرے یا قربانی کی کھال دینی ناجائز و حرام ہے۔ جن لوگوں نے

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

زکات اور فطرے کی رقوم ٹرسٹ میں دیں ان کی زکات ان کا فطرہ ادا نہ ہوا، ان پر فرض ہے کہ پھر سے زکات ادا کریں اور واجب ہے کہ پھر سے صدقۂ فطر ادا کریں۔ قربانی کی کھال اور اس کی قیمت ضائع ہوئی۔ زکات وفطرے کی ادائگی کے لیے شرط یہ ہے کہ زکات اور فطرے کی رقوم کسی غریب اور مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے، کسی رفاہی کام میں زکات وفطرے کی رقم صرف کرنے سے ادا نہ ہوگی۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد [1]۔

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے:

قوله: نحو مسجد كبناء القناطر و السقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه [2]۔

تنویر الابصار میں ہے: و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف [3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ نہیں پڑھائی ہے البتہ صحابۂ کرام سے فرمایا تم لوگ پڑھو، ہاں مقروض کی نماز جنازہ اس وقت پڑھائی جب یہ اطمینان فرما لیا کہ اس نے قرض کی مقدار مال چھوڑا ہے، یا کسی صاحب نے ادا کرنے کا ذمہ لے لیا۔ [4] واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ر محرم ۱۴۱۳ھ

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المختار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۳)- تنوير الأبصار المطبوع مع الدر المختار، ج:۳، ص: ۳۲۵، كتاب الزكات، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۴)- سنن نسائی میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال: أتي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بجنازة، فقالوا: يا نبي الله صلى الله تعالى عليه وسلم صلِّ عليها، قال: هل ترك عليه دينا، قالوا: نعم، قال: هل ترك من شيء، قالوا: لا، قال: صلوا على صاحبكم، قال رجل من الأنصار يقال له أبو قتادة: صلِّ عليه وعلي دينه، فصلى عليه. [كتاب الجنائز، باب الصلاة على من عليه دين، ص: ۲۹۶، دار ابن حزم]

[۱۰۲] زکات کے پیسے سے مسجد کے لیے لاؤڈ اسپیکر خریدنا جائز نہیں

مسئلہ- زکات کے روپے سے لاؤڈ اسپیکر منگایا گیا تو لاؤڈ اسپیکر کو مسجد میں لگانا کیسا ہے ؟ جب کہ لاؤڈ اسپیکر مسجد سے خارج ہے اس سے اذان دینا جائز ہے یا نہیں ؟

مولانا شبیر احمد، مدرسہ حنفیہ عالم خاں، جون پور، یوپی

الجواب

زکات کے پیسے سے لاؤڈ اسپیکر خرید کر مسجد کو دینا جائز نہیں زکات کی ادائگی صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ زکات کی رقم کسی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے اور اسے قبضہ بھی دے دیا جائے اور مسجد میں تملیک مستحق نہیں۔ در مختار میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد[۱]۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر خرید کر کسی مستحق زکات کو دے دے اور یہ قبضہ کرنے کے بعد مسجد کو دے دے۔ اسی میں ہے: الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء[۲]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یکم صفر ۱۴۱۴ھ

[۱۰۳-۱۰۵] تربیتی اداروں میں زکات کی رقم خرچ کرنے کا حیلہ

مسئلہ- بیت الزکات کویت ہر ماہ ممبئی کے تعلیمی ادارہ انجمن اسلام کو ستر ہزار روپیوں سے زائد رقم لڑکیوں کے یتیم خانہ کے لیے دیتا ہے۔ انجمن اسلام نے یتیم خانہ (جس میں ۱۸۰ر مسلم بچیاں ہیں) کے آخری منزلہ پر ملازمت پیشہ خواتین کا ایک ہاسٹل قائم کر رکھا ہے، اس ہاسٹل میں ۴۵ر عورتیں ہیں جن میں صرف

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۳، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

تین مسلم ہیں اور بقیہ غیر مسلم۔ بیت الزکات کی امدادی رقم سے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسی کھانے کو ان ملازمت پیشہ عورتوں کو فی وقت ۵؍ روپے میں پیٹ بھر کر کھانا دیا جاتا ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ

❶ کیا زکات کی رقم کا یہ استعمال شرعاً جائز ہے؟

❷ یہ عمل پچھلے دو سال سے جاری ہے لہٰذا جنھوں نے اپنی زکات کی رقم دی ان کی زکات ادا ہوگئی؟

❸ ایسے انتظامیہ کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا، جزاکم اللہ احسن الجزا فی الدنیا والآخرۃ۔

محمد اقبال موٹر والا، پٹیل روڈ، نل بازار، ممبئی

الجواب

❶- بیت الزکات کویت سے اس رقم کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ رقم زکات کی آتی ہے، زکات کی ادائگی صحیح ہونے کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ ایسے تعلیمی و تربیتی اداروں میں — جہاں تنظیموں کے ذمہ داران اپنی مرضی سے زکات کی رقم صرف کرتے ہوں، یتیموں کو کھلاتے ہوں، پہناتے ہوں، جہاں چاہتے ہوں رکھتے ہوں، جو چاہتے ہوں پڑھاتے ہوں، سکھاتے ہوں، اس میں سے ملازمین کی تنخواہیں دیتے ہوں — زکات کی رقم صرف کرنا جائز نہیں اور ایسی جگہ دینے سے زکات ادا بھی نہیں ہوگی۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد[1]۔

ملازمین کو جو تنخواہ دی جاتی ہے وہ کام کے عوض دی جاتی ہے؛ اس لیے کسی بھی ملازم کی تنخواہ میں زکات کا پیسہ دینا جائز نہیں۔ خواہ وہ ملازم مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا کافر۔ زکات اس وقت ادا ہوگی جب خالص لوجہ اللہ مستحق زکات کو دی جائے مگر یتیموں کی پرورش اور تعلیم دینی ضرورت ہے، ہندوستان میں ایسے مسلمان ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو بڑے سے بڑا یتیم خانہ چل سکتا ہے لیکن یہ افسوس ناک بات ہے کہ مسلمان دینی کاموں میں سوائے زکات کے اور کچھ نہیں دیتے؛ اس لیے مجبوراً اس کی اجازت ہے کہ یتیموں کی دینی تعلیم اور پرورش کے لیے حیلہ شرعیہ کر کے زکات کی رقم یتیم خانوں میں صرف کی جائے۔

حیلہ شرعیہ کی صورت یہ ہے کہ زکات کی رقم کسی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک اور قابض بنا دیا

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

جائے، وہ پھر اپنی خوشی سے یتیم خانہ کو دے دے۔ اب یہ رقم اس فقیر کی طرف سے عطیہ اور چندہ ہوگئی۔ اب اسے یتیم خانہ کی تمام مدات میں صرف کرنا جائز ہوگا۔ اس سے ملازمین کی تنخواہ بھی دے سکتے ہیں اگرچہ وہ ملازمین مسلمان نہ ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان بچے اور بچیوں کی تعلیم کے لیے غیر مسلم ملازمین نہ رکھے جائیں۔ مسلمان تعلیم دینے والے اور تربیت دینے والے کم نہیں ہیں۔ پھر اس کی کیا حاجت کہ بچوں کو غیر مسلموں کے حوالے کیا جائے، یتیم خانہ کے ملازمین پر واجب ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے سب بچوں کو اتنی تعلیم ضرور دلادیں کہ وہ کفر و اسلام، اسلام کے بنیادی عقائد، استنجا، طہارت، نماز کے شرائط، ارکان، واجبات، اس کی دعائیں، زکات، روزہ، حج وغیرہ کے مسائل سے بخوبی واقف ہوجائیں۔ اگر اس میں کوتاہی ہوگی تو یتیم خانہ کے منتظمین عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ سوال میں یہ تصریح ہے کہ یہ روپے کویت سے آتے ہیں۔ کویت کے وہ لوگ جن پر زکات واجب ہے وہ بیت الزکات میں روپے اس اطمینان پر دیتے ہیں کہ زکات صحیح مصرف میں صرف کی جائے گی۔ اس لیے وہ بری الذمہ ہیں، ان سے فرض ساقط۔ اب جو لوگ زکات کی رقوم اس طرح خرچ کرتے ہیں جس سے زکات ادا نہیں ہوتی یہ لوگ ضامن ہیں اور مجرم۔ ہاں اگر زکات دینے والوں کو معلوم ہے کہ ہماری زکات صحیح طور سے صرف نہیں کی جاتی کہ زکات ادا ہوجائے پھر بھی دیتے ہیں تو ان کی زکات ادا نہ ہوگی۔ فرض ان کے ذمہ رہ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ ایسے انتظامیہ کو معزول کردینا واجب ہے اور انھیں زکات دینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ر ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ

[۱۰۶] حیلہ شرعی کے بغیر یتیم خانہ میں زکات کی رقوم کا صرف جائز نہیں

مسئلہ - زکات کے روپیہ سے بغیر حیلہ شرعی کیے ہوئے یتیم خانے کے لیے زمین خریدی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز اس زمین پر یتیم خانے کی تعمیر اسی رقم سے بغیر حیلہ شرعی کیے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

مصباح الدین، محلہ ممتاز گنج، ٹانڈہ، فیض آباد، یوپی

الجواب

حیلہ شرعیہ کے بغیر زکات اور صدقۂ فطر کی رقوم یتیم خانے کی کسی مد میں صرف کرنی جائز نہیں، اور اس

سے زکات ادا بھی نہ ہوگی خواہ زمین خریدیں، خواہ عمارت بنوائیں۔ زکات وصدقۂ فطر کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ تنویر الابصار اور در مختار میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت.[1] ۔واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ر شوال ۱۴۱۰ھ

[۱۰۷] زکات کی رقم سے دینی کتابوں کی اشاعت کا حکم

مسئلہ- زکات، فطرہ، چرم قربانی کی رقم سے دینی کتابوں کی اشاعت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جواب باصواب عنایت فرماکر عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔

عبد الرزاق قادری برکاتی، کان پور

الجواب

زکات، فطرہ، چرم قربانی ہر ایک سے دینی کتابوں کی اشاعت ہو سکتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ زکات فطرہ کی رقم سے جو کتاب خریدی جائے، یا جہاں بھی جائے وہ بنی ہاشم کے علاوہ صرف فقرا کو دی جائے۔ صاحبان نصاب کو نہ دی جائے اور جسے دی جائے اسے مالک بنادیا جائے۔ صرف پڑھنے کے لیے یا کسی لائبریری وغیر کو نہ دی جائے ورنہ زکات وفطرہ ادا نہ ہوگا۔ چرم قربانی کی رقم سے حاصل کردہ کتب میں نہ بنی ہاشم کا استثنا ہے نہ تملیک فقیر شرط ہے، لہذا وہ لائبریریوں کو بھی دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ر شوال ۱۳۹۹ھ

[۱۰۸] حیلہ شرعی کے بغیر عشر کا غلہ مدارس میں استعمال کرنا درست نہیں

مسئلہ- غلہ، گندم ودھان جو زکات وعشر میں آتا ہے اسے بغیر حیلہ شرعی کیے ہوئے مدرسین کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱)- الدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكاة، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ زکات وعشر وغیرہ میں جو غلہ آیا ہے اس کے لیے طلبہ ہی کافی ہیں لیکن اسے مدرسین کے کھانے کے لیے بلا وجہ حیلہ شرعی کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بالتفصیل واضح فرمائیں؛ اس لیے کہ آج کل ایسا ہی ہوتا ہے کہ مطبخ میں مدرسین کو وہی کھانے کو دیتے ہیں جو طلبہ کے لیے ہوتا ہے۔

محمد محبوب علی قادری، بلرام پور، گونڈہ، یوپی

۱۸ر شوال ۱۴۰۷ھ

الجواب

عشر اور زکات کی رقم بغیر حیلہ شرعی کیے ہوئے مدرسین کو کھلانا جائز نہیں۔ مدرسین ہی کیا طلبہ کو کھلانا جائز نہیں۔ عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکات کے ہیں۔ در مختار میں ہے:

أي مصرف الزكات والعشر إلخ[1]۔

عشر اور زکات کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے۔ اسی میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد.[2]

اور کھانا کھلانا تملیک نہیں اباحت ہے؛ اس لیے عشر اور زکات کی رقم سے کھانا کھلائیں تو زکات ادا نہ ہوگی۔ رہ گیا حیلہ کے بعد تو جس طرح طلبہ کو کھلایا جا سکتا ہے ویسے ہی مدرسین کو بھی کھلا سکتے ہیں؛ اس لیے کہ حیلے کے بعد وہ رقم زکات اور عشر کی نہ رہی، عام چندے کی طرح ہو گئی۔ حدیث میں ہے: لها صدقة ولنا هدية[3]۔

اگرچہ عشر کا غلہ اتنا بھی نہ ہو کہ طلبہ کے کھانے کے لیے سال بھر کافی ہو پھر بھی مدرسین کو کھلا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- تنوير الابصارمع الدر المختار، ج:۳،ص: ۲۸۳، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- الدر المختارفوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۳)- مشكاة المصابيح، باب من لا تحل الصدقة،ص:۱۶۱، مجلس البركات.
الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة / باب إباحة الهدية للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص. ۳۴۵، ج:۱، مجلس البركات

[۱۰۹-۱۱۱] زکات کے پیسے سے فلیٹ بنوانا جائز نہیں

مسئلہ - ❶ ہماری برادری والے زکات کا پیسہ اکٹھا کر کے اس سے ایک جگہ خرید کر اس پر فلیٹ بنوانا چاہتے ہیں، اس فلیٹ کو خریدنے والے تمام صاحب مال ہیں جو لوگ زکات کا پیسہ اکٹھا کرنے والے ہیں وہ اس پیسے کا حیلہ شرعی کے بعد استعمال میں لیں گے۔ کیا اس کام میں زکات دینے والوں کی زکات ادا ہو جائے گی، جو لوگ زکات کی رقم اکٹھا کر رہے ہیں وہ ایک ٹرسٹ کے نام پر اکٹھا کر رہے ہیں۔ ٹرسٹ کا نام ہے:

Samast Meman Jamat Nanded

❷ حیلہ شرعی کا کیا طریقہ ہے؟

❸ کیا مذکورہ کام کے لیے حیلہ شرعی کرنا درست ہوگا؟ براے کرم تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: ہم نے اس سے قبل یہی سوال کیا تھا مگر جواب میں حیلہ سے متعلق صاف جواب نہیں آیا ہے اس لیے پھر سے آپ کو زحمت دی جا رہی ہے، سوال کے ساتھ آپ کے جواب کی ایک زیرکس کاپی بھی حاضر ہے۔

حاجی عبد مناف کھاکھو برکاتی، ناندیڑ

الجواب

[❶-❸] زمین خرید کر، فلیٹ بنا کر نفع کے ساتھ بیچنے کے لیے اس کی اجازت نہیں کہ حیلہ شرعی کر کے زکات کی رقم اس میں لگائی جائے، یہ حیلہ اصحاب سبت کے مثل ہوگا، جتنے پیسے زکات کے اس میں صرف ہوئے وہ زکات ادا نہیں ہوئی، اور جن لوگوں نے زکات کے پیسے سے یہ زمین خریدی ان سب پر تاوان واجب ہے یعنی جن جن لوگوں سے زکات کے پیسے وصول کیے ان سب لوگوں کو زکات کا پیسہ واپس کریں، جن لوگوں نے زکات کے پیسے دیے تھے ان پر بھی واجب ہے کہ ان لوگوں سے اپنے اپنے پیسے وصول کریں۔ ورنہ یاد رکھیں ان کی زکات ادا نہیں ہوئی، زکات ادا نہ کرنے کا وبال ان لوگوں پر رہے گا۔ زکات کی ادائگی کے لیے ضروری ہے کہ زکات کا مال کسی مستحق فقیر یا مسکین کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ.[1]

---

(۱)- سورۂ توبہ، آیت:۶۰، پارہ:۱۰۔

در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد [1]۔

حیلہ شرعی کی اجازت ضرورت شرعیہ کے وقت صرف کار خیر کے لیے ہے مثلا دینی مدارس، دین کا تحفظ اور دین کی بقادینی مدارس ہی پر ہے، مسلمانوں میں خدا ترسی کی کمی اور دین داری کی کمی اس حد تک ہو گئی ہے کہ وہ دینی مدارس کے لیے عطیہ دینے کے لیے راضی نہیں، شادیوں میں لاکھوں خرچ کر دیں گے اور الیکشن کے موقع پر لیڈروں کو ہزاروں ہزار دے دیں گے اور اپنی تفریح پر لاکھوں خرچ کر دیں گے مگر دینی مدرسہ کے لیے ان کی جیب میں ایک پیسہ نہیں ہو گا۔

میں نے اس کا تلخ تجربہ اپنی تعلیم کے زمانے میں کیا ہے۔ یہی جامعہ اشرفیہ تھا کہ پانچ پانچ چھ چھ سات سات مہینے تک مدرسین کو تنخواہ نہیں ملتی تھی، جامعہ اشرفیہ کے بانی میرے استاذ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ اپنے نان ونفقہ کے لیے گھر سے پیسہ منگاتے تھے اور انتہائی عسرت میں گزارتے تھے، اور قریب قریب یہی حال سارے دینی مدارس کا تھا، مجبور ہو کر علمانے اس کی اجازت دی کہ حیلہ شرعی کر کے زکات کی رقوم دینی مدارس میں صرف کی جائیں۔ فلیٹ بنوانا نہ دینی ضرورت ہے نہ اس کی حاجت، جو لوگ یہ قیمتی فلیٹ خرید سکتے ہیں وہ لوگ اپنی نجی سوسائٹی بنا کر زمین بھی خرید سکتے ہیں، بنوا بھی سکتے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں میں یہ بیماری بھی عام ہو گئی ہے کہ وہ طرح طرح کی ترکیبیں نکالتے ہیں کہ زکات کی رقوم دینی مدارس میں نہ جانے پائیں، بلکہ کسی محتاج کو بھی نہ دیں لوٹ کر پھر انھیں زکات دینے والوں کی طرف پلٹ آئیں۔ ان لوگوں کو خدا سے ڈرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی گرفت سخت ہے اور اس کا عذاب شدید اور قیامت کا دن سخت ہیبت ناک۔ واللہ تعالی اعلم

۲۶ر محرم ۱۴۲۱ھ

---

(۱)-الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

[۱۱۲] بضرورت حیلہ شرعی کی ایک صورت

مسئلہ:- سنگم وہار ہی نہیں بلکہ دہلی کے اکثر مدارس عربیہ میں جس کے قائم کرنے والے افراد مسائل شرعیہ سے ناواقف اور مزدور طبقہ ہونے کی حیثیت سے محض جذبات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے زکات وفطرہ کی رقموں کو شامل کر کے زمین خریدی اور عمارت تعمیر کی، دو چار سالوں کے بعد ان مسائل پر فکر ہوئی۔ ایسی صورت میں جب کہ عوام وانتظامیہ کے پاس قطعی یہ شکل نہیں ہے کہ کس کی کتنی رقم زکات ہے اور کتنی فطرہ۔ جس میں سے بہت سے لوگوں نے آبادی سے دوسری آبادیوں میں سکونت اختیار کرلی۔ اور کچھ اپنے آبائی وطن بھی چلے گئے۔ یعنی ان تک ان رقموں کا پہنچانا، واپس کرنا انتہائی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ تو اب تطہیر کی صورت کیا ہے، اور ایسے مدارس عربیہ کے لیے کیا حکم ہے؟ اور انتظامیہ بھی اس قابل نہیں کہ اپنی طرف سے کسی غریب کے ذریعہ حیلہ شرعی کرا سکے۔ آپ سے گذارش ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری بے چینی دور فرمائیں کرم ہوگا۔

محمد قمر الزماں انصاری، جے ۲۔ ۳/۷ ۱۴ سنگم وہار، نئی دہلی

الجواب

ان مدارس کے جن منتظمین نے زکات اور فطرہ کی رقوم بلا حیلہ شرعیہ کیے ہوئے مدرسہ کی تعمیر یا مدرسہ کی کسی مد میں صرف کیا ہے ان سب لوگوں پر تاوان واجب ہے خواہ امیر ہوں یا غریب۔ دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر دوسرے مصرف میں صرف کرنا خیانت ہے۔ امیر خیانت کرے تو اس پر تاوان واجب ہے اور غریب خیانت کرے تو اس پر تاوان واجب۔ خواہ جان کر خیانت کرے یا انجانے میں کرے، اور صورت مسئولہ میں یہ ضروری ہے کہ جتنی زکات اور فطرہ کی رقوم مدرسہ میں صرف کی ہیں اتنی ہی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنادے بغیر اس کے چھٹکارا نہیں۔

اس کے لیے ایک حیلہ یہ ہو سکتا ہے کہ زکات اور فطرہ کی جتنی رقوم بغیر حیلہ شرعیہ کے مدرسہ میں صرف کی ہے سب کا ایک حساب لگالے۔ مثلاً دس لاکھ روپے صرف کیے ہیں پھر یہ لوگ کہیں سے مثلاً ایک لاکھ روپیہ مہیا کرلیں خواہ قرض لے لیں اور کسی مستحق زکات کو سامنے بیٹھا کر یہ نیت کر کے کہ میرے اوپر جو چندہ دہندگان کی

زکات کی ادائیگی واجب تھی وہ ادا کر رہا ہوں مستحق زکات کو دے دے۔ مستحق زکلت اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر قبضہ کر کے پھر پہلے شخص کو یہ کہہ کر دے کہ یہ میں نے آپ کو دیا۔ پہلا شخص اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر پھر سابقہ نیت کے ساتھ مستحق زکات کو دے، اسی طرح دس مرتبہ لوٹ پھیر کرے تاوان ادا ہو جائے گا اخیر میں مستحق زکات سے لے کر جس سے قرض لیا تھا اسے لوٹا دے، اس قسم کے حیلہ کی بضرورت اجازت ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۱۳، ۱۱۴] حرام کی کمائی پاک کرنے کا حیلہ شرعی

مسئلہ-① بکر کا کاروبار حرام کمائی کا ہے جیسے شراب، جوا اور سود وغیرہ کا ہے، ان تمام کمائی سے بکر کے پاس دس لاکھ روپے جمع ہوئے اب بکر نے ان تمام حرام کاموں سے توبہ کر لی اور دس لاکھ روپے جو حرام کمائی کے تھے ان میں سے دو لاکھ روپے کا گھر بنایا اور چار لاکھ روپے میں ایک لاری خریدی جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوں اور جو چار لاکھ روپے بچے ہوئے ہیں ان روپیوں کو مسجد کے تعمیری کام میں، یا دینی مدرسہ کے تعمیری کام میں دینا چاہتا ہے یہ روپے دینی کام میں لے سکتے ہیں یا نہیں؟

② عمر ایک عالم دین ہے اور عمر کہتا ہے اس طریقے کو اختیار کیا جائے جس کو اعلی حضرت نے فتاوی رضویہ میں جلد ششم صفحہ نمبر ۳۳۱، ۳۳۲ پر درج فرمایا ہے۔ حرام کی کمائی کے مصارف خیر میں صرف کرنے کا طریقہ۔ بکر کے دس لاکھ روپے حرام کمائی کے ہیں تو اس کا طریقہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ کسی محتاج پر تصدق کرے یعنی ایک ہبہ نامہ اس محتاج کے نام تصدیق کر دے جس کا یہ مضمون ہو کہ یہ بکر کی حرام کی کمائی کی جائداد، گھر، لاری اور نقد چار لاکھ روپے وجہ حرام سے ہے اور اب میں نے توبہ کی ہے اور شرع مطہر نے تصدق کا حکم فرمایا لہذا میں نے فلاں نام والے محتاج کو بطور تصدق اس کا مالک مستقل کیا اور پوری جائداد، گھر، لاری اور نقد چار لاکھ روپے کا قبضہ اس محتاج کو دے دیا۔ اس کے بعد وہ محتاج وقف نامہ تصدیق کرائے کہ بکر نے امتثال حکم شرع کے لیے یہ جائداد بطور تصدق میری ملک کر دی اور میں نے قبضہ کر لیا اور اب یہ مال شرعا طیب ہو گیا اور میں چاہتا ہوں کہ اسے کار خیر میں صرف کر کے ثواب حاصل کروں اور بکر کو بھی فائدہ پہنچاؤں۔ لہذا میں نے تاحیات بکر کو گھر اور لاری اپنے استعمال میں اور چار لاکھ روپیہ نقد مسجد یا دینی مدرسہ کے تعمیری کام میں لینے کے لیے وقف صحیح شرعی کیا۔

مفتی صاحب سے ادباً گزارش ہے اس مسئلے پر نظر ثانی فرمائیں اور عمر نے جو طریقہ بتلایا ہے اور فتاوی رضویہ، ششم صفحہ ۳۳۱، ۳۳۲ کی عبارت پیش کی ہے اس کے متعلق غور فرمائیں اور بھی معتبر کتابوں کے حوالے سے اس مسئلہ کو حل فرمائیں۔

بی محمد نذیر الہی، انجن ورکس، کرناٹک

۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۹ء

الجواب

(❶، ❷) مجدد اعظم اعلی حضرت قدس سرہ کے صریح ارشاد کے بعد مجھ جیسے بوڑھے ناکارہ سے استفسار کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ مجدد اعظم اعلی حضرت قدس سرہ کی تصریح کے بعد کسی سے اس کا استصواب کرنا اعلی حضرت قدس سرہ کی شان رفیع وارفع سے ناواقفی کی دلیل ہے، ہم جب کسی مسئلہ میں الجھتے ہیں تو مجدد اعظم اعلی حضرت قدس سرہ کے ارشاد کو مشعل راہ بناتے ہیں۔

اس طریقہ کو حیلہ شرعیہ کہتے ہیں، اس کی سند وہ حدیث صریح وجلی ہے جو کتب میں کثیر طرق سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا شانۂ اقدس میں تشریف لائے، کھانا طلب فرمایا روٹی اور سالن، مثلاً سرکہ پیش کیا گیا اور ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا تو ارشاد فرمایا گوشت کیسا ہے، بتایا گیا کہ یہ صدقہ کا گوشت ہے جو بریرہ کے پاس آیا تھا، فرمایا (بریرہ ہم کو دے دے) یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ۔[1]

اس کا حاصل یہ نکلا کہ بریرہ نے جب صدقہ کے گوشت پر قبضہ کر لیا تو یہ اس کی ملک ہو گیا۔ مالک ہونے کے بعد بریرہ نے جب مجھ کو دیا تو یہ ہدیہ ہوا۔ اسی طرح جب مال حرام کسی فقیر پر صدقہ کر دیا گیا تو اس فقیر کی ملک ہو گیا اور اس فقیر نے جب صدقہ کرنے والے کو ہبہ کر دیا تو یہ اس کا مالک ہو گیا، اسے اس میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۵/ ذو قعدہ ۱۴۲۰ھ

---

(۱)- تقدم نصه وتخريجه. الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة / باب إباحة الهدية للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ٣٤٥، ج: ١، مجلس البركات

[۱۱۵] بیت المال قائم کرنے کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے

مسئلہ- بیت المال کسے کہتے ہیں؟ قوم وملت کے نوجوانوں نے ایک انجمن بیت المال کے نام سے قائم کیا ہے جس میں رمضان المبارک کے موقع پر صدقات، فطرات، زکات، وعطیات کی رقمیں وصول کرکے اسے بینک میں جمع رکھتے ہیں اور ضرورت مند غربا ومساکین کی امداد مثلاً غریب بچیوں کی شادی، نادار ویتیم کی بیماری کے علاج، غریب لاوارث میت کے کفن دفن اور بیواؤں کے کاروباری کاموں میں صرف کرتے ہیں، شرعی اعتبار سے صحیح کرتے ہیں یا نہیں؟ نیز اگر انھیں رقموں سے بیت المال کی عمارت مثلاً دفتر کے نام کمرہ تعمیر کریں تو صحیح ہوگا یا نہیں؟

شیخ چاند منصوری، اراکین بیت المال کمیٹی، گیورا پروجیکٹ، ضلع کوریا، ایم پی

۴ر جنوری ۲۰۰۰ء

الجواب

بیت المال قائم کرنے کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے۔ بیت المال حقیقت میں حکومت اسلام کے خزانہ کو کہتے ہیں، عوام کو بیت المال قائم کرنے کی اجازت نہیں، کتنی جگہ بیت المال کے نام پر زکات وفطرہ کی لاکھوں لاکھ رقمیں وصول کیں اور اڑا لے گئے، جو لوگ بہت دین دار بنتے ہیں ان کا بھی وہی حال ہے، شاہانہ ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ دفتر میں آنے جانے والوں کو ناشتہ، چاے، پان، سگریٹ کھلاتے پلاتے ہیں، اس کی کہاں سے اجازت ہے۔ زکات وفطرہ کی رقم سے کسی نادار لڑکی کا وہ بھی رسم ورواج کے مطابق شادی بیاہ کرنا کہاں جائز ہے؟ زکات کی ادائگی کی شرط یہ ہے کہ مستحق زکات کو زکات دے کر مالک اور مختار بنا دیا جائے وہ جو چاہے کرے، اور یہاں مالک ومختار اس کا منیجر ہوتا ہے، براتیوں اور رشتہ داروں کو کھلانا تملیک نہیں، اباحت ہے اس سے زکات ادا ہی نہیں ہوگی۔ قرآن مجید میں ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ. (۱)

در مختار میں ہے:

و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة و لا یصرف إلی بناء نحو مسجد (۲)۔

(۱)- سورۂ توبہ، آیت: ۶۰، پارہ: ۱۰۔

(۲)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

اس لیے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ لوگ زکات و فطرہ کی رقم وصول کر کے من مانی جو چاہیں کریں اور پروپیگنڈہ کریں کہ ہم یتیموں، غریبوں کی امداد کے لیے ایسا کرتے ہیں، جہاں اس قسم کا بیت المال قائم ہے وہاں کے بارے میں مختلف بدگمانیوں کی شکایتیں روز سننے میں آتی ہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۱۶-۱۱۸] عامۂ مسلمین کو بیت المال قائم کرنے کا حق نہیں

مسئلہ- ❶ بیت المال کا قائم کرنا اس زمانے میں کیسا ہے اگر جائز ہے تو اس کے ضروری شرائط سے آگاہ فرمایا جائے؟

❷ بیت المال اگر قائم ہے اور زکات و فطرے کی رقوم ہیں تو اس سے کسی میت کی تکفین جائز ہے یا نہیں؟

❸ زکات و فطرے کی رقوم جہیز کے کام میں صرف کرنا کیسا ہے؟ جو کہ اس وقت سماج کے لیے ایک رسم بد اور باعث لعنت بن گیا ہے۔

الحاج اظہار الاسلام، نواپورہ، جھتّن پورہ، بنارس، یوپی

الجواب

❶- وہ بیت المال جس کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ہے صرف سلطان اسلام یا اس کا نائب قائم کر سکتا ہے۔ عامۂ مسلمین کو اسے قائم کرنے کا حق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ سلطان اسلام اپنے قہر اور غلبہ اور قوت سے ان اموال کی حفاظت کرے گا جو بیت المال میں جمع ہوں گے، اور انھیں ان کے صحیح مصارف میں صرف کرے گا۔ عوام نہ تو ان اموال کی حفاظت کر سکتے ہیں اور نہ جس کے قبضہ میں بیت المال ہو اسے قابو میں رکھ سکتے ہیں کہ وہ ان اموال کو ان کے صحیح مصارف میں صرف کرے۔ یا خورد برد سے بچائے۔ واللہ تعالی اعلم

(❷-❸) زکات اور فطرے کی رقوم سے نہ تو میت کے کفن، دفن کا انتظام کرنا جائز اور نہ جہیز دینا جائز۔ ان دونوں مدوں میں اگر زکات اور فطرہ کی رقم صرف کریں گے تو زکات اور فطرہ ادا نہ ہوں گے۔ زکات اور فطرہ کی ادائگی کے لیے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے اور اسے اختیار دے دیا جائے کہ وہ جو چاہے کرے خواہ خود استعمال کرے یا کسی دوسرے کو دے دے یا بیچ دے، اور ان دونوں مدوں میں یہ باتیں نہیں۔ میت کے کفن دفن میں تو سرے سے تملیک ہی نہیں کہ جو شخص مر گیا ہو وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہو

سکتا، اور یہی حال جہیز کا ہے کہ جسے جہیز دیا گیا اگر وہ اسے بیچے یا کسی دوسرے کو دے دے تو دینے والوں کو اعتراض ہوتا ہے؛ اس لیے یہ مالک بنانا نہیں ہوا۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد و لا إلى كفن ميت [1] ۔

اسی میں ہے: و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف [2] ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ر محرم ۱۴۱۱ھ

[۱۱۹-۱۲۱] زکات وغیرہ کی رقوم اگر صحیح مصرف میں خرچ کریں تو بیت المال قائم کرنے میں حرج نہیں

مسئلہ - ❶ بیت المال کسے کہتے ہیں۔

❷ اس کے قیام کی موجودہ زمانہ میں کیا شرطیں ہیں، کسی شہر کے مسلمان بیت المال قائم کرنا چاہیں تو انھیں کیا کرنا چاہیے؟

❸ بیت المال میں زکات وفطرے کی رقم لی جاسکتی ہے یا نہیں، اور بغیر حیلہ کے اس کو کسی جگہ پر بغیر تملیک کے خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

غلام محمد، محمود پور، گوشائیں گنج، فیض آباد، یوپی

الجواب

❶ - بیت المال حقیقت میں اس گھر کا نام ہے جس میں خلیفۂ اسلام، یا سلطان اسلام، یا ان کے نائبین حکومت کے اموال محفوظ رکھیں مثلاً زکات، عشر، خراج، مال غنیمت کا خمس اس معنی کر بیت المال قائم کرنے کا حق صرف سلطان اسلام کو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۳۲۵، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

❷ اس زمانے میں مسلمان پر آئے دن افتاد پڑتی رہتی ہے پھر مسلمانوں میں بہت سے حاجت مند محتاج ہوتے ہیں اس کو سامنے رکھ کر اگر مسلمان اپنے طور پر کوئی بیت المال قائم کریں جس میں زکات، فطرہ، چرم قربانی اور مسلمانوں کے عطیات جمع کریں اور ان کو دیانت داری کے ساتھ ان کے صحیح مصرف میں صرف کریں تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ بیت المال میں زکات، فطرہ و دیگر صدقات واجبہ کی رقوم بھی لی جاسکتی ہیں مگر ان کی ادائگی کے لیے شرط یہ ہے کہ ان میں سے ایک پیسہ بھی کسی صاحب نصاب یا نسباً کسی ہاشمی کو نہ دیا جائے، اور جس محتاج کو دیا جائے اسے مالک و مختار بنا کر کے قبضہ دلا دیا جائے۔ مثلاً کسی محتاج لڑکی کی شادی کرنی ہے تو زکات و فطرہ کی جو رقم بھی اسے دی جائے اسے اس کا مالک بنا دیا جائے یہ پابند نہ کیا جائے کہ وہ اسے فلاں مصرف ہی میں صرف کرے گی۔ حیلہ شرعی کی اجازت شرعی ضرورت کے پائے جانے کے وقت ہے۔ کب یہ ضرورت ہے، کب نہیں اس کی صورت متعیّن کر کے کسی معتمد مفتی سے اجازت لے کر حیلہ شرعی کیا جائے، اس خصوص میں عوام بہت آزاد ہو گئے ہیں۔ آزادانہ طور پر حیلہ شرعی کی اجازت نہیں ورنہ زکات کی مشروعیت کا جو فائدہ ہے وہ ضائع ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵/ صفر ۱۴۱۴ھ

[۱۲۲-۱۲۴] کتب فقہ میں بیت المال سے مراد شاہی خزانہ ہے

مسئلہ- ❶ بیت المال کے حقوق کیا ہیں اور بیت المال کے مصارف کون کون ہیں خلاصہ بیان فرمائیں؟

❷ بیت المال کی زمین پر مسجد بنائی گئی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ وہاں نماز پڑھی جاتی ہے کیا کوئی خرابی لازم آسکتی ہے؟ اگر کوئی خرابی لازم آتی ہے تو اس سے بری الذمہ ہونے کی کیا صورت ہے از روے شرع کیا حکم لاگو ہوتا ہے، خلاصہ بیان فرمائیں۔

❸ کیا بیت المال کی رقم مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ از روے شرع خلاصہ فرمائیں۔

لعل احمد، مسلم جماعت، کیشواپور، ہبلی، ضلع دھارواڑ، کرناٹک

الجواب

(❶-❸) کتب فقہ میں جہاں بیت المال کا لفظ آیا ہے اس سے مراد شاہی خزانہ ہے جس میں

حکومت کے مختلف ذرائع آمدنی سے آنے والی رقمیں حکام اسلام جمع کیا کرتے ہیں۔ اب نہ حکومت اسلام ہے، نہ حکام اسلام اور نہ شاہی خزانہ۔ مسلمان اپنے طور پر اگر کوئی بیت المال قائم کریں تو اس پر وہ احکام نافذ نہ ہوں گے جو اسلامی شاہی بیت المال کے تھے۔ اب تو یہ حکم ہے کہ بیت المال کے لیے لوگ جو رقم وصول کریں ان سب کو الگ الگ رکھیں، اور ان سب کو انھیں مدوں میں خرچ کریں جو شریعت نے مقرر فرمائی ہیں مثلاً زکات اور فطرہ یا صدقات واجبہ کی رقوم وصول کیں تو ان کو علاحدہ رکھیں اور اسے صرف وہیں صرف کریں جہاں زکات دینا جائز ہے، اسے نہ مسجد کی تعمیر میں خرچ کر سکتے ہیں اور نہ رفاہ عام میں۔ یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق زکات کو اس طرح دیں کہ وہ مالک ہو جائے۔ در مختار میں ہے:

و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد و لا إلى كفن ميت [1]۔

بیت المال میں عطیات، چرم قربانی یا دیگر صدقات نافلہ کی جو رقم آئے اسے علاحدہ رکھیں، اس کا مصرف ہر کار خیر ہے۔ بیت المال کی رقم سے جو زمین خریدی گئی اور وہاں مسجد بنائی گئی اگر یہ زکات یا فطرہ کی رقم سے ہوا تو حرام و گناہ ہوا، جن لوگوں نے زکات و فطرہ کی رقوم سے مسجد کے لیے زمین خریدی یا زکات یا فطرہ کی رقوم سے مسجد بنائی ان لوگوں پر واجب ہے کہ جتنا روپیہ انھوں نے خرچ کیا سب بیت المال کو واپس کریں، اور اگر یہ زمین اور مسجد دوسری قسم کی آمدنی سے خریدی گئی اور بنائی گئی تو بلا شبہہ جائز ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۷ / محرم ۱۴۱۳ھ

[۱۲۵] زکات کی رقوم وصول کرنے کے بعد بلا وجہ روکے رکھنا گناہ ہے

مسئلہ- ہمارے یہاں قریب تین سال سے بیت المال قائم ہے جس میں گاؤں والے اپنی زکات، صدقات، فطرات و عشر وغیرہ جمع کرتے ہیں اور ان کا مصرف گاؤں کی بیوائیں اور نادار و غریب نیز ایسے لوگ ہیں جو اپنا علاج نہیں کروا سکتے ہیں۔ اس بیت المال کی کمیٹی وہی ہے جو مدرسہ کی ہے اور آج سے چار سال قبل

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

[illegible] پرانی عمارت خرید کر اس میں ایک اسکول قائم کیا ہے۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں [illegible] نئی عمارت بنائی جائے اور بیت المال کی رقم کو حیلہ شرعی کرکے اس میں لگایا جائے حالاں کہ عمارت [illegible] مدرسہ کی ہوگی اور اسکول سے عمارت کا کرایہ وصول کیا جائے گا۔ لیکن یہ عمارت صرف اور صرف اسکول کے لیے ہی بنائی جائے گی جب کہ بیت المال ایک الگ ہی فنڈ ہے مدرسہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو فنڈ بیت المال میں صرف اور صرف غریبوں اور بیواؤں کے لیے جمع کیا گیا ہے، تو کیا اس سے مدرسہ کی عمارت اسکول کی تعلیم کے لیے بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

ممبران سیرت کمیٹی، کمھاری، ناگور، راجستھان

۲۰ر مئی ۱۹۹۸ء

الجواب پہلی بات تو یہی ہے کہ یہی بات غور طلب ہے کہ بیت المال شرعی حدود میں رہ کر کام کر رہا ہے، عوام خصوصا پیسہ والے بہت خود سر ہو چکے ہیں، مسلمانوں سے چندہ وصول کرکے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں؛ اس لیے پہلے زکات، صدقۂ فطر اور عشر کے متعلق شرعی احکام سن لیں ان تینوں چیزوں کے مصرف بنص قرآن آٹھ ہیں۔ ان سب کا تفصیلی بیان بہار شریعت حصہ پنجم میں مذکور ہے۔ چوں کہ عام طور پر یہ رقوم فقرا ومساکین کو دی جاتی ہیں؛ اس لیے انھیں کے بارے میں تخصیص سے حکم لکھتے ہیں۔

زکات، صدقۂ فطر، عشر کی ادائگی اسی وقت صحیح ہوگی جب کہ مستحق زکات کو یہ رقم دے کر انھیں مالک بنادیا جائے کہ وہ جو چاہیں کریں، چاہیں تو بیچ دیں، چاہیں تو اپنے استعمال میں لائیں، اسے اصطلاح شرع میں تملیک کہتے ہیں۔ اور اگر یہ رقوم مستحق زکات کو اس طرح نہیں دی کہ انھیں مالک بنادیا ہو بلکہ خاص طریقہ سے استعمال کرنے کے لیے دی مثلا کپڑا دیا کہ پہنے اور کھانا دیا کہ کھالو، سامان دیا کہ لڑکی کو جہیز دو تو زکات وغیرہ ادا نہ ہوں گے۔ در مختار میں ہے:

و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة و لا یصرف إلی بناء نحو مسجد و لا إلی کفن میت[1]۔

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

اب اگر بیت المال والوں نے کسی بیمار کا علاج کرا دیا، کسی بیوہ کی لڑکی کی شادی کرادی تو زکات ادا نہ ہوئی، اور اس کا تاوان بیت المال والوں پر ہے۔ ہاں اگر یہ کیا کہ ایسا بیمار جو مالک نصاب نہ ہو اور اسے علاج کے لیے استطاعت نہیں اس کو نقد روپیہ دے دیا، یا جو بیوہ مالک نصاب نہ ہو اسے نقد روپیہ دے دیا تو زکات ادا ہو جائے گی۔ جب کہ یہ پابندی نہ ہو کہ مریض اپنے علاج ہی میں صرف کرے، یا بیوہ لڑکی کی شادی ہی میں صرف کرے۔ اس کی بہت سی شکایتیں آتی ہیں کہ کسی غریب کی لڑکی کی شادی میں برات بلائی گئی، براتیوں کو کھانا کھلایا گیا اور یہ سب بیت المال سے ہوا، اس صورت میں زکات ادا نہ ہوگی۔

اس کے علاوہ بیت المال کے زکات وفطرہ وغیرہ کے رقوم ہی سے کلرک رکھے جاتے ہیں، چپراسی رکھے جاتے ہیں۔ اسی سے فرنیچر خریدا جاتا ہے، آنے جانے والوں کو ناشتہ کرایا جاتا ہے، چائے پلائی جاتی ہے، پر تکلف دعوتیں کھلائی جاتی ہیں۔ ان سب میں زکات وفطرہ کی رقوم کو صرف کرنا جائز نہیں۔ ہاں اس کی اجازت ہے کہ جب حاجت شرعیہ ہو تو حیلۂ تملیک کر کے زکات کی رقوم علاوہ تملیک کے دوسری چیزوں میں صرف کی جا سکتی ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ حاجت شرعیہ ہو، دھوم دھام سے شادیاں کرانا، جہیز دینا، کسی بچی کو جوڑے دینا، زیور بنانا یہ حاجت شرعیہ نہیں۔

آپ نے جب بیت المال میں زکات وفطرہ وغیر کی رقوم وصول کیں تو اس پر آپ کی اس نیت یا کہنے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا کہ اس سے بیماروں کا علاج کرایا جائے گا، مفلس لڑکیوں کی شادیاں کرائی جائیں گی۔ بلکہ وصول کرنے والوں پر فرض ہو گا کہ اسے مستحقین زکات کو تملیکا دیں، بناءً علیہ آپ نے زکات اور فطرہ کی رقوم وصول کی تو جس سے آپ حیلۂ تملیک کرائیں گے اگر وہ یہ کہہ دے کہ وہ رقوم مدرسے میں صرف کی جائیں تو پھر آپ کو یہ جائز نہ ہو گا کہ اسے کہیں اور صرف کریں، اور اگر حیلہ کرنے والا یہ کہہ دے کہ میں آپ کو دیتا ہوں آپ اس کو جس کار خیر میں چاہیں خرچ کریں تو آپ کو اختیار ہو گا چاہیں تو مدرسہ کی ضروریات میں صرف کریں چاہیں دکان بنائیں یا اور کوئی عمارت بنائیں، چاہیں مدرسین کی تنخواہ دیں۔

اخیر میں ایک اور ضروری بات ذہن نشین کرلیں کہ سال تمام ہونے پر زکات علی الفور واجب ہوتی ہے یعنی اس کی ادائگی فوراً واجب ہے۔ اور تاخیر کرنا گناہ۔ اب اگر بیت المال والوں نے زکات وغیرہ کی رقوم وصول کر کے بینک میں جمع کر دیا اور نیت یہ کی کہ ہم کو جب ضرورت ہوگی نکالیں گے تو محض اتنے سے زکات ادا نہ

ہوگی جب یہ رقم مستحق زکات تک پہنچے گی تو ادا ہوگی؛ اس لیے زکات وغیرہ کی رقوم وصول کر کے بلا تاخیر زکات کے مستحقین کو دینا واجب ہے اور تاخیر کرنا گناہ۔ اگر بوجہ ضرورت شرعیہ کسی کام کے لیے حیلۂ تملیک کی ضرورت ہو تو حیلۂ تملیک کر کے پھر بینک میں جمع کیا جائے تاکہ زکات کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲۶-۱۲۹] بیت المال قائم کرنا مسلمانوں کی زکات کو ضائع کرنے کے مترادف ہے

مسئلہ- ❶ بیت المال قائم کرنے کا حق کسے حاصل ہے؟

❷ شرائط بیت المال کیا ہیں؟

❸ زکات وفطرہ کی رقوم سے بیت المال قائم کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

❹ زکات، فطرہ، عشر کی رقوم وصول کر کے حیلہ شرعی کے بعد اس رقم سے تجارت شرعیہ کرنا یہ کہتے ہوئے کہ جب یہ تجارتی فارم عروج کرے گا تو بے روزگار لوگوں کو کام دیں گے، اور انھیں لوگوں کو اس فارم میں جگہ دی جائے گی اور غریبوں مجبوروں کی مدد کی جائے گی۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

محمد سمیع اللہ رضوی، کیندوا، دھنباد، بہار

الجواب

❶ تا ❸ وہ بیت المال جس کی تفاصیل کتب فقہ میں مذکور ہے قائم کرنے کا حق سلطان اسلام یا اس کے نائب کو ہے، اس زمانے میں جب کہ خدا کا خوف اور دیانت تقریباً مفقود ہے بیت المال قائم کرنا مسلمانوں کی زکات اور فطروں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ زکات اور فطرہ اسی طرح دیگر صدقات واجبہ اسی وقت ادا ہوں گے جب کہ کسی مستحق زکات کو دے کر اسے مالک بنا دیا جائے۔ کہیں کہیں بیت المال قائم ہے اس میں بد دیانتی کی جو داستانیں مشہور ہیں وہ اگر غلط بھی ہوں تو اتنا ہر جگہ ہوتا ہے کہ زکات اور فطرے کی رقوم سے بیت المال کے ملازمین کی تنخواہیں، آنے جانے والوں کی خاطر مدارات، رجسٹر وغیرہ کی خرید، مکان اگر کرایہ کا ہے تو اس کا کرایہ انھیں رقوم سے ادا کرتے ہیں، اگر عمارت بنوانی ہوتی ہے تو انھیں رقوم سے۔

زکات وفطرے کی رقوم سے یہ مصارف پورے کرنے حرام وگناہ ہیں، اس طرح زکات وفطرہ ادانہیں ہوتا، اس طرح صرف کرنے والے سب کے سب خائن ہیں، علمانے تصریح فرمائی کہ حکومت کے بیت المال میں بھی زکات وفطرے کی رقوم علاحدہ رکھی جائیں اور ان مصنوعی بیت المال میں سب رقوم ملاکر رکھی جاتی ہیں پھر غربا و مساکین کی اعانت اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے بھی زکات وفطرہ کا ادا ہونا محل کلام ہے؛ اس لیے بیت المال قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ واللہ تعالی اعلم

۲ حیلہ شرعی کی اجازت ضرورت شرعیہ کے وقت ہے تجارت کے لیے حیلہ شرعیہ کرکے زکات وفطرے کی رقوم صرف کرنے کی اجازت نہیں، بے روز گاری دور کرنے کا یہی طریقہ نہیں ضرورت مندوں کو براہ راست زکات وفطرے کی رقوم دی جائیں تو اس سے بھی بے روز گاری دور ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۳۰-۱۳۵] حیلہ شرعی کا جواز اس لیے نہیں کہ زکات کی رقم مال داروں پر صرف کی جائے

مسئلہ- مقامی طور پر قائم بیت المال، بانس بڑیا علاقے سے فطرہ، زکات، چرم قربانی اور دوسری نوعیت کے صدقات وعطیات وصول کرکے علاقہ کے غیر مستطیع مسلمانوں میں کپڑے تقسیم کرنا، ان کے علاج ومعالجہ کے لیے مناسب رقم دینا، اور یتیم ونادار لڑکیوں کی شادی میں مالی امداد کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ایک ایسے سلائی سینٹر اور لڑکیوں کے ایک ایسے جونیر ہائی اسکول کے قیام میں اپنی رقم کو صرف کرتا ہے جن کی تفصیلات درج ہیں:

(ا) سلائی سینٹر: داخلہ کے سلسلے میں یتیم ونادار لڑکیوں کو اولیت دی جاتی ہے انھیں سینے، پرونے کے تعلق سے لازمی سامان مثلاً قینچی، کپڑے وغیرہ کے علاوہ سلائی کی تربیت مفت دی جاتی ہے، اور بچی ہوئی مشینوں پر داخلہ حاصل کرنے والی صاحب نصاب لڑکیوں سے ماہانہ پندرہ روپے فیس وصول کی جاتی ہے جو درج بالا مدوں میں صرف کی جاتی ہے۔

(۲) جونیر ہائی اسکول: مقامی میونسپلٹی کی طرف سے دان کردہ سات کٹھا زمین پر قائم ہونے والے اسکول

میں داخلہ کے سلسلہ میں بھی یتیم ونادار لڑکیوں کو فوقیت دی جائے گی۔ لکھنے پڑھنے کے تمام لازمی سامان کے علاوہ اسکول آنے جانے کے لیے نقاب مفت دیا جائے گا اور ان سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جائی گی۔ لیکن مالک نصاب لڑکیاں مقررہ ماہانہ فیس ادا کر کے تعلیم حاصل کریں گی، اس اسکول میں اسکولی مضامین کے علاوہ دینی تعلیم کا بھی خصوصی انتظام رہے گا، اس اسکول کو گورنمنٹ سے منظوری دلانے کی جد وجہد جاری ہے اور سرکاری منظوری کے حصول کے بعد بھی غیر مستطیع طالبات کے ساتھ خصوصی مراعات کا سلسلہ جاری رہے گا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

❶ کیا مذکورہ بالا سلائی سینٹر، اور جونیر ہائی اسکول کے قیام اور تعمیر و ترقی پر بیت المال بانس بڑیا کی رقم صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

❷ سرکاری ضابطہ کے تحت وہی اسکول سرکاری منظوری حاصل کر سکتا ہے جس کے نام سے پانچ ہزار روپے کی رقم بینک میں بطور فکس ڈپازٹ ہو گئی ہو۔ بیت المال کی رقم اس غرض سے فکس کی جاسکتی ہے؟

❸ حفاظت کی غرض سے بیت المال کی رقم بینک یا پوسٹ آفس میں رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز اس پر ملنے والے سود کا مصرف کیا ہوگا۔

❹ سلائی سینٹر اور گرلز جونیر ہائی اسکول کے کام سے سرکاری دفاتر وغیرہ میں آنے جانے کے لیے بیت المال کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

❺ فطرہ وزکات، چرم قربانی اور دیگر اسلامی مسائل سے باخبر کرنے، ان پر عمل کی تربیت دینے، بیت المال کی کارگزاری سے مسلمانوں کو واقف کرانے اور ادارہ کے حساب وکتاب پیش کرنے کے سلسلے میں ہوئے اخراجات بیت المال کے فنڈ سے ادا کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

❻ فطرہ وزکات، چرم قربانی کی رقم کسی ایسے اسکول پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں جہاں یتیم ونادار لڑکیوں کو تو تعلیم اور کتابیں مفت دی جاتی ہوں لیکن اسکول میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ بیٹھ کر پڑھتے ہوں، مدرسین مرد ہوں اور پردے کا اہتمام نہ ہو۔

محمد کبیر عالم، بیت المال، بانس بڑیا، پرانی لائن، ہوگلی، ویسٹ بنگال

الجواب

(❶-❻) زکات اور صدقۂ فطر کی رقوم سوال میں مذکورہ بالا امور میں صرف کرنا کسی طرح جائز نہیں نہ حیلہ شرعی کر کے نہ بلا حیلہ شرعیہ کے۔ در مختار میں ہے:

و یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة و لا یصرف إلی بناء نحو مسجد.[1]

صدقۂ فطر کے بارے میں اسی میں ہے: صدقة الفطر کالزکاة فی المصارف[2]۔

اور یہ ظاہر ہے کہ سوال میں مذکورہ امور میں دینا کسی کو مالک بنانا نہیں۔ رہ گیا حیلہ شرعیہ تو اس کی اجازت ضرورت شرعیہ کے وقت ہے یعنی کسی دینی کام کے لیے ایسی حاجت ہو کہ وہ بغیر زکات وفطرہ کے پوری نہ ہو سکے اس وقت حیلہ شرعیہ کی اجازت ہے، جیسا کہ دینی مدارس میں ہے کہ اگر زکات وفطرہ کی رقوم نہ لی جائیں تو دینی مدارس میں تالے پڑ جائیں گے۔ اور اس وقت دین کی بقا اور تحفظ دینی مدارس ہی سے وابستہ ہے۔ ہاں امور مذکورہ میں سے بعض جزئیات میں حیلہ شرعی کر کے صرف کرنے کی اجازت ہے مثلاً نادار بچیوں کی شادی میں، یا ان کی دینی تعلیم میں، یا ان کو بطریق جائز کوئی ہنر سکھانے میں، سلائی سینٹر کے بارے میں سائل کو اعتراف ہے کہ مالک نصاب بچیاں بھی سیکھتی ہیں، انھیں سکھانے پر جو صرفہ آتا ہے وہ ان کی فیس سے کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ایسے سلائی سینٹر میں جہاں مال داروں کی بچیاں بھی سلائی سیکھتی ہوں زکات وفطرہ کی رقم حیلۂ شرعیہ کے بعد بھی صرف کرنا ممنوع ہے۔ اور وہ گرل اسکول جس کا مقصود دنیوی تعلیم ہے اس میں بھی حیلہ شرعیہ کے بعد زکات وفطرہ کی رقم نہیں صرف کی جاسکتی خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بالغ مرد بالغ لڑکیوں کو پڑھاتے ہوں، اور بالغ لڑکے، لڑکیاں ایک ساتھ بیٹھ کر پڑھتے ہوں۔ ہاں اگر ایسا کوئی مکتب ہو جس میں صرف دینی تعلیم دی جاتی ہو بالغ یا قریب البلوغ لڑکے، لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم نہ حاصل کرتے ہوں، اور کوئی خلاف شرع بات نہ ہوتی ہو تو وہاں زکات وفطرہ کی رقم حیلہ شرعی کے بعد صرف کی جاسکتی ہے۔

رہ گیا بینک اور ڈاکخانہ میں جمع کرنے کا مسئلہ اس کا جواز اور عدم جواز بھی اسی پر مبنی ہے جہاں حیلہ

---

(۱)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۲۹۱، کتاب الزکات، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۲)- الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۳۲۵، کتاب الزکات، باب صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

شرعیہ کے بعد صرف کرنا جائز ہے وہاں بینک میں جمع کرنا بھی جائز، اور جہاں صرف کرنا جائز نہیں وہاں بینک میں بھی جمع کرنا جائز نہیں۔ مسلمانوں کو خدا کا خوف کرنا فرض ہے، زکات اللہ عز وجل کا فریضہ ہے، اسے اللہ کے متعیّن کردہ مصارف میں صرف کرنا ضروری ہے، حیلۂ شرعی کا جواز اس لیے نہیں کہ زکات وفطرے کی رقوم مال داروں پر صرف کی جائیں یا ایسی جگہ صرف کی جائیں جو کار ثواب نہ ہو۔ واللہ تعالی اعلم

۱۳ر صفر ۱۴۱۴ھ

[۱۳۶-۱۳۸] دینی مدارس کو نقصان پہنچانے کی نیت سے بیت المال قائم کرنا حرام ہے

مسئلہ- دور حاضر میں بیت المال قائم کرنا کیسا ہے؟ اور اس قسم کے بیت المال کا وجود کسی زمانہ میں رہا ہے یا نہیں، اور اگر رہا تو اس کا موجد کون ہے اور کب سے اس کی ابتدا ہوئی۔ مذکورہ قسم کے بیت المال میں صدقہ، زکات، عشرہ اور چرم قربانی وغیرہ کے رقوم کو جمع کرنا اور غریب ونادار مسلمانوں پر خرچ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ زمانۂ موجودہ میں مدارس اسلامیہ کی آمدنی کے یہی خاص ذرائع ہوتے ہیں اگر جگہ بہ جگہ اس اس طرح بیت المال قائم کیا جائے تو مدارس عربیہ اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان کا سامنا ہوگا، اس لیے مذکورہ سوالوں کے جوابات بحوالہ کتب مفصل تحریر فرما کر مشکور ہوں۔

(۱) بیت المال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ عامۃ المسلمین کے قائم کردہ اس قسم کے امدادی فنڈ پر بیت المال کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

(۲) نیز نبی کریم ﷺ و خلفاے راشدین اور مابعد کے امرا و سلاطین کے زمانے میں اس کی کیا صورت رہی، بیت المال کے ذرائع آمد اور اخراجات کی صورتیں کیا کیا ہوں گی؟

(۳) بیت المال کے دائرۂ کار کی کیا حد ہے، کیا ایک چھوٹے سے موضع میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی آمد کو متاثر کر کے متعدد بیت المال قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

عبد الحمید، بشن پور، بچپڑوا، ضلع گونڈہ، یوپی

الجواب

(❶-❷) عہد رسالت میں کوئی بیت المال نہیں تھا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد مبارک میں قائم ہوا، اور جب تک سلاطین اسلام باقی رہے یہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا، اس کی حیثیت شاہی خزانے کی تھی جس میں مال غنیمت کا خمس، عشر، خراج، زکات کی رقوم جمع رہتی تھیں جنھیں سلاطین اسلام ان کے مصارف میں صرف کرتے تھے اگر چہ بعد کے ناخدا ترس سلاطین نے بلکہ بنظر تحقیق عبد الملک بن مروان ہی کے عہد میں اس کو سلاطین اور حکام نے اپنی ذاتی ملک بنالیا، یہ بیت المال قائم کرنا سلطان اسلام کا کام تھا، اب سلطان اسلام کہیں نہیں؛ اس لیے اس بیت المال کے قائم کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

اس میں کوئی حرج نہیں تھا کہ دین دار خدا ترس مسلمان ایسا کوئی ادارہ قائم کریں جو مسلمانوں سے عطیات، زکات وغیرہ وصول کریں، اور پھر سب کو ان کے صحیح مصرف میں صرف کریں، خصوصیت سے زکات اور دوسرے صدقات واجبہ کا مسئلہ بہت اہم ہے ان کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق ضروری ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ دو چار جگہ جو ایسے بیت المال قائم ہیں وہاں کے لوگ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، **اولا:** عطیات اور زکات وغیرہ کی رقم خلط ملط کر دیتے ہیں۔ **ثانیا:** اس رقم کو لوگوں کو بطور قرض دیتے ہیں۔ **ثالثا:** شادی بیاہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح زکات اور صدقۂ فطرہ وغیرہ ادا نہیں ہوتے، پھر عام طور پر اس قسم کے بیت المال میں خورد برد و خیانت کی شکایات ہوتی رہتی ہیں، ایسی صورت میں ایسا بیت المال قائم کرنا ہرگز ہرگز نہیں چاہیے۔ اور عام مسلمانوں کو ایسے بیت المال میں کوئی رقم نہیں دینی چاہیے۔ مسلمان یاد رکھیں ایسے بیت المال میں زکات یا صدقۂ فطر وغیرہ کی رقم دیں گے یہ جانتے ہوئے کہ یہ لوگ اس طرح رقم کو لٹاتے ہیں کہ تملیکِ مستحق نہیں ہوتی تو زکات و صدقۂ فطر ادا ہی نہ ہوگا۔ اس نیت سے ایسا بیت المال قائم کرنا کہ کسی دینی مدرسے کو نقصان پہنچے حرام و گناہ ہے جیسے کہ کسی مسجد کو ویران کرنے کی نیت سے قریب ہی میں کوئی مسجد بنوائی۔ اس وقت آنکھ کی تکلیف کی وجہ سے مدلل، مفصل مع حوالہ فتوی لکھنے سے معذور ہوں۔ واللہ تعالی اعلم

۲۵/ شوال ۱۳۹۸ھ

الباب السادس فی صدقۃ الفطر

صدقۂ فطر کا بیان

[۱] نصف صاع کا احتیاطی وزن ایک سو پچہتّر روپے اٹھنی بھر ہے

مسئلہ زید کا قول ہے کہ صدقۂ فطر کی مقدار ایک کیلو پانچ سو پچہتّر گرام گندم ہے جس میں صفائی کا کچھ حساب لگا کر ایک کیلو سات سو پچاس گرام ہونے کا دعویدار ہے۔ اور جب دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ ۲۵/۳۰/ سال سے یہی رائج ہے، بکر کا قول ہے کہ صدقۂ فطر دو کیلو پچاس گرام گندم یا اس کی قیمت ہے اس پر ۵/ گرام اور ملا دیا تاکہ پچاس کا عدد مکمل ہو جائے، پانچ گرام ملانے کے بعد دو کیلو پچاس گرام ہوا۔ بکر کی دلیل یہ ہے کہ نیم صاع کا وزن ایک سو پچہتّر روپے اٹھنی بھر اوپر ہے مذکورہ روپیوں کا وزن دو کیلو ۴۷/ گرام حساب لگانے کے بعد ہوا، فی روپیہ کا وزن ۱۱/ گرام ۶۶/ ملی گرام ہوتا ہے، الغرض بکر کا قول صحیح ہے از روے شرع شریف کے یا کہ زید کا؟

عبدالستار سیٹھ اڑئی

۱۲/ شوال ۱۴۰۶ھ

الجواب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی رضویہ جلد اول و چہارم میں تحقیق فرمائی کہ نصف صاع کا احتیاطی وزن ایک سو پچہتّر روپے اٹھنی بھر ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صاع ۸/ رطل کا، اور رطل چھتیس روپے بھر، اس طرح صاع ۲۸۸/ روپے بھر ہوا۔ اور نصف صاع ۱۴۴/ روپے بھر، اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۴۴/ روپے بھر سے کوئی غلہ تول کر کوئی برتن بنائیں۔ اس سے ناپ کر صدقۂ فطر ادا کریں۔ چوں کہ اعتبار صاع نبی کا ہے اور عہد رسالت میں جو ہی کھایا جاتا تھا اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ۱۴۴/ روپے جو تول کر کوئی برتن بنائیں اس

برتن سے ناپ کر گیہوں دیں۔ جو ہلکا ہوتا ہے اور گیہوں وزنی۔ جو برتن ۱۴۴؍ روپے بھر جَو سے بھرے گا جب اس کو گیہوں سے بھرا جائے گا تو گیہوں یقیناً وزن میں زیادہ ہوگا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کا تجربہ فرمایا تو یہ وزن ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر ہوا۔ یہ حکم احتیاطی ہے۔ اگر کوئی ۱۴۴؍ روپے بھر گیہوں دے دے تو صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے: أن الصاع أربعة أمداد، والمد رطلان، والرطل نصف من، والمن بالدراهم مائتان وستون درهما، وبالإستار أربعون، والإستار بكسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف، وبالمثاقيل أربعة ونصف(1).

ونیز اسی میں ہے: أن الذي عليه مشايخنا بالحرم الشريف المكي ومن قبلهم من مشايخهم وبه كانوا يفتون تقديره بثمانية أرطال من الشعير، ولعل ذلك ليحتاطوا في الخروج عن الواجب بيقين(2)

فتاوی رضویہ جلد اول، ص:۱۳۹ پر ہے: یہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے یعنی ڈھائی مثقال تو رطل شرعی کہ نوے مثقال ہوا ڈھائی پر تقسیم کرنے سے چھتیس آئے تو صاع کہ ہمارے نزدیک آٹھ رطل ہے، دو سو اٹھاسی روپے بھر ہوا۔(3)

اسی میں، ص:۱۴۵ میں ہے: فقیر نے ۲۷؍ ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا جو ٹھیک چار رطل جَو کا پیمانہ تھا اس میں گیہوں برابر ہموار مسطح بھر کر تولے تو ثمن رطل کم پانچ رطل آئے، یعنی ایک سو چوالیس روپے بھر جو کی جگہ ایک سو پچھتر روپے آٹھ آنے بھر گیہوں آئے ... اسی اندازے سے گیہوں ادا کرنا احوط وانفع للفقراء ہے۔ اگرچہ اصل مذہب پر بریلی کی تول سے چھ روپے بھر کم ڈیڑھ سیر گیہوں ہیں۔(4)

---

(1)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٢٠، ج:٣، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصاع والمد والمن، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(2)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٢١، ج:٣، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطر بالمد، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(3)-الفتاوى الرضوية، ج: ١، ص: ١٣٩، باب الغسل، رضا اكيڈمی.

(4)-الفتاوى الرضوية، ج: ١، ص: ١٤٥، باب الغسل، رضا اكيڈمی.

اسی سے ظاہر ہو گیا کہ ایک سو بچہتر روپے اٹھنی بھر گیہوں صدقۂ فطر کا احتیاطی وزن ہے اگر کوئی ۱۴۴ر روپے بھر گیہوں ادا کر دے تو بھی صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ ۱۴۴ر روپے کا اعشاریہ وزن ایک کیلو ۶۷۹ر گرام ۶۱۶ر ملی گرام ہے۔ یہ قول کہ صدقۂ فطر کی مقدار ایک کیلو پانچ سو پچہتر گرام ہے، پھر بھی غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲، ۳] بنظر احتیاط صاع جو کا لیا جائے اور اس کے وزن کے گیہوں لیے جائیں

مسئلہ ❶ صدقۂ فطر کا وزن صحیح کتنا ہے ہم نے وزن یہ لکھا تھا کہ دو سیر، تین چھٹانک آٹھ آنے بھر۔ اسی (۸۰) کے قول سے اگر یہ وزن صحیح ہو تو مع کتاب و صفحہ ولائن درج کریں تاکہ دیکھنے میں دقت نہ ہو، اور ہم سب کو اچھی طرح سے سمجھا دیں۔

❷ دیوبندی خیال والوں نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ عید کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یا خطبہ کے بعد دعا مانگنا حضور ﷺ و صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ثابت قرار دیں۔ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مسئلہ غلط ہے یا صحیح اگر یہ غلط ہو تو مع کتاب و صفحہ ولائن کے درج کیا جائے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

رفیق احمد، کاشی پور، نینی تال

الجواب

❶ صاع چار مد ہے اور مد دو رطل، رطل بیس استار اور استار ساڑھے چار ماشے اور تولہ بارہ ماشے اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو صاع دو سو ستر تولے اور روپوں سے دو سو اٹھاسی روپے بھر تو اسی (۸۰) کے سیر سے تین سیر نو چھٹانک اور $\frac{۳}{۵}$ چھٹانک۔ ردالمحتار میں ہے:

اعلم أن الصاع أربعة أمداد، والمدّ رطلان، والرطل نصف من، والمن بالدراهم مائتان وستون درهما، وبالإستار أربعون، والإستار بكسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف، وبالمثاقيل أربعة ونصف(۱).

رطل سے یہاں مراد رطل عرفی ہے جو بیس استار کا ہوتا ہے۔ اسی میں ہے:

(۱)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۲۰، ج: ۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصاع والمد والمن، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

وفي الزيلعي و الفتح: اختلف في الصاع، فقال الطرفان: ثمانية أرطال بالعراقي، وقال الثاني: خمسة أرطال وثلث، وقيل: لا خلاف لأن الثاني قدره برطل المدينة؛ لأنه ثلاثون إستارا والعراقي عشرون وإذا قابلت ثمانية بالعراقي بخمسة وثلث بالمديني وجدتهما سواء وهذا هو الأشبه[1].

اس حساب میں کوئی شک نہیں رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ سے پہلے اعلی حضرت قدس سرہ اسی حساب کے مطابق فتوی دیتے تھے۔

اسی میں فتح القدیر سے ہے:

يعتبر نصف صاع من بر من حيث الوزن عند أبي حنيفة رضى الله تعالى عنه[2].

لیکن رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ سے علامہ شامی کی یہ احتیاط زیادہ پسند آئی کہ صاع لیا جائے جَو کا اور اس کے وزن کے گیہوں دیے جائیں، ظاہر ہے کہ جو ہلکا ہوتا ہے جتنے برتن میں دو سو ستر تولے جَو آئیں گے جب وہ گیہوں سے بھرا جائے گا تول میں زیادہ چڑھیں گے، اس میں فقیروں کا نفع ہے، ردالمحتار میں ہے:

على هذا الأحوط تقديره بالشعير؛ فإذا قدر بذلك فهو يسع ثمانية أرطال من العدس ومن الحنطة ، ويزيد عليها ألبتة بخلاف العكس ، فلذا كان تقدير الصاع بالشعير أحوط[3].

ولهذا نقل عن بعض المحشين عن حاشية الزيلعي للسيد محمد أمين ميرغني أن الذي عليه مشايخنا بالحرم الشريف المكي ومن قبلهم من مشايخهم وبه كانوا يفتون تقديره بثمانية أرطال من الشعير ، ولعل ذلك ليحتاطوا في الخروج عن الواجب بيقين لما في

---

(۱)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۲۰ ، ج: ۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب فى تحرير الصاع والمد والمن، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۲۰ ، ج: ۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب فى تحرير الصاع والمد والمن، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۳)-رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۲۱ ، ج: ۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب فى مقدار الفطرة بالمد الشامى، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

مبسوط السرخسي من أن الأخذ بالاحتياط في باب العبادات واجب.[1]
اس بنا پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ۲۷؍ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ کو بنظر احتیاط وزیادت نفع فقرا ایک سو چوالیس روپے بھر جو وزن کیے (یہ مقدار نصف صاع کی ہے) ان جَوں کو ایک پیالے میں بھرا حسن اتفاق کہ تام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانہ کا ناپ کر بنایا گیا تھا وہ جَو اس میں پوری سطح مستوی تک آ گئے من دون تكويم ولا تقعير۔ اس کاسہ کو پھر گیہوؤں سے بھرا، ان گیہوں کو تولا گیا تو ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر ہوئے۔ یہ نصف صاع کی مقدار ہوئی اور پورے صاع کی مقدار اس کی دونی تین سو اکاون روپے بھر[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) دیوبندیوں نے غلط لکھا کہ نماز عید کے بعد دعا مانگنی ثابت نہیں، حدیث میں ہے:

ويشهدن الخير ودعوة المسلمين.[3]

خیر (نماز عید) اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴] صدقۂ فطر کی اصل ادائیگی ناپ ہی کر ہوگی لغات کشوری کا مصنف رافضی ہے

مسئلہ صاع کا وزن جدید قول سے کتنا ہوتا ہے؟ فتاوی عالمگیری میں صاع کا وزن آٹھ رطل بغدادی نوشتہ ہے، نیز منتخب اللغات میں چار مد یعنی آٹھ رطل مرقوم ہے، اور عوام الناس خطبہ علمی پر عمل کرتے ہیں اس میں نصف صاع کا وزن شاہ جہاں کے زمانے کے سیر سے بریلی کے پونے دو سیر مکتوب ہے، اور مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے دو سو ستر تولے کی تحقیق فرمائی ہے جس کو مستفسر نے فتاوی عالمگیری اور منتخب اللغات کے موافق پایا مگر لغات کشوری میں صاع کا وزن دو سو چونتیس تولے درج ہے جو اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے

---

(۱)- رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۲۱، ج: ۳، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمد الشامي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- الفتاوى الرضوية، ج: ٤، ص: ٤٩٦، صدقۂ فطر کا بیان، رضا اکیڈمی.

(۳)- أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب صلاة العيدين، باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدين، ج: ۱، ص: ۲۹۱، مجلس البركات.

قدرے تقاصر ہے۔ تو بارہ گرام کے تولے سے (نصف صاع) چار رطل دو مد یا پونے دو سیر کا وزن کم و بیش ایک کلو سو گرام ہوتا ہے تو پرسش یہ ہے کہ دو کیلو پینتالیس گرام جو علماے اہل سنت فرماتے ہیں وہ خطبہ علمی سے تطبیق کیسے ہو یا بشق ثانی خطبہ علمی میں واقعی کچھ کم درج ہے ؟ ادلۂ شرعیہ سے مدلل و مبرہن جواب عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام، بینوا بالتفصیل توجروا بالرب الجلیل

گلزار نبی خاں نعیمی، قصبہ بھرگین، رایٹہ، یوپی

الجواب

لغات کشوری کا مصنف رافضی ہے، وہ بھی تبرائی۔ اس نے اس لغت میں جہاں موقع پایا ہے رافضیت گھسیڑ دی ہے اور تبرابازی بھی کی ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کی وہ مجلس شوری جس کے اہم فیصلے نے اسلام کو تباہی و بربادی سے بچایا اس کو سامنے رکھ کر تمام صحابۂ کرام پر تبرا کرنے کے لیے دجل و فریب کے لیے رافضیوں نے سقیفہ بندی کی لغت ایجاد کی ہے۔ لغات کشوری کے رافضی جامع نے اسی کے مطابق سقیفہ کے معنی یہ لکھے ہیں۔ ”ایک مکان پوشیدہ جہاں عرب لوگ باطل مشوروں کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ مجازاً مشورہ باطل اور بیہودہ کو کہتے ہیں۔ سقیفہ بستن کنایہ ہے جھوٹ بولنے سے اور افترا کرنے سے“۔ اس لیے اس رافضی نے صاع کا وزن بھی رافضی مذہب کے مطابق دو سو چونتیس تولے لکھا ہے اس کا کیا اعتبار؟

صاع کا تحقیقی وزن یہ ہے کہ صاع آٹھ رطل، ایک رطل انگریزی چہرے دار روپے سے جو سوا گیارہ ماشے کا ہوتا تھا چھتیس روپے بھر ہے، اس طرح صاع کا وزن دو سو اٹھاسی روپے بھر ہوا جس کا نصف ایک سو چوالیس روپے بھر ہے۔ بریلی کا سیر اس زمانے میں کتنے روپے کا تھا یہ معلوم نہیں ہو سکا، اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ شاہ جہاں کے عہد میں سیر کتنے روپے کا ہوتا تھا۔ اس لیے اس کی تنقیح نہیں ہو سکتی۔ اور میں نے جو کچھ تحریر کیا ہے اسے مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے فتاوی رضویہ جلد اول اور چہارم میں متعدد کتب فقہ کے حوالے سے ثابت فرمایا ہے لیکن یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے کہ صاع کا جو وزن تحریر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے وزن کا کوئی غلہ تول کر اس کے برابر ایک برتن بنایا جائے۔ اس برتن سے ناپ کر صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غلہ ناپ ہی کر بکتا تھا اور صدقۂ فطر ناپ کر ہی ادا کیا جاتا تھا۔ اس لیے اصل ادائگی ناپ ہی کر ہوگی۔ اب یہاں ایک دشواری یہ ہے کہ غلے وزن میں یکساں نہیں اگر

کوئی وزنی غلہ دو سو اٹھاسی روپے بھر تول کر کوئی برتن بنائیں پھر اس میں کوئی ہلکا غلہ رکھا جائے، پھر اس کو تولا جائے تو دو سو اٹھاسی بھر نہ ہوگا، کم ہوگا مثلا مسور تول کر ایک برتن بنائیں اور پھر برتن کو جو سے بھریں تو جو دو سو اٹھاسی روپے بھر نہ ہوگا، اور اگر دو سو اٹھاسی روپے بھر جو تول کر کوئی برتن بنائیں اور اس میں مسور بھریں اور تولیں تو دو سو اٹھاسی روپے سے زائد ہوگی۔

اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ تحقیق فرمائی کہ صاع وہی معتبر ہے جو اس غلے سے بنایا جائے جو حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں عام طور پر کھایا جاتا ہو، بخاری، جلد اول، باب صدقۃ الفطر میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: كان طعامنا الشعير (۱)

اسی میں ہے کہ گیہوں کی کثرت معاویہ کے عہد میں ہوئی تو جب حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں عام طور پر جو ہی تھا تو احتیاط اسی میں ہے کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر جو تول کر یہ پیمانہ بنایا جائے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاوی رضویہ، جلد چہارم ۴۹۶ پر تحریر فرمایا:

۲۷/ ماہ مبارک ۱۳۲۷ھ کو ایک سو چوالیس روپے بھر جو وزن کیے کہ نصف صاع ہوئے اور انھیں ایک پیالے میں بھرا حسن اتفاق کہ تام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانہ کا ناپ کر بنایا گیا تھا وہ جو اس میں پوری سطح مستوی تک آگئے من دون تكويم ولا تقعير. تو وہی کاسہ نصف صاع شعیری ہوا، پھر میں نے اسی کاسہ میں گیہوں بھر کر تولے تو بریلی کے سیر سے پونے دو سیر اور ایک اٹھنی بھر ہوئے یعنی ایک سو پچھتر روپے آٹھ آنہ بھر۔ تو یہ وزن گندم کا ہوا اور اس کا دو چند (۳۵۱) تین سو اکاون روپے بھر وزن جو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

اعلیٰ حضرت نے صاع کی مقدار انگریزی روپیوں سے دو سو اٹھاسی بھر تحریر فرمائی ہے، روپے چوں کہ سوا گیارہ ماشے کے ہوتے تھے اور تولہ بارہ ماشے کا اس لیے تولے سے ان کا وزن ۲۷۰/ تولے ہے۔ یہ اصل وزن ہے لیکن اوپر جو احتیاط مذکور ہوئی اس کے مطابق اس کی مقدار بڑھ کر تین سو اکیاون روپے بھر ہو گئی۔ آپ فتاوی رضویہ، جلد چہارم ۴۹۵، ۴۹۶ پڑھ لیں بات واضح ہو جائے گی یعنی اصل وزن پہلا ہے اتنے سے بھی

---

(۱)-الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲۰۵، كتاب الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، مجلس البركات.

(۲)-فتاوی رضویہ، ج:۴، ص:۴۹۶، رضا اکیڈمی، ممبئی

واجب ادا ہو جائے گا۔ مگر احتیاطی وزن ثانی ہے اسی لیے بہار شریعت میں فرمایا: ”اعلیٰ درجے کی احتیاط یہ ہے“ تولہ بارہ گرام کا نہیں ہوتا اس کی آپ تحقیق کرلیں بلکہ لگ بھگ دس گرام کا ہوتا ہے۔ ہمارا حساب سیدھا سادہ یہ ہے کہ ایک سو بچہتر روپے اٹھنی بھر کا وزن اعشاریہ اوزان سے ۲/ کلو ۴۵/ گرام ہوتا ہے اسے آپ کسی حساب کے ماہر سے جانچ کرالیں، وہ یوں کہ اسی کے سیر سے نصف صاع ۲/ سیر ۳/ چھٹانک اٹھنی بھر ہے سیر اور کلو کا تفاوت جوڑ لیجے تو دو کلو ۴۵ گرام آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵] نصف صاع کا وزن دو کیلو پینتالیس گرام ہوتا ہے

مسئلہ کیا امام شافعی و امام اعظم کا زکات میں بھی اختلاف ہے کیوں کہ امام نے کہا ہے کہ امام اعظم کے یہاں گیہوں دو کلو ۴۵/ گرام ہے، اور امام شافعی کے یہاں اور، جہاں چاول کھائے جاتے ہیں تو اس کے لیے چار کلو چند گرام چاول زکات دینا ہوگا لہذا اس کے بارے میں احناف و شافعی کا مسلک ثابت کر کے بتائیں۔

محمد حبیب الرحمن، مدرسہ نور الہدیٰ، سرالکویہ، شموگہ، کرناٹک

الجواب

میں شافعی مذہب سے کما حقہ واقف نہیں۔ ہمارے یہاں صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں کے لیے نصف صاع ہے اس کے علاوہ جو، منقی، کھجور کے لیے ایک صاع یا ان چیزوں کی ایک صاع کی قیمت اور گیہوں کی نصف صاع کی قیمت۔ صاع ایک پیمانہ ہے یعنی ناپنے کا ایک مخصوص برتن جس میں چار کلو نوے گرام گیہوں سماتا ہے اس لیے عوام کی آسانی کے لیے فتویٰ یہ دیا جاتا ہے کہ گیہوں ۲/ کیلو ۴۵/ گرام اور جو وغیرہ چار کلو نوے گرام یا اس کی قیمت واجب ہے، ان چار چیزوں کے علاوہ اور غلوں سے مثلاً چاول وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ وہ اتنی مقدار میں ہو کہ بازار بھاو سے اس کی قیمت ۲/ کیلو ۴۵ گرام گیہوں کی قیمت کا ہو، یا چار کلو نوے گرام جو وغیرہ کی قیمت کا، مثلاً ۲/ کیلو ۴۵/ گرام گیہوں کی قیمت دس روپیہ ہے تو دس روپیہ کا چاول دے سکتا ہے؟ اگر بالفرض ۲/ کیلو ۴۵/ گرام چاول دیا مگر اس کی قیمت دو کلو ۴۵/ گرام گیہوں، یا چار کلو ۹۰/ گرام جو کی قیمت کو نہیں پہنچتی تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/ محرم ۱۴۱۵ھ

[۶] گیہوں اور آٹے میں کوئی فرق نہیں

مسئلہ: صدقۂ فطر میں گیہوں کا اعتبار ہوگا یا آٹے کا؛ کیوں کہ دانہ کی نسبت آٹا یہاں سستے دام سے ملتا ہے اب قیمت ان دونوں میں سے کس کی شمار کی جائے؟

محمد اقبال قادری مصباحی، لیناسٹ، بولٹن، یو کے

الجواب

صدقۂ فطر دینے والے کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو گیہوں کی قیمت کا اعتبار کر کے صدقۂ فطر ادا کرے، اور چاہے تو آٹے کا اعتبار کر کے ادا کرے دونوں میں کوئی فرق نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ جس میں فقیروں کا نفع ہو اسے ترجیح دے۔ آپ نے جو صورت تحریر کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ گیہوں سے قیمت لگا کر صدقۂ فطر دینے میں فقیروں کا زیادہ نفع ہے؛ اس لیے وہاں بہتر یہی ہے کہ گیہوں سے قیمت لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸؍رجب ۱۴۰۱ھ

[۷] شوہر پر عورت کی طرف سے فطرہ نکالنا واجب نہیں

مسئلہ: عورت اپنے بال بچوں کے ساتھ میکے میں ہے اور اس کا شوہر اپنے گھر ہے صدقۂ فطر کا وقت آیا تو اب صدقۂ فطر عورت اور بال بچوں کا شوہر پر واجب ہے یا عورت کے والدین پر؟ عورت کے پاس اتنا مال نہیں کہ سبھوں کا حصہ نکال سکے تو کس کے ذمہ صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے؟

جناب مولوی محمود عالم خاں نوری، مدرس مدرسہ رحمانیہ اسلامیہ مقام مڑیا، سیتامڑھی، بہار

الجواب

صدقۂ فطر صرف اس پر واجب ہے جو مالک نصاب ہو اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے۔ عورت اگر مالک نصاب ہے تو اس پر صرف اپنی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے۔ مرد اگر مالک نصاب ہے تو اس پر اپنی طرف سے نکالنا ہے بیوی کی طرف سے نکالنا ضروری نہیں، بچے کہیں بھی رہتے ہوں جب کہ وہ نابالغ ہوں تو ان کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا باپ کے ذمے ہے، ماں کے ذمہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۸] مالک نصاب پر اپنی اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے

مسئلہ زید کی عمر تقریباً ۶۰؍ سال ہے وہ مالک نصاب ہے، اس کا ایک لڑکا ۳۰؍ سال کا، دوسرا ۲۵؍ سال کا ہے، پہلا لڑکا زید کے ہمراہ کھیتی وغیرہ میں کام کرتا ہے، دوسرا لڑکا نوکری کرتا ہے لیکن اپنی تنخواہ کی رقم جیب خرچ کے علاوہ سب زید کو دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سب کاروبار مشترک ہے گھر کا مالک زید ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے ذمہ صدقۂ فطر کس کس کا واجب ہے جب کہ اس کی عورت بھی موجود ہے۔ اور دو لڑکیاں ایک ۱۲؍ سال کی دوسری ۱۶؍ سال کی ہے۔ کیا دونوں بالغہ لڑکیوں پر بھی صدقۂ فطر واجب ہو گا؟

حکیم مولوی نثار احمد، اسکول بیگا پور، بلہی پور، سلطان پور، یوپی

الجواب

صورت مسئولہ میں تمام نقد و جنس کا مالک زید ہی ہے؛ اس لیے صدقۂ فطر صرف زید پر واجب ہے اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے۔ بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: على كل حر مسلم (إلى أن قال) عن نفسه و طفله الصغير والكبير المجنون۔ [۱] واللہ تعالیٰ اعلم

[۹] فطرہ میں اعتبار بازار بھاؤ کا ہے

مسئلہ زید کا کہنا ہے کہ فطرہ کا دو کلو ۴۵؍ گرام گندم کا روپیہ گورنمنٹ کی قیمت کے مطابق نکالنا چاہیے مگر بکر کا کہنا ہے کہ جو بازار میں قیمت ہے اس کے مطابق نکالنا چاہیے تو کیا زید کا کہنا صحیح ہے یا بکر کا؟ ہم لوگ کس

(۱)-تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص:۳۱۲ تا ۳۱٤، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

ریٹ کے مطابق فطرہ نکالیں، جواب جلد عنایت فرمائیں۔

مولانا محمد اسلم حبیبی، گوپال گنج، بہار

۲۰/ اپریل ۱۹۹۱ء

الجواب

اعتبار بازار بھاو کا ہے یعنی عید الفطر کے دن دو کلو ۴۵/ گرام گیہوں کی جو قیمت بازار بھاو سے ہو وہ واجب ہے۔ اب اگر گورنمنٹ کی دکان سے گیہوں بآسانی ضرورت بھر ملتا ہے تو گورنمنٹ کے نرخ کے مطابق قیمت دینے سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا اور اگر گورنمنٹ کی دکانوں سے بآسانی نہ ملتا ہو یا ضرورت بھر نہ ملتا ہو تو بازار میں جو عام نرخ ہو اس کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے اس سے کم ادا کریں گے تو جو کمی ہوگی اتنا ذمے میں رہ جائے گا۔ گورنمنٹ کی دکانیں بھی بازار کا جز ہیں اگر چہ بعض وجوہ سے وہ عام بازار سے الگ ہیں۔ بہر حال اعتبار بآسانی اور بقدر ضرورت ملنے کا ہے۔

اس کو آپ یوں سمجھیے کہ اصل واجب یہ ہے کہ نصف صاع گیہوں ادا کیا جائے لیکن عوام کی آسانی اور فقرا کے لیے انفع ہونے کی وجہ سے اگر اس کی قیمت ادا کر دے تو بھی ادائگی صحیح ہے۔ اب کوئی شخص اصل واجب کا لحاظ کرتے ہوئے گیہوں ہی دینا چاہے جب کہ اس کے پاس گیہوں نہیں تو خریدے گا اور ظاہر ہے کہ اگر گورنمنٹ کی دکان سے بآسانی مل سکے تو وہیں سے خریدے گا ورنہ عام دکانوں سے۔ مدار کار بآسانی اور بقدر ضرورت ملنے پر رہا۔ آپ کے یہاں جو صورت ہو اس کے مطابق عمل کریں۔ واللہ تعالی اعلم

۱۵/ شوال ۱۴۱۱ھ

[۱۰] صدقۂ فطر کی رقم سے عید گاہ یا قبرستان کے لیے زمین خریدنی جائز نہیں

مسئلہ کیا صدقۂ فطر کی رقم سے قبرستان، عید گاہ کی زمین خریدی جا سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن و سنت سے آگاہ فرمائیں۔

محمد مبارک علی، قاسم نگر، پوسٹ جدو پور، مالدہ، بنگال

الجواب

صدقۂ فطر کی رقم سے عید گاہ یا قبرستان وغیرہ کی زمین خریدنی جائز نہیں اگر خریدیں گے صدقۂ فطر ادا نہ

ہوگا۔ تنویرالابصار میں ہے: و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف[1].

نیز اس میں اور در مختار میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة و لا يصرف إلى بناء نحو مسجد[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۲ھ

[۱۱] صدقۂ فطر کی رقم سے مزدوری دینا جائز نہیں

مسئلہ دیہات میں ایک عید گاہ میں نماز پڑھنے والے اکثر لوگ غریب ہیں، عید گاہ میں درخت وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض بعض موقع پر نماز پڑھنے والوں کو دھوپ کی تپش سے سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے زید نے کہا کہ عید گاہ میں پیڑ لگانے میں جتنا روپیہ خرچ ہوگا میں دوں گا اور پیڑ کی حفاظت جو چند دن کے لیے کرنی پڑے گی فطرہ کی رقم سے کچھ وصول کرلو لہذا فطرہ کی رقم کو عید گاہ کے پیڑ کی حفاظت میں خرچ کرنا کیسا ہے۔

قمرالدین، نکسو گچھ، پوسٹ لکھی پور، دیناجپور، بنگال

الجواب

صدقۂ فطر کی رقم سے درخت کی حفاظت کرنے والوں کو مزدوری دینا جائز نہیں اگر دیں گے ناجائز و گناہ ہوگا، اور صدقۂ فطر ادا بھی نہ ہوگا۔

تنویرالابصار و در مختار میں ہے: و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف[3].

اور زکات کے سلسلے میں انھیں دونوں میں ہے: و يشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة

---

(۱)- تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص:۳۲۵ تا ۳۱٤، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص:۲۹۱ تا ۳۱٤، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۳)- تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص:۳۲۵ تا ۳۱٤، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد [1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲] صدقۂ فطر صرف مال داروں پر واجب ہے

مسئلہ: صدقۂ فطر شخص پر واجب ہے مال پر نہیں اور صدقۂ فطر روزہ دار اور بے روزہ دار ہر شخص پر واجب ہے اور صدقۂ فطر کی مقدار اتنی قلیل ہے کہ ہر کمانے والا بہ آسانی ادا کر سکتا ہے تو پھر اس کے لیے صاحب نصاب کی شرط کیوں؟ ہاں جس کی کچھ بھی کمائی یا مال وغیرہ نہ ہو جیسے بیوی تو اس کا فطرہ نہ اس پر واجب ہے اور نہ اس کے شوہر پر۔

قاضی میر احمد، قاضی گنگاوتی، ضلع رائے چور، کرناٹک

۱۳/ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ

الجواب

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے: لا صدقة إلا عن ظهر غنى. [2] صدقہ صرف مال داروں پر واجب ہے۔ اور مال دار کون ہے اور کون نہیں اس کا معیار نصاب زکات ہے اس لیے صدقۂ فطر میں بھی نصاب کی شرط رکھ دی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۳، ۱۴] غیر صاحب نصاب اگر فطرہ دے تو ثواب پائے گا

مسئلہ: ❶ زید کو اچانک ایک مرض ہوا تب اس کی بیوی ہندہ نے منت مانی کہ اگر میرا شوہر اچھا ہو جائے گا تو میں ایک بچھڑی کو خدا کی راہ میں دیدوں گی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بچھڑی کو کیا کریں، اس بچھڑی کو چالیسواں میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

❷ جو صاحب نصاب نہیں ہے اس پر فطرہ واجب ہے یا نہیں اور اگر فطرہ دے تو ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

محمد مہر الدین ازہری، مقام دھترا، پوسٹ رام گنج، مغربی بنگال

---

(۱)- تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱ تا ۳۱۴، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

(۲)- صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۹۲، كتاب الزكاة / باب لا صدقة إلا عن ظهر غني، مجلس البركات

الجواب

① جب زید اچھا نہیں ہوا تو اس بچھڑی کا تصدق واجب نہیں ہوا، زید کے وارث چاہیں تو اسے پالیں یا چاہیں تو زید کے نیاز وغیرہ میں صرف کریں۔ واللہ تعالی اعلم

② جو صاحب نصاب نہیں اس پر فطرہ کا ادا کرنا واجب نہیں، لیکن اگر وہ فطرہ دے تو ادا ہو جائے گا اور ثواب ملے گا۔ واللہ تعالی اعلم

۱۴ر رجب ۱۴۰۹ھ

[۱۵] عورتیں اکثر مالک نصاب ہوتی ہیں

مسئلہ ایک اشتہار میں صدقۂ فطر کے بارے میں مسئلہ ہے کہ مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ مرد کو جو مالک نصاب ہو یا جو عورت مالک نصاب ہو یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اتنی قیمت ان کے پاس ہو اور حاجت اصلیہ کے علاوہ ہو تو ان پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

اس پر زید کہتا ہے کہ جس پر زکات ہے اسی پر فطرہ ہے۔ اور جس پر زکات نہیں ہے اس پر فطرہ بھی نہیں ہے۔ زید اور اس اشتہار کے قول سے بکر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فطرہ سب پر ہے مالک نصاب ہونے کی شرط نہیں ہے، اور جس کے پاس تین جوڑا کپڑا ہے اس پر بھی فطرہ ہے۔ صحیح کیا ہے؟ بیوی کا فطرہ شوہر پر ہے یا نہیں؟ روشنی ڈالیں۔

مدرسہ گلشن طیبہ، منجری ڈاک خانہ، انجن ویا بانگے بازار گیا، بہار

الجواب

اشتہار میں جو کچھ ہے وہی حق ہے جو مرد یا عورت عید الفطر کی صبح صادق کے وقت مالک نصاب ہو جو اس کی حوائج ضروریہ سے فارغ ہو، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اگرچہ وہ نصاب مال نامی نہ ہو، اگرچہ اس پر سال نہ گزرا ہو۔ اپنی طرف سے بھی اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی جو اس کی پرورش میں ہوں۔ بیوی کی طرف سے شوہر پر واجب نہیں۔ بیوی اگر خود مالک نصاب ہے تو خود اس پر اپنی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ واضح ہو کہ عورتیں اکثر مالک نصاب ہوتی ہیں مگر ان کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ میں مالک نصاب ہوں۔ جس کی وجہ سے نہ وہ صدقۂ فطر ادا کرتی ہیں، نہ اپنی طرف سے قربانی کرتی ہیں۔ اور نہ زکات دیتی ہیں۔

عورتوں کو جو زیور ان کے میکے سے جہیز میں ملتا ہے اس کی وہ خود مالک ہوتی ہیں۔ اب اگر زیور کچھ چاندی کے ہیں کچھ سونے کے ہیں۔ چاندی کے زیور چاندی کے نصاب کی حد تک نہیں یعنی ساڑھے باون تولہ سے کم ہیں۔ اسی طرح سونے کے زیور ساڑھے سات تولہ نہیں اس سے کم ہیں لیکن اگر سونے کا زیور اتنا ہے کہ اس کی قیمت میں اتنی چاندی مل سکے کہ چاندی کے نصاب میں جو کمی ہے وہ پوری ہو جائے تو بھی وہ مالک نصاب ہے۔ مثلا چاندی کے زیور پچاس تولہ ہیں۔ ڈھائی تولے نصاب میں کمی ہے مگر سونے کا زیور اتنا ہے کہ اس قیمت میں ڈھائی تولہ چاندی مل سکتی ہے تو وہ مالک نصاب ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ جس پر زکات واجب ہے اسی پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ زکات مال نامی پر واجب ہے وہ بھی اس وقت جب اس پر پورا سال گزرے۔ مال نامی تین چیزیں ہیں۔ سونا، چاندی یا ان کی قیمت کے نوٹ۔ مال تجارت، چرائی کے جانور۔ کرایہ پر اٹھنے والا مکان، کھیت، باغ مال نامی نہیں۔ صدقۂ فطر اس پر واجب ہے جو عید الفطر کی صبح صادق کے وقت مالک نصاب ہو۔ اگرچہ اس پر سال نہ گزرا ہو۔ اگرچہ وہ مال نامی نہ ہو۔ مثلا کرایے کے مکان ہیں جن کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ کپڑے حوائج اصلیہ میں ہیں پہننے کے لیے کپڑے کتنے ہی ہوں [1] ان کی قیمت کتنی ہی ہو اس کی وجہ سے نہ زکات واجب ہوگی، نہ صدقۂ فطر۔ واللہ تعالی اعلم

۲۳ر صفر ۱۴۱۱ھ

---

(۱)- جاڑے اور گرمیوں میں پہننے کے کپڑے حاجت اصلیہ سے ہیں لیکن کپڑے اگر کثیر مثلاً دس، دس جوڑے ہوں تو سب حوائج اصلیہ میں شمار نہ ہوں گے۔ "حاجت" شریعت کی ایک اصطلاح ہے اس کے تحت اتنے ہی کپڑے آئیں گے جن کے بغیر زندگی گزارنے میں حرج و مشقت ہو اور یہ معیار زندگی کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتے ہیں، جب خوش حالی نہ تھی اور معیار زندگی بہت بلند نہ تھا تین جوڑے کپڑے حوائج اصلیہ سے تھے، اعلی، اوسط، ادنی۔ ادنی گھر کے کام کاج وغیرہ کے لیے، اوسط احباب سے ملاقات اور بازار وغیرہ جانے کے لیے، اور اعلی بڑوں سے ملاقات اور شادی، بیاہ وغیرہ میں شرکت کے لیے۔ مگر آج معیار زندگی اس قدر اونچا ہو چکا ہے کہ صرف تین کپڑوں میں زندگی گزارنا دشوار ہے اس لیے میرا رجحان یہ ہے کہ اعلی، اوسط، ادنی ہر نوع کے تین تین جوڑے رہنے چاہیے۔ اور جن کا معیار زندگی بہت اونچا، یا بہت معمولی ہے ان کے لیے ان کے حسب حال کپڑے حوائج اصلیہ سے شمار ہوں گے۔ مگر زیر نظر مسئلے کا تعلق اوسط معیار زندگی کے لوگوں سے ہے کیوں کہ جو بہت خوش حال ہوں گے وہ اپنے سیم وزر کی وجہ سے ہی مالک نصاب ہوں گے اور جو بہت غریب ہوں گے وہ نصاب فطر کے مالک نہ ہوں گے۔ اوسط زندگی کے لوگ ہی ایسے ہوں گے جن کے فاضل کپڑے وغیرہ شمار کر کے ان کو نصاب فطر کا مالک گردانا جا سکے۔ باقی تفصیل ہم نے مسئلے کی تفہیم کے لیے بیان کر دی ہے۔ حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کی توجہ اس طرف نہ جا سکی اور کثرت کار میں اس طرح کا ذہول ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

الباب السابع في صدقة النفل

صدقات نافلہ کا بیان

[۱] صدقہ کی تعریف

مسئلہ صدقہ کسے کہتے ہیں اور اس کے حق دار کون ہیں؟

سید عبد الرحمن، رام چندر پورم، آندھرا پردیش

۲۳؍اکتوبر ۱۹۹۷ء

الجواب

اللہ کی خوش نودی کے لیے کسی اچھے کام میں جو مال خرچ کیا جائے اسے صدقہ کہتے ہیں۔ صدقہ کے مستحق غربا و مساکین ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

[۲] ہر جان دار کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے

مسئلہ ایک پیر صاحب نے بلائیں اتار کر ایک بکرا ذبح کر کے چیل کووں کو کھلانے کا حکم دیا۔ اس پر زید نے کہا کہ یہ صدقہ کا بکرا ہے اس کو آدمیوں کو کھلانا چاہیے۔ کوئی نہ کھائے تو میں کھاؤں گا۔ اس کو چیل کووں کو کھلانا اسراف اور ناجائز ہے۔ زید اور پیر صاحب کے ماننے والوں میں جھگڑا ہو گیا کچھ لوگوں نے زید کے پیچھے جو امام ہے نماز بھی پڑھنی چھوڑ دی۔ لہٰذا زید کے پیچھے اتنی بات پر نماز چھوڑنا کیسا ہے؟ واضح کیا جائے۔

محمد اسحاق، جامع مسجد کواتر چنداسی، مغل سرائے، بنارس

۲۰؍فروری ۱۹۹۰ء

الجواب

زید نے یہ بات توصحیح کہی کہ اس صدقہ کے بکرے کو مسلمان، فقرا مساکین کو کھلانا چاہیے کہ اصل صدقہ یہی ہے۔ بہ نسبت جانوروں کے انسانوں کو کھلانے میں زیادہ ثواب ہے۔ مگر زید نے یہ بات غلط کہی کہ چیل کووں کو کھلانا اسراف ہے۔ ہر جان دار کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔ حدیث میں ہے:«فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ». ہر تر جگر والے کو کھلانے میں اجر ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ: ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس سے جاں بلب کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنے موزے کو ڈول بنایا اور عمامہ کی رسی۔ اس طرح کنویں سے پانی کھینچ کر کتے کی جان بچائی۔ اس پر اس کی مغفرت ہو گئی۔ (۱)

زید نے بے علم ہو کر ایک فتوی دیا؛ اس لیے اگر کچھ لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی تو ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ زید اس قول سے رجوع کرے پھر سب اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ واللہ تعالی اعلم

۱۱ر رجب ۱۴۱۰ھ

[۳] صدقہ کرنے میں نیت کافی ہے، ہاتھ لگانا ضروری نہیں

مسئلہ اگر کسی مریض کی طرف سے صدقہ کرنا ہو تو جس چیز کا صدقہ کرنا ہے اس چیز کو مریض کے ہاتھ سے لگا کر صدقہ کرنا چاہیے یا صرف نیت کرے؟ اور مریض کی صحت کے لیے صدقہ کرنا ہو تو کس چیز کا صدقہ بہتر ہوگا؟

محمد یسین اشرفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

۲۸ر ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

---

(۱)- أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ج: ۲، ص: ۸۸۸، مجلس البركات. ومسلم في صحيحه، كتاب قتل الحيات وغيرها، باب فضل ساقي البهائم المحترمة إطعامها، ج: ۲، ص: ۲۳۷، مجلس البركات. والنص هكذا: عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "بينما رجل يمشي بطريق اشتد عليه العطش، فوجد بئرا فنزل فيها فشرب، ثم خرج فإذا كلب يلهث يأكل الثرى من العطش فقال الرجل: لقد بلغ هذا الكلب من العطش مثل الذي كان قد بلغ مني، فنزل البئر، فملأ خفه ماءً، ثم أمسكه بفيه حتى رقي، فسقى الكلب، فشكر الله له، فغفر له، قالوا يا رسول الله ! إن لنا في البهائم لأجراً ؟ فقال: "في كل كبد رطبة أجر." (مرتب غفرلہ)

الجواب

مریض کی صحت کے لیے صدقہ کرنے میں اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ مریض اسے ہاتھ لگائے نیت کافی ہے؛ اس کے لیے کوئی تعیین نہیں حسب توفیق کوئی بھی چیز صدقہ کی جاسکتی ہے، ویسے تجربہ اس پر شاہد ہے کہ ایک سال کی بکری کا صدقہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴] سنیما ہال کی آمدنی کسی کار خیر میں صرف نہیں کی جاسکتی

مسئلہ زید اپنے شہر میں سنیما ہال کھول کر کماتا کھاتا ہے، اس کے علاوہ زید کے لیے کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے کہ وہ دوسرا کام کرے۔ اب زید کی دلی خواہش ہے کہ سنیما ہال سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہم غربا وفقرا کو دیں نیز آمدنی میں سے مدارس عربیہ کو بھی دیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا زید کے لیے مدارس عربیہ میں رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

محمد اسرائیل مدرسہ دار العلوم خیریہ فیض عام، شمسی پور، گھوسی، مئو، یوپی

الجواب

سنیما کی آمدنی مال حرام اور مال خبیث ہے اس کا لینا جائز نہیں بلکہ جس سے لیا ہے اسے واپس کرنا واجب اور اگر وہ مرگیا ہو تو اس کے ورثا کو لوٹانا واجب اور اگر جس سے مال حرام لیا ہے نہ وہ ہے اور نہ اس کے وارث تو اس کا تصدق واجب۔ اس لیے سنیما ہال کی آمدنی کسی کار خیر میں صرف نہیں کی جاسکتی بلکہ بہ نیت ثواب اگر صرف کرے گا تو اندیشۂ کفر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ر صفر ۱۴۱۳ھ

[۵] نیت کے مطابق صدقہ کریں

مسئلہ کسی مریض کی طرف سے بکری یا بکری کا بچہ صدقہ کرنا ہو تو اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت دیا جائے یا زندہ کسی کو دے دیا جائے؟

محمد یسین اشرفی، محلہ پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی
یکم ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

الجواب

اگر منت ماننے والے کی کوئی نیت نہیں تھی کہ مستحقین کو گوشت دوں گا یا زندہ بکری تو اسے اختیار ہے خواہ بکری ذبح کرکے گوشت تقسیم کردے یا زندہ بکری دے دے، ہاں اگر اس کی کوئی خاص نیت ہو تو اسی کے مطابق عمل کرے۔ واللہ تعالی اعلم

[۶] دوسرے کے صدقہ کہہ دینے سے کوئی چیز صدقہ نہیں ہوجاتی

مسئلہ تقریباً پچیس، تیس سال سے قصبہ نواب گنج میں سرتی یعنی کھینی کی کاشت بڑی اچھی ہوتی ہے تمباکو تیار کرتے وقت اس میں جو لکڑی ہوتی ہے اس کو کاٹ کر نکال دیا کرتے ہیں اور مکتب و مدرسہ کو صدقہ سمجھ کر دے دیا کرتے ہیں۔ پہلے اس لکڑی میں کوئی خاص پیسہ نہیں ملتا تھا۔ دس، بیس روپیہ کوئنٹل بعد میں پچاس، ساٹھ روپیہ کوئنٹل وہ لکڑی بکتی رہی۔ ادھر چند سالوں سے سوا سو، ڈیڑھ سو روپیہ کوئنٹل بکنے لگی تو امسال مسجد کے اراکین نے کہا کہ ہم مسجد کی بقایہ چھت لدوائیں گے، سلیپ ڈلوائیں گے۔ اس لیے یہ رقم مسجد کو دے دی جائے۔ بہت سے لوگ اعتراض کررہے ہیں۔ یہ ایک قسم کا صدقہ ہے جو مسجد میں نہیں لگ سکتا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آج تقریباً بیس سال سے لوگ صدقہ سمجھ کر مدرسوں کو دیتے رہے، مدرسہ اس کے ذریعہ چل رہا ہے تو کیا یہ پیسہ مسجد کی تعمیر میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

محمد علی عرف جنگلی، محلہ مٹھی گنج، قصبہ نواب گنج، گونڈہ

الجواب

تمباکو کے درخت کی یہ لکڑی کاشت کرنے والوں کی ملک ہے، اس میں انھیں اختیار ہے وہ چاہیں تو اسے بیچ کر اپنے صرف میں لائیں، چاہیں تو کسی غریب کو دیدیں، چاہیں تو مدرسہ کو دیدیں، چاہیں تو مسجد کو دیدیں۔ کاشت کار یہ لکڑی جسے بھی دیں وہ اسے صرف کرسکتا ہے۔ اگر مسجد میں دیں تو بلا کراہت اسے مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔ اس کی حیثیت بھی وہی ہے جو عام چندے اور عطیات کی ہے جس طرح کوئی بھی چندہ مسجد کو دیا جاسکتا ہے اسی طرح اس لکڑی کا بھی دینا صحیح ہے۔ جن لوگوں کی یہ ملک نہیں ان کے یہ کہہ دینے سے کہ "یہ صدقہ ہے، اس کا مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں" کچھ نہیں ہوتا۔ جب کہ اس کے مالکان نے

از خود مسجد پر دیدیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۷] صدقہ کے مال سے خود نہ کھائے

مسئلہ زید نے اپنی جان کا صدقہ (صدقہ نافلہ) بکرا دیا۔ بکرے کو پکوا کر قوم کے امیر و غریب سب کو کھلانا چاہتا ہے اور خود بھی کھانا چاہتا ہے۔ آیا امیر اور زید کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

نظام الدین خاں، منگوپور، پوسٹ کرمی، ضلع مئو

الجواب

اس بکرے میں سے زید نہیں کھا سکتا ورنہ صدقہ نہ ہوگا۔ صدقہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مال کو اللہ کی رضا کے لیے کسی نیک کام میں صرف کیا جائے۔ یہ بات صرف خود اپنے کھانے سے حاصل نہ ہوگی، اسی طرح امیروں کو بھی نہیں کھانا چاہیے، صرف فقرا و مساکین کو کھلانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷؍ محرم ۱۴۱۳ھ

[۸] فاتحہ کی چیز فقرا و مساکین کو دینی چاہیے

مسئلہ مسلمان اپنے مرحوم آبا و اجداد کی پانچ روپے اور پانچ کیلو چاول یا گیہوں اور آدھا کیلو میٹھائی پر فاتحہ پڑھایا، یہ کس کا حق ہے؟

الجواب

اپنے آبا و اجداد اور عام مسلمانوں کے فاتحہ کی چیز فقرا و مساکین کو دینی چاہیے، یہ فقرا و مساکین کا حق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

فصل فيما يتصل بذلك

چندہ کرنے کا بیان

[۹] دینی، قومی کاموں کے لیے چندہ کرنا جائز ہے

مسئلہ ایک صاحب ولی محمد کہتے ہیں کہ چندہ مانگنا بھیک مانگنے کے برابر ہے جیسے مسجد کا چندہ، مدرسے کا چندہ، تقریر کا چندہ، یتیموں کا چندہ، لڑکی کی شادی کا چندہ، کیا یہ بھیک مانگنا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس کا صحیح صحیح جواب دینے کی زحمت کریں، ہم لوگ شکر گزار ہوں گے۔

محمد رشید خان، لیاباد پور، پوسٹ بنس جورہ، ضلع دھنباد، بہار

الجواب

دینی ضروریات یا یتیم نادار مسلمانوں کے لیے چندہ مانگنا بھیک مانگنا نہیں۔ اسے بھیک کہنا جہالت ہے کسی شخص کا اپنی ذاتی ضرورت کے لیے مانگنا بھیک ہے، دینی قومی کاموں کے لیے چندہ مانگنا بھیک نہیں، خود حضور اقدس ﷺ نے بارہا جہاد کے لیے یا نادار مفلس مسلمانوں کے لیے چندہ کیا ہے[1] دینی قومی کاموں

---

(۱)- مسلم شریف میں ہے:
عن جرير بن عبد الله البجلي قال: كنا عند رسول الله ﷺ في صدر النهار، قال: فجاء قوم حفاة عراة مجتابي النمار أو العباء متقلدي السيوف عامتهم من مضر بل كلهم من مضر فتمعر وجه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لما رأى بهم من الفاقة فدخل ثم خرج فأمر بلالا فأذن وأقام فصلى ثم خطب فقال: ''يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة''. إلى آخر الآية (إن الله كان عليكم رقيبا) والآية التي في الحشر: ''اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا الله'' تصدق رجل من ديناره من درهمه من ثوبه من صاع بره من صاع تمره - حتى قال - ولو بشق تمرة. قال: فجاء رجل من الأنصار بصرة كادت كفه تعجز عنها بل قد عجزت - قال - ثم تتابع الناس حتى رأيت كومين من طعام وثياب حتى رأيت وجه رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يتهلل كأنه مذهبة، فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: «من سن فى الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شىء، ومن سن فى الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شىء».
(ج:۱، ص: ۳۲۷، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة، مجلس البركات)

کے لیے چندہ کرنا ثواب کا کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ر محرم ۱۴۱۲ھ

[۱۰] مدرسے کے نام پر وصول کی ہوئی رقم عیدگاہ پر خرچ کرنا جائز نہیں

مسئلہ زید مدرسے کا صدر ہے اور صدر نے مدرسے کا چندہ کیا جو کہ زکات وفطرے کا تھا لیکن بحالت مجبوری عیدگاہ میں کام کرنے والے مزدوروں کو وہ روپیہ دیدیا جو کہ سولہ سو روپے کی رقم تھی، صدر مذکور نے یہ سمجھا کہ جس طرح سے مدرسہ کا اور قرض عیدگاہ کی طرف ہے اسی طرح یہ بھی عیدگاہ کی طرف لکھ دیا جائے گا مگر جب مدرسے کا حساب عید کے بعد ہوا تو سب چندہ کرنے والوں نے اپنا اپنا حساب دے دیا۔ صدر مذکور نے کہا کہ میں نے جو چندہ کیا تھا وہ تو عیدگاہ میں کام کرنے والے مزدوروں کو دیدیا چوں کہ عیدگاہ کے فنڈ میں روپیہ نہیں تھا، میں وقتی طور پر کہاں سے دیتا اب عذاب ہو یا ثواب، حساب کنندہ حضرات نے کہا کہ صدر صاحب جو چندہ آپ نے کیا ہے وہ آپ ہی دوگے ہم نہیں جانتے کہ آپ نے کہاں خرچ کیا، اس پر صدر صاحب نے اقرار کیا۔ رقم مذکورہ صدر صاحب کی طرف قرض میں لکھ دی گئی، اس کے بعد پھر صدر صاحب نے سولہ سو روپے کی تملیک دو معزز اشخاص کی موجودگی میں کرادی اور پھر یہ رقم مدرسہ کا جو پہلا قرض عیدگاہ کی طرف تھا اسی قرض کے ساتھ اس سولہ سو روپے کو بھی جمع کیا چوں کہ اس کے علاوہ مسجد اور مدرسے کا اور بھی قرض عیدگاہ کی طرف ہے ہمارے یہاں سنی حضرات نے نئی عیدگاہ تعمیر کرائی ہے جس کا کام ابھی تک جاری ہے اور اس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ بھی خرچ ہو چکا ہے۔ مسئلہ اس بات پر ہے کہ بکر کہتا ہے کہ تملیک کے بعد وہ روپیہ خزانچی کو دیا جاتا اور اس کے بعد مدرسہ کے خزانچی سے لیا جاتا۔ جس طرح پہلے خزانچی سے بطور قرض لیا گیا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ ایسا ہی کیا جاتا جیسا کہ بکر کہتا ہے، اور عمرو کہتا ہے کہ نہیں صدر مدرسہ نے مجبوراً بطور قرض عیدگاہ میں خرچ کر دیا تو کیا حرج ہے صدر کو بھی مدرسہ کی رقم خرچ کرنے کا حق حاصل ہے، اور عمر یہ بھی کہتا ہے کہ جب تک سولہ سو روپے کی تملیک نہیں ہوتی وہ رقم قرضے میں صدر صاحب کی تھی اور تملیک کرانے کے بعد پھر عیدگاہ کی طرف لکھ دی گئی اس میں کیا حرج ہے، تو کیا عمر کا قول صحیح ہے؟ مسجد کی رقم بطور قرض مدرسہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا مدرسہ کی رقم مسجد یا عیدگاہ میں بطور قرض لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ آیا اس صورت حال میں

عید گاہ میں نماز پڑھنے میں تو کوئی قباحت نہیں ہے؟ اگر کوئی قباحت ہے تو مہربانی فرما کر شرعی حل بیان فرمائیں۔
محمد شاہد چشتی، مدرسہ فیض الاسلام، مدھیال، رام پور، یوپی

الجواب

عام مدارس دینیہ کے ارکان، مدرسے کا رُکن ہوتے ہی اپنے آپ کو بہت بڑا مفتی سمجھنے لگتے ہیں، اور شریعت کا حکم معلوم کیے بغیر من مانی کرتے رہتے ہیں، صدر کو ہرگز یہ جائز نہیں تھا کہ مدرسے کے نام پر وصول کی ہوئی رقم عید گاہ میں خرچ کرتا، یہ اس نے خیانت کی اور وہ خائن ہوا، بعد میں اس نے روپیہ ادا کر دیا پھر بھی خیانت کا وبال اس پر رہا، مدرسے کی رقم کا ایک پیسہ بھی مسجد یا عید گاہ پر صرف کرنا جائز نہیں، واجب ہے کہ جس کام کے لیے رقم وصول کی جائے اسی کام میں خرچ کی جائے دوسری جگہ خرچ کرنا خیانت ہے، اسی طرح مدرسے، مسجد، عید گاہ کی رقم کسی کو قرض میں دینا جائز نہیں نہ مسجد کی رقم مدرسے کو، نہ مدرسہ کی رقم مسجد کو، نہ عید گاہ کو۔ اسی طرح خزانچی نے غلط کہا کہ مجھے یہ اختیار ہے جسے چاہوں دوں، خزانچی صرف اس لیے ہوتا ہے کہ رقوم کو اپنے یہاں جمع کر کے رکھے اور حفاظت کرے، اسے کسی طرح یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی طبیعت سے کسی کو ایک پیسہ بھی بیجا دے، مدرسے، مسجد وغیرہ میں جو رقوم جمع ہوتی ہیں انھیں ان کی صحیح مدوں میں خرچ کرنے کا حق کمیٹی کو ہے یا پھر اسے جسے کمیٹی نے خرچ کرنے کا اختیار دیا ہو، اور یہ حق بھی وہیں تک محدود رہے گا جہاں تک شرعاً جائز ہے، ناجائز طور پر خرچ کرنے کا حق کمیٹی کو بھی نہیں۔ قرض دینا ناجائز ہے۔ تو کمیٹی بھی کسی کو قرض نہیں دے سکتی۔

اس عید گاہ میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے کہ مزدوروں نے جو کام کیا وہ جائز طریقے پر ہوا، وہ ناجائز اور حرام نہیں ہوا، ان کو جو مزدوری دی گئی وہ غلط طور پر دی گئی اس سے عید گاہ کی تعمیر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ر محرم ۱۴۱۷ھ

[۱۱] محصلین کے لیے یہ جائز نہیں کہ زکات و فطرے کی رقوم اپنی اجرت میں وضع کر لیں

مسئلہ زکات خالص غریبوں کا حق ہے مگر چوں کہ دور حاضر میں اس ملک میں ایک تولا دینی حکومت

ہے، اور دوسرے قوم مسلم کی دین سے بے رغبتی کی وجہ سے علم دین کی بقا کی خاطر علما و مفتیان دین نے حیلہ شرعیہ کا طریقہ اختیار کر کے زکات کی رقم کو علم دین کے فروغ کی خاطر استعمال کرنے کی اجازت دی مگر آج کل دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ دینی تعلیم کے اداروں کے لیے جو سفیر چندہ کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں وہ تیس، چالیس یا پچاس فیصد رقم کیے گئے چندے کی کل رقم میں سے بطور محنتانہ یا کمیشن خود رکھ لیتے ہیں جب کہ ابھی تک اس رقم کا حیلہ شرعیہ بھی نہیں کیا گیا ہوتا ہے بلکہ دوران سفر اسی چندہ کی شکل میں حاصل زکات کی رقم سے اپنے قیام وطعام اور دیگر سفری اخراجات بھی پورے کرتے رہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح زکات کی رقم سے محنتانہ یا کمیشن لینا اور دوران سفر اپنے قیام وطعام اور سفر کے دیگر اخراجات پورے کرنا شرعا جائز ہے؟ کیا دینے والوں کی زکات ادا ہو جاتی ہے؟

غلام محمد سلیمانی، نخاس گیٹ، ناگور، راجستھان

الجواب

مدرسے کے محصلین کو یہ جائز نہیں کہ زکات وفطرے کی رقوم اپنے اوپر خرچ کریں، یا اپنی اجرت میں وضع کرلیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ زکات کی وصول شدہ رقوم کو محفوظ رکھیں اور مدرسے کے ناظم، یا مینیجر کے حوالے کر دیں۔ مینیجر حیلۂ تملیک کر کے اس کو مدرسے کے مصارف میں صرف کرے، محصل کو اس کی اجرت دے حتی کہ مینیجر نے اگر محصل سے کہہ دیا ہو کہ زکات وصول کر کے اپنا کمیشن لے لینا اور اسی میں سے اخراجات پورے کرنا تو بھی جائز نہیں، جو محصل از خود زکات کی رقوم اپنے اوپر خرچ کر لیتے ہیں، یا اپنا کمیشن کاٹ کر رکھ لیتے ہیں وہ خائن ہیں اور ان پر تاوان واجب ہے اور توبہ الگ واجب ہے۔ تاوان کا مطلب یہ ہے کہ زکات کی جتنی رقوم اپنے کمیشن میں کاٹ لی ہے یا کھانے پینے میں اڑا دیا ہے اتنی رقوم اپنے پاس سے ناظم یا مینیجر کو ادا کرے جس میں حیلہ شرعیہ کر کے مینیجر مدرسے کے مد میں صرف کرے۔ اور کمیشن پر چندہ وصول کرانا جائز ہے کمی بیشی کا حق مینیجر اور محصل کو حاصل ہے۔ رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ کر چندہ وصول کرنا آسان کام نہیں، اس زمانے میں کوئی ایسا نہیں ملے گا جو اجرت لیے بغیر چندہ کرے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۳ر جمادی الاخرہ ۱۴۱۹ھ

[۱۲] حیلہ شرعی کے بغیر کمیشن دیناجائز نہیں

مسئلہ زید جوایک مسجد کاامام ہے اور اسی مسجد سے ملحق ایک دینی درس گاہ ہے، اس میں امام مذکور صدر مدرس بھی ہے، اور مدرسہ کے دو طریق کار ہیں اول امام موصوف خود مدرسہ کے لیے چندہ وصول کرتا ہے خواہ زکات ہو یا فطرہ، صدقات وخیرات وغیرہ۔ دوم یہ کہ عوام مدرسہ میں جاکر زکات وفطرہ وصدقات وغیرہ امام مذکور کے حوالہ کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں شکلوں میں امام صاحب کا کمیشن لینا یا انتظامیہ کا کمیشن دینا عند الشرع کیا حکم ہے خصوصاً زکات وفطرہ کی رقم کے بارے میں تفصیلا ارشاد فرمائیں اور بر بنائے نفی امام صاحب پر کیا حکم ہے نیز منتظمین پر کیا حکم ہے؟ دراں حالے کہ امام صاحب کو باقاعدہ مسجد کی طرف سے اور مدرسہ کی طرف سے تنخواہ بھی دی جاتی ہے۔

محمد طیب، آزاد نگر، جمشید پور

۲۰ر صفر ۱۴۰۴ھ

الجواب

امام جو چل پھر کر وصول کرتا ہے اس پر کمیشن لے سکتا ہے لیکن جو رقم لوگ مدرسہ یا مسجد میں دے جاتے ہیں اس رقم پر اسے کمیشن لینا جائز نہیں، کمیشن حق المحنت ہے۔ جب وہ کہیں محنت کرکے جاتا ہے، وصول کرتا ہے تو اپنا حق المحنت لے سکتا ہے لیکن جو لوگ مدرسہ میں دے جاتے ہیں اس پر اس نے کوئی محنت نہ کی پھر وہ معاوضہ کاہے کا لے گا؟ زکات وفطرہ کی رقم سے بغیر حیلہ شرعیہ کے کمیشن دیناجائز نہیں، ہاں حیلہ شرعیہ کے بعد اس رقم سے بھی کمیشن دے سکتے ہیں، مطلب یہ کہ پیش امام کچھ بھی وصول کرے خواہ عطیہ ہو خواہ زکات ہو یا فطرہ۔ سب کے وصول کرنے پر کمیشن کا مستحق ہے۔ البتہ کمیشن کس رقم سے دیا جائے اس میں یہ تفصیل ہے کہ عطیات میں سے بلا کسی جھجک کے کمیشن دیا جاسکتا ہے۔ اور زکات وفطرہ سے بغیر حیلہ شرعیہ کیے ہوئے کمیشن دیناجائز نہیں، حیلہ شرعیہ کرلینے کے بعد زکات وفطرہ کی رقم سے بھی کمیشن دیا جاسکتا ہے، سائل کا یہ کہنا کہ تنخواہ بھی لیتے ہیں اور کمیشن بھی لیتے ہیں بیجا ہے۔ تنخواہ لیتے ہیں مدرسہ میں پڑھانے کی اور امامت کی، مدرسہ کے وصول وتحصیل کی نہیں، دونوں الگ الگ کام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۳] کمیشن پر چندہ کرنا جائز ہے

مسئلہ ماہ رمضان المبارک میں مدارس اسلامیہ کو چلانے کے لیے قوم مسلم سے زکات، صدقہ، خیرات امداد وغیرہ وصول کی جاتی ہے جس کو وصول کرنے کے لیے جو سفیر صاحبان نکلتے ہیں۔ وہ سفیر اکثر چندہ کمیشن پر کرتے ہیں، مثلاً سو روپے میں سے پانچ یا دس روپے کمیشن تو عند الشرع اس طرح چندہ کرنا کیسا ہے؟ مزید یہ کہ بعض سفیر خود مالک نصاب ہوتے ہیں اور بعض سادات کرام، تو ان کو چندہ پر کمیش لینا کیسا ہے؟ نیز مدارس کے منتظمین سفیر کو حق خدمت سمجھ کر تھوڑی رقم دیں تو یہ لینا کیسا ہے؟ اور محصلین کو انعام حضور سرکار مصطفیٰ ﷺ نے دیا، یا خلافت راشدہ میں یہ سلسلہ شروع ہوا، خلاصہ فرمائیں۔

عبد القادر، کھتری چوک، بھوج، کچھ، گجرات

الجواب

مدارس کے لیے کمیشن پر چندہ کرنا جائز، ان کو کمیشن دینا بھی جائز، اور ان کا کمیشن لینا بھی جائز، اور یہ مال ان کے لیے حلال وطیب ہے اگرچہ چندہ وصول کرنے والے مالک نصاب ہوں، یا سید ہوں۔ چندہ وصول کرنے والوں کو جو کمیشن دیا جاتا ہے یہ ان کی محنت کی اجرت ہے، اور کام کرنے پر اجرت کا مستحق جیسے ایک مفلس ہوتا ہے اسی طرح مال دار بھی ہوتا ہے، جیسے غیر سید ہوتا ہے اسی طرح سید بھی ہوتا ہے۔ یہ حقیقت میں مال زکات لینا نہیں بلکہ اجرت لینا ہے اگرچہ اس کو بظاہر جائز نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ اس میں نہ تو کام کی مقدار معلوم ہے اور نہ اجرت معلوم ہے اور اس قسم کی جہالت سے عقد اجارہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن دشواری یہ ہے کہ بغیر چندہ کے دینی مدارس چل نہیں پائیں گے اور بار بار کا تجربہ شاہد ہے کہ چندہ وصول کرنے والوں کی اگر کوئی تنخواہ مقرر کی گئی تو چندہ بہت کم کرتے ہیں بخلاف کمیشن کے کہ اس میں بڑی تندہی سے دوڑ دھوپ کرتے ہیں، اس لیے بوجہ حاجت کمیشن پر چندہ کرنا، یا چندہ وصول کرنے کی حاجت ہے، اس میں جہالت ہے مگر یہ جہالت جھگڑے کی بنیاد نہیں بنتی اور اب تو سارے دیار وامصار، عوام وخواص کا اس پر تعامل ہے کہ کمیشن پر چندہ وصول کرتے اور کرواتے ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ ''المنی والدرر'' میں اس پر بڑی تفصیلی

بحث فرمائی ہے کہ تعامل اور عرف سے بہت سے ایسے عقود جائز ہیں جو بظاہر فاسد ہونے چاہیے، اور اس کے بہت سے نظائر ذکر فرمائے ہیں۔ اس لیے کمیشن پر چندہ کرنے، کرانے، اور چندہ کرنے والے کو کمیشن دینے اور لینے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ یہاں ایک ضروری بات قابل توجہ ہے چندہ اگر زکات یا صدقات فطر کا ہے تو حیلہ شرعیہ کیے بغیر اس میں سے کمیشن دینا جائز نہیں اگر چہ چندہ وصول کرنے والا غیر سید مفلس ہو، اگر دیں گے زکات، صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا اور دینے والے پر تاوان لازم ہوگا۔ مدرسہ کے ناظم پر واجب ہوگا کہ زکات وفطرہ کی رقوم میں سے بغیر حیلہ شرعیہ جتنی رقم کسی کو دی ہے اتنی رقم اپنے پاس سے مستحق زکات کو دے۔ واجب ہے کہ چندہ وصول کرنے والا محصل، زکات وفطرہ کی رقوم سب مدرسہ کے ناظم کے حوالے کر دے۔ ناظم حیلہ شرعیہ کرے اس کے بعد محصل کو اس کی اجرت دے۔

اسی سے واضح ہو گیا کہ محصل اگر مالک نصاب یا سید ہو تو وہ کمیشن لے سکتا ہے کہ حیلۂ تملیک کے بعد وہ رقم زکات وصدقۂ فطر کی نہ رہی بلکہ چندہ کی ہو گئی، اور حیلہ شرعیہ کے پہلے جب تک وہ زکات وفطرہ کی رقم ہے کسی محصل کو دینا جائز نہیں اگر چہ وہ غیر سید ہو، اگر چہ وہ مفلس ہو؛ اس لیے کہ زکات کی ادائگی کے لیے شرط یہ ہے کہ مستحق زکات کو صرف ثواب کی امید پر بلا کسی عوض کے دی جائے اور کوئی کام کرا کر مزدوری دی تو زکات ادا نہ ہوئی۔

حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں زکات وصول کرنے والوں کو ان کے کام کے مطابق زکات میں سے دیا جاتا تھا، محصلین زکات کو زکات لینا جائز ہے، یہ خود قرآن مجید میں مذکور ہے: وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا. (۱)

لیکن اس پر محصل کو قیاس کرنا درست نہیں۔ عامل مقرر کرنا حاکم اسلام کا کام تھا یہاں حاکم اسلام کہاں؟ نیز عاملین کی جگہ مخصوص ہوتی تھی کہ وہ صرف فلاں جگہ کی زکات وصول کریں، عاملین چوں کہ حکومت کے کارندے ہوتے ہیں؛ اس لیے وہ اسے قانونی طور پر ہر مالک نصاب سے بالجبر پوری زکات وصول کرتے، کسی مالک نصاب کو یہ حق نہیں تھا کہ عامل کو زکات نہ دے، یہ بات محصلین میں کہاں؟ محصل گھر گھر جاتا ہے خوشامد کرتا ہے اگر زکات دہندہ کو ترس آگیا تو کچھ دے دیا۔ محصل عامل کے علاوہ ایک الگ قسم ہے اس کے احکام عامل سے الگ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ر محرم ۱۴۱۹ھ

---

(۱)- القرآن الحكيم، سورة التوبة، پ: ۱۰، آيت: ۶۰.

[۱۴] حیلہ سے پہلے زکات کی رقوم اپنی اجرت میں لینا خیانت ہے

مسئلہ زید سال کا گیارہ مہینہ دار الافتا میں کام کرتا ہے یعنی فتوی دیتا ہے لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو چندہ کے لیے باہر نکل جاتا ہے، پورا مہینہ چندہ کرنے کے بعد جب عید میں دار العلوم واپس آتا ہے تو بعد حساب زکات کی رقم آدھی خود لے لیتا ہے اور آدھی دار العلوم کے حوالے کر دیتا ہے، لہذا زکات کی رقم کھانے والا مفتی مسند افتا پر بیٹھ کر فتوی دے سکتا ہے یا نہیں۔ فتوی دینا جائز ہے یا نہیں، مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

غلام رسول، شانتی پورہ، احمد آباد، گجرات

الجواب

جب بقول آپ کے زید مفتی ہے تو آپ کو اسی سے یہ استفتا کرنا چاہیے تھا۔ چندہ وصول کر کے چندہ کی آدھی رقم لینا یہ چندہ وصول کرنے کی اجرت ہے اور اجرت میں مال زکات دینے سے زکات ادا نہ ہوگی۔ زکات ادا ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مستحق زکات کو فی سبیل اللہ بلا عوض زکات کا مال دیا جائے۔ **اولا:** تو یہ زید جب ایک ادارے کا مفتی ہے تو مالک نصاب ہوگا۔ مالک نصاب کو دینے سے زکات ادا نہ ہوگی پھر اجرت میں لیتا ہے یوں بھی زکات ادا نہ ہوگی، اس کا یہ لینا خیانت ہوگا اور خائن کو مفتی بنانا جائز نہیں۔ حیرت ہے آپ کہتے ہیں زید مفتی ہے اگر مفتی ہوتا تو یہ حرکت نہ کرتا بلکہ زکات کی رقوم مینیجر کو دیتا۔ مینیجر حیلہ شرعیہ کر کے اس کی اجرت دیتا، اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میرا حسن ظن یہ ہے کہ زید ایسا ہی کرتا ہوگا، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی، یا کسی نے غلط اطلاع دی ہوگی، مسلمان خصوصا مفتی کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۵/ جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ

[۱۵] سفرا کو حیلہ کرانے کا حق نہیں

مسئلہ زید ایک مدرسہ کا مدرس ہے وہ مدرسہ کی رسید لے کر رمضان شریف میں زکات وفطرہ کا چندہ کرتا ہے اور بغیر حیلہ شرعی کرائے ہوئے اپنے مصرف میں لگا لیتا ہے اور بعد میں اپنی تنخواہ میں وضع کراتا ہے اور زید وصولی ہوئی رقم پر کمیشن لیتا ہے جو حیلہ شرعی کرانے سے پہلے کٹتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا اس طرح زکات وفطرہ کی رقم صرف کرنا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو ایسے کو چندہ کے لیے بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی طور پر مفصل بیان فرمائیں۔

نوٹ: زید یہ بھی کہتا ہے کہ وہیں حیلہ شرعی کرالیتا ہوں جہاں چندہ کرتا ہوں تو کیا زید کا قول معتبر ہے؟ نیز زید کی سات ماہ کی تنخواہ باقی ہے، اس نے بہت پریشانی کے عالم میں چندہ کا پیسہ صرف کیا ہے اور اگر زید تنخواہ ملنے پر حیلہ شرعی کرے تو کیا ادا ہوگا کہ نہیں؟

محمد یونس، نگراں تلسی پور، جامعہ انوار العلوم، تلسی پور

الجواب

برصدق سائل اگر واقعی زید بغیر حیلہ شرعی کرائے زکات وفطرہ کی رقم اپنے مصرف میں استعمال کرتا ہے اگر چہ اپنی تنخواہ سے بعد میں وضع کرا دیتا ہے۔ زید اپنے اس فعل کی وجہ سے خائن ٹھہرا، اس نے مال غیر میں خیانت کی جس کا وبال اس کے سر ہے تاہم زکات کی ادائگی میں کوئی شبہہ نہیں۔ زکات کی رقم بعد حیلہ شرعی رقوم زکات نہیں رہتی، تبدل ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے، اس کی اصل یہ حدیث ہے:

حضور اقدس ﷺ کا شانہ اقدس میں تشریف لائے، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضور ﷺ کی ضیافت میں کھجور پیش کی اور چولھے پر گوشت کی ہانڈی جوش کھا رہی تھی یعنی گوشت پک رہا تھا تو حضور نے دیکھ کر فرمایا کیا ہمارے لیے گوشت سے کچھ حصہ مقرر نہیں؟ تو حضرت بریرہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ صدقہ کا گوشت ہے تو حضور نے ارشاد فرمایا: لك صدقة ولنا هدية.[1] تمھارے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

یعنی تمھاری ملک ہونے کے بعد اب وہ صدقہ نہیں رہا؛ اس لیے بعد حیلہ شرعی وہ زکات کی رقم نہیں رہتی، اور اسے ہر جائز مصرف میں صرف کرنا جائز ہے۔ خواہ مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کریں یا سفرا کو اجرت بمعنی کمیشن دیں۔ اور صورت مذکورہ میں چوں کہ زید قبل حیلہ شرعی کمیشن لے لیتا ہے؛ اس لیے اس کا یہ فعل جائز نہیں اور زید کا یہ کہنا بھی معتبر نہیں کہ میں وہیں حیلہ شرعی کرالیتا ہوں۔ چندہ وصول کرنے والے سفرا کو یہ حق حاصل نہیں، چندہ دینے والے سفرا کو محض اس لیے یہ رقم دیتے ہیں کہ ان کے واسطے سے ناظمین مدرسہ کو پہنچے اور وہ حیلہ شرعی کرا کے مدرسہ میں صرف کریں یعنی سفرا صرف واسطہ ہوتے ہیں، انھیں حیلہ شرعی کا حق حاصل نہیں۔ زید نے جو سات ماہ کی تنخواہ وصول کردہ زکات کے پیسہ سے لے لی اگر چہ پریشانی کے عالم میں لی ہو اس کے سبب وہ خائن ہو گیا اور خائن کو چندہ اور زکات کی رقم وصول کرنے کے لیے بھیجنا جائز نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱)- تقدم نصه وتخريجه. (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة / باب إباحة الهدية للنبي ﷺ، ص: ٣٤٥، ج:١، مجلس البركات

[۱۶-۱۸] مسلمان خصوصا علما سے بدگمانی حرام ہے

مسئلہ ❶ بھیک مانگنے والے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کیسی وعید فرمائی ہے؟

❷ سفرا (ماڈرن بھیکاری) چندے کے نام سے بھیک نہیں مانگتے تو اور کیا کرتے ہیں؟

❸ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یتیم اور مسکین کا مال کھانا پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرنا ہے تو یہ صدقہ، زکات، فطرہ کی رقم اپنے مدرسہ کے لیے جمع کر کے اساتذہ و دیگر عملہ پر صرف کرتے ہیں اس کا وبال کس پر ہے، اور دنیا میں اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

عبد اللہ وارانسی، معرفت ماہنامہ اشرفیہ

۱۷ / ذو الحجہ ۱۴۰۹ھ

الجواب

❶ جو شخص بلا ضرورت شرعیہ اپنے لیے سوال کرے گا قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراش ہوگی، ایک حدیث میں ہے کہ وہ آگ مانگ رہا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ حرام ہے (۱)۔ مگر یہ اور اس قسم کی ساری وعیدیں اس کے لیے ہیں جو بلا ضرورت اپنے لیے سوال کرے لیکن دینی قومی ضرورتوں کے لیے یا کسی

---

(۱)- بخاری شریف میں ہے: عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس في وجهه مزعة لحم." [ج:۱، ص: ۱۹۹، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرا، مجلس البركات]

مسلم شریف میں ہے: عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سأل الناس أموالهم تكثرا فإنما يسأل جمرا فليستقل أو ليستكثر." [ج:۱، ص:۳۳۳، كتاب الزكاة، باب النهي عن المسئلة، مجلس البركات]

مسلم شریف میں ہے: عن قبيصة بن مخارق الهلالي قال: تحملت حمالة، فأتيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أسأله فيها فقال: « أقم حتى تأتينا الصدقة فنأمر لك بها ». قال: ثم قال: « يا قبيصة إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتى يصيبها ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - ورجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجا من قومه لقد أصابت فلانا فاقة فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - فما سواهن من المسألة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا ». [ج:۱، ص: ۳۳٤، كتاب الزكاة، باب من تحل له المسألة، مجلس البركات] (مرتب غفرلہ)

ضرورت مند کے لیے سوال کرنا حرام نہیں سنت ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے خود اس قسم کے موقع پر سوال فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) دینی مدارس کی بقا چندے ہی پر ہے۔ آج شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جو بغیر مانگے دینی مدارس کے لیے چندہ دیتا ہو۔ اس لیے دینی مدارس کے لیے چندہ مانگنے والوں کو "ماڈرن بھکاری" کہنا بہت بے جا بات ہے اور مسلمان کو گالی دینا ہے۔ چندہ وصول کرنے پر اجرت لینا حرام نہیں ہے۔ قرآن مجید میں زکات کے محصلین کو زکات کا مستحق بتایا۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) آپ کا سوال ناقص ہے اس میں یہ بھی اضافہ ضروری تھا کہ جو علما، اساتذہ ان پیسوں سے مشاہرہ لیتے ہیں ان کا کیا حکم ہے اور ان کی کیا سزا ہے؟ صدقہ، زکات، فطرہ کی رقوم کسی مسکین، یتیم کی ملک میں دینا ہے، اور ان کا مال اس وقت ہوگا جب کہ انھیں دے دیا جائے جب تک انھیں دیا نہ جائے ان کا مال نہیں۔ آج دین کی بقا دینی مدارس کی بدولت ہے، اگر دینی مدارس نہ ہوں تو نہ امام ملے، نہ مفتی ملے، نہ نکاح پڑھانے والا ملے، نہ جنازہ کی نماز پڑھانے والا ملے، نہ حافظ ملے نہ قاری۔ اور دینی مدارس کی بقا چندہ پر ہے، مسلمان مال داروں کا حال یہ ہے کہ دین کے نام پر چندہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ شادی بیاہ میں لاکھوں لاکھ خرچ کر ڈالتے ہیں، اگر کچھ اہل خیر حضرات دیتے بھی ہیں تو زکات فطرہ ہی کی رقوم دیتے ہیں، ان میں بھی آپ جیسے لوگ ہیں کہ وہ خود کیا دیں گے دوسرے کا دینا برداشت نہیں کرسکتے۔ اس لیے اگر زکات اور فطرہ کی رقوم مدرسہ میں نہ لی جائے تو دینی مدارس کا خدا حافظ۔ بنائے علیہ علما نے حیلہ شرعیہ کرکے زکات وفطرہ کی رقم دینی مدارس میں صرف کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

اس کی اصل وہ حدیث ہے جو حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ کاشانہ اقدس میں تشریف لائے اور کھانا طلب کیا۔ خدمت اقدس میں روٹی اور سرکہ وغیرہ میں سے کوئی سالن پیش کیا گیا، اور ہانڈی میں گوشت پک رہا تھا، دریافت فرمایا یہ کیا ہے عرض کیا گیا: یہ صدقہ کا گوشت ہے جو بریرہ (ام المومنین حضرت عائشہ کی باندی) کو دیا گیا ہے فرمایا: (بریرہ اپنی طرف سے مجھے دے دے) اس کے لیے

---

(۱)- چندہ وصول کرنا ایک جائز کام ہے اور جائز کام پر اجرت لینا جائز ہے۔ قرآن مجید نے زکات کے جن محصلین کو زکات کا مستحق قرار دیا ہے وہ "عاملین" ہیں، ارشاد باری ہے: "وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا۔" اس سے استدلال یہ ہے کہ عاملین کو قرآن نے جو کچھ دینے کی اجازت دی ہے وہ ان کے کام کا معاوضہ ہی تو ہے جسے اجرت بھی کہہ سکتے ہیں، اگر چندہ وصول کرنے پر اجرت حرام ہوتی تو قرآن مقدس عاملوں کی وصولیِ زکات پر اجرت کی اجازت نہ دیتا، تو یہ آیت کریمہ تحصیل زکات و تبرعات پر اجرت کی دلیل ہے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

صدقہ ہے اور میرے لیے بریرہ کا ہدیہ ہے۔[1]

اسی کے مطابق زکات اور فطرے کی تمام رقوم کسی مستحق کو دے کر اسے مالک بنادیا جاتا ہے، وہ اپنا قبضہ کرنے کے بعد مدرسہ کو دیتا ہے۔ اب یہ چندہ ہوگیا۔ مسلمان خصوصاً علما سے بدگمانی حرام ہے، اور بدگمانی کی بنیاد پر طعن اور سخت حرام حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں فرمایا: جیسے آج کا دن اس شہر، اس مہینے میں عزت و حرمت والا ہے۔ ویسے تمھاری جان، تمھاری آبرو بھی حرمت و عزت والی ہے۔[2] بدگمانی خود حرام ہے، فرمایا گیا: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ.[3] سائل کو اللہ عزوجل ہدایت عطا فرمائے اور توفیق خیر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰/ ذوالحجہ، ۱۴۰۹ھ

---

(۱)- تقدم نصه وتخريجه.

(۲)- صحیح مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:

عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض السنة اثنا عشر شهرا منها أربعة حرم ثلاثة متواليات ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب شهر مضر الذى بين جمادى وشعبان - ثم قال - أى شهر هذا ». قلنا الله ورسوله أعلم - قال - فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه. قال « أليس ذا الحجة ». قلنا بلى. قال « فأى بلد هذا ». قلنا الله ورسوله أعلم - قال - فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه. قال « أليس البلدة ». قلنا بلى. قال « فأى يوم هذا ». قلنا الله ورسوله أعلم - قال - فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه. قال « أليس يوم النحر ». قلنا بلى يا رسول الله. قال « فإن دماءكم وأموالكم - قال محمد وأحسبه قال - وأعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا فى بلدكم هذا فى شهركم هذا وستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم فلا ترجعن بعدى كفارا - أو ضلالا - يضرب بعضكم رقاب بعض ألا ليبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من يبلغه يكون أوعى له من بعض من سمعه ». ثم قال « ألا هل بلغت ». قال ابن حبيب فى روايته « ورجب مضر ». وفى رواية أبى بكر « فلا ترجعوا بعدى ».[ج:۲، ص: ۶۰، كتاب القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، مجلس البركات]

(۳)- سورۃ الحجرات، پ:۲۶، آیت:۱۲۔

کتابُ الصَّوم

(فتاوی کی تعداد: ۱۵۵)

ابواب	فتاوی کی تعداد
الباب الأول في رؤية الهلال	۷۱
الباب الثاني في تفسير الصوم	۰٤
الباب الثالث في ما يكره للصائم وما لا يكره	۲۲
الباب الرابع في ما يفسد الصوم وما لا يفسد	۲۳
الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار	۰٤
الباب السادس في صوم النفل	۰۷
الباب السابع في صوم النذر	۰۲
الباب الثامن في الاعتكاف	۲۲
میزان	۱۵۵

الباب الأول في رؤية الهلال

رویت ہلال کا بیان

روزہ شریعت کی اصطلاح میں مسلمان کا عبادت کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے آپ کو قصداً کھانے، پینے اور جماع سے باز رکھنا ہے۔ عورت کا حیض ونفاس سے خالی ہونا شرط ہے۔ روزے کے تین درجے ہیں:

(۱) عام لوگوں کا روزہ کہ یہی پیٹ اور شرم گاہ کو کھانے پینے اور جماع سے روکنا۔

(۲) خواص کا روزہ کہ ان کے علاوہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاوں اور تمام اعضا کو گناہ سے باز رکھنا۔

(۳) خاص الخاص کا روزہ کہ جمیع ماسوی اللہ سے اپنے آپ کو بالکلیہ جدا کر کے صرف اس کی طرف متوجہ رہنا۔ (بہار شریعت، ۹۶۶/۵، دعوت اسلامی)

روزے کی ابتدا رویت ہلال سے ہوتی ہے اور رمضان وعید کے چاند کے بارے میں لوگوں کی دل چسپی زیادہ ہوتی ہے اس لیے "رویت ہلال کا بیان" روزہ رمضان سے قبل رکھا گیا ہے۔ (مشاہدی)

[۱] بڑے سے بڑے ماہر فلکیات ایسے قواعد نہ بنا سکے جن سے قبل از وقت چاند کی رویت کا علم ہو سکے

مسئلہ— رمضان المبارک کا مہینہ ہے، شام کا وقت ہے، مغربی افق پر گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں جس کے سبب سورج غروب ہوتے ہوئے دیکھنا محال ہے لیکن یہ کوئی پریشانی یا الجھن کی بات نہیں، گھر

میں لگے ہوئے جدول سے افطار کا وقت معلوم کیا اور گھڑی دیکھ کر وقت پر بلا کسی ہچکچاہٹ اور پس و پیش کے روزہ افطار کر لیا۔ سوچنے کی بات ہے، سحر اور افطار کے اوقات کا جدول جسے ہم سب معتبر سمجھتے ہیں فلکیات کے جس علم کی بنیاد پر تیار کیا جاتا ہے۔ جب اسی علم کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ عید کا چاند فلاں روز طلوع ہوگا تو ہم اس بات کا یقین کیوں نہیں کرتے؟

جس ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر اعلان کیے گئے صحیح وقت سے ہم ماہ رمضان میں اپنی اپنی گھڑیوں کو ملاتے ہیں تاکہ صحیح وقت پر افطار کر سکیں، پھر جب اس پر کسی عالم یا مفتی کے اعلان کی بنیاد پر عید کے چاند کے طلوع ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو ہم میں سے کچھ لوگوں کو اسے صحیح مان لینے میں تامل کیوں ہوتا ہے؟ ہمارے طرز عمل میں انھیں تضادات کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ تقریبا ہر سال رویت ہلال کا جھگڑا کھڑا ہوتا ہے اور ایک ہی شہر، قصبے یا گاؤں میں دو عیدیں اور کبھی کبھی تین عیدیں تک منائی جاتی ہیں۔ کاش ہم اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لینا سیکھتے اور کم از کم ایک بستی میں ایک ہی عید مناتے۔

ندیم احمد زیدی، بیت السادات، محلہ دودھ پور، علی گڑھ

الجواب

اس کا جواب خود سائنس کے اصول سے ظاہر ہے۔ سحر، افطار اور نماز کے اوقات کا دار و مدار سورج کی یومیہ گردش پر ہے اور وہ معین ہے۔ منضبط ہے۔ سالہا سال، صدیوں کے تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ سورج کی یومیہ رفتار ایک معینہ مقدار کے مطابق ہوتی ہے، اس میں کوئی تخلف نہیں ہوتا۔ مثلا یکم جنوری کو جس وقت ۱۹۸۷ء میں (سورج) نکلا تھا اور نصف النہار پر پہنچا تھا اور غروب ہوا تھا، اور سنین ماضیہ میں بھی یہی ہوا جس پر صدیوں کا تجربہ شاہد ہے، اور ہمیں یہ حکم ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک فجر کا وقت ہے، نصف النہار کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب کے بعد مغرب کا۔ مسلسل تجربے سے جب اس کا قطعی علم ہو گیا کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت سورج نکلے گا اور فلاں وقت نصف النہار پر پہنچے گا اور فلاں وقت ڈوبے گا تو ہم نے یقین کر لیا کہ یہ اوقات صحیح اور درست ہیں۔ بخلاف چاند کے کہ اس کا طلوع اور غروب نیز ماہانہ پورے ایام کی گردش معین اور منضبط نہیں، اس میں ہمیشہ تخلف ہوتا رہتا ہے اور ہزار کوشش اور جد و جہد کے باوجود اس کے لیے کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہ تو قدیم فلاسفہ بنا

سکے اور نہ جدید۔

بطلیموس جو ہیئت کا مسلم الثبوت امام ہے اس نے اپنی کتاب میں چاند کے علاوہ بقیہ چھ سیاروں کے طلوع، غروب، عروج اور لحاق کے تفصیلی حالات درج کیے مگر چاند کو ہاتھ نہ لگایا، یہ اس کے بس کا نہیں تھا اور یہی حال آج کے تمام ماہرین فلکیات کا ہے حتی کہ ماہرین یورپ بھی رصد گاہ کی بے پناہ ترقی کے باوجود چاند کے معاملے میں بے بس ہیں، انھوں نے اپنی قوی دور بینوں سے جن جدید سیاروں کا پتہ چلایا، ان کے بھی طلوع وغروب، عروج ولحاق کی ساری تفصیلات لکھ دی ہیں مگر چاند کے بارے میں آج تک ایسے قواعد نہیں بنا سکے جن سے حتمی طور پر قبل از وقت چاند کی رویت کا علم ہو سکے۔

کوئی کیسے معلوم کر سکتا ہے جب کہ اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی ماہانہ رفتار میں انضباط نہیں رکھا ہے، ہو سکتا ہے کوئی صاحب اسے میری ناواقفی پر محمول کریں، تو ان سے گزارش ہے کہ اگر ان کے علم میں ایسے قطعی یقینی قواعد ہوں جن کی رو سے قبل از وقت چاند کی رویت کا علم ہو سکے وہ اس خادم کو پتہ بتائیں، ان کی بہت مہربانی ہوگی۔ ان قواعد کا اردو، یا فارسی، یا عربی میں ترجمہ کر کے خادم کے پاس بھیج دیں، مجھے امید ہے کہ اس کے لیے زبانی دعوے تو بہت کیے جائیں گے مگر کوئی بڑا سے بڑا ماہر فلکیات بھی ایسے قواعد کا پتہ نہیں بتا سکتا۔

بہت سے لوگ اس سلسلے میں ہندوستان میں رائج طریقوں کا حوالہ دیتے ہیں، یہاں کے رائج طریقے اولاً سخت ناقص ہیں، ان کی غلطیوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، پھر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ چاند کس دن دکھائی دے گا، وہ یہ بتاتے ہیں کہ دو بج لگ گیا، ان کا یہ دو بج کبھی دوپہر میں لگتا ہے کبھی آدھی رات میں کبھی اور کسی وقت۔ اب بولیے! اسے احکام شرع کی بنیاد کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس لیے شریعت نے مہینہ شروع ہونے کی بنیاد رویت پر رکھی اور ارشاد فرمایا گیا:

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته.[1] چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔

---

(1) • الصحيح للبخاري، كتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف على نفسهالعزوبة، ج: ١، ص:٢٥٦، مجلس البركات.
• الصحيح لمسلم، كتاب الصيام ، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، ج: ١،ص: ٣٤٧، مجلس البركات.

اگر ۲۹ر کو نظر نہ آئے تو ۳۰ کی گنتی پوری کرو، غور کیجیے! جمیع ما کان و ما یکون کے عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ۳۰ کو رویت کی شرط نہیں رکھی؛ اس لیے کہ اس پر تجربہ شاہد ہے کہ قمری مہینہ ۳۰ر دن سے زائد کا نہیں ہوتا مگر ۲۹ کا کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے ۲۹ کو رویت کی شرط رکھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کب کس دن ۲۹ کو نظر آسکتا ہے کب اور کس دن نہیں اس کا معلوم کرنا انسان کے بس میں نہیں؛ اس لیے چاند کے سلسلے میں کسی نجومی، کسی سائنس داں کی بات کا اعتبار نہیں کہ فلاں تاریخ کو چاند نظر آئے گا۔ چاند کے سلسلے میں ایک قاعدہ جدید اور قدیم سارے فلاسفہ کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ "چاند جب افق حقیقی سے آٹھ سے لے کر ۱۲ر درجے تک بلند ہو تو نظر آسکتا ہے لیکن یقینی نہیں" اب آپ بتائیے کہ اس مرحلے میں کیا کیا جائے گا، لامحالہ مدار رویت پر ہوگا اور پھر وہی جھگڑے شروع ہوں گے جس کے آپ شاکی ہیں۔

یہ اہل سائنس کے طور پر کلام تھا، ہم مسلمان ہیں، اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بلا چوں چرا حق ماننا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے صوم وافطار کے معاملے میں حساب وکتاب کے چکر کو لغو قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا[1] ... فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا ثَلاثِينَ يوما[2].

ہم حساب وکتاب نہیں جانتے، نہ حساب وکتاب کرتے ہیں، مہینہ ایسے ہے، اور ایسے ہے، اور ایسے ہے اور اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ر دن کی گنتی پوری کرو۔

حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی پانچوں انگلیاں کھول کر اشارہ فرمایا، اور تیسری بار ایک ہاتھ کا انگوٹھا دبا لیا، مطلب یہ ہوا کہ ۲۹ر دن کا ہے۔

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا نكتب ولا نحسب، ج:۱، ص: ۲۵۶، مجلس البركات.

(۲) سنن النسائي، ج: ٤، ص: ۱۳۲، كتاب الصيام، باب قبول شهادة الرجل الواحد على هلال رمضان، ناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب.

اس حدیث میں خاص نکتہ یہ ہے کہ "فإن غم" فرمایا جس کا مادہ "غمام" ہے جو بدلی کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چاند بدلی میں چھپا ہوا ہے، اس کا لازم معنی یہ ہے کہ "نہ دکھائی دے" جو مراد ہے، مگر لغوی معنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس دقیق نکتے کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر بالفرض اس حد تک پہنچ چکا ہو کہ اسے ضرور دکھائی دینا چاہیے مگر بدلی یا کسی وجہ سے نہ دکھائی دے تو بھی ۳۰ کی گنتی پوری کرو۔ جس سے یہ صراحۃً ثابت ہو گیا کہ رویت ہلال کے سلسلے میں نجومیوں کا حساب وکتاب شرعاً غیر معتبر ہے، وہ لاکھ کہیں کہ چاند اتنا اونچا ہو گیا ہے کہ اگر بادل یا گرد وغبار، کہرا نہ ہوتا تو نظر آتا پھر بھی جب نظر نہ آئے تو اس حساب وکتاب کا کوئی اعتبار نہیں، مدار دیکھنے پر ہے۔

اسی سے بعض ترقی پسند حضرات کا یہ قول بھی باطل ہو گیا کہ تمام ہیئت دانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب چاند افق سے ۱۲/ درجے، یا اس سے زائد اونچا ہو تو وہ ضرور دکھائی دے گا اگر مطلع صاف ہو تو۔

اب آپ دوسرے نہج سے غور کیجیے! روزہ کب رکھا جائے، کب نہ رکھا جائے یہ خالص شرعی دینی معاملہ ہے، اس کے لیے شریعت مطہرہ نے جو وقت مقرر فرمایا ہے اس کی پابندی ہم پر لازم ہے، اس میں تغیر وتبدل کرنا دین میں ترمیم ہے اور جب شارع علیہ الصلاۃ والتسلیم نے روزہ چھوڑنے کی حد رویت ہلال رکھی ہے تو اسی کی پابندی ہم پر لازم ہے، اور اس سلسلے میں حساب وکتاب کو جب ساقط الاعتبار قرار دیا ہے تو اس پر اعتبار کرنا کسی طرح درست نہیں۔

رہ گیا یہ کہ ریڈیو سے ٹائم کا اعلان ہوتا ہے، اس کا ہم اعتبار کرتے ہیں اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ سورج کی رفتار متعین ہے اور اسی کے مطابق وقت کا اعلان ہوتا ہے؛ اس لیے ہم اس کا اعتبار کرتے ہیں نیز اس وقت کیا وقت ہے یہ خالص دنیوی معاملہ ہے اس میں محض خبر کافی ہے۔ غیر عادل بلکہ کافر کی بھی خبر معتبر۔ بخلاف اس کے کہ یہ دن روزے کا ہے یا نہیں؟ یہ خالص شرعی حکم ہے اور اس کے معلوم کرنے کے لیے شریعت نے رویت کو بنیاد قرار دیا ہے؛ اس لیے اس میں اسی طریقے کی پابندی لازم ہے جو شریعت نے مقرر فرمائی ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں سوار حاضر ہوئے اور انھوں نے بتایا کہ ہم نے شوال کا چاند کل دیکھا ہے۔ پھر انھوں نے گواہی دی تب جاکر حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

نے اسے قبول فرمایا۔ (۱)

غور کیجیے! صحابہ کرام سب عادل اور اعلیٰ درجے کے سچے ہیں، اس پر امت کا اجماع ہے مگر دوسری جگہ کی رویت کے بارے میں خبر کا کوئی اعتبار نہیں جب گواہی دی تو حضور نے تسلیم فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دوسری جگہ کی رویت اس وقت معتبر ہوگی جب عادل گواہوں کی شہادت سے ثابت ہو۔ اس لیے جب لوگوں نے آکر یہ خبر دی کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے بلکہ اس کی گواہی بھی دی مگر معتبر نہیں جب تک عینی شاہد خود قاضی کے یہاں آکر گواہی نہ دیں۔ در مختار میں ہے:

لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية. (۲)

اب آپ خود فیصلہ کریں کیا ریڈیو کی خبر شہادت ہے؟ شرعا تو اپنی جگہ ہے کیا کسی گورنمنٹ کے قانون کے مطابق ریڈیو کی خبر شہادت کے قائم مقام ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر رویت ہلال کے سلسلے میں اسے قبول کرنا کیسے درست؟

رہ گیا اختلاف، اگر شرعی حدود کی پابندی عوام و خواص سبھی کریں تو کوئی اختلاف نہ ہو، اختلاف اس بنا پر ہوتا ہے کہ احادیث و کتب فقہ کی واضح، غیر مبہم تشریحات کے خلاف کچھ لوگ ریڈیو کی خبر مان بھی لیتے ہیں اور منوانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، اس کے لیے مرنے مارنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ حتی کہ کتنے ائمہ مساجد صرف اس جرم میں امامت سے الگ کر دیے گئے کہ انھوں نے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی کے حکم کے باوجود ریڈیو کی خبر پر عید کی نماز نہیں پڑھائی۔ جس کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ بہت سے ناخدا ترس اماموں نے روزہ رکھتے ہوئے عید کی نماز پڑھادی، اور پھر دوسرے دن بھی نماز پڑھی اگر مسلمان شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق عمل کریں تو نہ کوئی اختلاف ہو نہ جھگڑا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) سنن ابن ماجه، ص: ۱۱۹، أبواب ما جاء في الصيام، باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال.
حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن أبي عمير بن أنس بن مالك، قال: حدثني عمومتي من الأنصار من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا: أغمي علينا هلال شوال، فأصبحنا صياما، فجاء ركب من آخر النهار، فشهدوا عند النبي صلى الله عليه وسلم أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يفطروا، وأن يخرجوا إلى عيدهم من الغد.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۹، ج: ۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

[۲] رویت ہلال اور توقیت

مسئلہ- اوقات نماز، طلوع وغروب کے اوقات وغیرہ کے سلسلے میں جب سائنس کی مدد لی جاتی ہے، اسے قبول بھی کیا جاتا ہے تو رویت ہلال کے سلسلے میں سائنس کی دریافت سے فائدہ اٹھانے میں کیا رکاوٹ ہے؟

محمد علی بی اے، بی ایڈ، اسلام پیٹھ مسجد کمیٹی، پوسٹ اسلام پیٹھ، وشاکھاپٹنم، آندھرا پردیش

الجواب

ماہ نامہ "تہذیب الاخلاق" علی گڑھ بابت ماہ مئی ۱۹۸۸ء میں اس کے ایڈیٹر صاحب نے مسلمانوں خصوصاً علما پر اپنی سخت برہمی کا اظہار کیا ہے کہ نماز کے اوقات بلکہ خود روزے کے افطار و سحری میں علم توقیت وہیئت کا اعتبار کرتے ہیں مگر عید کے سلسلے میں اعتبار نہیں کرتے جس کے نتیجے میں ایک ہی شہر میں دو دن عید ہوتی ہے۔

رسالہ کے اس حصہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ایک صاحب نے یہاں دار الافتا میں بھیجی اور قلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیا گیا۔ ایک دین دار مسلمان کے لیے وہی کافی ہے مزید کچھ لکھنے کی حاجت نہیں تھی مگر اس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ چاند کی رویت کے لیے ایسا کوئی قاعدہ نہیں معلوم کیا جاسکا ہے جو قطعی ہو، اس کے لیے جو بھی قواعد بنائے گئے، ان سب میں تجربے سے تخلف ثابت ہو چکا ہے؛ اس لیے رویت ہلال کے سلسلے میں علم توقیت کا اعتبار نہیں۔

اس کے بعد بعض حضرات نے بتایا کہ "قدیم قواعد میں جو خامیاں تھیں ان کو بار بار تجربہ کر کے دور کر دیا گیا ہے، اور اب ان میں ایسی پختگی آگئی ہے کہ ان میں تخلف نہیں ہوتا۔ ان قواعد کی صحت کا بار بار تجربہ بھی کر لیا گیا ہے، جس سے اس میں قطعیت آگئی ہے، اور حساب کا قطعی ہونا مسلم ہے تو جیسے اوقات طلوع وغروب اور نماز میں توقیت پر اعتماد کی وجہ یہی تھی کہ حساب قطعی ہے اور بار بار کے تجربے نے ان قواعد کو قطعی کر دیا ہے۔ رویت ہلال کے ان جدید قواعد پر بھی اعتماد کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ خصوصاً جب کہ "گرینچ" وغیرہ کی اعلی رصد گاہوں میں سارا حساب کمپیوٹر کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جس میں اس کا بھی احتمال نہیں کہ حساب میں کوئی غلطی ہو گئی، یا بہت مختصر کسروں کو چھوڑنے کی وجہ سے کوئی کمی یا زیادتی ہو گئی ہو"۔ تہذیب الاخلاق کے ایڈیٹر صاحب کا بھی مقصد غالباً یہی ہے۔

اس پر گزارش یہ ہے کہ نئی تعلیم و تحقیق کے ماہرین میں جو سب سے بڑا نقص ہے وہ یہ ہے کہ اپنی ہمہ دانی کے نشے میں اپنی عقل سے شرعی احکام میں بھی دخل دینے لگتے ہیں بلکہ مجتہد سے بھی آگے بڑھ کر قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف فتویٰ دینے کی بھی جسارت کرنے لگتے ہیں۔ مجتہدین بھی اس کے پابند تھے کہ ہر قضیے کا حکم پہلے قرآن مجید میں تلاش کریں، اس میں نہ ملے تو احادیث میں، ان میں بھی نہ ملے تو اجماع امت دیکھیں، اب اگر اس قضیہ میں اجماع امت نہیں یا سرے سے کوئی حکم صحابہ و تابعین سے منقول نہیں تو قیاس سے کام لیں، وہ بھی انھیں اصول کی پابندی کے ساتھ جو قرآن واحادیث سے مستنبط ہیں۔

اور ان حضرات کا حال یہ ہے کہ نیوٹن، کپلر، اسٹائن کے اصول و فروع کے حافظ ہوتے ہوئے قرآن و حدیث اور اصول اجتہاد سے قطعی نابلد ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی رائے عموماً نصوص شرعیہ کے معارض ہوتی ہے، جب کہ قرآن و حدیث مذہب اسلام کے غیر متبدل دستور اساسی کی حیثیت رکھتے ہیں، قرآن واحادیث کے معارض بڑے سے بڑے ہمہ داں محقق مدقق کی ذاتی رائے کو مذہبی حکم کی جگہ دینا مذہب اسلام سے انحراف اور نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کے مرادف ہے۔

بعینہ یہی قصہ یہاں بھی ہے کہ رویت ہلال کے سلسلے میں جو لوگ رصد گاہوں کی تحقیق پر اعتماد کی وکالت کررہے ہیں ان لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ لوگ کپلر، نیوٹن اور اِسٹائن کی کدو کاوش اور نکتہ آفرینیوں کو اتنا یقینی و قطعی جانتے ہیں کہ اس کے مقابل قرآن واحادیث کے ارشادات کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس سلسلے میں ہم، دین دار، دین پسند مسلمانوں کی توجہ اس پر مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ روزہ، نماز، عیدین، صدقۂ فطر، قربانی، حج خالص عبادات ہیں، اور جس طرح ان عبادات کے ارکان اور ہیئت کی تعیین میں عقل انسانی کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ اسی وقت صحیح اور معتبر ہوں گے جب انہیں ارکان اور ہیئت کے ساتھ ادا کیے جائیں جو من جانب شارع مقرر ہیں، اسی طرح ان عبادات کے اوقات بھی وہی معتبر ہوں گے جو شارع نے بتائے ہیں۔ اپنے جی سے نئے اوقات مقرر کرکے ادا کیے جائیں گے تو وہ صحیح نہ ہوں گے۔ بعینہ اسی طرح ان اوقات کے معلوم کرنے کا اگر شارع نے کوئی خاص طریقہ بیان فرمادیا ہے تو خاص اسی طریقہ سے دریافت کیے ہوئے اوقات ہی حقیقت میں ان کے اوقات ہوں گے، اس طریقہ سے ہٹ کر ہم اور

آپ اگر کوئی نیا طریقہ ایجاد کریں تو اس طریقہ سے معلوم کیے ہوئے اوقات ان عبادات کے اوقات نہیں ہو سکتے اور ان میں ادائگی حقیقت میں از روے شرع ادائگی نہ ہوگی۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ عبادات کے ارکان، ہیئت اور اوقات کی طرح اگر اوقات کے جاننے کا کوئی طریقہ شارع نے مقرر کر دیا ہے تو اسی طریقہ سے دریافت کیا ہوا وقت اس عبادت کا وقت ہے، اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے دریافت شدہ وقت اس عبادت کا وقت نہ ہوگا، خصوصًا ایسے طریقے جنھیں شارع نے مسترد کر دیا ہو۔ ہاں! اگر اوقات معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا ہے تو پھر اپنی صواب دید سے دریافت کردہ اوقات میں عبادت کی ادائگی صحیح ہوگی۔

اتنی بات ذہن نشین کرنے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ کسی بھی مہینے کی ابتدا اور انتہا جاننے کا کوئی طریقہ شریعت نے مقرر فرمایا ہے یا نہیں؟ اور نجوم وہیئت کو اس خصوص میں لغو اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے یا نہیں۔ آیئے آگے بڑھیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ(۱)

ترجمہ: تم سے لوگ چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرمادو یہ لوگوں کے (اپنے) کاروبار اور حج کے اوقات جاننے کا ذریعہ ہے۔

سوال اصل میں یہ تھا کہ چاند گھٹتا بڑھتا کیوں ہے، پہلی شب کو باریک نظر آتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ پورا ہو جاتا ہے، پھر پتلا ہونا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ غروب ہو جاتا ہے، اس کا سبب نہ بتا کر اس کا فائدہ بتایا گیا، اس میں بہت خوش اسلوبی سے لوگوں کو چاند کے طلوع وغروب، ہلال وبدر میں تبدیلی کی علت اور سبب جاننے کی کوشش سے روکا گیا اور اس کے روکنے میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ اس کا سبب دریافت کرنا عبث اور بے فائدہ ہے، اس سے کوئی دینی فائدہ وابستہ نہیں، اس سے اقتضاءً ثابت ہوا کہ ہیئت ونجوم کے اصول چاند کے سلسلے میں غیر معتبر ہیں۔

اس کے بعد آیئے احادیث کا مطالعہ کریں:

---

(۱) القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۹.

احادیث

(ا) امام احمد نے اپنی مسند میں، امام مالک نے اپنی موطا میں، امام بخاری وامام مسلم نے اپنی صحیحین میں، امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں، امام ترمذی نے اپنی جامع میں، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی نے اپنی اپنی سنن میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين.[1]

ترجمہ: مہینہ انتیس رات کا ہے، جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور اگر ابر ہو تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

بعض روایتوں میں فاکملوا کی جگہ فاقدروا آیا ہے، بخاری میں فاقدروا له[2] ہے اور ابوداؤد وغیرہ میں فاقدروا له ثلاثین ہے[3]۔ یعنی اس کے لیے تیس کی مقدار پوری کرلو۔ اس کا بھی حاصل وہی ہوا کہ تیس دن پورے کرلو۔

امام احمد نے اپنی مسند میں، امام بخاری، امام مسلم نے اپنی صحیحین میں، امام ترمذی نے اپنی جامع میں، امام ابوداود، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے اپنی اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن أغمِيَ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين.[4]

ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اگر ابر ہو تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔

---

(۱) الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲۵٦، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال، مجلس البركات.

(۲) الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲۵٦، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال، مجلس البركات.

(۳) السنن لأبي داؤد، كتاب الصوم، باب الشهود يكون تسعا وعشرين، رقم الحديث: ۲۳۲.

(۴) الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲۵٦، مجلس البركات.

امام بخاری، امام مسلم، وغیرہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصوموا حتی تروا الهلال، ولا تفطروا حتی تروه فإن غم عليكم فاقدروا له.(۱)

ترجمہ: جب تک چاند دیکھ نہ لو، روزہ نہ رکھو، اور جب تک چاند دیکھ نہ لو روزہ نہ چھوڑو، اور اگر ابر ہو تو مقدار پوری کرو۔

ابوداؤد میں فاقدروا له ثلاثين ہے۔ یعنی تیس دن کی مقدار پوری کرو۔

اس مضمون کی احادیث متعدّد حضرات صحابہ سے مروی ہیں۔ جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو حذیفہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، عبد الرحمن بن زید بن خطاب، حارث بن حاطب اور تابعی جلیل ربعی بن خراش رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ الفاظ میں کچھ ردو بدل ضرور ہے مگر مفہوم سب کا ایک ہے۔ یہ احادیث اس پر نص ہیں کہ مدار رویت ہلال پر ہے۔ اگر انتیس شعبان کو چاند دکھائی دے تو شعبان ختم اور رمضان شروع، اگر انتیس کو دکھائی نہ دے تو شعبان باقی اور اس کے بعد والا دن فرض روزے کا دن نہیں۔ اسی طرح رمضان میں بھی ہے کہ اگر انتیس رمضان کو چاند نظر آیا تو رمضان ختم اور دوسرا دن شوال کا ہے، اور اگر انتیس کو چاند نظر نہ آیا تو اس کے بعد والا دن رمضان ہی ہے، اس دن روزہ چھوڑنا فرض کا چھوڑنا اور گناہ اور نماز عید پڑھنی درست نہیں؛ کیوں کہ ابھی اس کا وقت ہی نہیں ہوا ہے۔ جب شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے فرض روزے کے ایام جاننے کا طریقہ صرف رویت ہلال رکھا ہے تو دوسرے طریقے شرعاً لغو اور غیر معتبر؛ اس لیے کسی بھی طریقے سے اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ چاند افق سے اتنی بلندی پر ہے کہ اگر مطلع صاف ہوتا تو ضرور دکھائی دیتا مگر دکھائی نہیں دیا تو یہ ناکافی ہے بلکہ غیر معتبر اور لغو ہے۔ اتنے ہی سے بات مکمل تھی کہ جب بنیاد رویت ہے، اگر رویت نہ ہوئی تو ایک مہینے کے ختم ہونے اور دوسرے کے شروع ہونے کا حکم شرعاً درست نہیں۔

---

(۱) • الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲۵٦، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال.....، مجلس البركات.

• السنن للنسائي، ج: ۱، ص: ۳٤۹، كتاب الصيام، باب اكمال شعبان ثلثين إذا كان غيم، جمعية مكتب الإسلامي، قاهره.

اس بارے میں حساب غیر معتبر ہے

اسی سے ثابت ہو گیا کہ اس خصوص میں دوسرے ذرائع شرعاً کالعدم ہیں، مگر شارع علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فإن غم علیکم فرمایا۔ اس ارشاد نے براہ راست دوسرے ذرائع معلومات کے کالعدم ہونے پر مہر لگادی۔ اس لیے کہ "غم" کے معنی ڈھانک لینے کے ہیں، غم کو غم اسی لیے کہتے ہیں وہ دل ڈھانک لیتا ہے۔ اور اسی مناسبت سے بادل کو "غمامة" کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو ڈھانک لیتا ہے۔ اب غم علیکم کا ترجمہ یہ ہوا کہ چاند تم سے ڈھانک اور چھپا لیا جائے، اور چھپائی وہی چیز جاتی ہے جو موجود ہو۔ تو حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہوا کہ چاند افق سے اوپر ہو اور وہ کسی چیز سے ڈھنک جائے، چھپ جائے۔ مثلاً کہرا، گرد و غبار وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آئے اور اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو نظر آتا۔ مگر ان چیزوں میں سے کسی کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہا ہے تو حدیث میں قطعی حکم موجود ہے کہ ایسی صورت میں تیس کی گنتی پوری کرو۔ ان حسابات سے یہی نہ معلوم ہوگا کہ چاند افق سے اتنا اونچا ہو گیا کہ اگر کوئی چیز حائل نہ ہوتی تو ضرور نظر آتا، مگر جب نظر نہیں آیا تو شارع علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ مہینہ ختم نہ ہوا باقی ہے۔ ایک دن اور پورا کرو۔

اس سے واضح اور غیر مبہم یہ حدیث ہے:

(۲) امام احمد اپنی مسند میں، امام بخاری اپنی جامع میں، امام مسلم اپنی صحیح میں، امام ابو داؤد اور امام نسائی اپنی اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس نے فرمایا: اللفظ لمسلم.

إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا وَعَقَدَ الإِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ وَالشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهٰكَذَا »[1] يَعْنِي تَمَامَ ثَلاَثِينَ.

ترجمہ: ہم امی قوم ہیں، حساب و کتاب نہیں کرتے۔ مہینہ اتنا ہے اور اتنا ہے اور اتنا ہے۔ تیسری مرتبہ انگوٹھے کو باندھ لیا اور مہینہ اتنا ہے اور اتنا ہے اور اتنا ہے یعنی پورے تیس دن۔

یعنی حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی دسوں انگلیوں کو پھیلا کر اوپر سے نیچے لا کر تین بار فرمایا کہ

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الصیام، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الهلال، ج:۱، ص: ۳۴۷، مجلس البرکات.

مہینہ اتنا ہے اتنا ہے اتنا ہے اور تیسری بار ایک انگوٹھے کو دبالیا۔ یعنی انتیس دن، پھر تین بار اسی طرح اشارہ کر کے فرمایا کہ اتنا اتنا اتنا ہے اب کی بار انگوٹھے کو کھلا رکھا۔ یعنی تیس دن۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ مہینہ انتیس (۲۹) ورنہ تیس (۳۰) کا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود پہلے نکتب ولا نحسب ارشاد فرمایا۔ پھر انتہائی واضح غیر مبہم طور پر بیان فرمایا کہ مہینہ انتیس دن یا تیس دن کا ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ہلال کے بارے میں اہل نجوم اور اہل ہیئت کے حساب کا اعتبار نہیں، وہ اس بارے میں قطعاً غیر معتبر ہے، اعتبار رویت کا ہے، اگر انتیس کو چاند دکھائی دے فبہا ورنہ تیس کا مہینہ ہوگا۔ جب شارع نے اہل نجوم اور ہیئت کے حساب کو لغو اور غیر معتبر قرار دے دیا تو شارع کے مقابل ہمیں یہ کب اختیار ہے کہ ہم اسے معتبر مان کر اس پر مہینوں کی ابتدا اور انتہا کی بنیاد رکھیں، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نجوم اور ہیئت کے حساب پر عمل نہیں فرماتے تھے۔

ابوداؤد میں ہے: فكان ابن عمر يفطر مع الناس ولا يأخذ بهذا الحساب. (۱)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لوگوں کے ساتھ روزہ چھوڑتے تھے، اور اس حساب کو نہیں لیتے تھے۔

ایڈیٹر صاحب کے شبہے کا جواب

ایڈیٹر صاحب کو یہ شکایت کہ نماز کے اوقات نیز سحری اور افطار میں اس حساب کا اعتبار کیا جاتا ہے تو پھر مہینے کی ابتدا اور انتہا کے سلسلے میں کیوں نہ اعتبار کیا جائے۔

اس پر گزارش ہے کہ نماز اور سحری اور افطار میں شریعت نے رویت پر مدار نہیں رکھا ہے، بلکہ سورج کے طلوع وغروب وزوال اور اس کے دومثل سایہ ہونے اور صبح صادق کے طلوع اور شفق کے غروب پر رکھا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جب یہ دیکھ لو کہ صبح صادق طلوع کر آئی ہے تو روزہ دار کھانا پینا چھوڑ دے اور نماز فجر کا وقت ہو گیا اور جب یہ دیکھ لے کہ سورج غروب ہو گیا تو روزہ توڑ دے اور مغرب کا وقت ہو گیا بلکہ یہ فرمایا کہ صبح صادق کے طلوع

(۱) السنن لأبي داؤد، ج:۱، ص: ۳۹۷، كتاب الصيام، باب الشهر تسعا وعشرين، جمعية مكتب الإسلامي، قاهره.

سے روزہ دار کھانا پینا چھوڑ دے اور نماز فجر کا وقت ہو گیا، اور غروب آفتاب پر روزہ افطار کر لے اور مغرب کا وقت ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر دیکھے بغیر بھی صبح صادق کے طلوع اور آفتاب کے غروب کا علم ہو جائے تو ان سے جو احکام وابستہ ہیں وہ ثابت ہوں گے۔ اس کو یوں کہیے کہ ان اوقات کے معلوم کرنے کا کوئی خاص طریقہ شریعت نے مقرر نہیں فرمایا ہے مثلاً یہی کہ رویت ہو، تو ہم کسی طریقے سے بھی ان اوقات کو جان لیں کافی ہے مگر مہینے کی ابتدا اور انتہا معلوم کرنے کے لیے طریقہ متعین فرمادیا کہ وہ عینی رویت ہی ہو اور دوسرے طریقوں کو غیر معتبر قرار دے دیا ہے، اس لیے یہاں رویت کے علاوہ دوسرے طریقے کالعدم ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳] ریڈیو وغیرہ کی خبر پر عید منانے کے نقصانات

ریڈیو وغیرہ کی خبر پر عید منانا کیسا ہے، اس سلسلے میں آپ اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب

ہر سال عید کے موقع پر ریڈیو کے ذریعہ چاند کے اعلان پر پورے ملک میں ہنگامے کھڑے ہو جاتے ہیں اور امسال خصوصیت سے بہت زیادہ شورش مچی، جس کے نتیجے میں دار الافتا میں اس سلسلے میں سوالات کی بھرمار ہو گئی؛ اس لیے میں نے ضروری جانا کہ اس موضوع پر ایک مفصل مدلل مضمون شائع کر دیا جائے۔

اسی جذبے کے تحت مندرجہ ذیل سطور سپرد قلم کر رہا ہوں، امید ہے کہ جو دین دار، انصاف پسند ان سطور کو پڑھے گا وہ پورے طور سے مطمئن ہو جائے گا۔

(۱) روزہ، نماز، عید و تراویح خالص عبادات ہیں، شریعت نے ان کے لیے اوقات مقرر فرمائے ہیں، نہ وقت سے پہلے ادا ہوں گے نہ وقت کے بعد، روزے اور تراویح کے لیے رمضان کا مہینہ مقرر فرمایا، صدقۂ فطر اور نماز عید کے وجوب کے لیے پہلی شوال۔

(۲) اوقات مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ اوقات جاننے کا طریقہ بھی مقرر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن أغْمِيَ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين.[۱]

---

(۱) الصحيح للبخاري، ج:۱، ص:۲۵۶، كتاب الصوم، باب قول النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم -: إذا رأيتم الهلال...، مجلس البركات.

ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو، اور اگر انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِي مَرَّةً تِسْعًا وَعِشْرِينَ، وَمَرَّةً ثَلاثِينَ. (۱)

ترجمہ: ہم امی قوم ہیں، حساب وکتاب نہیں کرتے۔ مہینہ ایسے ایسے ہے (اور اپنے دست مبارک کی دسوں انگلیوں کو کھول کر دست مبارک اوپر اٹھائے اور نیچے کیا، تیسری بار ایک انگوٹھا دبالیا) یعنی کبھی انتیس کبھی تیس کا۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اسلامی مہینوں کی ابتدا وانتہا چاند دیکھنے سے ہوتی ہے، یا تیس دن پورے ہونے پر۔ یہی شارع علیہ السلام نے متعین فرمایا ہے۔ اہل ہیئت وتوقیت ونجوم وجیوتش کے حساب وکتاب کا قطعًا اعتبار نہیں۔

(۳) یہ بھی ظاہر ہے کہ ان احادیث کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک ہر شخص چاند دیکھ نہ لے نہ روزہ رکھے، نہ چھوڑے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب چاند کا دیکھنا بطریق شرعی ثابت ہوجائے تو جن لوگوں نے نہیں دیکھا ہے وہ بھی اس کے مطابق عمل کریں۔

(۴) چاند کے ثبوت کے آٹھ طریقے ہیں، جن سب کو اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ ”طرق اثبات ہلال“ میں جمع فرما دیا ہے، اس وقت ان سب طریقوں کو بیان کرنا ہمارا مقصود نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ دوسرے شہر کی رویت کی خبر بذریعہ ریڈیو یا ٹیلیفون آئے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دوسری جگہ کی خبر کیسے معتبر ہوگی؟ اس سلسلے میں ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی میں ایک حدیث ہے، پہلے اسے ذہن نشیں کرلیں:

---

(۱) الصحيح للبخاري، ج: ۱، ص: ۲۵٦، كتاب الصوم، باب قول النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: لا نكتب ولا نحسب، مجلس البركات.

أُغْمِيَ عَلَيْنَا هِلَالُ شَوَّالٍ فَأَصْبَحْنَا صِيَامًا، فَجَاءَ رَكْبٌ مِنْ آخِرِ النَّهَارِ فَشَهِدُوا عند النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ، «فَأَمَرَهم رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُفْطِرُوْا وَأَنْ يَخْرُجُوْا إِلَىٰ عِيدِهِمْ مِنَ الْغَدِ».(۱)

ترجمہ: ایک دفعہ شوال کا چاند ۲۹ر کو دکھائی نہیں دیا تو ہم نے دوسرے دن روزہ رکھا، دن کے آخر حصہ میں کچھ سوار آئے، پھر انھوں نے نبی ﷺ کے حضور گواہی دی کہ ہم لوگوں نے چاند کل دیکھا ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ روزہ توڑ دیں اور کل عید کے لیے نکلیں۔

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ آنے والے صحابہ کرام تھے، جن کا جھوٹ بولنا وہ بھی حضور اقدس ﷺ کے حضور شرعاً ممکن نہیں، وہ بھی صرف ایک صاحب نہیں تھے، پوری جماعت تھی؛ اس لیے کہ "رکب" دس سے زائد سوار کو کہا جاتا ہے تو اتنا متعیّن ہو گیا کہ کم از کم دس صحابۂ کرام حضور اقدس ﷺ کو خبر دے رہے ہیں کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے، مگر ان کی یہ خبر شہادت کے بعد ہی شوال کے چاند کے بارے میں قبول ہوئی، تو پھر آج کل کے ماوشما کی خبر بغیر شہادت عید کے چاند کے سلسلے میں کب قابل اعتبار ہوگی۔ ریڈیو، ٹیلیفون، ٹی، وی کی خبر کا کیا ٹھکانا۔

(۵) جب دوسری جگہ کی رویت کے معتبر ہونے کے لیے شہادت بحکم حدیث شرط ہوئی تو شہادت اور گواہی کے تمام لوازم ضروری ہو گئے مثلاً عینی شاہد ہونا، یعنی گواہ نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہو، اب اگر گواہ نے خود چاند نہیں دیکھا ہے، یہ گواہی دیتا ہے کہ فلاں جگہ کے فلاں فلاں یا سب لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو معتبر نہیں؛ اس لیے کہ یہ شہادت نہ ہوئی، حکایت اور واقعہ بیان کرنا ہوا۔

در مختار میں ہے: لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية.(۲)

اگر دوسرے لوگوں کے چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو معتبر نہیں اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔

---

(۱) السنن لابن ماجه، ص: ۱۱۹، أبواب ما جاء في الصيام، باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال، برقم: ۱۶۵۳.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب: لا عبرة بقول الموقتين في الصوم، ج: ۳، ص: ۳۵۹، مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اور یہی عالمگیری وغیرہ میں بھی ہے اور یہ بات خود دنیوی کچہریوں میں بھی ہے، کسی معاملے میں گواہ اگر یہ گواہی دے کہ جو لوگ واقعے کے چشم دید گواہ ہیں انھوں نے مجھے بتایا تو یہ گواہی رد کر دی جائے گی، پھر عبادات وہ بھی فرائض وواجبات میں اتنی ڈھیل کیسے ہو سکتی ہے کہ محض حکایت کافی ہو، خصوصاً جب کہ حدیث سے ثابت کہ اس میں شہادت شرط ہے، یوں ہی گواہوں کا عادل ہونا اور بقدر نصاب ہونا لازم ہے۔ ارشاد ہے:

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ. (۱)

اور اپنوں میں سے دو عادل گواہ بنالو۔

اور فرمایا:

وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (۲)

اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ، اپنے گواہوں میں سے جنھیں تم پسند کرتے ہو۔

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ کسی بھی معاملے میں گواہی اس وقت معتبر ہوگی جب گواہ کم از کم دو مرد، یا ایک مرد دو عورتیں ہوں، جو سب کے سب مسلمان، عادل، ثقہ اور متدین ہوں نیز یہ بھی شرط ہے کہ عینی شاہد خود قاضی یا مفتی کے پاس حاضر ہو کر گواہی دیں، دور دراز شہروں سے اپنے گھر بیٹھے گواہی کیا معتبر ہوگی؟ مجلس قضا میں پردے کی اوٹ سے گواہی معتبر نہیں۔

(۶) ان تفصیلات سے ظاہر ہو گیا کہ ریڈیو، ٹی وی کی خبر رویت ہلال کے سلسلے میں بالکلیہ ساقط الاعتبار ہے۔ **اولاً**: یہ صرف ایک خبر ہے، شہادت نہیں۔ **ثانیاً**: صرف ایک شخص کی خبر ہے۔ **ثالثاً**: ریڈیو پر اعلان کرنے والے عموماً غیر مسلم ورنہ فاسق ضرور ہوتے ہیں۔ **رابعاً**: یہ خود چاند نہیں دیکھتا، یہ اعلان کرتا ہے کہ فلاں جگہ چاند دیکھا گیا، فلاں امام یا مولوی نے یہ اعلان کرایا۔ **خامساً**: قاضی یا مفتی کے پاس موجود نہیں،

---

(۱) القرآن المجید، سورۃ الطلاق، آیت: ۲.

(۲) القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۸۲.

میلوں کی دوری سے بول رہا ہے۔

(۷) ٹیلیفون کا بھی یہی حال ہے کہ وہ صرف ایک خبر ہوتی ہے اور اگر کوئی عادل، ثقہ ٹیلیفون پر گواہی بھی دے تو بھی غیر معتبر کہ اولاً: یہ صرف ایک شخص ہے۔ ثانیاً: روبرو حاضر نہیں، پس پردہ دوری سے بول رہا ہے۔

(۸) اب بات بالکل واضح ہو گئی کہ اگر ۲۹/ رمضان کو ریڈیو سے یہ خبر نشر ہو، یا ٹیلیفون سے کوئی یہ کہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا، فلاں امام یا مولانا نے تسلیم کر لیا، اور انھوں نے اعلان کر دیا ہے کہ کل یکم شوال ہے، تو یہ خبر شرعی اعتبار سے قطعاً ساقط و نا قابل اعتبار ہے، اس پر اعتماد کر کے دوسرے دن روزہ نہ رکھنا اور نماز عید پڑھنی ناجائز و گناہ، نہ صرف ایک گناہ بلکہ اکٹھے چار گناہوں کا ارتکاب ہے۔

اول: یہ کہ غیر شرعی طریقے کو شرعی طریقہ جان کر اس پر اعتماد کیا۔

دوم: دوسرے دن تیس رمضان تھی؛ اس لیے اس دن روزہ رکھنا فرض تھا، روزہ نہ رکھا یا رکھ کر توڑ دیا تو فرض کو چھوڑ دیا۔

سوم: نماز عید کے نام سے جو نماز پڑھی وہ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز عید نہ ہوئی، نفل ہوئی۔ نماز عید جس خاص ہیئت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، یعنی زائد تکبیروں کے ساتھ ویسی کوئی نفل مشروع نہیں تو یہ بنام نماز ایک لایعنی فعل میں مشغولیت ہوئی۔

در مختار میں ہے: لأنه اشتغال بما لا يصح.[1]

چہارم: اس گمان پر کہ نماز عید پڑھ چکے ہیں یکم شوال کو نہیں پڑھی اور نماز عید واجب ہے جسے چھوڑ دیا، پھر تیس رمضان کی تراویح سے محرومی اور تداعی کے ساتھ نفل کی ادائگی مزید براں۔

(۹) ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر پر روزہ سے روکنے والے، روزہ توڑنے والے بڑے زور و شور سے یہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے، اس پر انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بہ طریق شرعی یہ ثابت ہو جائے کہ یہ عید کا دن ہے تو اس دن روزہ رکھنا ضرور مکروہ تحریمی ہے، حرام قطعی نہیں، اگرچہ کبھی کبھی فقہا مکروہ تحریمی پر بھی حرام کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ٤٦، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

در مختار میں ہے: والمكروه تحريما كالعيدين.[1]
لیکن جب ۲۹/ر رمضان کے چاند کا ثبوت بہ طریق شرعی نہ ہو تو دوسرے دن بلا شبہہ تیس رمضان ہے۔ حدیث گزر چکی۔

فإن أغمِيَ عليكم فأكملوا العدة ثلاثين.[2]
جب چاند نظر نہ آئے یا اس کا شرعی ثبوت نہ ملے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

اور آپ نے دیکھا کہ اس دن روزہ چھوڑنے یا توڑنے اور نماز عید پڑھنے میں اکٹھے چار گناہوں کا ارتکاب لازم آتا ہے، تو یہ کون سی عقل مندی اور دین داری ہے کہ اس توہم پر کہ یہ عید کا دن ہے کراہت سے بچنے کے لیے چار چار گناہوں کا ارتکاب کیا جائے۔

(۱۰) کچھ لوگ یہ دھوکا دیتے ہیں کہ نجی معاملات میں ریڈیو، ٹیلیفون کی خبر پر سب اعتماد کرتے ہیں پھر چاند کے معاملے میں کیوں معتبر نہیں؟

اس کے جواب کی طرف ہم نے ابتدا ہی میں اشارہ کر دیا ہے کہ روزہ اور نماز عید خالص عبادات ہیں، اور ان کے اوقات کی تعیین اور شناخت کا طریقہ خود شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دیا ہے، اس میں ترمیم اور تبدیل کا ہمیں یا کسی کو کوئی حق نہیں، شارع علیہ السلام نے جیسے بتایا ہے اسی کے مطابق عمل واجب ہے۔ حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس ﷺ نے دوسری جگہ سے آئی ہوئی خبر پر شہادت کے بعد اعتماد فرمایا، حالاں کہ دوسرے نجی معاملات میں ایک شخص کی خبر پر اعتماد فرما لیتے تھے، مثلاً کسی کی بیماری، موت وغیرہ میں۔ پھر کیا وجہ تھی کہ رویت ہلال کی خبر پر بغیر شہادت کے اعتماد نہیں فرمایا؟ ہم اس کے مکلف ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی اتباع کریں، کیوں ایسا حکم ہے اس کے جاننے کے ہم مکلف نہیں۔

علما نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی نے چاند دیکھا مگر کسی وجہ سے اس کی گواہی قاضی نے رد کر دی تو اسے جائز نہیں کہ دوسرے دن روزہ چھوڑے اور نماز عید پڑھے، واجب ہے کہ روزہ رکھے۔

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ۳۳٦، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
(۲) الصحيح للبخاري، ج: ۱، ص: ۲٥٦، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال، مجلس البركات.

الفتاوى الهندیۃ میں ہے:

رجل رأى هلال الفطر وشهد ، ولم تقبل شهادته كان عليه أن يصوم فإن أفطر ذلك اليوم كان عليه القضاء دون الكفارة، كذا في فتاوى قاضي خان.[1]

ترجمہ: ایک شخص نے عید الفطر کا چاند دیکھا اور گواہی دی اور اس کی گواہی قبول نہ ہوئی تو اس پر واجب ہے کہ روزہ رکھے، اگر روزہ نہیں رکھا، تو اس پر قضا واجب ہے، البتہ کفارہ نہیں۔

بلکہ اگر گواہی نہ دی تو بھی اس پر دوسرے دن روزہ رکھنا واجب ہے۔

اسی میں اس کے پہلے ہے:

فمن رآه وحده لا يفطر أخذا بالاحتياط في العبادة فإن أفطر قضاه، ولا كفارة عليه.[2]

ترجمہ: جس نے عید الفطر کا چاند تنہا دیکھا تو دوسرے دن روزہ نہ چھوڑے عبادت میں احتیاط کرتے ہوئے تو اگر روزہ نہیں رکھا تو اس کی قضا کرے، البتہ اس پر کفارہ نہیں۔

للہ انصاف! اس نے خود چاند دیکھا، اسے یقین ہے کہ کل یکم شوال ہے، روز عید ہے، مگر علما فرماتے ہیں کہ عبادت کے معاملے میں احتیاط لازم ہے؛ اس لیے وہ روزہ رکھے۔ یہ نہیں فرماتے کہ عید کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ اس لیے روزہ نہ رکھے بلکہ روزہ رکھنے کو واجب فرماتے ہیں حتی کہ نہ رکھنے پر قضا کا حکم دیتے ہیں۔ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنے میں جو قوت ہے، وہ ریڈیو ٹیلیفون کی خبر میں کبھی نہیں۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ تو یہاں بدرجۂ اولیٰ روزہ رکھنا واجب ہوگا۔

پھر اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی بات پر ہر شخص عمل کرتا ہے، مگر روزے اور عید کے معاملے میں قاضی کا قبول کرنا، اور اس کا حکم دینا ضروری قرار دیا گیا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ خالص عبادت کا معاملہ ہے، اس میں شارع علیہ السلام کی اتباع ضروری ہے۔ صحابۂ کرام نے ان سواروں سے سن کر روزہ نہیں توڑا جب تک

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، ج: ١، ص: ٢١٨، مكتبه: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، ج: ١، ص: ٢١٨، مكتبه: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

گواہی لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم نہیں فرمایا۔

اسی طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ کوئی خبر سن کر خود روزہ نہ توڑیں، عید نہ کریں جب تک کہ شہر کا قاضی یا مفتی اعلان نہ کرے اور قاضی و مفتی اس کا پابند ہے کہ دوسری جگہ کی آئی ہوئی خبر بغیر شہادت شرعیہ کے قبول نہ کرے، جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان صحابۂ کرام کی خبر شہادت کے بعد قبول فرمائی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (1)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی، اور اپنے میں سے امر والے کی۔

بہ مصطفے برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست
ہمیں کرنی ہے شہنشاہ بطحا کی رضاجوئی
وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

ہلال عید اور ریڈیو

عوام بہت سی جگہ دہلی وغیرہ کے ریڈیو پر کچھ صاحبان کے اعلان پر ۲۹ر رمضان ہی کو عید کر لیتے ہیں۔
ان لوگوں کو خصوصیت سے اس پر توجہ دینا چاہیے کہ روزہ رکھنا اور نہ رکھنا، رکھ کر توڑ دینا، نماز عید پڑھنا خالص دینی احکام ہیں۔ ان کو روز مرہ کے معمولات اور نجی کاروبار پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اس میں اللہ عزوجل اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو طریقہ بتایا ہے، اس کی پابندی ضروری ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک بار ۲۹ر رمضان کو عہد نبوی میں شوال کا چاند نظر نہیں آیا، تو صحابہ کرام نے دوسرے دن روزہ رکھا، پھر دوپہر بعد کچھ سوار خدمت اقدس میں آئے اور انھوں نے یہ بتایا کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے۔ اور اس کی گواہی دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دن روزہ توڑنے کا حکم دیا۔ (2)

---

(1) القرآن المجيد، سورة النساء، آيت: ٥٩.
(2) السنن لابن ماجه، ص: ١١٩، أبواب ما جاء في الصيام، باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال، برقم: ١٦٥٣، وقد مر نصه.

صحابہ کرام سے زیادہ سچا اس دور میں کون ہے؟ مگر عید کے چاند کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ نے ان کی بات بھی بغیر گواہی کے قبول نہیں فرمائی تو آج کسی کی بھی صرف خبر کیسے قابل قبول ہوگی جب تک کہ وہ گواہی نہ دے، پھر محض ریڈیو پر کسی مولوی کا اعلان کیسے قابل قبول ہوگا؟

دوسری حدیث میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے شاگرد کریب شعبان میں دمشق گئے تھے، رمضان میں واپس آئے اور حضرت ابن عباس کو یہ بتایا کہ دمشق میں ۲۹؍ شعبان جمعہ کو لوگوں نے چاند دیکھا ہے، اور اسی حساب سے وہاں کے لوگوں نے اور خود حضرت معاویہ نے روزہ رکھنا شروع کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کریب سے پوچھا تم نے چاند دیکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میں نے دیکھا ہے، اور لوگوں نے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ ہم نے اس کو (۳۰؍ شعبان) سنیچر کو دیکھا ہے۔ اسی حساب سے روزہ رکھیں گے یہاں تک کہ تیس کی گنتی پوری کرلیں، یا ۲۹؍ کو چاند دیکھ لیں۔ اس پر کریب نے کہا کہ کیا آپ کو حضرت معاویہ کا دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (۱)

مسلمان غور کریں! کریب جلیل القدر تابعی ہیں، وہ خبر دے رہے ہیں کہ دمشق میں چاند ہو گیا ہے، رویت عام ہوئی، صحابی رسول، سلطان وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی چاند دیکھا ہے، اور اسی حساب سے وہ روزہ رکھ رہے ہیں، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما اسے قبول نہیں فرماتے ہیں، تو

---

(۱) ● الصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب بيان أن لكل بلد رؤ يتهم وأنهم إذا راؤا الهلال، ج: ۱، ص: ۳٤۸، مجلس البركات، ونصه: عن كريب أن أم الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام فقضيت حاجتها واستهل على رمضان وأنا بالشام فرأيت الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة في آخر الشهر فسألني عبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - ثم ذكر الهلال فقال: متى رأيتم الهلال؟ فقلت: رأيناه ليلة الجمعة، فقال: أنت رأيته؟ قلت: نعم، ورآه الناس، وصاموا وصام معاوية، فقال لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين أو نراه، فقلت: أولا تكفي برؤية معاوية وصيامه؟ فقال: لا، هكذا أمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم-. برقم: ۱۰۸۷.

● الجامع للترمذي، أبواب الصوم، باب ما جاء لكل أهل بلد رؤ يتهم، ج: ۱، ص: ۸۷، مجلس البركات.

● السنن لأبي داؤد، ج: ۱، ص: ۳۱۹، كتاب الصيام، باب إذا رئي الهلال في بلد.

پھر آج کل کے کسی مولوی یا امام کا دور دراز شہروں سے ریڈیو پر یہ اعلان کرنا کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے، دوسری جگہوں میں کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر فقہا نے فرمایا:

لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية[1].

اگر کچھ لوگ دوسروں کے چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو معتبر نہیں اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔

غور کیجیے! عادل متدین اشخاص سامنے موجود ہوتے ہوئے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے مگر یہ معتبر نہیں تو دور دراز شہر سے کسی ایک شخص کا اعلان کیسے معتبر ہوگا؟ ریڈیو، ٹیلیفون کی خبروں پر جو لوگ ۲۹ کا چاند مان کر دوسرے دن روزہ نہ رکھیں گے، یا روزہ رکھ کر توڑ دیں گے، اور نماز عید پڑھ لیں گے وہ ایک نہیں چار گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

اول: غیر شرعی طریقہ کو شرعی طریقہ جان کر اعتماد کیا۔

دوم: دوسرے دن تیس رمضان کو روزہ فرض تھا، اسے چھوڑا، یا روزہ رکھ کر توڑا۔

سوم: اس دن نماز عید کے نام سے جو نماز پڑھی، وہ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز عید نہ ہوئی، اور جس خاص ترکیب کے ساتھ نماز پڑھی ویسی کوئی نفل نماز مشروع نہیں تو ایک غیر صحیح فعل کو عبادت سمجھ کر ادا کیا۔

چہارم: اس گمان پر کہ ہم نماز عید پڑھ چکے ہیں۔ پہلی شوال کو نماز عید نہ پڑھی جو واجب تھی۔ اس طرح واجب کو ترک کیا، تیسویں شب کو تراویح نہیں پڑھی، تو اس سے محرومی اور تداعی کے ساتھ نفل نماز پڑھی، یہ مزید برآں۔

مذکورہ بالا باتوں کو بغور پڑھیے اور حکم شرعی میں اپنی سمجھ سے مداخلت کر کے ان گناہوں سے بچیے۔ اس موقع پر کچھ لوگ یہ پروپیگنڈا کر کے روزہ توڑ ڈالتے ہیں کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ناجائز و گناہ ہے لیکن پہلے یہ ثابت تو ہو لے کہ یہ دن عید کا ہے، جب یہ ثابت ہی نہیں کہ یہ دن عید کا ہے تو روزہ کی ممانعت کا پروپیگنڈا ہی غلط ہے۔ مزید اطمینان کے لیے گزارش ہے کہ ایک جگہ والوں کو دوسری جگہ والوں کی رویت پر اعتماد کر کے روزہ چھوڑنا، یا توڑنا، یا نماز عید

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ۳۵۹، کتاب الصوم، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

پڑھنی اسی وقت جائز ہے جب شریعت کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق ثبوت ملے، اور اس ثبوت کے صرف پانچ طریقے ہیں:

(۱)عینی شاہدوں کی شہادت (۲)شہادۃ علی الشہادۃ (۳)شہادۃ علی القضا

(۴)کتاب القاضی اِلی القاضی (۵)استفاضہ

ردالمحتار میں ہے:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية.[1]

یعنی دو شخص گواہی دیں، یا دو شخص قاضی کے فیصلے کی گواہی دیں، یا استفاضہ خبر ہو جائے۔ بخلاف اس کے دو شخصوں نے یہ خبر دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، اس کا اعتبار نہیں، اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔

ریڈیو میں صرف یہی ہوتا ہے کہ کوئی ایک شخص خبر دیتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوا۔ نہ اس میں خبر دینے والا سامنے موجود ہوتا ہے، اور نہ دو ہوتے ہیں، اور نہ گواہی دیتے ہیں۔ پھر اس کے معتبر ہونے کا سوال نہیں۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ گاؤں کے بے پڑھے لکھے سرمایہ دار، ذی اثر حتی کہ بعض مسجدوں کے عہدیداران امام کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ تیس رمضان کو نماز عید پڑھائے ورنہ امامت سے الگ کر دیا جائے گا۔ ملازمت کی لالچ میں بہت سے خدا ناترس اماموں نے روزہ رکھ کر نماز عید پڑھائی ہے۔ عوام کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس صورت میں نماز عید قطعاً نہیں ہوئی۔ ان کی ضد اور ہٹ تو پوری ہوئی، مگر سب لوگ نماز عید سے محروم رہے۔ ائمۂ مساجد پر فرض ہے کہ وہ خدا کا خوف کریں۔ رزاق، مسجد کے ممبران نہیں اللہ عزوجل ہے۔ ایسے موقع پر استقامت اختیار کریں۔ اور ریڈیو کی خبر پر ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھائیں۔ ان شاء اللہ، اللہ کی مدد ان کے شامل حال ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) • رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٦٤، ج: ٣، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
• رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، ج: ٢، ص: ٤٣٣، مكتبه، دار الفكر.

[۴] شرعی عید اور عرفی عید

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ چاند کی رویت کے شرعی ثبوت کے بغیر عید منانا کیسا ہے، اور ثبوت شرعی کا طریقہ کیا ہے؟ تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیں۔ اس لیے کہ اس بارے میں ہر سال پریشانی ہوتی ہے، آپ کی رہنمائی کے مطابق عمل کیا جائے گا، بینوا توجروا

الجواب

امسال (۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء) بھی عید کے معاملے میں اختلاف ہو گیا اور وہ بھی ایک اہم خط فاصل کے ساتھ، دیوبندی مذہب کے افراد نے ۲۹ کا چاند مان کر ۱۹؍ جنوری منگل کو عید کی حتیٰ کہ افریقہ وغیرہ میں بھی یہی ہوا، اور اقل قلیل اہل سنت نے بھی رو میں آکر ایسا ہی کیا۔ لیکن اہل سنت و جماعت کی اکثریت نے پورے ملک میں بلکہ پوری دنیا میں ۲۰؍ جنوری بدھ کو ۳۰ کے حساب سے عید کی۔ ہمارے یوپی کے کچھ بڑے بڑے شہروں میں بھی ۲۹ کے حساب ہی سے عید ہوئی لیکن سب کا مدار لکھنؤ یا دلی کے ریڈیو کی خبر پر تھا۔

امسال ایک خاص بات یہ رہی کہ یوپی میں کچھ جگہوں پر مطلع بالکل صاف تھا مگر اکثر جگہوں پر جہاں چاند نظر آیا، یا وہاں چاند دیکھنے کی خبر مشہور ہوئی تو دیکھنے والے اکثر دیوبندی ہی تھے البتہ ہمارے ضلع میں دو ایک دیوبندیوں نے اپنی روحانی قوت سے تہ بہ تہ بادلوں کے پیچھے سے بھی چاند دیکھ لیا۔ جس پر پورے ضلع کے دیوبندیوں نے عید کر لی۔ بہر حال! ہمیں دیوبندی مذہب سے غرض نہیں ہمارا مذہب الگ، ان کا مذہب الگ۔ وہ جب چاہیں جیسے چاہیں عید کر لیں۔ ہمارا مقصود اس مضمون سے اہل سنت و جماعت کے افراد کو یہ بتانا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آخر ہم لوگ شاہی امام دہلی جیسے شہرت یافتہ شاہی امام کا فیصلہ کیوں نہیں مانتے؟ ہمارا گریجویٹ طبقہ اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹی کے ماسٹران، پروفیسران، بیرسٹران، ڈاکٹران اس سلسلے میں علما پر سخت تنقیدیں کرتے ہیں کہ موت و زیست، آمد و رفت وغیرہ ہر معاملے میں ریڈیو و ٹیلی فون کی خبر معتبر ہے۔ پھر چاند کے معاملے میں کیوں معتبر نہیں؟ ان کے لہجے میں اس کا جواب یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کو ناتھورام گوڈسے نے قتل کیا اور اس وقت ملک کی سب سے بڑی شخصیت پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم نے ریڈیو اسٹیشن سے اعلان کیا کہ ہمارے باپو کو ناتھورام گوڈسے نے قتل کر دیا لیکن حیرت ہے کہ صرف ان کے اعلان پر

گوڈسے کو سزا نہیں دی گئی جب تک کہ وزیر اعظم سے بہت کمتر درجے کے جج کی کچہری میں قانونی طور پر گواہوں نے آکر چشم دید گواہی نہیں دی۔ آخر بات کیا ہے؟ اس پر نہایت ہی طنز آمیز لہجے میں گریجویٹ حضرات فرماتے ہیں کہ قتل کے کیس اور چاند کے ہونے نہ ہونے میں کیا علاقہ؟

ہمیں افسوس ہے کہ ایسی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو اپنے آپ کو معزز مسلمان سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک روزہ نماز آلو ٹماٹر کے برابر ہے کہ فون پر بھاؤ آگیا تسلیم کر لیا گیا۔ کاش! وہ لوگ مذہب کی روح سمجھتے، نماز روزے کی اہمیت جانتے، تو نماز روزے کو آلو ٹماٹر کے برابر نہیں جانتے۔

اب آئیے ہم سے سنیے۔ شوال کے چاند کا معاملہ بہت اہم ہے۔ ایک طرف یہ ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنا گناہ ہے مگر یہ ایک گناہ ہے، دوسری طرف یہ ہے کہ اگر ۲۹ کا چاند ثابت نہیں اور کسی نے دوسرے دن روزہ نہیں رکھا اور عید کر لی تو چار چار گناہ کا مرتکب ہوا۔ کما بیناہ فی فتاوانا مرارا۔

دیوبندی مذہب کے افراد اپنے مذہب کے مطابق چاند کا اعلان کر کے یہ چلاتے چلاتے گلا پھاڑ لیتے ہیں کہ آج عید ہے، عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ اہل سنت کو چاہیے کہ ان کے جواب میں یہ بھی اعلان کریں کہ آج ۳۰/ رمضان ہے۔ آج روزہ رکھنا فرض ہے۔ آج کے دن روزہ چھوڑنا، نماز عید پڑھنا، چار چار گناہوں کا مجموعہ ہے۔

آگے بڑھیے، اہل سنت بغور ملاحظہ فرمائیں! نماز و روزہ آلو ٹماٹر کے مثل نہیں۔ یہ دونوں عبادت ہیں اور ان دونوں کے لیے من جانب اللہ وقت مقرر ہے اور اس وقت کے جاننے کا طریقہ بھی۔

شریعت نے چاند کے ثبوت کے لیے جب کہ مطلع صاف ہو یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اتنی بڑی جماعت چاند دیکھے جن کی خبر پر یقین حاصل ہو جائے کہ واقعی چاند ہوا ہے۔ اکٹھے اتنے آدمی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ دو چار آدمیوں کے کہنے سے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے ثبوت نہیں ہوگا۔ جیسا کہ امسال بہت سی جگہوں پر ہوا ہے۔

اگر مطلع ناصاف ہو تو رمضان کے علاوہ ۱۱/ مہینے کے چاند کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں قاضی کے پاس آکر گواہی دیں کہ ہم نے اس سال فلاں وقت، فلاں دن، فلاں مہینے کا چاند دیکھا ہے۔ مثلاً اس سال کے بارے میں یہ کہے ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھ سے اس سال کے شوال کا چاند کل، یا آج مغرب سے قبل یا مغرب کے بعد دیکھا ہے''۔ وہ بھی قاضی کے سامنے آکر۔

اس میں دو باتیں بنیادی ہیں۔ **اول:** خاص یہ لفظ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں اور اگر خاص یہ لفظ نہ کہے اور

اس کی جگہ کچھ اور کہے میں قسم کھاتا ہوں، میں حلف اٹھاتا ہوں میں حلفیہ بیان دیتا ہوں معتبر نہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ بیان حلفی الگ چیز ہے اور گواہی الگ چیز۔

دوسرے یہ کہ ایسا لفظ ضرور کہے جس سے متعین ہو جائے کہ جس مہینے کے چاند کے بارے میں نزاع ہے اسی کے بارے میں یہ گواہی دے رہا ہے۔ مثلاً اگر کہا کہ میں نے شوال کا چاند دیکھا ہے تو بے کار۔ جب تک تعین نہ کرے الفاظ کے ذریعہ سے کہ اس سال کے شوال کے متنازع چاند کی گواہی دے رہا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جب تک وہ بات معین نہ ہو جس کے بارے میں گواہی دی جا رہی ہے گواہی بے کار ہے۔ گواہی میں قیاس اور غلبۂ ظن سے استخراج مفید نہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ اس صورت خاص میں گواہی کی ضرورت ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس خصوص میں فقہائے کرام کے عقلی استدلالات سے قطع نظر کرتے ہوئے حدیث پیش کرتا ہوں:

امام ابوداؤد اور امام ابو عبداللہ یزید بن ماجہ قزوینی نے اپنی اپنی سنن میں اور امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں یہ حدیث روایت کی، واللفظ للطحاوي:

إِنَّ الْهِلَالَ خَفِيَ عَلَى النَّاسِ فِي آخِرِ شَهْرٍ مِنْ رَمَضَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَصْبَحُوا صِيَامًا فَشَهِدُوا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ, أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ اللَّيْلَةَ الْمَاضِيَةَ. فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ بِالْفِطْرِ, فَأَفْطَرُوا تِلْكَ السَّاعَةَ، وَخَرَجَ بِهِمْ مِنَ الْغَدِ, فَصَلَّى بِهِمْ صَلَاةَ الْعِيدِ ".[1]

رمضان کے مہینے کے اخیر دن چاند لوگوں سے چھپ گیا، دوسرے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا اس کے بعد کچھ لوگوں نے زوال کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں گواہی دی کہ ان لوگوں نے گزشتہ رات چاند دیکھا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں، سب لوگوں نے اسی وقت روزہ توڑ دیا، دوسرے دن صبح کو عید کی نماز پڑھائی۔ ابوداؤد میں ہے: "جاء رکب" کچھ سوار آئے، جو یہ گواہی دے رہے تھے۔ ابن ماجہ میں

---

(۱) • شرح معانی الآثار، ج: ۱، ص: ۱۸۸، كتاب الصلاة، باب الإمام يفوته صلاة العيد هل يصليها من الغد أم لا؟ برقم: ۲۲۷۳.
• السنن لأبي داؤد، أبواب الصيام، باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال، برقم: ۱۶۵۳.

"بعد زوال الشمس" کے بعد ہے "آخر النهار"۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ یہ چاند کی خبر لانے والے صحابۂ کرام تھے۔ اور وہ بھی ایک نہیں کم از کم تین مگر حضور اقدس ﷺ نے صرف ان کی خبر پر اکتفا نہیں فرمایا۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ صحابہ کرام جھوٹ بولیں گے؟ وہ بھی حضور ﷺ کے سامنے جب کہ صحابہ کا عالم یہ تھا کہ عہد رسالت میں کھل کر اپنی عورتوں سے بات چیت نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے صرف خبر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب ان لوگوں نے گواہی دی تو قبول فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عید کے چاند کی رویت کے ثبوت کے لیے جب مطلع ناصاف ہو بقدر نصاب چاند دیکھنے والوں کی گواہی ضروری ہے، اور اسی کے حکم میں دوسرے مہینے بھی ہیں۔ البتہ رمضان کا چاند مستثنیٰ ہے جب کہ مطلع ناصاف ہو تو صرف ایک مسلمان کی خبر کافی ہے، جب کہ یہ ظاہر نہ ہو کہ یہ فاسق ہے جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے۔

جب عید کے چاند کے ثبوت کے لیے شہادت شرط ہوئی تو محض خبر کا اعتبار ساقط، خواہ وہ خبر دینے والا کوئی بھی ہو۔ خواہ وہ خبر کسی شخص کی ہو حتی کہ اگر دو چار آدمی کسی شہر سے آکر یہ خبر دیں بلکہ یہ شہادت بھی دیں کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے بلکہ تعیین بھی کر دیں کہ فلاں فلاں لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو معتبر نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية.[1]

اگر دو شخصوں نے یہ خبر دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے دیکھا تو معتبر نہیں؛ اس لیے کہ یہ حکایت ہے (شہادت نہیں۔)

درمختار میں ہے: لا لو شهدوا برؤية غيره؛ لأنه حكاية.[2]

دوسرے لوگوں کے چاند دیکھنے کی بہت سے لوگوں نے گواہی دی تو معتبر نہیں اس لیے کہ یہ حکایت ہے (شہادت نہیں۔)

تو جب دو چار ثقہ متدین افراد کی یہ شہادت وہ بھی قاضی کے سامنے حاضر ہو کر معتبر نہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں فلاں لوگوں نے ۲۹ کا چاند دیکھا ہے تو ریڈیو ٹیلی فون کی خبر کیا معتبر ہوگی؟ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، كتاب الصوم، ج: ۳، ص: ۳۶۷، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، كتاب الصوم، ج: ۳، ص: ۳۵۹، دار الكتب العلمية، بيروت.

ریڈیو سے غلط خبر شائع ہوگئی۔ ایک سال ریڈیو سے خبر نشر ہوئی کہ ممبئی میں ۲۹ کا چاند ہو گیا ہے، اور یہاں کل عید ہے لیکن واقع میں اس سال ممبئی میں ۳۰ کے اعتبار سے عید ہوئی۔

چند سال پہلے کی بات ہے، آل انڈیا ریڈیو سے ۲۸ ر رمضان گزار کر رات میں یہ خبر نشر ہوئی کہ امام شاہی مسجد دہلی نے اعلان کر دیا ہے کہ آج شوال کا چاند ہو گیا ہے کل عید ہے اور ان کے ماننے والوں نے عید کر ڈالی۔ جب کہ اس تاریخ کو چاند کی رویت ممکن ہی نہیں اور عید بالکل ہی غلط، باطل اور حرام ہوئی۔ مگر جہالت اور روزہ گھٹانے کے شوق کا کیا علاج؟ بہر حال! یہ تو عارضی باتیں ہیں، بنیادی بات وہی ہے جو میں نے پہلے تحریر کی کہ اس بارے میں محض خبر بنص حدیث معتبر نہیں اگر چہ خبر دینے والے ثقہ متدین ہوں یا ریڈیو یا ٹیلی فون سے کوئی بہت بھاری بھر کم شخصیت اعلان کرے، اور یہی فقہاے کرام کی تصریحات سے ثابت ہے؛ اس لیے جن لوگوں نے ریڈیو ٹیلی فون کی خبر سے امسال ۱۹ ر فروری منگل کے دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا اور اسی دن نماز عید پڑھ لی وہ ایک نہیں چار، چار گناہ کے مرتکب ہوئے۔ مطلع صاف نہ ہونے یا رویت سے کوئی مانع ہونے کی صورت میں دوسری جگہ کے چاند کے معتبر ہونے کے لیے پانچ طریقے ہیں:

اول: جن لوگوں نے چاند دیکھا ہے وہ خود قاضی کے سامنے حاضر ہو کر گواہی دیں اور سب کے سب لائق قبول شہادت ہوں اور کم از کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

دوم: شهادة على القضا: دو شخص قاضی کے اجلاس میں موجود تھے، ان کے سامنے بقدر نصاب گواہوں نے آکر قاضی کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہے۔ اس کے مطابق قاضی نے حکم دے دیا پھر یہ دونوں شخص دوسرے شہر کے قاضی کے پاس آئیں اور قاضی کے اجلاس میں گواہی دیں کہ فلاں شہر کے قاضی کے یہاں ہماری موجودگی میں گواہان بقدر نصاب نے یہ گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہے اور قاضی نے ان کی گواہی قبول کر کے اس کے مطابق حکم دے دیا ہے۔

سوم: شهادة على الشهادة: کسی شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا، ان دیکھنے والوں میں سے کم از کم مثلاً دو مردوں نے، دو مردوں کو اپنی شہادت کا شاہد بنایا، جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان دو مردوں کے سامنے چاند دیکھنے والوں میں سے ہر ایک یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے امسال شوال کا چاند کل یا فلاں روز دیکھا ہے، اور میں تم دونوں کو اپنی اس گواہی پر گواہ بناتا ہوں۔ پھر دوسرے شاہد دوسرے شہر میں آکر قاضی کے

اجلاس میں یوں گواہی دیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں بن فلاں، ساکن فلاں، محلہ فلاں نے ہمارے سامنے یہ گواہی دی کہ امسال شوال کا چاند میں نے کل یا فلاں تاریخ کو دیکھا ہے۔ میں تم دونوں کو اپنی اس گواہی پر گواہ بناتا ہوں۔ اس کے معتبر ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں:

(۱) اصل گواہ اتنی دور ہوں کہ اس شہر میں آکر گواہی دے کر شام تک گھر نہ پہنچ سکیں اور اس میں اعتبار اوسط چال سے پیدل چلنے کا ہے۔ علما نے میلوں سے اس کی کوئی مقدار نہیں معین کی ہے۔ آج کے پر فتن دور میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تعیین میلوں سے کر دی جائے۔ میرا اپنا استنباط یہ ہے کہ یہ فاصلہ ۱۵ر کلومیٹر ۳۳۳ میٹر ہونا چاہیے۔ یہ استنباط اس پر مبنی ہے کہ مجدد اعظم اعلی حضرت قدس سرہ نے جد الممتار میں دلائل قاطعہ سے ثابت فرمایا ہے کہ مدت مسافت ساڑھے ستاون میل ہے جو موجودہ اعشار یہ میل سے ۹۲ر کلومیٹر ہوتا ہے تو یہ ایک دن کی مسافت ۳۰ر کلومیٹر ۶۶۶ میٹر ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک آدمی ایک دن میں پیدل اوسط رفتار سے اتنا چل سکتا ہے جس سے نہ تھک کر چور ہو گا نہ اس کی صحت پر اثر پڑے گا، اور شریعت میں اس کا اعتبار ہے تو اصل گواہ کو کم از کم اتنی دور رہنا چاہیے کہ آمد و رفت مل کر ۳۰ر کلومیٹر ۶۶۶ میٹر سے کچھ زائد ہو۔

(۲) گواہان فرع یہ ضرور کہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں۔

(۳) اصل گواہوں کے والد اور ان کے دادا کا بھی نام لیں، جائے سکونت و تعیین محلہ بھی بیان کریں۔ یعنی ان کا نام اس طرح لیں کہ وہ بالکل معین مشخص ہو جائیں جس میں کوئی شک و شبہہ یا التباس نہ رہے۔

چہارم: کتاب القاضی: یعنی قاضی شرع کے سامنے شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی، اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام و نشان پورا لکھا جس سے کافی امتیاز واقع ہوا، اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ میرا خط فلاں شہر کے قاضی کے نام ہے۔ آپ لوگ اسے باحتیاط بعینہ ان تک پہنچا دیں، اس کے بعد وہ گواہان باحتیاط اس خط کو مکتوب الیہ کے پاس لائیں اور ان الفاظ میں شہادت دیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خط آپ کے نام فلاں شہر کے قاضی نے ہم کو دیا اور ہم کو گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے، تو دوسرے شہر کے قاضی کو اس کی اجازت ہے کہ اس خط کے مطابق فیصلہ کرے، اور بہتر یہ ہے کہ پہلا قاضی خط لکھ کر ان گواہوں کو سنا دے اور خط بند کر کے ان

کے سامنے سربمہر کر دے، اور اولی یہ ہے کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان کو دیدے کہ اسے یاد کرتے رہیں اور دوسرے قاضی کے سامنے گواہی دیں کہ اس خط میں یہ مضمون ہے۔

فتاوی خیریہ میں ہے کہ یہ ضروری ہے کہ قاضی اوّل گواہوں کے سامنے خط لکھے۔

پنجم: کسی شہر سے متعدّد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھ کر روزہ شروع ہوا یا عید کی گئی، محض بازاری افواہ کہ خبر اڑ گئی اور قائل کا پتا نہیں، پوچھیے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سنا ہے یا لوگ کہتے ہیں، یا بڑی کوشش کی گئی تو کسی نامعلوم مجہول کا پتا بتایا گیا، محض بازاری افواہ نا معتبر۔ علما نے اس کے لیے جماعات متعدّدہ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے، اس لیے دو چار آدمیوں کا کہنا معتبر نہیں، باری باری ایک ایک دو دو آدمیوں کا کہنا بھی معتبر نہیں۔ جماعت کم از کم تین افراد سے پوری ہوگی اور متعدّد اس وقت ہوگی جب کہ کم از کم تین جماعتیں ہوں اس کا حاصل یہ نکلا کہ کم از کم تین تین آدمیوں کی تین جماعتیں آکر یہ خبر دیں کہ ہم فلاں شہر سے آرہے ہیں، وہاں کے لوگوں نے ۲۹ کا چاند دیکھ کر فلاں دن سے روزہ رکھنا شروع کیا ہے، یا فلاں دن عید کی ہے۔

استفاضہ میں جب یہ شرط ہے کہ اس شہر سے متعدّد جماعتیں آکر خبر دیں تو معلوم ہوا کہ ٹیلی فون کی خبریں غیر معتبر اور اسی طرح ریڈیو کی بھی۔

پھر اس کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ جس شہر سے یہ جماعتیں خبر لائیں وہاں کوئی ایسا قاضی و مفتی مرجع خلائق موجود ہو جس کے حکم سے لوگ روزہ رکھتے ہوں اور عید کرتے ہوں، وہ خود پابند شرع، خدا ترس اور صاحب استقامت ہو جو دنیا دار رؤسا کے دباؤ میں نہ آئے، ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرے، اور لوگ روزہ و عید کے عمل میں اس کے احکام کے پابند ہوں۔

مذکورہ بالا طریقوں کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاوی رضویہ جلد چہارم میں مطبوع رسالۂ مبارکہ "طریق اثبات ہلال" میں بیان فرمایا ہے، اور ہر مسئلے کو کتب فقہ کے حوالے سے مدلل فرمایا ہے، اگر کسی صاحب کو اس پر اطمینان نہ ہو تو کتب فقہ کے رویت ہلال کا باب اور کتاب الشہادۃ کا مطالعہ کرلیں۔ ہم نے ان مضامین کو بالاختصار اپنے ماہنامہ میں اس لیے دیا ہے کہ ہر سال شوال کے مہینے میں پوری دنیا سے اس سلسلے میں بے شمار استفتے آتے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد انتہائی افسوس ہوتا ہے۔

ناظرین کی تسکین کے لیے میں صرف ایک مفتی صاحب کی کارکردگی اور قضا کا حال تحریر کر دیتا ہوں۔

امسال ہمارے اطراف ضلع مئو اور اعظم گڑھ کے مطلع پر بہت گہرا بادل تھا، دیوبندیوں نے تو ۲۹ کے اعتبار سے عید کرلی کیوں کہ ہمارے دیار کے دیوبندیوں نے اپنے مذہب کا جز بنالیا ہے کہ ہم ۲۹ ہی کو عید کریں گے، اس لیے سارے دیوبندیوں نے ۲۹ کی عید کرلی، اور ایک کوردہ برآمد پور مضافات محمد آباد گوہنہ سے چاند برآمد کرلیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دفتر سے اطلاع ملی کہ غازی پور میں چاند دیکھا گیا ہے، جانشین حافظ ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مد ظلہ سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے دو افراد کو غازی پور مدرسہ چشمۂ رحمت میں بھیجا، وہاں کے مفتی صاحب نے جو تحریر ان لوگوں کو دی اس کی نقل لفظ بہ لفظ یہ ہے:

”میں تصدیق کرتا ہوں کہ غازی پور میں کئی افراد نے جو متشرع اور دین دار ہیں عینی شہادت دی ہے کہ ہم لوگوں نے شوال کا چاند دیکھا ہے، لہٰذا ان معتبر حضرات کی گواہی سے یہاں رویت کا اعلان کر دیا گیا ہے، میں اپنی تحریر مولانا محبوب صاحب اور ماسٹر فیاض صاحب کو پانچ افراد کے سامنے دے رہا ہوں، یہاں میرے گھر پر مہر نہ ہونے کے سبب مہر نہیں لگایا ہے، دو بجے رات میں تحریر کر رہا ہوں“۔

الفقیر
جمیل احمد غفرلہ
خادم دار الافتا مدرسہ چشمۂ رحمت، غازی پور
۱۸؍ جنوری ۱۹۹۹ء مطابق ۲۹؍ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

اب ناظرین اس تحریر کے عجائبات کو ملاحظہ کریں:

اول: اس تحریر کو اگر رویت ہلال کے شرعی طریقوں میں سے کسی میں داخل کیا جا سکتا ہے تو وہ کتاب القاضی إلی القاضی ہے۔ کتاب القاضی إلی القاضی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ قاضی اپنے نام اور پتے کے ساتھ مکتوب الیہ کا نام اور پتا لکھے اور اس عجوبۂ روزگار تحریر میں کسی مکتوب الیہ کا نام نہیں۔

دوم: قاضی صاحب نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ مطلع صاف تھا یا ناصاف۔ مطلع اگر صاف تھا تو اتنی بڑی جماعت کا دیکھنا ثبوت کے لیے ضروری تھا جن کی خبر پر غلبۂ ظن ملحق بہ یقین حاصل ہو جائے۔ کئی افراد کا صدق دو تین پر بھی ہو سکتا ہے، جب مطلع صاف ہو تو دو، تین، پانچ، دس کی بھی گواہی نامعتبر، میں نے بعد میں پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ غازی پور میں مطلع صاف تھا، اس لیے کئی افراد کی گواہی مسترد۔

سوم: گواہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے شوال کا چاند دیکھا ہے۔ کس دن، کس تاریخ میں دیکھا ہے غائب۔

چہارم: کس سنہ کے شوال کا چاند دیکھا ہے غائب۔

پنجم: آگے قاضی صاحب لکھتے ہیں: یہاں رویت کا اعلان کر دیا گیا، کس وقت کی رویت کا اعلان ہے غائب۔

ششم: کس مہینے کی رویت کا اعلان کر دیا گیا ہے غائب۔

ہفتم: عجب العجاب، تحریر لکھنے کا وقت لکھا ہے، دو بجے رات۔ تاریخ لکھی ہے ۱۸ر جنوری ۱۹۹۹ء مطابق ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ۔

ناظرین نوٹ کر لیں، انگریزی تاریخ ۱۲ر بجے شب سے بدل جاتی ہے اور ہماری تاریخ سورج ڈوبنے کے بعد بدلتی ہے تو قبلہ مفتی صاحب نے عیسوی اور ہجری جو تاریخیں لکھی ہیں اس کے حساب سے لازم آتا ہے کہ انھوں نے یہ تحریر اتوار کا دن گزار کر دوشنبہ کی رات میں دو بجے رات کو لکھی ہے تو لازم آیا کہ ان کی تحریر کے مطابق ان کے سامنے اتوار کا دن گزر کر شام کو جب کہ ۲۸ر رمضان المبارک تھی، مغرب سے پہلے یا مغرب کے بعد غازی پور میں چاند ہوا ہے۔ لیکن قبلہ مفتی صاحب نے یہ تحریر دوشنبہ ۱۸ر جنوری کا دن گزار کر رات میں ۲ر بجے لکھی ہے، جب کہ ۱۹ر جنوری شروع ہو چکی تھی۔ اگر واقعی ان کے یہاں اس وقت سے پہلے گزشتہ شام میں چاند ہونے کی شہادت شرعیہ گزری ہوتی تو یہ رات ۲۹ر رمضان المبارک کی نہیں ہوتی بلکہ یکم شوال کی ہوتی اور اگر گزشتہ شام کو چاند نظر نہیں آیا تھا تو اس رات کو ۳۰ر رمضان المبارک ہوتی نہ کہ ۲۹ر رمضان المبارک، ہوش و حواس کا یہ عالم اور بیٹھے ہوئے ہیں غازی پور کے منصب افتا و قضا پر۔

اسی کو حدیث میں فرمایا:

اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا واضلوا.[1]

لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جو بغیر علم کے فتوی دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اسی کو حافظ سعدی شیرازی نے فرمایا:

طوق زریں ہمہ در گردن خری بینم

اس قسم کی ایک اور تحریر دار الافتا میں آئی ہے، طوالت کے خوف سے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ عوام بھائیوں سے گزارش ہے کہ میں نے ان کو ایک نمونہ دکھایا، اسی قسم کی تحریروں اور خبروں پر آپ علما کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ روزہ توڑنے اور عید منانے کا اعلان کریں، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ ۲۹ر روزہ گراں نہیں ہوا اور ایک روزہ چھوڑنے کے شوق میں لوگ خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور علما کو بھی پریشان کرتے ہیں اور بلا ضرورت ٹیلی فون اور پٹرول پھونک کر پیسے برباد کرتے ہیں۔ امسال جامعہ اشرفیہ کے دفتر میں اتنے ٹیلی فون آئے جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا، مغرب بعد سے لے کر صبح ۶ر بجے تک ایک منٹ کے لیے فون بند نہیں ہوا اور یہی حال گھوسی مدرسہ شمس العلوم کے دفتر کا تھا خود میرے نجی ٹیلی فون پر سیکڑوں فون آئے۔ سیدھا سادہ حکم حضور اقدس ﷺ کا ہے:

صوموا الرؤيته وأفطروا الرؤيته فإن أغْمِيَ عليكم فأكملوا العدة ثلاثين.[2]

چاند دیکھ کر روزہ رکھو چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو، اگر ۲۹ر کو چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

ہمارے سنی بھائی یہ نوٹ کر لیں، دیوبندی مذہب ہم سے الگ دوسرا مذہب ہے، ان کے عقائد الگ،

---

(۱) • الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲۰، كتاب العلم، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.
• الصحيح للمسلم، ج:۲، ص: ۳٤۰، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل الفتن، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.
• الجامع للترمذي، ج: ٤، ص: ۳۹۰، باب ما جاء في كتاب العلم، مطبع: دار الغرب الإسلامي، بيروت.

(۲) • الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲٥٦، كتاب الصوم، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.
• السنن للنسائي، ج: ٤، ص: ۲۳٥، كتاب الصيام، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب.

ان کے اعمال الگ، جیسے رافضیوں اور قادیانیوں کا مذہب ہے، ان کے مذہب کی پیروی کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اب دیوبندی مذہب کے ماننے والوں نے طے کر رکھا ہے کہ ۲۹ ہی کو ہمیشہ عید کیا کریں گے، تیس کی کبھی نہیں کریں گے۔ لہذا ان کی نہ سنو، جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو ان کی سنو، مانو اور عمل کرو، ہر مہینہ کی طرح شوال کا چاند بھی کبھی ۲۹ر کو نظر آئے گا، کبھی تیس کو، ۲۹ کو چاند نظر آجائے یا شرعی ثبوت مل جائے فبہا ورنہ تیس کی گنتی پوری کیا کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵] رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک مسلمان کی خبر کافی ہے

مسئلہ- زید کی بستی کے لوگوں نے ۲۹ر شعبان کو چاند نظر نہ آنے پر ۳۰ر شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا شروع کیا۔ زید اپنی بستی سے چالیس میل دور کسی دوسری بستی میں ۲۹ر شعبان کو تھا۔ زید جب چار رمضان کو بستی لوٹا تو کہا کہ میں نے ۲۹ر شعبان کو چاند دیکھا ہے۔ کیا زید کے چار رمضان کے بعد گواہی پر بستی والے ایک روزے کی قضا کریں؟

مدرسہ فخریہ غوث اعظم نبی پور بھوج پور

الجواب

رمضان شریف کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک ایسے مسلمان کی خبر کافی ہے جو فاسق نہ ہو، اب اگر زید فاسق نہیں اور مسلمان ہے تو اس کی خبر پر کہ "میں نے فلاں جگہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہے" ۲۹ر شعبان کا چاند مان لینا ضروری ہے اور جن لوگوں نے چاند نہ ہونے کی وجہ سے ۳۰ر شعبان کو روزہ نہیں رکھا ان پر ایک روزے کی قضا واجب۔ تنویر الابصار اور در مختار میں ہے:

(وقبل بلا دعوى و) بلا لفظ (أشهد) وبلا حكم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لا (شهادة للصوم مع علة كغيم) وغبار (خبر عدل) أو مستور.[1]

بشرطے کہ یہاں مطلع ابر آلود یا گرد آلود ہو، اور اگر مطلع صاف رہا ہو تو ایک آدمی کی خبر ہی نہیں دو آدمی کی شہادت بھی ناکافی ہے، اسی میں ہے:

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۲، ج: ۳، کتاب الصوم، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

(و) قبل (بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم.(۱)

اسی طرح عید الفطر اور دیگر مہینوں کے چاند کے لیے جب مطلع صاف ہو تو دو آدمیوں کی بلکہ چند آدمیوں کی بھی گواہی معتبر نہیں۔ رمضان کے علاوہ بقیہ مہینوں کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی خبر بلکہ شہادت ہی ناکافی ہے، جب مطلع ناصاف ہو تو رمضان کو چھوڑ کر بقیہ مہینوں کے لیے اگرچہ وہ عیدین کے مہینے ہوں کم از کم دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی جو سب کے سب عادل اور ثقہ ہوں شہادت شرعیہ شرط ہے۔ انھیں دونوں کتابوں میں ہے:

(والشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ أشهد) وعدم الحد في قذف.(۲)

اس وجہ سے زید اگر عادل، ثقہ اور متدین ہو تو اس کی یہ خبر کہ میں نے فلاں جگہ عید کا چاند ۲۹/ رمضان کو دیکھا ہے غیر معتبر ہے بلکہ شہادت بھی دے تو معتبر نہیں؛ اس لیے تنہا زید کی خبر یا شہادت پر یہ جائز نہیں کہ تیس رمضان کو روزہ چھوڑیں اور عید کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۶] مطلع صاف ہونے کی صورت میں چاند کا ثبوت

مسئلہ- امسال ۲۹/ رمضان ۱۴۰۸ھ ہمارے گجرات میں پیر کا روزہ تھا اسی روز رات میں تراویح سے فراغت کے بعد بعض جگہ کے لوگ تراویح سے قبل ہمارے شہر سورت میں چاند کمیٹی کے پاس گواہی دینے کے لیے آئے، سورت چاند کمیٹی نے ان کی گواہی لے لی اور یہ کہہ کر اعلان نہ کیا کہ مطلع صاف تھا؛ اس لیے جماعت عظیم درکار ہے، ہم آپ لوگوں کی گواہی لیے لیتے ہیں، جب ہمیں اور لوگ بھی مل جائیں گے جن کو ملا کر جماعت کثیر کا حکم لگ جائے گا تو ہم اعلان کر دیں گے۔

سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ رضویہ شریف جلد: ۴، ص: ۵۴۶،

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۵، ج: ۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۳، ج: ۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

۵۴۷ پر بڑودہ گجرات کے نواب سید معین الدین صاحب کا ایک سوال ہے اور اعلیٰ حضرت کا جواب جس کے چند جملے لکھ رہا ہوں اس کا مطلب سمجھا دیں۔ (اگر چہ غلام یا کھلے فساق ہوں اور اگر کثرت حد تواتر تک پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم و کافر سب کی مقبول ہے۔) کافر سے مراد اعلیٰ حضرت نے کن کافروں کو لیا ہے کیا وہابی دیوبندی بھی اس میں شامل ہو جائیں گے ؟ با لتفصیل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

غلام مصطفی قادری برکاتی، مہتمم دار العلوم انوار رضا، نوساری، ضلع بلساڑ، گجرات

الجواب

مطلع صاف ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ افق پر نہ بادل ہے، نہ گرد و غبار ہے، نہ دھواں ہے اور نہ کہرا ہے یعنی ایسی کوئی چیز نہیں جو دکھائی دینے میں حارج ہو۔ اپریل، مئی، جون وغیرہ کے مہینوں میں عموماً فضا میں گرد کی دبیز تہیں ہوتی ہیں، یہ بھی مطلع ناصاف ہونے کی ایک صورت ہے۔ اگر آپ کے یہاں سورت میں جانب غرب سمندر قریب ہونے کی وجہ سے مطلع پر گرد بھی جمع نہیں تھی تو ضرور آپ کے یہاں کا مطلع صاف تھا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(وقبل بلا دعوى و) بلا (لفظ أشهد) وبلا حكم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لا شهادة (للصوم مع علة كغيم) وغبار (خبر عدل).[1]

رد المحتار میں ایک جگہ ہے: قوله: (مع العلة) أي من غيم وغبار ودخان[2].

جب واقعی مطلع صاف ہو، مطلع پر نہ بادل ہو، نہ گرد و غبار ہو، نہ دھواں ہو اور نہ کہرا تو ہر مہینے کی رویت کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ اتنی بڑی جماعت اپنی آنکھ سے چاند دیکھنے کی خبر دے کہ ان سب کی خبر سے ظن غالب شرعی حاصل ہو جائے، جو ہمارے عرف میں یقین کہلاتا ہے، اس کے لیے کسی معین عدد کی حاجت نہیں، قاضی کو جتنے لوگوں کی خبر سے ظن غالب حاصل ہو جائے اتنے کافی ہیں۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

---

(۱) تنوير الأبصار والدر المختار، ص:۳۵۲، ج:۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:۳۵۳، ج:۳، مبحث في صوم يوم الشك، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(و)قبل (بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوّض إلى رأى الإمام (من غير تقدير بعدد) على المذهب.[1]

حضرت امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ پچاس آدمی ہونے چاہیے، اور ایک قول یہ ہے کہ اکثر اہل محلہ ہونا چاہیے اور ایک قول یہ ہے کہ ہر مسجد سے ایک یا دو ہوں، اور امام خلف بن ایوب نے فرمایا کہ بلخ میں پانچ سو بھی تھوڑے ہیں۔[2]

البحر الرائق میں فتح القدیر سے ہے: حق وہ ہے جو امام محمد سے مروی ہے۔ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے کہ ہر طرف سے خبر مسلسل آئے۔ یہ پوری تفصیل شامی میں موجود ہے۔[3] مگر حق وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا۔ ردالمحتار ہی میں ہے:

والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأي الإمام، إن وقع في قلبه صحة ما شهدوا به وكثرت الشهود أمر بالصوم، إهوكذافي السراج[4].

اور جمع عظیم میں عدالت شرط ہے اور نہ حریت بلکہ اسلام بھی شرط نہیں جیسا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تحقیق فرمائی، جس کو آپ نے خود نقل کیا ہے۔ اب دیوبندی یا ایسے بدمذہب جو مدعی اسلام ہوتے ہوئے حقیقت میں کافر ہوں جن کے احکام مرتدین کے ہیں ان کی خبر اس صورت میں معتبر ہے یا نہیں اس کی کوئی تفصیل میں نے کہیں نہیں دیکھی اور نہ اس کے پہلے اس پر غور کر سکا ہوں اور اب بینائی کی کمزوری کی وجہ

---

(۱) تنویر الأبصار و الدر المختار، ص:۳۵۵، ج:۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) قال: في السراج: لم يقدر لهذا الجمع تقدير في ظاهر الرواية، وعن أبي يوسف: خمسون رجلا كالقسامة، وقيل أكثر أهل المحلة، وقيل من كل مسجد واحد أو اثنان، وقال خلف بن أيوب: خمس مائة ببلخ قليل. (رد المحتار على هامش الدر المختار، ج: ۳، ص: ۳۵٦، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، دار الكتب العلمية.)

(۳) وفى البحر عن الفتح: والحق ما روي عن محمد و أبي يوسف أيضا أن العبرة بمجيء الخبر وتواتره من كل جانب، اه (المصدر السابق).

(۴) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص:۳۵٦، مطلب ما قاله السبكى من الاعتماد الخ، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

سے اس کی کماحقہ تحقیق میرے لیے مشکل ہے، اس کے لیے آپ جانشین مفتی اعظم ہند علامہ ازہری صاحب قبلہ مدظلہ کی طرف رجوع کریں۔

البتہ ایک بات ذہن میں رکھیں کہ دیوبندیوں میں مرتد صرف وہی بدمذہب ہیں جو تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان کی ان کفری عبارتوں پر مطلع ہوں جن پر علمائے عرب وعجم نے یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ ”ان شاتمان رسول کی ان کفری عبارتوں پر مطلع ہونے کے بعد بھی جو انھیں کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہے۔ رہ گئے وہ عوام جاہل جو ان کفری عبارتوں پر مطلع نہیں اور دیوبندی مولویوں کی ظاہری ریاکارانہ شریعت کی پابندی دیکھ کر ان کے جال میں پھنس گئے ہیں یا وہابی دیوبندی کا جھگڑا صرف نیاز فاتحہ وغیرہ تک محدود جانتے ہیں، وہ مرتد نہیں، زیادہ سے زیادہ گمراہ ہیں۔ ایسے دیوبندیوں کی خبر سے جمع عظیم کی خبر کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ نو، دس، آدمیوں کی خبر سے جمع عظیم حاصل نہ ہوگا۔ یہ مقامی طور پر جو چاند وغیرہ کے فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں وہ اپنی صواب دید سے فیصلہ کریں گے۔ ابھی گزرا کہ بلخ میں ۵۰۰ بھی قلیل ہیں۔ اگر مختلف محلوں کے ایسے خداترس، دین دار لوگ جن کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ اگر دو، دو، تین، تین کر کے بیس پچیس آدمی ہوں تو جمع عظیم ہو سکتا ہے اور اگر بازاری قسم کے آزاد منش لوگ جو روزہ سے بھاگتے ہوں، عید کرنے کی جلدی مچائی ہو، پچاس بھی ہوں تو جمع عظیم نہ ہوں گے کہ جن کی خبر سے غلبۂ ظن حاصل ہو۔ رائے امام پر مفوض ہونے کا یہی مطلب ہے۔ یہاں ایک خاص صورت اور ہے کہ مطلع صاف ہے عام طور پر رویت نہیں ہوئی، مگر دو عادل شخص اس بات کی شہادت دیں کہ ہم نے کسی اونچی جگہ سے یا میدان میں چاند دیکھا ہے تو مطلع صاف ہونے کی صورت میں عید میں بھی دو عادل کی شہادت کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۷] رویت ہلال سے متعلق کتاب القاضی الی القاضی

مسئلہ۔ضلع سرگجہ ایم، پی۔ ۵ / شوال المکرم ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ / اگست ۱۹۸۱ء

چند جواب طلب باتیں حاضر خدمت ہیں، جواب مرحمت فرما کر ہم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں:

شہر امبیکاپور میں ۲۹ / رمضان شریف کو چاند نہیں ہوا، مندر گڑھ سے ۲۹ کے چاند ہونے کی خبر فون کے ذریعہ سے ملی جس کی اطلاع اور شہادت کے لیے امبیکاپور سے چند آدمی جیپ کے ذریعہ مندر گڑھ پہنچے، ان چند

آدمیوں میں جو جیپ میں گئے تھے تین شخص ایسے متعین تھے جو شہادت لینے کے لیے مامور تھے، منذر گڑھ جہاں ۲۹ کا چاند ہوا تھا وہاں کے دو مسجدوں کے امام اور قاضی نے توثیق اور شہادت گزارنے کے لیے الگ الگ تحریریں لکھیں۔ ان دونوں اماموں اور قاضیوں کی تحریروں کو بلفظہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

منذر گڑھ کے قاضیوں کی تحریر ملاحظہ فرمائیں بلفظہ:

(۱) امام دیوبندی کی تحریر جس کو اس نے لکھوا کر صرف دست خط کر دیا۔

"بتاریخ ۲۹ر رمضان بروز سنیچر مغرب کی اذان سے کچھ پہلے چاند دیکھا گیا، شوال کا چاند دیکھا گیا، مغرب کے بعد چاند دیکھا، کل ہم لوگ عید منائیں گے، میں نے چاند دیکھا، میں نے چاند دیکھا، عام رویت ہوئی (حافظ) عبد السلام

غلام انبیا، امام جامع مسجد منذر گڑھ، شب یک شنبہ شب اول شوال المکرم

(۲) اراکین انجمن کی تحریر

۷۸۶

ریلوے انجمن کے اکثر اراکین نے ہلال عید خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

غلام محمد

۱۔۸۔۱۹۸۱ء

ان دونوں تحریروں کو وہ حضرات لے کر آئے، راستے میں صبح فجر کی نماز کا وقت ہو گیا، ایک شاہد نے تو نماز ہی نہیں پڑھی، دو نے پڑھی، لیکن وقت نکلنے کے بعد قضا پڑھی۔ تحریر لے کر قاضی کے پاس شہادت کے لیے پہنچے اور تحریریں پیش کیں تو قاضی نے اصول وضابطہ پر پورا نہ ہونے کی وجہ سے ۲۹ کی عید نہ ہونے کا اعلان کر دیا اور بتایا کہ اصولاً رویت نہ ہونے اور شہادت نہ ملنے کے وجہ سے امبیکا پور میں عید ۳۰ کے اعتبار سے فلاں دن ہوگی۔ اس پر جیپ سے جانے والے، شہادت لانے والے اور کچھ جذباتی قسم کے نوجوان اور ان کے ساتھ کچھ روشن خیال حضرات نے کہا کہ ہر جگہ عید ہو رہی ہے ہر جگہ سے ریڈیو خبر دے رہا ہے، صرف ہمارے یہاں کیوں نہیں عید ہوگی؟ چناں چہ کچھ لوگوں نے مل کر ۲۹ کی عید کا اعلان کرا دیا، بہت سارے لوگوں نے اپنے اپنے روزے توڑ دیے، اس کے بعد قاضی کی جانب سے یہ اعلان ہوا کہ آج عید نہیں ہوگی اس لیے کہ

شہادت مکمل نہیں مل سکی تو کچھ لوگ جواب تک روزے سے تھے انھوں نے پورا کیا اور پھر جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا تھا وہ لوگ اور جن لوگوں نے تیس روزہ پورا رکھا ان سبھی لوگوں نے سوموار کے دن ۳۰ کے لحاظ سے عید کی نماز ادا کی۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ

(۱) کیا قاضی نے امبیکا پور کی تحریروں کی روشنی میں ۲۹ کا چاند نہ مان کر جو روزہ رکھوایا اور تیس کے اعتبار سے عید کروائی وہ غلط ہے یا صحیح، اور جن لوگوں نے فیصلۂ قاضی کے خلاف ۲۹ کے حساب سے عید کا اعلان کرا کر روزہ توڑوا دیا اور نماز عید دوسرے دن پڑھا انھوں نے صحیح کیا؟

(۲) قاضی مندر گڑھ کی تحریریں دونوں ایک پرچہ کی طرح سے کھلی ہوئی تھیں لفافہ وغیرہ کچھ نہیں تھا اور شاہد نہ تحریر کا مضمون بتا سکے اور نہ قاضی وامام کا نام بتا سکے صرف یہ بتا سکے کہ مجھے نام معلوم نہیں ہے، اسی تحریر میں لکھا ہے، اب جو بھی نام ہو۔ کیا اس طرح کی شہادتیں چاند کے سلسلے میں قابل قبول ہو سکتی ہیں؟

(۳) اگر کسی شہر میں چاند نہ ہو یعنی نہ دکھائی دے تو کیا دوسرے شہر میں پتہ لگانے کے لیے جانا ضروری ہے اور نہ جائے تو گنہ گار ہوگا؟

(۴) اس طرح کے شرعی معاملہ میں اگر ہمیں نہ معلوم ہو تو کیا ہم صرف دنیاوی رسم ورواج کی پابندی کریں گے یا کسی صاحب علم کی طرف رجوع کریں گے اور پھر صاحب علم نے بتایا اور ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے پھر بھی نہ مانیں بلکہ الٹے صاحب علم اور عالم ہی کو برا بھلا کہیں تو یہ برا بھلا کہنے والا عند الشرع کس تادیب کا مستحق ہے؟ بیان فرمائیں۔

جناب محمد یعقوب خان صاحب، صدر روڈ، امبیکا پور، ضلع سرگوجہ، ایم پی
۱۵ر شوال المکرم ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ر اگست ۱۹۸۱ء

الجواب

❶- رمضان کا مہینہ کب پورا ہوگا، شوال کا مہینہ کب شروع ہوگا، ان دونوں سے چوں کہ تین تین عظیم حکم شرعی متعلق ہیں: ایک روزہ چھوڑنا، دوسرے صدقۂ فطر کا وجوب، تیسرے نماز عید الفطر کا وجوب۔ اس لیے یہ خالص حکم شرعی ہے، اس کا ثبوت ان طریقوں سے ہوگا جو شریعت نے ان کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ احکام شرعیہ میں مذہب کی تصریحات کے خلاف اپنی رائے سے عمل کرنا اور دوسروں سے عمل کرانا

موجب لعنت ہے۔ حدیث میں ہے:

من أفتى بغير علم لعنته ملائكة السماء والأرض.[1]

رویت ہلال کے لیے صاف تصریحی حکم تمام فقہ کی کتابوں میں موجود ہے، ردالمحتار میں ہے:

كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية.[2]

ایک جگہ کی رویت ہلال دوسری جگہ کے لیے اس وقت معتبر ہے جب کہ دو شخص اس بات کی گواہی دیں، یا دو شخص قاضی کے حکم کی گواہی دیں، یا استفاضہ ہوجائے اور اگر دو آدمیوں نے اس بات کی خبر دی کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے یہ معتبر نہیں؛ اس لیے کہ یہ حکایت ہے شہادت نہیں۔

صورت مسئولہ میں جو دو تحریریں پیش کی گئی ہیں وہ نہ تو "كتاب القاضي إلى القاضي" ہیں اور نہ ان میں کوئی فیصلہ ہے۔ کتاب القاضی اس وقت معتبر ہے جب اس میں مندرجہ ذیل دو مضمون میں سے ایک ہو۔

اول: یہ مضمون ہو کہ "میرے سامنے اس بات پر شہادت شرعیہ گزری"۔

دوم: یہ کہ اس میں یہ فیصلہ لکھا ہو کہ میں نے ثبوت شرعی کی بنا پر اس بارے میں یہ حکم دیا ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا ایسا لکھا ہو جس سے مکمل امتیاز ہو سکے پھر وہ خط بقدر نصاب عادل گواہوں کے سپرد کرے کہ میرا یہ خط فلاں شہر کے قاضی کے لیے ہے اور گواہ یہ کہیں کہ یہ خط ہے اس نے ہم کو دیا ہے اور ہمیں گواہ کیا ہے۔ اس شہادت کے بعد اگر قاضی اس خط کو شریعت کے موافق پائے اور ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، درمختار میں ہے:

القاضي بحكمه وإن لم يحكم كتب الشهادة ليحكم المكتوب إليه بها على رأيه وقرأ الكتاب عليهم أو أعلمهم بما فيه وختم عندهم وسلم إليهم بعد كتابة عنوانه وهو أن يكتب فيه اسمه واسم المكتوب إليه وشهرتهما واكتفى الثاني بأن يشهدهم

(۱) جامع الصغير، ج: ۲، ص: ۵۱۷، حرف میم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳٦٤، ج: ۳، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

أنه كتابه ولا يقبل كتاب القاضي من محكم بل من قاض مولى من قبل الإمام.[1] إھ

درر وغرر میں ہے:

(ولا) يقبله أيضا إلا (بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين) لأن الكتاب قد يزور إذ الخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم فلا يثبت إلا بحجة تامة.[2] إھ

یعنی ایک قاضی دوسرے قاضی کو خط لکھے جس میں اپنا فیصلہ لکھے اور اگر فیصلہ نہیں کیا ہے تو گواہی لکھے تا کہ مکتوب الیہ اس کے مطابق اپنی سمجھ سے فیصلہ کرے۔ پہلا قاضی خط لکھ کر گواہوں کو سنادے یا خط کا مضمون انھیں بتادے اور ان کے سامنے مہر کر کے انھیں سپرد کر دے، اس میں عنوان بھی لکھے یعنی اپنا نام بھی لکھے اور مکتوب الیہ کا بھی نام لکھے اور وہ دونوں جس لقب سے مشہور ہیں وہ بھی لکھے، اور امام ابو یوسف نے صرف اتنا کافی جانا کہ انھیں گواہ بنادے کہ یہ اس کا خط ہے۔ کتاب القاضی صرف اسی قاضی کی طرف سے مقبول ہے جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو۔ دوسرا قاضی کتاب القاضی کو اس وقت قبول کرے گا جب کہ دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں اس پر گواہی دیں؛ کیوں کہ خط کبھی بنالیا جاتا ہے، خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر مہر کے مشابہ ہوتی ہے؛ اس لیے بغیر حجت تامہ کے ثابت نہ ہوگا۔

اس زمانے میں یہاں جب کہ حاکم اسلام نہیں اعلم علماے بلد جو مرجع فتویٰ ہو، سنی صحیح العقیدہ ہو قاضی شہر کے قائم مقام ہے۔ حدیقہ ندیہ وغیرہ۔[3]

یہ دونوں خط **اولاً:** قاضی شہر کے نہیں، پہلی تحریر دیوبندی کی ہے، دیوبندی کی بھی کوئی تحریر اس سلسلے میں معتبر نہیں، دوسری تحریر ریلوے انجمن کے اراکین کی ہے، انجمن کے اراکین قاضی شہر نہیں۔ **ثانیاً:** ان دونوں تحریروں میں سے کسی میں نہ حکم ہے نہ شہادت اس لیے ساقط۔ **ثالثاً:** جب ان دونوں گواہوں نے بلا

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص:۱۳۳، ۱۳٤، ۱٤۲، ج:۸، باب: کتاب القاضی إلى القاضی، دار الکتب العلمیه، بیروت.

(۲) درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج:۲، ص: ٤١٤، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، بيان الأحكام المتعلقة بجانب القاضي المكتوب إليه.

(۳) الحديقة الندية، ج:۱، ص: ۲٤۰.

عذر شرعی نماز فجر ادا نہیں کی تو ان کی گواہی ساقط۔ بناء علیہ امبیکا پور کے قاضی شہر کا فیصلہ بالکل حق و درست ہے۔ جن لوگوں نے خواہ وہ دنیوی طور پر کتنے ہی بڑے ہوں بغیر قاضی کے فیصلے کے اپنے جی سے بلکہ قاضی کے فیصلے کے خلاف ۲۹ کی رویت کا اعلان کرایا، خود روزہ توڑا اور دوسروں کا توڑوایا، وہ طرح طرح سے پے در پے کئی گناہوں کے مرتکب ہوئے۔

اول: فیصلہ کرنے کا انھیں شرعا کوئی حق نہیں تھا، نہ وہ قاضی تھے نہ مفتی، علمانے یہاں تک تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے اپنی آنکھ سے عید کا چاند دیکھا مگر قاضی نے اس کی گواہی نہیں مانی تو اس پر واجب ہے کہ تیں رمضان کو روزہ رکھے اور اگر اس نے اس دن روزہ نہیں رکھا تو اس پر اس روزے کی قضا واجب ہے۔

در مختار میں ہے: رأى مكلف هلال رمضان أو الفطر ورد قوله بدليل شرعي صام مطلقا فإن أفطر قضى، إهـ.[1]

ثانی: خلاف شرع حکم کیا۔ قرآن مجید میں ہے: ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الفاسقون.[2]

ثالث: قاضی شہر سے حکم شرعی ملنے کے بعد اسی حکم شرعی پر عمل درآمد روکنے کے لیے اعلان کرایا، علم نہ ہوتے ہوئے خلاف شرع اعلان کرانا بھی گناہ ہے، حکم شرعی سننے کے بعد اس کے خلافِ حکم اعلان کرانا گویا شریعت کا مقابلہ کرنا ہے۔

رابع: خود روزہ توڑا۔

خامس: بھولے بھالے مسلمانوں کا روزہ تڑوایا، ان سب لوگوں پر توبہ فرض ہے اور جن لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا ان سب لوگوں پر اس روزے کی قضا بھی واجب ہے۔

اگر کہیں چاند نہیں ہوا اور کہیں سے خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوا ہے تو قاضی پر واجب نہیں کہ دوسری جگہ خود جائے، یا اپنے آدمیوں کو بھیجے؛ اس لیے کہ وجوب کے واسطے دلیل چاہیے اور شریعت میں کہیں وارد

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۰، ج: ۳، کتاب الصوم، مکتبہ: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

(۲) القرآن المجید، سورة المائدة، آیت: ٤٤.

نہیں کہ اگر تمھارے یہاں چاند نظر نہ آئے تو شہر شہر بستی بستی تلاش کرو، کسی چیز کا وجوب اللہ و رسول کے حکم کے بغیر ثابت نہیں ہوتا، مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب روزہ رکھنا بھی ایک عبادت ہے اور نماز عید ادا کرنا اور صدقۂ فطر دینا بھی ایک عبادت ہے تو ان دونوں کے ثبوت کے لیے شریعت نے جو قاعدہ مقرر فرمایا ہے اس کی پابندی کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف صریح حکم اس بارے میں ارشاد فرمایا:

فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين.[1]

اگر تمھیں چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرلو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ر شوال ۱۴۰۱ھ

[۸] مسلم ممالک کی مصدقہ خبر معتبر نہیں

مسئلہ- مئی ۱۹۸۴ء اسلامک کلچرل سنٹر لندن کے زیر اہتمام منعقدہ دو روزہ سیمینار کے دوسرے دن کا موضوع چاند کی رویت تھا اتفاق رائے سے یہ طے ہوا کہ پہلے مقامی طور پر چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے گی، اگر چاند کی رویت ثابت ہوجائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، اگر یہاں نظر نہ آئے تو پھر قمری مہینوں کے تعین کے سلسلے میں جس مسلم ملک سے بھی مصدقہ اور ثقہ خبر چاند کی رویت کے بارے میں موصول ہوجائے اسے قبول کرلیا جائے گا بشرطے کہ اس دن برطانیہ میں (یعنی اس ملک میں مقامی طور پر) سورج ڈوبنے کے بعد افق پر چاند کے وجود کی تصدیق محکمۂ موسمیات والے کردیں، اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر محکمۂ موسمیات والے غروب آفتاب کے بعد چاند کی تصدیق کردیتے ہیں تو اگر کسی بھی اسلامی ممالک سے مصدقہ شرعی خبر نہیں آتی تو پھر اعتبار نہ کیا جائے گا اور اسی طرح کسی ملک سے خبر تو آجاتی ہے لیکن مقامی طور پر چاند کے غروب آفتاب کے بعد وجود کی تصدیق نہیں ہوتی تو پھر اس خبر کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ ثبوت ہلال کے لیے یہ طریقہ قابل اعتماد اور لائق

---

[1] الصحيح للبخاري، ج: ١، ص: ٢٥٦، كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال فصوموا، مجلس البركات.

عمل ہے کہ نہیں؟ جب کہ اس فار مولا کی تلاش میں مختلف ملکوں اور شہروں کے ائمہ کرام، علماے اسلام اور ماہرین فلکیات شامل تھے۔

محمد اسرار الحق اشرفی، خادم فیض الاسلام، ڈین ہاگ، ہالینڈ

الجواب

یہ طریقہ ناکافی ہے، دوسرے ملک کی بات تو بہت دور ہے ایک شہر کے قاضی کا فیصلہ دوسرے شہر کے قاضی کے لیے قابل اعتبار اسی وقت ہوگا، جب کہ کتاب القاضی الی القاضی کے ذریعہ پہنچے۔

فتح القدیر میں ہے: دوسرے شہر کا قاضی خود اگر شہادت دے بیکار۔ تو دوسرے ملک کے قاضی کے فیصلے کی ٹیلیفون کی خبر کس گنتی میں اور منجمین موقتین کی خبر اس کے بارے میں باطل محض جیسا کہ شامی وغیرہ تمام کتابوں میں تصریح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۹] ٹیلیفون کی خبر ہرگز خبر مستفیض نہیں

مسئلہ- ہالینڈ میں ہندو پاک سے تعلق رکھنے والے چند علما نے رویت ہلال کے باب میں ٹیلیفون کی اطلاع اور فیکس سے ملنے والی خبر کو خبر مستفیض کے طور پر عمل میں لانے کا فیصلہ صادر کیا ہے، اس بات سے مسلمانوں میں بے چینی ہے، اب حال یہ ہے کہ شرعی طور پر چاند دیکھ کر، شہادت لے کر یا تکمیل عدت کر کے رمضان و عید وغیرہ کا فیصلہ کرنے والے علما کو دقیانوسی اور مفترق کہا جا رہا ہے؛ لہذا عرض ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیکس اور ٹیلی فون سے ملنے والی اطلاع کی حقیقت واضح فرمائیں اور مشروع طریقہ کی پابندی کرنے والے علما پر زبان درازی کرنے والوں کا حکم بھی بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزاعطا فرمائے۔ آمین

مولانا بدر القادری صاحب، اسلامک اکیڈمی دی ھیگ، ہالینڈ

الجواب

① - مولیٰ عزوجل ان علما پر رحم فرمائے اور انھیں قبول حق اور استقامت علی الحق پر ہمت اور توفیق عطا فرمائے، رویت ہلال کے سلسلہ میں ٹیلیفون اور فیکس کی اطلاع کالعدم اور بالکلیہ غیر معتبر ہے۔ اولاً یہ خبر مستفیض ہرگز ہرگز کسی قیمت پر نہیں، خبر مستفیض کی تفصیل حجۃ المتاخرین علامہ شامی امام رحمتی سے یہ نقل فرماتے ہیں:

قال الرحمتي : معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه[1].

مجدد اعظم اعلی حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ جلد چہارم رسالہ "طرق اثبات ہلال" میں استفاضہ کی تفصیل فرمارہے ہیں:

استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع، قاضی اسلام ہو کہ احکام ہلال اسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم ان احکام میں ان پر عامل و قائم یا کسی عالم دین محقق معتمد کا ملزم وملازم ہے، یا جہاں قاضی شرع نہیں تو مفتی اسلام مرجع عوام و متبع الاحکام ہو کہ احکام روزہ و عیدین اسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں، عوام کالانعام بطور خود عیدین و رمضان نہیں ٹھہرا لیتے، وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی۔ مجرد بازاری افواہ کہ خبر اڑ گئی اور قائل کا پتہ نہیں، پوچھئے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سنا ہے یا لوگ کہتے ہیں یا بہت پتہ چلا تو کسی مجہول کا، انتہا درجہ پر منتہائے سند، دو ایک شخصوں کی محض حکایت کہ انھوں نے بیان کیا اور شدہ شدہ شائع ہو گئی، ایسی خبر ہرگز استفاضہ نہیں بلکہ خود وہاں کی آئی ہوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالاتفاق وہ خبر دیں، یہ خبر اگر چہ نہ خود اپنی رویت کی شہادت ہے، نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت، نہ کتاب قاضی پر شہادت مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین یا بغلبۂ ظن ملتحق بالیقین وہاں رویت وصوم وعید کا ہونا ثابت ہو گا اور جب کہ وہ شہر اسلامی اور احکام وحکام کی پابندی وہاں دوامی ہے تو ضرور مظنون ہو گا کہ امر بحکم واقع ہوا تو اس طریق سے قضائے قاضی کے حجت شرعیہ ہے ثابت ہو جائے گی، اور یہیں سے واضح ہوا کہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضی شرع نہ مفتی اسلام یا مفتی ہے مگر نااہل جسے خود احکام شرع کی تمیز نہیں جیسے آج کل کے بہت مدعیان خام کار خصوصاً وہابیہ خصوصاً نامقلدین وغیرہم فجار، یا بعض سلیم الطبع سنی ناقص العلم ناتجربہ کار، یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے مگر عوام خود سر اس کے منتظر احکام نہیں، پیش خویش اپنے قیاسات فاسدہ پر جب

(۱) ردالمحتار، ص:۳۵۹، ج:۳، کتاب الصوم، باب رویة الهلال، دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان

چاہیں عیدورمضان قرار دیتے ہیں۔ ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی اصلاً قابل قبول نہیں کہ اس سے کسی حجت شرعیہ کا ثبوت نہ ہوا الخ۔

سردست مان لیجیے کہ یہ ٹیلیفون یا فیکس ایسے شہر سے آیا جہاں کوئی واقعی مفتی، محقق، معتمد، مستند، مستقیم علی الحق ہے تو بھی استفاضہ نہیں بلکہ دور دراز سے کسی کی آواز سنی گئی۔ دور دراز سے کسی کی تحریر کا آنا یہیں سے ٹیلیفون وفیکس کی خبر کا استفاضہ ہونا ساقط ہوگیا۔

ثانیاً: ٹیلیفون پر بھی یہ اعتماد نہیں کہ جو کہہ رہا ہے "میں فلاں ہوں" وہی بول رہا ہے نغمہ نغمہ کے اور آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ فقہا فرماتے ہیں:

النغمة تشبه النغمة[1].

فیکس پر آئی ہوئی تحریر یقینی نہیں کہ اسی کی ہے جس کے دست خط کا اس پر عکس ہے۔ فقہا فرماتے ہیں:

الخط يشبه الخط[2].

مجھے فرصت کم ورنہ ابھی متعدد وجوہ ہیں جن کی بنا پر اس کا خبر مستفیض ہونا باطل ہے۔ علمانے بالاتفاق فرمایا کہ اگر کہیں سے کچھ لوگ آئیں اور یہ گواہی دیں کہ فلاں جگہ لوگوں نے چاند دیکھا ہے غیر معتبر۔ درمختار میں ہے:

لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية[3].

ردالمحتار میں ہے:

بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية[4].

جب عادل، ثقہ، متدین، کامل النصاب شرعی گواہوں کی یہ گواہی کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے غیر معتبر تو ایک مجہول آواز مجہول کتاب کب معتبر ہوگی۔ ٹیلیفون اگرچہ ایک ہی شہر سے ہزاروں آئے، فیکس اگرچہ ایک ہی شہر سے ہزاروں آئیں کالعدم، اس پر اعتماد کر کے جو لوگ تیس رمضان کو روزہ نہ رکھیں یا

---

(۱) الفتاوى الهندية، ج:۳، ص:٤٥٢، الباب الثاني في تحمل الشاهد، دار الكتب العلميه، بيروت.
(۲) الهداية، ج:۳، ص:۱٥۳، كتاب الشهادة باب تحمل الشاهد، مجلس البركات.
(۳) الدر المختار فوق رد المحتار، ص:۳٥۹، ج:۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.
(۴) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:۳٦٤، ج:۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

رکھ کر توڑ دیں اور نماز عید پڑھ لیں وہ ایک نہیں چار چار گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

(۱) شرعاً غیر معتبرات کو شرعی دلیل اعتقاد کر کے اس کے مطابق عمل کیا۔

(۲) تیس رمضان کا روزہ فرض تھا اسے چھوڑا یا رکھ کر توڑا۔

(۳) اس دن نماز عید کا وقت نہیں تھا پھر بھی بنام نماز عید نماز پڑھی، یہ نفل ہوئی اور تداعی کے ساتھ ہوئی جس طرح نماز عید پڑھی جاتی ہے اس طرح کوئی نماز نفل مشروع نہیں۔ یہ اشتغال بمالا یصح ہوا جسے عبادت گمان کیا۔

(۴) دوسرے دن نماز عید واجب تھی، اس گمان پر کہ نماز عید پڑھ لی ہے، نماز عید نہیں پڑھی، یہ واجب کا ترک ہوا۔ جن جن لوگوں نے ٹیلیفون یا فیکس پر اعتماد کر کے اس پر عمل کیا ان سب لوگوں پر یہ چار گناہ ہوئے اور سب کے برابر اعلان کرنے والے پر۔ ان سب لوگوں پر توبہ فرض ہے اور آئندہ احتیاط لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جو علما ٹیلیفون اور فیکس کو رویت ہلال کے باب میں غیر معتبر جانتے ہیں ان پر طعن کرنا، طنز کرنا بے جا جسارت ہے اور ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ علمائے کرام و مفتیان عظام کو ایذا دینی ہے وہ بھی ایک حکم شرعی پر پابندی کرنے اور کرانے کے جرم میں یہ بہت سخت بات ہے۔ منجر الی الکفر ہے، حکم شرع بتانے پر علما کے استہزا و تخفیف کو فقہا نے کفر لکھا ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:

الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر[1].

اس کی شرح حموی میں ہے: "أي بالعلم" کہ یہ حقیقت میں حکم شرعی کا استہزا ہے۔ آپ شریعت کی پابندی نہیں کرتے آپ کو اختیار ہے مگر جو لوگ پابندی کرتے ہیں ان پر طعن و تشنیع کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا؟ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا[2]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اللہ نے ان

(۱) الأشباه والنظائر، ج:۲، ص:۸۷، كتاب السير، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) القرآن الكريم، سورة الأحزاب، آيت:۵۷.

کے لیے ذلت آمیز عذاب مہیا فرمایا ہے۔

اس سے ہٹ کر خود مسلمان کو ایذا دینا کیا کم ہے؟ یہ بھی اللہ و رسول کی ایذا کی طرف راجع، حدیث میں فرمایا گیا: من أذى مسلما فقد أذاني و من أذاني فقد أذى الله . (وفي حديث آخر) ومن أذى الله يوشك أن ياخذه[1].

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جو اللہ کو ایذا دے گا اللہ اس سے مواخذہ فرمائے گا۔

ان سب لوگوں پر اس سے بھی توبہ فرض اور حکم شرعی پر عمل کرنے والے ان علما سے معافی مانگنی واجب، جنھیں وہ کلمات کہے جو سوال میں مذکور ہوئے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۵ر شوال ۱۴۱۴ھ

[۱۰] ٹیلیفون سے استفاضہ نہیں ہوگا

مسئلہ- قال النبي ﷺ صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن أغْمِي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين.[2]

ہلال رمضان اور دیگر اہلہ کے ثبوت کے بارے میں امام اہل سنت سیدنا اعلی حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ نے جو شرعی سات طریقے فتاوی رضویہ، جلد چہارم میں تحریر فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

طریق اول: خود شہادت رویت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی۔

طریق دوم: شہادت علی الشہادت یعنی گواہوں نے چاند خود نہیں دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے

---

(۱) الترغيب والترهيب، ج:۱، ص: ٥٠٤، شعب الإيمان للبيهقى، حديث نمبر: ١٤٢٤، صحيح ابن حبان، حديث نمبر: ٧٢٥٦.

(۲) الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ٢٥٦، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.

سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انھیں گواہ کیا، انھوں نے اس گواہی کی گواہی دی۔ یہ وہاں ہے جہاں گواہان اصل حاضری سے معذور ہوں۔

طریق سوم: شہادت علی القضا یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں قاضی شرع کے حضور رویت ہلال پر شہادتیں گزریں اور انھوں نے ثبوت ہلال کا حکم دیا۔ دو شاہدان عدل اس گواہی وحکم کے وقت حاضر دار القضا تھے انھوں نے یہاں حاکم اسلام یا قاضی شرع کے سامنے گواہی دی۔

طریق چہارم: کتاب القاضی الی القاضی یعنی قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لیے مقرر کیا ہو، اس کے سامنے شرعی گواہی گزری، انھوں نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی، اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کرے کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی نے فلاں فلاں شہر کے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط ان کا ہے۔

طریق پنجم: اسلامی شہر میں قاضی شرع یا حاکم اسلام کو کہ احکام ہلال اسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں۔ اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہوا یا عید ہوئی۔ رد المحتار میں ہے:

قال الرحمتي : معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه. إلخ[1].

اسی میں ہے:

الشهادة بأن أهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا ؛ لأنها لا تفيد اليقين فلذا لم تقبل إلا إذا كانت على الحكم أو على شهادة غيرهم لتكون شهادة معتبرة ،

(۱) ردالمحتار علی هامش الدر المختار، ص: ۳۵۹، ج: ۳، کتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلميه، بیروت، لبنان

وإلا فهي مجرد إخبار بخلاف الاستفاضة؛ فإنها تفيد اليقين.[1]

طریق ششم: إكمال عدة یعنی جب ایک ماہ کے تیس دن پورے ہو جائیں تو ماہ متّصل کا ہلال آپ بھی ثابت ہو جائے گا۔

طریق ہفتم: توپوں کی فائر، گولہ، چراغان وغیرہ۔ ان میں سے دو منصوص علیہ ایک اجماعی، چار قیاسی اور اجتہادی ہیں جو فقہائے اسلام کے اصول واقوال سے مستفاد ہیں۔

اب جب کہ یورپ اور دنیا کے ان ممالک میں جہاں سال کے اکثر حصے میں آسمان مغبور اور ابر آلود رہا کرتا ہے کہ قمری مہینے کی ۲۹ر تاریخ کو چاند کی رویت محال نہیں تو متعذر ناممکن ضرور ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ اکمال عدت کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ میسر نہ ہو اور اکمال عدت کے طریقہ پر عمل در آمد کی شکل میں پورے سال کے بارہ مہینے کو تیس کا شمار کرنے میں اسلامی سال تین سو ساٹھ دن کے ہوں گے جو شرعاً اور اصولاً صحیح نہیں چوں کہ اسلامی سال تین سو چون یا پچپن دن کے ہوتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد ا، ص:۵۱۸ بحوالہ انوار الحدیث، فتاوی الامام عزمی، ص:۵)

يلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب على ما هو ظاهر الرواية عليه الفتوى كما في فتح القدير والخلاصة.[2]

طریق پنجم اور ہفتم ان دونوں طریقوں میں ثبوت ہلال کا محض حصول تیقن مقصود ہے تو:

(الف) ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک پر ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلیفون، تار کو قیاس وحمل کرنا اور اس پر فٹ کرنا درست ہے کہ نہیں۔ نیز اتحاد بین المسلمین کی بقا اور اختلاف وانتشار سے بچنے کے لیے جب کہ ان ممالک میں ۹۵ر فیصد مسلمان ان ذرائع ووسائل پر اعتماد کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں۔

(ب) استفاضہ میں جماعتوں کی آمد کی قید قید اتفاقی ہے یا احترازی؟ جیسا کہ "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" میں دار الحرب کی قید علمائے کرام اتفاقی بتاتے ہیں۔

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص:٣٦٤، ج:٣، كتاب الصوم، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:٣٥٩، ج:٣، كتاب الصوم، ماقاله السبكى، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

(ج) بغیر کسی کی محیئت کے قاضی کے فیصلے کی اطلاع اگر بذریعہ ٹیلیفون متعدد افراد اور متعدد جگہوں سے دیں یالیں۔ جب کہ تیقن حاصل ہو تو ہلال کا ثبوت ہوگا یا نہیں۔

(د) کسی بھی ملک یا شہر کی رویت ہلال کمیٹی جو شرعی اصول و قواعد کی بنیادوں پر فیصلہ کرتی ہے اور اس فیصلے کا اعلان ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ سے پہنچا، ان مقامات کے مسلمانوں کے لیے وہ اعلان قابل قبول اور واجب العمل ہوگا کہ نہیں؟

(ہ) اگر کسی اسلامی ملک کے قاضی یا اس ملک کی رویت ہلال کمیٹی کے علما یا عملہ سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر کے اس ملک کے شرعی فیصلے کی خبر لی جائے۔ جب کہ قاضی، علما، عملہ کی آواز معروفہ ہو پھر اس سے تیقن اور اطمینان قلبی حاصل ہو تو اس خبر کی بنیاد پر یا اس فیصلے کی اطلاع اس صورت پر قابل اعتماد اور لازم العمل ہوگی کہ نہیں؟

(و) وہ فیصلہ مسلمانان عالم کے حق میں شرع کے نزدیک مقبول و معتمد ہے کہ نہیں۔

(ز) بصورت مذکورہ حاصل شدہ خبر پر دو آبادی کے مسلمان بذریعہ ٹیلیفون رابطہ کر کے اعتماد و اطمینان کر سکتے ہیں کہ نہیں اور اس پر روزہ و عید منا سکتے ہیں کہ نہیں؟

محمد اسرار الحق اشرفی، خادم فیض الاسلام، ڈین ہاگ، ہالینڈ

الجواب

ٹیلیفون سے استفاضہ نہیں ہوگا، یہ بالکل ظاہر ہے؛ اس لیے کہ استفاضہ کے جو معنی رد المحتار کے حوالے سے آپ نے خود نقل کیے ہیں اس میں صراحۃً مذکور ہے:

أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية.[1]

اس شہر کی متعدد جماعتیں آئیں اور ہر ایک یہ خبر دے کہ اس شہر والوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے۔

اس کی تشریح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے علامہ شامی کے کلمات سے یہ فرمائی ہے: جس

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۵۹، ج: ۳، كتاب الصوم، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد، مطبع: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو یا جہاں قاضی شرع نہیں تو مفتی اسلام مرجع عوام متبع الاحکام ہو کہ احکام روزہ وعیدین اسی کے فتوی سے نفاذ پاتے ہیں، عوام کالانعام بطور خود عید و رمضان نہیں ٹھہرا لیتے۔ وہاں سے متعدّد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی مجرد بازاری افواہ کہ خبر اڑ گئی اور قائل کا پتہ نہیں، پوچھیے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سنا ہے یا لوگ کہتے ہیں، بہت پتہ چلا تو کسی مجہول کا، انتہا درجہ منتہاے سند دو ایک شخصوں کی محض حکایت کہ انھوں نے بیان کیا اور شدہ شدہ شائع ہو گئی۔ ایسی خبر ہر گز استفاضہ نہیں بلکہ وہاں کی آئی ہوئی متعدّد جماعتیں در کار جو بالاتفاق وہ خبر دیں۔ (فتاوی رضویہ، ص:۵۵۲، ج:۴)

اب اس کی روشنی میں غور کریں ٹیلیفون ریڈیو کی خبر کیسے استفاضہ ہو سکتی ہے؟ جہاں چاند ہوا ہے وہاں سے کوئی آیا نہیں ہے متعدّد جماعتیں تو دور ہے جماعت بھی نہیں، جماعت تو دور ہے فرد واحد بھی نہیں آیا ہے۔

ثانیا: خبر دینے والا جماعت نہیں فرد واحد ہے۔

ثالثاً: جہاں سے بول رہا ہے وہاں قاضی شرع تو ہے نہیں کوئی ایسا مفتی جو مرجع عوام و خواص ہو کہ جس کے فتوے کے بغیر عوام خود عید و رمضان نہ ٹھہرا لیتے ہوں، ہے بھی یا نہیں یہ خود محل نظر ہے۔ ہمارے ہندوستان کے چند شہروں میں تو عوام مفتی شہر کے فتوی کے پابند ہیں ورنہ عام طور پر شتر بے مہار ہیں خود جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔

رابعًا: ریڈیو کا نظام معلوم نہ وہ اصل شہر سے ملتا ہے نہ ان سے سنتا ہے۔ محکمہ ریڈیو کے افسران جو فہرست خبروں کی دیتے ہیں خبر نشر کرنے والا اسے پڑھ کر سنا دیتا ہے۔ ٹیلیفون کا قریب قریب یہی حال ہے۔ ٹیلیفون پر جب بولے گا ایک ہی شخص بولے گا۔ وہ بھی خود آکر نہیں خبر دے گا، پھر ٹیلیفون خبر استفاضہ کیسے ہو سکتی ہے۔

رہ گیا طریق ہفتم تو یہ شہر سے ملحق دیہاتوں کے لیے ہے کہ دیہات میں قاضی اسلام نہیں رہتا اور دیہات شہر کے تابع ہوتے ہیں؛ اس لیے انھیں شہر کے قاضی کی اعلان کافی ہے اور یہ اعلان صرف حدودِ قضا تک محدود ہے۔ اس کی روشنی میں قاضی شہر کی بذریعہ ٹیلیفون اطلاع ان دیہاتوں کے لیے کافی ہوگی جو

اس کے حدودِ قضا میں ہوں۔

فتح القدیر میں تصریح ہے کہ ایک شہر کا قاضی دوسرے شہر میں جاکر خود شہادت دے تو معتبر نہیں، توپوں کی خبر اور چراغاں وغیرہ شہر کے ملحق دیہاتوں کے لیے ہی کافی ہے، اس پر رد المحتار کی یہ عبارت دلیل ہے:

قلت والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو روية القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به.[1]

"أهل القرى" کی قید اس لیے ہے کہ یہ صرف دیہات والوں کے لیے ہے، کتب فقہ میں مفہوم مخالف معتبر تو ثابت کہ شہر والوں کے لیے نہیں۔ رہ گیا آپ کے اشکال کا حل یہ البتہ غور طلب ہے افسوس ہے کہ علما اٹھ گئے، علم سینے میں رہ گیا، ہم جیسے حُشاشۃ الناس کیا کر سکتے ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ اس پر علمائے کرام غور کریں مگر اب تن آسانی اور آرام پسندی اتنی ہم پر غالب ہے کہ دین کا خدا حافظ، میں کم زور بھی ہو گیا ہوں، کتابیں بھی پوری یہاں نہیں، کوئی مشیر و مددگار بھی نہیں؛ اس لیے معذور ہوں۔ ليس على المريض حرج إذا نصح لله ولرسوله.

ریڈیو اور ٹیلیفون پر ایک اشکال یہ بھی ہے کہ پردے کے پیچھے دی ہوئی گواہی معتبر نہیں۔ فقہا نے اس کی علت یہ بتائی ہے۔ "النغمة تشبه النغمة"[2] تو اس خصوص میں آواز کا پہچاننا بے کار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۱] کسی مفتی کا فتویٰ کہ آج رویت ہوئی ہے طریق موجب میں داخل نہیں

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مقام پر انتیسویں تاریخ کو بوجہ ابر و غبار رویت ہلال نہ ہو سکے اور دوسرے مقام پر ہو جائے تو رویت نہ ہونے کے مقام پر شرعی ثبوت کن کن صورتوں میں تسلیم کرنا پڑے گا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا مقام رویت ہلال سے آنے والا عادل و باشرع مفتی جس نے

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۵٤، ج: ۳، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) الفتاوى الهندية، ج: ۳، ص: ٤٥۲، الباب الثاني في تحمل الشهادة، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

خود اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہو ۲۹؍ تاریخ یوم شک میں کسی ایسے مقام پر جہاں رویت نہیں ہوئی وہاں کے مسلمانوں کو عیدین منانے کا شرعاً حکم دے سکتا ہے؟ یا اپنے خط کے ذریعہ وہاں عیدین منانے کا حکم نافذ کر سکتا ہے یا نہیں؟

رویت ہلال کا شرعی ثبوت خط یا تار یا ٹیلیفون یا اخبار یا افواہ کے ذریعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس ماہ کی رویت ۲۹؍ کی ہوئی یا ۳۰؍ کی؟

حافظ شریف احمد برکاتی، محلہ شیشگراں، پوسٹ مارہرہ شریف

الجواب

ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لیے اسی وقت شرعاً قابل قبول ہے جب مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ثابت ہو:

(۱) شہادة علی الرویة

(۲) شہادة علی شہادة الرویة

(۳) شہادة علی القضا

(۴) کتاب القاضی إلی القاضی

(۵) استفاضہ

ان کے علاوہ بقیہ سارے طریقے ناکافی ولغو ہیں، ردالمحتار میں طریق موجب کی تفسیر میں فرمایا:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه لأنه حكاية.[1]

کوئی عالم مرجع فتوی ایسا ہو جو اپنے یہاں کے لیے قاضی کا درجہ رکھتا ہو وہ بھی اگر کسی جگہ چاند دیکھے اور جہاں کا قاضی ہے وہاں آکر خبر دے تو معتبر نہیں۔

"ازکی الاہلال" میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فتح القدیر سے نقل فرماتے ہیں:

الْفَرْقُ بَيْنَ رَسُولِ الْقَاضِي وكِتَابِهِ حَيْثُ يُقْبَلُ كِتَابُهُ وَلَا يُقْبَلُ رَسُولُهُ فَلِأَنَّ

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٦٤، ج: ٣، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

غَايَةَ رَسُولِهِ أَنْ يَكُونَ كَنَفْسِهِ ، وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ لَوْ ذَكَرَ مَا فِي كِتَابِهِ لِذٰلِكَ الْقَاضِي بِنَفْسِهِ لَا يَقْبَلُهُ، وَكَانَ الْقِيَاسُ فِي كِتَابِهِ كَذَلِكَ إِلَّا أَنَّهُ أُجِيزَ بِإِجْمَاعِ التَّابِعِينَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ فَاقْتُصِرْ عَلَيْهِ[1].

اور الفتاوى الهندية میں ہے:

ولو رأى الإمام وحده أو القاضي وحده هلال شوال لا يخرج إلى المصلى، ولا يأمر الناس بالخروج ، ولا يفطر لا سرا ، ولا جهرا.[2]

ہاں رمضان کے ہلال کے بارے میں یہ تصریح ہے کہ اگر قاضی یا امام نے تنہا چاند دیکھا ہو تو وہ روزہ رکھنے کا حکم دے سکتا ہے۔ در مختار میں ہے:

ولو رآه الحاكم وحده خير في الصوم بين نصب شاهد وبين أمرهم بالصوم بخلاف العيد، كما في الجوهرة[3].

اس لیے اگر عید کا چاند کسی عالم مفتی نے دیکھا ہو اور وہ اپنے یہاں یا دوسری جگہ جاکر حکم دے تو وہ معتبر نہیں۔ اس خادم نے جہاں تک تتبع کیا اس سے اسی نتیجے پر پہنچا ہے کہ کسی مفتی کا فتویٰ کہ آج رویت ہوئی یا فلاں دن رویت ہوئی، آج فلاں تاریخ ہے طریق موجب میں داخل نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں خصوصاً "طرق اثبات رویت ہلال" میں رویت ہلال کے تمام طریقوں کو باستقصا بیان فرمایا ہے مگر اس میں مفتی کے فتوے کو بیان نہیں فرمایا۔ ہاں! بروایت ثقہ میں نے سنا ہے کہ مارہرہ شریف سرکار کلاں حضرت مخدوم مکرم مولانا شاہ حسن میاں صاحب مد ظلہ العالی کے پاس اعلیٰ

---

(۱) الفتاوى الرضوية، ج:٤، ص:٥٢٦، رسالہ "أزكى الاهلال"، رضا اکیڈمی، ممبئی. / فتح القدير، ج:٧، ص: ٢٧٣، كتاب القاضي إلى القاضي، بركات رضا، پور بندر.

(۲) الفتاوى الهندية، ج:١، ص:٢١٨، باب كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:٣، ص:٣٥٤، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک فتویٰ ہے جس میں تصریح ہے کہ مفتی کا فتویٰ رویت ہلال کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲ تا ۴۰] چاند کا ثبوت شرعی ہوا یا نہیں اس کے فیصلے کا حق مقامی حاکم یا قاضی کو ہے

مسئلہ- ① کیا حضور ﷺ کے زمانے میں اس مقام سے جہاں چاند نظر آتا تھا اس مقام پر جہاں چاند نظر نہیں آسکا چاند کے ہونے کی خبر ارسال کی جاتی تھی؟

② اگر خبر بھیجی جاتی تھی تو اس کا طریقہ کیا تھا اور کن ذرائع سے؟

③ دور خلافت میں کیا چاند کے ہونے کی خبر چاند نہ ہونے والے علاقے میں بھیجی جاتی تھی اگر بھیجی جاتی تھی تو اس کا کیا طریقہ تھا اور کن ذرائع سے؟

④ زمانۂ تابعین و تبع تابعین میں کیا چاند ہونے کی خبر چاند نہ ہونے والے علاقے میں بھیجی جاتی تھی؟ اگر بھیجی جاتی تھی تو اس کا کیا طریقہ تھا اور کن ذرائع سے۔ توپ کی آواز، نقارے کی آواز، اور ڈھنڈورچی کا اعلان، قندیل کی روشنی، میناروں کی روشنی اپنے اپنے زمانوں میں رویت ہلال کے اعلان کے طور پر استعمال میں آتی رہی ہیں، اپنے اپنے دور میں یہ آلات، آلات جدیدہ رہے ہوں گے، ان ذرائع سے رویت ہلال کے اعلان اور پھر اس اعلان پر عمل کی کیا شرعی بنیادیں ہیں بالفاظ دیگر کن شرعی بنیادوں پر ان آلات کو رویت ہلال کے اعلان کے لیے قبول کیا گیا؟

⑤ درج بالا آلات کا اعلان کیا اسی شہر اور اس شہر کے مضافات تک کے لیے محدود رہتا تھا، یا توپ کی آواز جہاں تک پہنچ جائے، ڈھنڈورچی جہاں تک اعلان کر سکے، قندیل اور میناروں کی روشنی دور دراز کے جن جن مقاموں سے دیکھی جا سکے، ان تمام مقاموں پر بھی رویت ہلال کے اعلان کا اطلاق ہوتا ہے؟

(الف) اگر یہ اعلان محدود علاقوں تک قابل قبول تھا تو اس کی کیا شرعی بنیاد تھی؟

(ب) دور دراز کے ان علاقوں تک جہاں تک یہ آواز یا روشنی پہنچ سکتی تھی اس اعلان کی قبولیت اور عدم قبولیت کی شرعی بنیاد کیا تھی؟

❻ آج کے دور میں ٹیلیفون، ریڈیو، تار، خط وغیرہ خبر رسانی کے لیے آلات جدیدہ کے طور پر استعمال میں آتے ہیں، شرعی معاملات میں خط تو ابتداے اسلام ہی سے استعمال ہوتا رہا ہے، کیا رویت ہلال کے لیے بھی خط کا استعمال مختلف زمانوں میں ہوتا رہا ہے اگر ہوتا رہا ہے تو کن شرعی بنیادوں پر؟

❼ کیا رویت ہلال کے بارے میں تار کے ذریعہ موصول خبریں قابل قبول ہیں؟ اس خبر کی قبولیت اور عدم قبولیت کی شرعی بنیادیں کیا ہیں؟

❽ کیا ریڈیو کا اعلان، ڈھنڈورچی کے اعلان اور توپ کی آواز کے مشابہ ہے؟ (الف) اگر مشابہ ہے تو کیسے؟ (ب) اگر مشابہ نہیں ہے تو کیوں؟

❾ اگر ریڈیو کا اعلان ڈھنڈورچی کے اعلان اور توپ کی آواز کے مشابہ ہے تو رویت ہلال کے بارے میں قابل قبول ہوسکتا ہے؟ اگر ریڈیو کا اعلان قابل قبول ہے تو اس کے تعلق سے درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

❿ ایک یا چند ریڈیو کی خبر کہ ”فلاں جگہ چاند ہوگیا یا فلاں جامع مسجد کے امام یا شہر کے کسی بڑے عالم کے حوالے سے یہ خبر کہ چاند ہوگیا قابل قبول ہے یا نہیں؟“

⓫ کیا ریڈیو پر اعلان کرنے والے کا دین دار ہونا ضروری ہے، یا صرف مسلمان ہونا کافی ہے، یا کسی غیر مسلم کا اعلان کرنا بھی کافی ہے؟

⓬ کیا ریڈیو کا اعلان شہر اور مضافات تک ہی قابل قبول ہے اگر ہے تو کیوں اور اگر نہیں ہے تو کیوں نہیں؟

⓭ دیگر مقامات کے لیے یہ اعلان قابل قبول ہے یا نہیں؟

⓮ اگر یہ اعلان دیگر مقامات کے لیے بھی قابل قبول ہے تو کیا عوام کے لیے یہ اعلان کافی ہوگا یا مقامی قاضی یا عالم کی تصدیق کے بغیر اس پر عمل نہ کریں؟

⓯ ریڈیو کی صورت میں استفاضہ کی شان کیوں کر پیدا ہوسکتی ہے؟

⓰ (الف) جہاں سربراہ مملکت مسلمان نہ ہو جیسا کہ ہندوستان میں ہے کیا وہاں ہلال کمیٹی سلطان کے قائم مقام ہوسکتی ہے؟ (ب) ایسی ہلال کمیٹی کی تشکیل کیسے کی جاسکتی ہے؟ (ج) کیا یہ ہلال کمیٹی ریڈیو کے اعلان ہونے پر اپنی ولایت میں چاند ہونے یا نہ ہونے کا اعلان کرسکتی ہے؟ (د) جس طرح ایک قاضی کے اپنے حدود قضا میں اعلان پر روزہ و عید کیا جاتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پورے ملک کا ایک قاضی القضاۃ مقرر کر

دیا جائے اور اس کے اعلان پر پورے ملک میں روزہ وعید ہو۔ (و) جب قاضی کے اعلان کو عام کرنے میں نقارہ، مینارے کی روشنی، لاوڈ اسپیکر وغیرہ کا اعتبار کیا جاتا ہے تو پھر ریڈیو کا اعتبار کیوں نہیں؟ دیگر ذرائع اعلان و اخبار کی طرح یہ بھی ایک ذریعہ ترسیل وابلاغ ہے۔ (ہ) پورے ملک کا ایک قاضی القضاۃ مقرر کرنے اور اس کی طرف سے ریڈیو پر اعلان سے کیا خرابی پیدا ہوتی ہے؟

⑰ جس جگہ مسلمان حاکم اور عالم نہ ہوں وہاں ہلال کمیٹی کی تشکیل کیسے کی جاسکتی ہے؟

⑱ شرعی شہادت حاصل کر لینے کے بعد اگر ہلال کمیٹی اپنے کسی مسلم نمائندے کے ذریعہ رویت ہلال کا اعلان ریڈیو پر بحیثیت اعلان نہ کہ بحیثیت خبر کرائے، کیا اس اعلان کا اطلاق جہاں جہاں ریڈیو پر یہ اعلان سنا گیا ہو گا یا نہیں؟ اگر ہو گا تو اس کا جواز، اگر نہیں ہو گا تو اس کا مانع جواز کیا ہے؟

⑲ اگر یہ اعلان ہر جگہ قابل قبول ہے تو کیا یہ ایک ہی اعلان کافی ہو گا یا ایسے اعلانات ایک سے زیادہ ہوں۔

ریڈیو کی طرح ٹیلیفون کے بارے میں بھی درج ذیل سوالات درپیش ہیں۔

⑳ کیا ٹیلیفون خط کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ (الف) اگر مشابہ ہے تو کیسے؟ (ب) اور اگر مشابہ نہیں ہے تو کیوں؟

㉑ اگر ٹیلیفون خط کے مشابہ ہے تو کیا رویت ہلال کے بارے میں ملی ہوئی ٹیلیفون کی خبر پر رویت ہلال کا اعلان کیا جاسکتا ہے؟

㉒ کیا ٹیلیفون سے ملی ہوئی ایک ہی خبر (جس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ فون کرنے والا وہی شخص ہے جو اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے مزید اطمینان کے لیے اس وقت دو آدمی فون پر ہی اس کی تصدیق کر دیں کہ فون کرنے والا وہی شخص ہے جو اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے جہاں فون آیا ہے وہاں بھی مزید دو احباب آواز سن لیں اور پہچان لیں مزید برآں کچھ دیر بعد جہاں سے فون آیا تھا اس فون پر یا اس شہر کے دوسرے فونوں پر دوبارہ فون لگا کر اس بات کی تصدیق کر لیں کہ خبر درست ہے۔) قابل قبول ہو گی کہ نہیں؟

㉓ اگر فون پانے والے قاضی یا کسی شخص کو اس بات کا پورا پورا یقین ہو کہ فون پر خبر دینے والا وہی شخص ہے جو اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے تو کیا اس ایک خبر پر رمضان اور عید کی رویت ہلال کا اعلان کیا جاسکتا ہے؟

㉔ اگر ایک ہی شہر سے رویت ہلال کے بارے میں متعدد فون آئیں تو کیا اس خبر کو استفاضہ کی شان

حاصل ہوجائے گی؟ کیا اس خبر مستفیض پر رمضان اور عید کے چاند ہونے کا اعلان کیا جاسکتا ہے؟

(۲۵) اگر متعدد شہروں سے رویت ہلال کے بارے میں الگ الگ فون آئیں جس میں سوال (۳) اور (۴) کی شرائط پوری ہوتی ہوں تو کیا اس خبر کو استفاضہ کی شان حاصل ہو جائے گی کیا خبر مستفیض پر چاند کے ہونے کا اعلان کیا جاسکتا ہے؟

(۲۶) اگر فون سننے والا قاضی یا اس کا نمائندہ نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا شخص ہو تو کیا تنہا اس ایک شخص کی خبر پر قاضی رمضان اور عید کے چاند ہونے کا اعلان کر سکتا ہے؟

(۲۷) اگر اس تنہا شخص کی خبر نا کافی ہے تو کیا ان اشخاص کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہونا کافی ہے؟

(۲۸) اگر فون پانے والا تنہا قاضی یا قاضی کا نمائندہ ہے تو کیا اس خبر پر رمضان اور عید کے چاند کا اعلان کر سکتا ہے؟

(۲۹) فون کرنے والے کا دین دار مسلمان ہونا یا صرف مسلمان ہونا یا غیر مسلم فون کرنے والا ہونا کافی ہوگا؟

عبد الحیٔ نسیم القادری رضوی و اراکین رویت ہلال رابطہ کمیٹی اسلام پورہ، مالے گاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

الجواب

(۱) تا (۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلفاے راشدین اور تابعین وتبع تابعین کے عہد میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ چاند کی خبر دوسرے علاقے میں بھیجی جاتی تھی، یا جہاں چاند نہ ہوتا وہاں کے لوگ دوسری جگہ سے چاند کی خبر لانے کی کوشش کرتے، ان کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی تھا:

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن أغمِيَ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين.(۱)

ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اگر ابر ہو تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) شریعت نے ہر مسلمان کو اس کا مکلف نہیں فرمایا ہے کہ وہ خود چاند دیکھے اور اپنی آنکھ سے دیکھ کر روزہ رکھے اور چھوڑے بلکہ کچھ مسلمانوں کا دیکھنا سب کے لیے کافی ہے، اس کے لیے مختلف حالات میں

(۱) الصحيح للبخاري، ج:۱، ص: ۲۵٦، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إذا رأيتم الهلال الخ، مجلس البركات.

مختلف تعداد ہے۔ چاند کا ثبوت شرعی ہوا یا نہیں اس کے فیصلے کا حق مقامی حاکم یا قاضی کو ہے، مقامی حاکم یا قاضی جو فیصلہ کرے اس پر تمام مسلمانوں کو عمل کرنا واجب ہے، حتی کہ کسی ایک نے یا چند آدمیوں نے چاند دیکھا اور قاضی نے اس کی گواہی کو تسلیم نہیں کیا تو ان پر بھی واجب ہے کہ روزہ رکھیں، الفتاوی الھندیۃ میں ہے:

رجل رأى هلال الفطر وشهد ، ولم تقبل شهادته كان عليه أن يصوم فإن أفطر ذلك اليوم كان عليه القضاء.(۱)

ایک شخص نے شوال کا چاند دیکھا اور گواہی دی اور اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی اس پر واجب ہے کہ روزہ رکھے اگر اس دن روزہ نہیں رکھا تو اس پر قضا واجب ہے۔

اب قاضی اپنا فیصلہ ہر مسلمان کو بتانے سے عاجز ہے تو اس کے اعلان کو کافی سمجھا گیا، اب اعلان کی مختلف صورتیں ہیں کوئی شخص یا چند اشخاص پورے شہر میں پکار آئیں یا کسی مینارے یا اونچی جگہ سے کوئی مخصوص روشنی کی جائے جس کے بارے میں سب کو معلوم ہو کہ یہ چاند ہونے کی نشانی ہے، یا توپ کی فائر کی جائے، اعلان کا جو بھی طریقہ ہو وہ کافی ہے جس کی تعیین حدود قضا سے کی جائے گی یعنی اس شہر کے حاکم و قاضی کے حدود کیا ہیں، اس کے حدود قضا کے باہر اس اعلان کا کوئی ویلو نہیں، اور پھر اعلان اسی وقت کافی ہوگا جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہاں اعلان قاضی کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو نا کافی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع، أو رؤية القناديل من المصر ؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل، كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد؛ إذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان.(۲)

ترجمہ: شہر سے توپوں کی آواز یا قندیلوں کے دیکھنے سے دیہات والوں پر روزہ رکھنا لازم ہے؛ اس

---

(۱) الفتاوى الهندية، ص: ۲۱۸، ج: ۱، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۵٤، ج: ۳، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

لیے کہ یہ ایک کھلی ہوئی علامت ہے جو غلبۂ ظن کا فائدہ دیتی ہے اور غلبۂ ظن عمل کے لیے حجت موجبہ ہے، اور یہ احتمال کہ شاید یہ رمضان کا نہ ہو بعید ہے، اس لیے کہ ایسا عادۃً لیلۃ الشک میں رمضان کے ثبوت ہی کے وقت کیا جاتا ہے۔

اس عبارت میں ''اہل القری'' کا لفظ متعین کر رہا ہے کہ دوسرے شہر کے لیے کافی نہیں؛ کیوں کہ فقہ کی کتابوں میں مفہوم مخالف معتبر ہے اور جب دوسرے شہر کے لیے معتبر نہیں تو اس سے ملحق دیہاتوں کے لیے بھی معتبر نہیں، تو اب فاصل حدود قضا ہوئے، تو ثابت یہ ہوا کہ ایک شہر کے قاضی کا اعلان اس کے شہر اور اس شہر کے حدود تک معتبر ہے اس کے باہر نہیں، فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر خود قاضی دوسرے شہر میں جاکر اپنا فیصلہ سنائے، یا اس کا فرستادہ سنائے تو معتبر نہیں:

ولا يقبل رسوله فلأنَّ غاية رسوله أن يكون كنفسه، وقدمنا أنه لو ذكر مافي كتابه لذلك القاضي بنفسه لا يقبله.[1]

اور قاضی کا قاصد قبول نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ فرستادے کی حیثیت زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قاضی خود آکر کے کہے اور ہم پہلے بیان کر آئے کہ اگر دوسرے شہر کا قاضی خود آکر اس قاضی کے سامنے بیان کرے تو قبول نہیں کرے گا۔ (از فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:۵۲۶)

ہم نے یہ قید لگائی کہ یہ بھی معلوم ہو کہ یہ اعلان قاضی شرع کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے کہ گزر چکا فیصلے کا حق قاضی ہی کو ہے اور اسی کے حکم پر روزہ رکھنا یا چھوڑنا موقوف ہے، اب اگر یہ معلوم ہو کہ ہر کس وناکس اس قسم کا اعلان کرا دیتا ہے تو اس پر نہ شہر والوں کو اعتماد جائز اور نہ دیہات والوں کو، اسی سے تار، ٹیلیفون، ریڈیو کا حکم ظاہر ہو گیا کہ جب ایک شہر کے قاضی کا اعلان صرف اس کے حدود قضا تک محدود تو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ریڈیو وغیرہ اعلان کے لیے کافی ہیں تو دوسرے شہر کے لیے کالعدم۔ قاضی کا اعلان صرف ان کے حدود قضا تک اس لیے محدود ہے کہ اس کے حدود قضا میں کسی کو یہ ہمت نہ ہوگی کہ غلط اعلان کرے اور اگر

---

(۱) • فتح القدير، ج:۷، ص: ۲۷۳، كتاب القاضى إلى القاضي، بركات رضا، پور بندر.
• الفتاوى الرضوية، ج: ٤، ص: ٥٢٦، رساله أزكى الإهلال، رضا اكيڈمى، ممبئی.

بالفرض کوئی کرے بھی تو قاضی اس کی تردید کر سکتا ہے، اعلان کرنے اور کرانے والے کو سزا دے سکتا ہے، بخلاف اس کے کہ اس کے حدود قضا کے باہر اگر کوئی غلط اعلان کرے تو نہ وہ اس کی فوراً تردید کرا سکتا ہے، نہ روک سکتا ہے، نہ اس کو سزا دے سکتا ہے۔ایک شہر کی خبر دوسرے شہر میں ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ پہنچی تو غیر معتبر ہے اسکے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قاضی کے منادی کے لیے مسلمان ہونا شرط، الفتاوی الھندیۃ میں ہے:

منادي السلطان مقبول عدلا كان أو فاسقا.(۱)

منادی سلطان کی خبر مقبول ہے عادل ہو یا فاسق۔

عادل فاسق کی تردید متعیّن کر رہی ہے کہ منادی کا مسلمان ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ کافر کی خبر دینیات میں غیر مقبول۔ ریڈیو کے ملازمین اسی طرح تار و ٹیلیفون کے ملازمین عموماً کفار ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کا اعلان غیر معتبر۔

(۲) منادی سلطان کی قید افادہ کر رہی ہے کہ وہ اعلان سلطان یا سلطان کے نائب قاضی شرع کے حکم سے اس کے متعیّن کیے ہوئے آدمی کر رہے ہوں اور ریڈیو کا اعلان سلطان کی طرف سے نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ از خود ادھر ادھر سے سن کر اعلان کرتے ہیں۔

(۳) دوسرے شہر کی خبر اس وقت معتبر ہوگی جب بطریق موجب آئے کما بیناه فی فتاوانا اور طریقۂ موجب تین صورتوں میں منحصر شہادت شرعیہ پر مبنی شاہدین کی اپنی شہادت، یا شہادۃ علی الشہادۃ، یا کتاب القاضی الی القاضی۔ دوسرے شہادت علی القضا، تیسرے استفاضہ۔

آپ کی تسلی کے لیے نمبر وار آپ کے سوالات کے جوابات حاضر ہیں:

⑤ گزر چکا کہ توپ وغیرہ کا اعلان صرف اس شہر اور اس سے ملحق دیہاتوں کے لیے خاص ہے، جہاں سے یہ اعلان کیا جائے، جہاں تک یہ روشنی اور آواز پہنچے وہاں تک کے لیے نہیں صرف اس شہر کے قاضی کی حدود تک ہے اور اس کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ ایک قاضی کا اعلان دوسرے قاضی کے حدود میں

---

(۱) الفتاوى الهندية، ج: ۵، ص: ۳۰۹، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

نامعتبر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❻ گزر چکا کہ ٹیلیفون ریڈیو تار کی خبر دوسرے شہروں کے لیے غیر معتبر۔ رہ گیا خط تو رویت ہلال کے لیے خط کے استعمال کی صرف ایک ہی صورت ہے کتاب القاضی الی القاضی جس کو کم از کم دو عادل متدین قاضی کے پاس لے جائیں اور یہ شہادت دیں کہ یہ فلاں کا خط آپ کے نام ہے بغیر اس کے خط رویت ہلال کے سلسلہ میں کبھی استعمال نہیں کیا گیا، رویت ہلال ہی نہیں جہاں جہاں ثبوت کے لیے شہادت شرط ہے وہاں خط بالکل غیر معتبر۔ تمام فقہانے باتفاق تصریح کی ہے:

ولا اعتماد على الخط والختم؛ لأن الخط يشبه الخط.[1] والله تعالى أعلم

❼ تار، رویت ہلال کے سلسلے میں بالکلیہ غیر معتبر۔ وجوہ گزر چکے۔ تار دینے والا جن الفاظ میں تار کرتا ہے وہ تار بابو اپنے مختلف کھٹکوں میں دوسرے آفس میں پہنچاتا ہے پھر وہ تیسرے آفس میں پھر وہ انھیں کھٹکوں سے الفاظ بنا کر ایک بابو صاحب کاغذ پر لکھتے ہیں پھر چپراسی کے ذریعہ مرسل الیہ کے پاس جاتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چپراسی مرسل الیہ کے بجائے کسی اور کو دے دیتا ہے کہ فلاں کو دیدے دینا۔ ان وسائط میں کبھی کبھی کل کے کل کبھی دو ایک کفار ہوتے ہیں ان کا کیا اعتبار، جب کہ براہ راست ایک آدمی یا دو آدمی آکر یہ کہیں کہ فلاں نے چاند دیکھا ہے۔ اس نے آپ کے پاس ہمارے ذریعہ سے خبر بھجوائی ہے تو معتبر نہیں۔ تار کی خبر اعلان بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❽ ریڈیو کا اعلان ڈھنڈورچی کے اعلان اور توپ کی آواز کے حکم میں ہو سکتا ہے بشرطے کہ اس کی قانونی پابندی ہو کہ قاضی شہر کے حکم کے بغیر ریڈیو پر اعلان نہ ہو سکے گا، اس شرط کے بعد ریڈیو کا اعلان ڈھنڈورچی کے اعلان اور توپ کی آواز کی طرح صرف اس شہر کے لیے کافی ہو گا جس شہر کے قاضی کے حکم سے اعلان ہو رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❾ - ⓯ طرق موجب تین ہیں: شہادت، یا شہادت علی القضا، یا استفاضہ، ظاہر ہے کہ ریڈیو کی خبر شہادت نہیں اور استفاضہ بھی نہیں؛ اس لیے کہ استفاضے کی تفصیل یہ ہے کہ کسی شہر سے متعدد جماعتیں آئیں

---

(۱) بدائع الصنائع، ج: ۹، ص: ۳۹، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اور یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، صرف یہ خبر کہ وہاں لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے یا ایک ایک دو دو آدمیوں کا یہ کہنا کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے بلکہ ایک یا دو جماعت کا اگر یہ کہنا استفاضہ نہیں، ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتي : معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه كما قد تشيع أخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة ولا يعلم من أشاعها كما ورد : أن في آخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة فيتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون لا ندري من قالها فمثل هذا لا ينبغي أن يسمع فضلا عن أن يثبت به حكم . اهـ .قلت : وهو كلام حسن ويشير إليه قول الذخيرة إذا استفاض وتحقق؛ فإن التحقق لا يوجد بمجرد الشيوع[1].

ترجمہ: استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ جہاں چاند ہوا ہے وہاں سے متعدّد جماعتیں آئیں اور ہر جماعت یہ خبر دے کہ اس شہر والوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، محض خبر کا پھیل جانا کافی نہیں، شائع کرنے والے کے علم کے بغیر جیسے بہت سی خبریں پھیل جاتی ہیں اور تمام شہر والے اس کو بیان کرتے ہیں مگر اس کی بنیاد کیا ہے نہیں معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں شیطان مجمع میں آکر بیٹھ جائے گا اور کچھ کہے گا تو لوگ اس کو لے اڑیں گے جب پوچھا جائے گا کہ کس نے بتایا تو لوگ کہہ دیں گے ہمیں نہیں معلوم۔ ایسی خبر قطعاً سننے کے لائق نہیں چہ جائے کہ اس سے حکم شرعی ثابت کیا جائے۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ: یہ بہت عمدہ کلام ہے اور ذخیرہ کا قول اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فرمایا: جب خبر پھیل جائے اور بتحقیق ثابت ہو جائے؛ اس لیے کہ تحقیقی ثبوت محض پھیلنے سے نہیں ہوگا۔

اب آپ خود سوچیے کہ جب استفاضہ میں یہ شرط ہے کہ جہاں چاند ہوا ہے، وہاں سے متعدّد جماعتیں آکر یہ بتائیں اور ریڈیو کی خبر میں کوئی نہیں آتا، ریڈیو اسٹیشن سے کوئی ایک بولنے والا بولتا ہے،

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:۳۵۹، ج:۳، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

جماعت بھی نہیں ہوتی بلکہ اب توٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ خبریں نشر ہوتی ہیں پھر ایک یا چند ریڈیو کی خبر استفاضہ کیسے ہو سکتی ہے؟ واللہ تعالیٰ اعلم

⓬ - ⓳ جہاں مسلمان بادشاہ نہیں وہاں ملک کا سب سے بڑا عالم جو سنی صحیح العقیدہ مرجع فتویٰ ہو سلطان کے قائم مقام ہے۔ فتاوی عتابیہ اور حدیقہ ندیہ میں ہے:

إذا خلا الزمان عن سلطان ذي كفاية فالأمور مؤكلة إلي العلماء ويصيرون ولاة، فإذا عسر جمعهم علي واحد استقل كل قطر باتباع علمائه، فإن كثروا فالمتبع أعلمهم فإن استووا أقرع بينهم.[1]

جب بادشاہ سے زمانہ خالی ہو جائے تو سارے معاملات علما کے سپرد ہیں، امت پر ان کی جانب رجوع لازم ہے۔ علما والی ہو جائیں گے، اب اگر ایک پر سب کا جمع ہونا دشوار ہو تو ہر طرف کے لوگ اپنے یہاں کے عالم کی طرف رجوع کریں اور اگر علما کثیر ہوں تو جوان میں سب سے زیادہ علم والا ہے اس کی اتباع کی جائے گی اور اگر علم میں سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔

آیت کریمہ: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ.[2] کی تفسیر میں علامہ احمد خطیب قسطلانی شارح بخاری نے فرمایا کہ "أولی الأمر" سے مراد علما ہیں، ہندوستان میں کسی ایک عالم پر پورے ملک کا اتفاق قریب قریب محال ہے اس کو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ آج مسلمانوں میں خصوصاً اہل سنت میں کتنا انتشار ہے اس کے پیش نظر یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ پورا ملک کسی ایک عالم پر متفق ہو سکتا ہے، اس لیے یہ سوچنا کہ ایسا نظام قائم کیا جائے کہ پورے ملک کا کوئی عالم امیر المومنین ہو اور اس کا حکم پورا ملک مانے یہ خیال خام ہے، اس لیے بدرجہ مجبوری عوام پر لازم ہے کہ وہ اپنے یہاں کے مقامی سب سے بڑے عالم کی جانب جو وہاں کا مرجع فتویٰ ہو اس کی طرف رجوع کریں اور رویت ہلال وغیرہ دوسرے معاملات میں اس کی اطاعت کریں۔

ہاں جہاں علما نہ ہوں وہاں یہ کیا جا سکتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے مشورے اور ان کی رضا مندی سے رویت ہلال کمیٹی قائم کر دی جائے جس کے سب ممبران کے لیے ضروری ہے کہ سنی صحیح العقیدہ ہوں، متدین،

---

(۱) الحديقة الندية، ج:۱، ص: ۲٤٠.

(۲) القرآن الكريم، سورة النساء، آيت: ٥٩.

عادل اور ثقہ ہوں، دین کے معاملے میں نہ کسی کا دباو قبول کریں اور نہ وہ ناحق پر کوشش کریں۔ اور جو فیصلہ بھی کریں وہ شریعت کے مطابق کریں۔ علما سے پوچھ کر چاند کے سلسلے میں تمام صورتوں کے احکام معلوم کیے رہیں ایسی کمیٹی کا فیصلہ ضرور مسلمانوں پر لازم ہوگا بشرطے کہ ان کا فیصلہ خلاف شرع نہ ہو، بہت سی جگہ رویت ہلال کمیٹیاں قائم ہوئیں جن میں دین دار برائے نام رہے، سیٹھ صاحبان، وکیل صاحبان، ڈاکٹر صاحبان، لیڈر صاحبان حتی کہ کامریڈ صاحبان گھس آئے یا بھر لیے گئے، انھوں نے من مانی فیصلے کیے اور اسے زبردستی منوانے کی کوششیں کیں۔ واضح ہو خلاف شرع فیصلہ قاضی اسلام کا بھی نافذ نہیں ہو سکتا، سیٹھ صاحبان اور وکیل صاحبان کا کیا نافذ ہوگا۔

اوپر کی ہماری توضیح سے ظاہر ہو گیا کہ پورے ملک کا کوئی قاضی القضاۃ مقرر کیا جا سکتا ہے اور یہ تقرری بالغ رائے دہندگی کے طور پر نہیں ہوگی یہ انتخاب شرعا غلط ہے اور عقلا بھی۔ بالغ رائے دہندگی کا خمیازہ ہندوستان کے لوگ بھگت رہے ہیں۔ عوام کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی، بہت آسانی سے ان کو غلط طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھیے۔ اگر آج ہندوستان کے عوامِ اہل سنت سے پوچھا جائے کہ سب سے بڑا ہندوستان کا عالم کون ہے تو ان کی اکثریت کسی شعلہ بیان مقرر کا نام لے گی خواہ وہ علم سے بالکل کورا ہی کیوں نہ ہو۔ اب اگر بالغ رائے دہندگی پر قاضی القضاۃ کا انتخاب رکھا جائے تو یقین کامل ہے کہ کسی اچھے مقرر کا انتخاب ہو جائے جو اعلم علماے ملک کیا ہوگا عالم بھی نہ ہوگا۔ و قس علی هذا.

اس لیے شریعت نے انتخاب کا حق صرف اہل حل و عقد کو دیا ہے اور اہل حل و عقد صرف علما ہیں۔ انتخاب کے بعد قاضی القضاۃ کا اعلان پورے ملک میں نافذ ہوگا یا نہیں اس میں موجود علما کے مابین اختلاف ہے۔ اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ اس کا اعلان پورے ملک پر نافذ نہیں ہوگا بلکہ ملک کے جس شہر میں وہ ہوگا صرف اس شہر اور اس کے ملحقات میں نافذ ہوگا اگرچہ وہ شہر اس کا ہیڈ کوارٹر نہ ہو، مثلا قاضی القضاۃ کا مرکزی ہیڈ کوارٹر بریلی شریف ہے اگر وہ بریلی سے اعلان کرے گا تو وہ صرف بریلی شریف اور اس کے ملحقات کے لیے نافذ ہوگا اور اگر وہ بجائے بریلی کے مبارک پور آجائے اگرچہ عارضی طور پر چند دنوں کے لیے اور یہاں سے اعلان کرے تو صرف مبارک پور اور اس کے ملحقات کے لیے نافذ ہوگا۔ دوسری جگہوں کے لیے نہیں بلکہ بریلی شریف کے لیے بھی نہیں، کچھ علما یہ فرماتے ہیں کہ ملک کے قاضی القضاۃ کا اعلان پورے ملک پر نافذ ہوتا

ہے۔ وہ کہیں سے بھی اعلان کرے خواہ اپنے ہیڈ کواٹر سے۔ یا کسی اور جگہ سے اس قول کی بنا پر قاضی القضاۃ کا اعلان ریڈیو سے پورے ملک کے لیے قابل قبول ہوگا مگر اس کے شرائط یہ ہیں:

معلن وہی ہو جسے قاضی القضاۃ متعین کرے۔ اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے، اس کی بھی پابندی ضروری ہے کہ اس تاریخ پر ریڈیو سے کسی اور کی طرف سے اس قسم کا اعلان نہ ہو اگر اس شرط کی پابندی نہ ہوگی تو عوام پر قابو پانا مشکل ہوگا اور ریڈیو کے ہر اعلان پر روزہ چھوڑ کر عید کرنے لگیں گے اور ظاہر ہے کہ ان تینوں شرطوں کا پورا ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

اس لیے یہ خواب دیکھنا ہی بے سود ہے کہ پورے ملک کا ایک قاضی القضاۃ بنالیا جائے اور اس کا اعلان پورے ملک کے لیے کافی ہو۔ پھر اس سلسلے کے ضمنی سوالات از خود ساقط ہیں، مثلاً یہ کہ کہیں سے اس کا نائب چاند کا ثبوت لے کر اپنے مخصوص شرائط کے ساتھ بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دے اور اگر بفرض محال ملک کا کوئی قاضی القضاۃ مقرر ہو بھی جائے اور ریڈیو پر اعلان کے لیے سارے شرائط مان بھی لیے جائیں تو بھی قاضی القضاۃ کے نائب کا ثبوت لے کر بذریعہ ٹیلیفون قاضی القضاۃ کو اطلاع کرنا شرعاً ساقط۔ گزر چکا کہ ایک شہر کی خبر دوسرے شہر میں اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ بذریعۂ شہادت شرعیہ یا کتاب القاضی الی القاضی یا بطور استفاضہ پہنچے۔ اور ٹیلیفون ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ بقیہ آپ کے سوالات کے جوابات کی ضرورت نہیں رہی، اگر آپ غور کریں گے تو سب کے جوابات آپ کو مذکورہ بالا سطور میں مل جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴۱] اثبات رویت ہلال کے طریقے

مسئلہ— کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل کے متعلق کہ دورِ حاضر میں جدید آلات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فون اور فیکس کے ذریعہ رویت ہلال کا اعلان کرانا اور اسے تصدیق کرنا از روے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کس بنا پر یا ناجائز ہے تو کس بنا پر؟ تشفی بخش جواب بحوالۂ حدیث و قرآن و کتب فقہ و اجماع عنایت فرمائیں۔

محمد مزمل حسین، مقام، کوپ گڑھ، پورنیہ

۲۱ر فروری ۱۹۹۹ء

بدر احمد مجیبی کا جواب

الجواب

وهو الموفق للصواب رمضان المبارک اور عید الفطر کے رویت ہلال کا مسئلہ امت مسلمہ کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ روزہ رکھنے اور عید منانے کا فیصلہ اسی رویت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس زمانے میں ایسے نئے وسائل وذرائع پیدا ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ دوسرے شہروں بلکہ دوسرے ملکوں کی خبریں بہت کم وقت میں مل جاتی ہیں۔ فقہاے کرام کے زمانے میں یہ وسائل مہیا نہیں تھے؛ اس لیے ان کا حکم کتب فقہ میں موجود نہیں، ان پر غور وفکر کی ضرورت ہے تا کہ ان کے شرعی استعمال کا طریقہ واضح ہو سکے۔

رویت ہلال کے بارے میں اصولی طور پر یہ حکم حدیث میں موجود ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کے بعد ہی روزہ شروع کیا جائے گا اور چاند دیکھ کر ہی عید الفطر منائی جائے گی۔ اگر چاند کسی وجہ سے نظر نہ آئے تو ۳۰ر دن کا مہینہ شمار ہوگا۔ صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين[۱].

سال کے بارہ مہینوں کے رویت ہلال کے متعلق فقہاے کرام نے جو احکام بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) اگر مطلع پر ابر یا غبار وغیرہ ہے تو رمضان کی رویت کے لیے ایک عادل مسلمان کی خبر کافی ہے، اس میں شہادت اور مجلس قضا میں حاضری کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ دینی امور کی خبر ہے شہادت نہیں ہے۔

وإذا كان بالسماء علة قبل الإمام شهادة الواحد العدل في روية الهلال رجلا كان أو امرأة حرا كان أو عبدا؛ لأنه أمر ديني فأشبه رواية الأخبار.[۲]

وقبل بلا دعوى وبلا لفظ أشهد وبلا حكم ومجلس قضا؛ لأنه خبر لا شهادة للصوم مع علة كغيم أو غبار، خبر عدل.[۳]

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص: ۳۴۷، كتاب الصوم، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان۔

(۲) الهداية، ج:۱،ص: ۱۹۵، كتاب الصوم، مجلس بركات، مبارك پور۔

(۳) الدر المختار فوق رد المحتار، ص:۳۵۲، ج:۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں عید الفطر اور دوسرے نو مہینوں کی رویت کے لیے عادل افراد کی شہادت ضروری ہے اور شاہد دو مسلم مرد ہوں گے یا ایک مسلم مرد اور دو مسلم عورتیں۔ یہ شہادت مجلس قضا میں ہوگی اور شہادت کے الفاظ سے ہوگی۔

وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد.[۱]

وفي هلال الفطر وذي الحجة وبقية الأشهر التسعة شهادة حرين أو حر وحرتين بشرط العدالة ولفظ الشهادة.[۲]

(۳) اگر آسمان صاف ہے تو سال کے تمام مہینوں کی رویت کے لیے بڑی جماعت کی خبر ضروری ہے تاکہ ظن غالب ہو جائے اور اس میں جماعت کی تعداد متعیّن نہیں ہے۔ اسے امام و قاضی کے حوالے کیا گیا ہے جتنے افراد کی خبر پر بھی ان کو ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے وہ ثبوت رویت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

و قبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض إلي راى الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب.[۳]

(۴) ایک شہر کا حکم دوسرے شہروں میں جہاں رویت نہیں ہوئی ہے اس وقت لازم ہوگا جب وہاں "طریق موجب" سے اس شہر کی رویت ثابت ہو جائے۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

فإذا رآه أهل بلدة ولم يره أهل بلدة أخرى وجب عليهم أن يصوموا برؤ ية أولئك إذا ثبت عندهم بطريق موجب.[۴]

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں:

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۳، ج: ۳، کتاب الصوم، مبحث فی یوم الشك، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) الدر المنتقى في شرح الملتقى المطبوع مع مجمع الأنهر، ج: ۱، ص: ۳۴۹، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۵، ج: ۳، کتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۴) البحر الرائق، ص: ۴۷۱، ج: ۲، كتاب الصوم، ولا عبرة باختلاف المطالع، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

إنما يلزم متأخري الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب[1].

طریق موجب کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(۱) دو شخص آکر گواہی دیں کہ انھوں نے خود چاند دیکھا ہے اور وہ عادل اور مسلمان ہوں۔

(۲) دو عادل اور مسلم شخص آکر گواہی دیں کہ ان کے سامنے فلاں شہر کے قاضی نے شہادت لے کر رویت ہلال کا اعلان کیا ہے۔

(۳) جس شہر میں رویت ہوئی ہے وہاں سے اس کثرت سے رویت کی خبر آئے کہ اس کا انکار کرنا مشکل ہو جائے اس کو استفاضہ کہتے ہیں۔

علامہ طحطاوی اور علامہ شامی نے طریق موجب کی تشریح اس طرح کی ہے:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي. أو يستفيض الخبر[2].

امام قاضی خاں فرماتے ہیں:

إذا شهد شاهدان عند قاض لم ير أهل بلده على أن قاضي بلد كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا و قضى القاضي بشهادتهما جاز لهذا القاضي أن يقضي بشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة[3].

في الذخيرة: قال شمس-الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض، وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هذه البلدة[4].

---

(۱) فتح القدير، ج:۲، ص:۳۱۹، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص: ۳٦٤، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۳) فتاوى قاضي خان المطبوع مع الفتاوى الهندية، ج:۱، ص: ۱۹۸، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار إحياء التراث العربي.

(۴) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص: ۳۵۹، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلميه، بيروت.

فقہاے کرام نے استفاضہ میں خبر دینے والوں کی مقدار متعین نہیں کی ہے۔ بعض نے اس کی تشریح تواتر سے کی ہے، اور بعض نے متعدد جماعت کی خبر کو اس کے لیے کافی تصور کیا ہے۔

استفاضہ کا مفہوم علامہ مصطفیٰ رحمتی یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس شہر میں رویت ہوئی ہے، وہاں سے متعدد جماعت آئے اور ان میں سے ہر ایک فرد اس شہر کے باشندوں کے بارے میں یہ خبر دے کہ ان لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، ایسا استفاضہ معتبر ہے، اگر صرف رویت کی خبر مشہور ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کس نے مشہور کیا ہے تو ایسا استفاضہ معتبر نہیں ہے۔

وإن لم يكن بالسماء علة فلا بد في الكل من جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الراي بخبرهم والأصح تفويضه إلى رأي الإمام[1].

ایک شہر میں رویت ہلال ثابت ہو جائے اور قاضی یا وہاں کے کسی مستند عالم کا اعلان ہو جائے تو اس کی رویت کا حکم۔

قال الرحمتي: معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن أشاعه[2].

علامہ رحمتی کے بیان کردہ اس مفہوم کے پیش نظر ۹، ۱۰ر آدمی کی خبر بھی استفاضہ کے حکم میں آجاتی ہے؛ کیوں کہ ایک جماعت میں کم از کم تین افراد ہو سکتے ہیں اور متعدد کا لفظ تین پر بھی صادق آتا ہے؛ اس لیے تین افراد کی تین جماعت کی خبر یعنی ۹ر افراد کی خبر بھی استفاضہ ہو سکتی ہے۔ استفاضہ میں شہادت اور مجلس قضا میں حاضری ضروری نہیں ہے۔

ایک شہر کے قاضی نے شہادت لے کر رویت کا اعلان کر دیا تو اس کا یہ اعلان اس کے پورے دائرۂ حدود میں تسلیم کیا جائے گا اور اس کے مطابق عمل لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ متعدد شہروں یا پورے صوبہ کا قاضی

(۱) در منتقی، ص: ۳۴۹، ج: ۱، کتاب الصوم، مطبع دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
(۲) ردالمحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۵۹، ج: ۳، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان

ہے تو ان تمام شہروں یا پورے صوبے میں جو اس کی ولایت میں ہیں اس کا اعلان معتبر ہوگا اور مانا جائے گا۔

جن شہروں میں اسلامی حکومت نہیں ہے اور وہاں کوئی مسلم حاکم و قاضی بھی نہیں ہے وہاں اگر لوگ کسی متدین عالم کو متعین کر لیں کہ اس کی طرف سے رویت ہلال کا اعلان ہوا کرے گا اور سب لوگ اس کو مانیں گے تو اس کے اعلان سے اسی طرح لوگوں پر صوم و افطار لازم ہوگا جس طرح اسلامی حکومت میں قاضی کے اعلان کرنے سے لوگوں پر لازم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رویت ہلال کمیٹی کے اعلان سے بھی صوم و افطار لازم ہو جائے گا۔ شیخ عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں:

إذا خلا الزمان من سلطان ذي كفاية فالأمور موكلة إلى العلماء ويلزم الأمة الرجوع إليهم ويصيرون ولاة.(1)

والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيها قائم مقامه(2).

قاضی، متدین عالم، یا رویت ہلال کمیٹی کے نزدیک رویت ہلال کے ثبوت اور اس کے فیصلے کے بعد اس کی عام اطلاع و اعلان کی کیا صورت ہوگی؟

زمانۂ قدیم میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ حکومت کی طرف سے ایک منادی پورے شہر میں گشت کر کے اس اعلان کو مشتہر کرتا تھا، بعد میں شہر کے قرب و جوار کے دیہاتوں میں اس کی اطلاع دینے کے لیے یہ طریقہ رائج ہوا کہ قاضی کے اعلان کے بعد توپ داغی جاتی تھی، یا کسی بلند جگہ پر روشنی کی جاتی تھی جس سے قرب و جوار کے دیہاتوں میں رویت ہلال کے فیصلہ کی اطلاع ہو جاتی تھی، اس کو علامت ظاہرہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کے ذریعہ علم شرعی یعنی ظن غالب حاصل ہو جاتا تھا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل(3).

---

(1) الحديقة الندية، ج:١، ص:٢٤٠.

(2) عمدة الرعاية المطبوع مع شرح الوقاية، ج:١، ص:٣١١، مجلس البركات، أشرفيه.

(3) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:٣، ص:٣٥٤، كتاب الصوم، مبحث فى صوم يوم الشك، دار الكتب العلميه، بيروت.

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

عندنا العمل بالأمارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر كضرب المدافع في زماننا، والظاهر وجوب العمل بها على من سمعها ممن كان غائبا عن المصر كأهل القرى ونحوها[1].

دور حاضر میں خبر رسانی کے مختلف نئے ذرائع وجود میں آچکے ہیں جن میں ریڈیو، ٹی وی، ٹیلی فون، فیکس وغیرہ ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ پچھلے زمانوں میں یہ نئے ذرائع مہیا نہیں تھے، اس لیے ان کا حکم فقہاے کرام کی کتابوں میں نہیں مل سکتا۔ ان کا حکم معلوم کرنے کے لیے ان کو ایسی چیزوں پر قیاس کرنا ہوگا جو ان سے مشابہت رکھتی ہیں اور فقہاے کرام نے ان کا حکم بیان کر دیا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی سے آئی ہوئی خبروں کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا؛ کیوں کہ شہادت میں شاہد کا مجلس میں حاضر ہونا ضروری ہے جب کہ ان سے خبریں دینے والا سامنے موجود نہیں رہتا۔ البتہ ریڈیو اور ٹی وی کو خبر رسانی میں منادی کے اعلان، توپ کی آواز وغیرہ علامت ظاہرہ کے مثل قرار دیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان چیزوں کی طرح بلکہ ان سے بہت زیادہ فاصلے تک ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ خبریں پہنچائی جا سکتی ہیں اس لیے قاضی کے فیصلے کے بعد اس کی طرف سے ریڈیو پر اس کا اعلان نشر کر دیا جائے تو یہ اعلان بھی منادی کے اعلان، توپ کی آواز اور منارہ کی روشنی کے مثل امارات ظاہرہ میں شمار کیا جائے گا اور اس پر عمل واجب ہوگا۔ یہاں دو اہم باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

(ا) منادی وغیرہ کا اعلان قاضی کے نمائندہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ قاضی کی طرف سے اس کو حکم دیا جاتا ہے تو وہ اعلان کرتا ہے۔ منادی قاضی کا مامور ہوتا ہے؛ اس لیے اس کا اعلان موجب عمل ہے اگر کوئی منادی خود سے قاضی کے حکم کے بغیر اعلان کرنے لگے تو اس کے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح سے ریڈیو پر اگر قاضی، یا رویت ہلال کمیٹی کی طرف سے اعلان ہوتا ہے تو اس کا اعتبار ہوگا اور اس کی بنا پر صوم یا افطار کا حکم لازم ہوگا۔ اگر ریڈیو والے خود اپنی طرف سے یہ خبر دی کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے تو اس کا کوئی اعتبار

(۱) منحة الخالق شرح البحر الرائق، ج:۲، ص: ٤٧٢، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

نہیں ہوگا اور اس خبر کی بنیاد پر صوم یا افطار درست نہیں ہوگا، اس لیے ریڈیو کے اعلان کے موجب عمل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کے فیصلے کے بعد اس کی طرف سے اعلان ہو رہا ہو ورنہ وہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

(۲) قاضی کے دائرۂ حدود کے اندر اس کا اعلان موجب عمل ہوگا۔ اسی طرح اعلان کنندہ اور رویت ہلال کمیٹی کو جس صوبے یا جن شہروں کے لوگ مانتے ہوں ان پر اس اعلان کے مطابق عمل لازم ہوگا، ان کے دائرۂ حدود کے باہر رہنے والوں کے لیے یہ اعلان عام خبر کے مثل ہوگا؛ کیوں کہ یہ خبر ان کے پاس طریق موجب سے نہیں آئی ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس لیے دوسرے صوبے میں یا قاضی کے دائرۂ حدود کے باہر شہروں میں محض اس خبر کی بنیاد پر صوم وافطار درست نہیں ہے جب تک دوسرے ذرائع سے بھی رویت کا حکم ثابت نہ ہو جائے۔

البتہ اگر پورے ملک کے لیے ایک قاضی یا ایک رویت ہلال کمیٹی مقرر ہو جائے اور اس کو تسلیم کر لیا جائے پھر اس کی طرف سے پوری تحقیق کے بعد رویت ہلال کا اعلان ہو تو یہ اعلان پورے ملک کے لیے ہوگا اور تمام شہروں میں اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

ٹیلیفون کی گفتگو خطاب اور کلام کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ خطاب اور کلام میں فریقین سامنے ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہیں اور ٹیلی فون میں دور سے بات ہوتی ہے، اس لیے اس میں فریب کا احتمال رہتا ہے۔ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ فریب کا احتمال باقی نہ رہے اور صداقت کا ظن غالب ہو جائے تو ٹیلی فون کی گفتگو بھی مکالمہ و مخاطبہ کی طرح حجت ہوگی۔ البتہ یہ خبر کے درجہ میں ہوگی؛ کیوں کہ شہادت میں مجلس قضا میں حاضری ضروری ہوتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ٹیلی فون پر گواہی دینا چاہے کہ میں نے فلاں کام ہوتے ہوئے دیکھا ہے، یا میں نے عید الفطر کا چاند دیکھا ہے تو اس کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔

البتہ اگر خود قاضی ٹیلی فون کے ذریعہ دوسرے شہر کے قاضی سے رویت ہلال کی تصدیق کرتا ہے اور اس کو اس پر پورا اطمینان ہو جاتا ہے تو وہ اس بنیاد پر رویت کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

اس کی نظیر کتب فقہ میں تحمل شہادت کے متعلق ایک مسئلہ ہے: فقہائے کرام یہ تحریر فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے پردہ یا دیوار کے پیچھے سے کسی کا اقرار سنا تو آواز پہچاننے کے باوجود وہ اس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ اقرار

کرتے ہوئے اس کو دیکھنا ضروری ہے؛ کیوں کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے، اس لیے اسے وہ علم حاصل نہیں ہوا جو شہادت کے لیے ضروری ہے۔ اور اگر کوئی ایسی صورت پائی جائے جس میں اس کو یہ علم حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ فلاں شخص ہے تو وہ اس کی شہادت دے سکتا ہے۔ مثلاً کسی مکان میں کوئی شخص تنہا تھا، دوسرا شخص وہاں گیا، اس نے اس کو تنہا دیکھا پھر دروازے پر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا ہے کہ اندر صاحب مکان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے اور اس دروازے کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے، اس کے بعد اس نے صاحب مکان کے اقرار کی آواز سنی تو ایسی صورت میں اس کو شرعی علم حاصل ہوگیا کہ یہ صاحب مکان کا اقرار ہے اور اس پر وہ شہادت دے سکتا ہے۔

وإن لم يروه وسمعوا كلامه لا يحل لهم الشهادة إلا إذا دخل بيتا فرأى رجلا فيه وحده، فخرج وجلس على بابه، وليس له مسلك غيره فسمع إقراره مِن الْبَابِ من غير رُؤْيَةِ وَجْهِهِ حَلَّ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِمَا أَقَرَّ ذكره الخصاف.[1]

وَذَكَرَ الْخَصَّافُ رَجُلٌ فِي بَيْتٍ وَحْدَهُ وَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ وَرَآهُ ثُمَّ خَرَجَ وَجَلَسَ عَلَى الْبَابِ وَلَيْسَ لِلْبَيْتِ مَسْلَكٌ غَيْرُهُ فَسَمِعَ إقْرَارَهُ مِنْ الْبَابِ بِلَا رُؤْيَةِ وَجْهِهِ حَلَّ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِمَا أَقَرَّ.[2]

اس پر صاحب فتح القدیر محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ شہادت کو جائز قرار دینے والی اصل چیز علم ہے اور جس کے بارے میں بھی دی جارہی ہے اس کو اقرار کرتے ہوئے دیکھنا یہ علم کا طریقہ ہے، اگر کوئی دوسرا ایسا طریقہ فرض کرلیا جائے جس سے اس کو یہ علم حاصل ہوجاتا ہے تو اس کا شہادت دینا درست وصحیح ہوگا۔

لأن المسوغ هو العلم غير أن رؤيته متكلما بالعقد طريق العلم به فإذا فرض تحقق طريق آخر جاز.[3]

صاحب فتح القدیر کے معاصر مولی خسرو صاحب الدرر والغرر فرماتے ہیں کہ اگر قائل متعیّن ہوجاتا ہے

---

(۱) طحطاوی علی الدر، ج: ۱۱، ص: ۱۱۰، ۱۱۱، مطلب: تعديل أحد الشاهدين صاحبه، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) البحر الرائق، ج:۲، ص: ۱۱۷، كتاب الشهادات، وله أن يشهد بما سمع، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳) فتح القدير، ج:۷، ص: ۳۵۸، كتاب الشهادات، فصل يتعلق بكيفية الأداء، بركات رضا، پور بندر.

کہ وہ فلاں شخص ہے تو اس کو دیکھے بغیر بھی اس کی آواز پہچان کر اس کی بنیاد پر گواہی دی جاسکتی ہے۔

ولا يسعه الشهادة بسماعه من وراء الحجاب إلا إذا تعين القائل.[1]

فون کی خبر میں بھی درج ذیل شرطیں پائی جائیں تو قائل کی تعیین ہوجاتی ہے اور اس کی خبر پر اطمینان واعتقاد ہوجاتا ہے۔

(۱) پہلے سے مقرر افراد متعین جگہوں پر موجود رہیں اور رویت ہونے کی صورت میں فون کے ذریعہ خبر کریں اور اپنا نام اور پتہ بتادیں۔

(۲) خبر دینے والے کی آواز پہچان لی جائے۔

(۳) فون کرنے والے کے نمبر پر اپنی طرف سے دوبارہ فون کر کے تصدیق کرلی جائے کہ اسی نے فون کیا تھا۔

(۴) جس مقام سے فون آیا ہے وہاں کے دوسرے افراد کے ذریعہ اس کی تصدیق کرلی جائے۔

ان سب شرائط کے ساتھ رویت ہلال کے ذمہ داران دوسرے شہر کے ذمہ داروں سے ٹیلی فون پر رویت ہلال کی تصدیق کرتے ہیں اور اس پر ان کو پورا اطمینان ہوجاتا ہے تو وہ اس بنیاد پر رویت ہلال کے ثبوت کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔

فیکس اس زمانے کی ایجاد ہے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے اس کے مشابہ کسی چیز پر قیاس کرنا ہوگا۔ جس کا حکم شریعت میں موجود ہو۔ فیکس خط سے بہت مشابہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خط کی اصل مکتوب الیہ کو ملتی ہے اور فیکس کی نقل یعنی فوٹو اسٹیٹ مکتوب الیہ تک پہنچتی ہے جو اصل کے بالکل مطابق ہوتی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اس لیے خط کا جو حکم ہے وہی حکم فیکس کا ہوگا۔

خط کا حکم یہ ہے کہ اس سے شہادت کا کام انجام نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ شہادت میں شاہد کی مجلس میں حاضری ضروری ہوتی ہے اور خط میں یہ ممکن نہیں ہے۔ خط میں جعل وفریب کا بھی احتمال رہتا ہے، اس کو فقہاے کرام نے اس طرح تعبیر کیا ہے: الخط يشبه الخط.[2]

---

(۱) درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج:۸، ص: ۲۱۳.

(۲) حاشية قرة عيون الأخيار تكملة رد المحتار على الدر المختار، ج: ۱۲، ص: ۱۸۳، كتاب الإقرار، دار الكتب العلمية، بيروت.

لیکن خط کو بالکل غیر معتبر سمجھنا درست نہیں۔ بہت سے معاملات میں شریعت نے خط کا اعتبار کیا ہے، خاص کر ایسی صورت میں جب خط کے بارے میں یہ اطمنان ہو جائے کہ وہ اصل ہے تو اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) سرکار دوعالم ﷺ نے سلاطین اور فرماں رواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے دعوت اسلام کا تعلق خاص دینی امور سے ہے۔ اگر خط کو قطعاً ناقابل اعتبار سمجھا جاتا تو یہ خطوط روانہ نہیں کیے جاتے۔ اس عمل نبوی سے یہ ثابت ہوا کہ دینی امور میں خط معتبر ہوتا ہے۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں:

فإن رسول الله ﷺ كان مأمورا بتبليغ الرسالة وبلغ إلى قوم مشافهة وإلى آخرين بالكتاب والرسول وكان ذلك تبليغا تاماً. (۱)

(۲) حضور اکرم ﷺ نے اپنے عامل اور گورنر حضرات کو مکتوبات کے ذریعہ ہدایات جاری فرمائیں جن پر وہ عمل پیرا ہوئے۔

(۳) حضرات خلفاے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم نے اپنے زمانوں میں حکومت کے مقررہ عمال اور گورنر کے نام مراسلات کے ذریعہ آرڈر جاری فرمائے جن پر ان عمال نے عمل کیا۔

(۴) حدیث کی روایت: کوئی محدث کسی شخص کو اجازت کا مجموعہ بھیج کر ان کی روایت کی اجازت دے تو اس محدث کی سند سے روایت کر سکتا ہے اس میں کتابت مرسومہ ضروری ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ یہ خطاب کی طرح حجت ہے۔ امام فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں:

أما الكتاب فعلى رسم الكتب، ويقول فيه: حدثنا فلان إلى أن يذكر متن الحديث، ثم يقول: فإذا بلغك كتابي هذا، وفهمته فحدث به عني لهذا الإسناد، وهذا من الغائب مثل الخطاب. (۲)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس کے حجت ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ مکتوب الیہ تحریر پہچان رہا ہو اور قاصد کی صداقت کا ظن غالب ہو۔

---

(۱) أصول السرخسي، ج: ۱، ص: ۳۷۶، فصل في بيان أقسام الأخبار، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) أصول البزدوي، ج: ۳، ص: ٤۱، باب بيان قسم الرابع وهو الخبر، الصدف پبلشر، کراچی، پاکستان.

و يكفى معرفة خطه وظن صدق الرسول. (نسمات الاسحار للشامی عن التحریر)

(۵) فقہاے کرام نے مختلف مواقع پر خطوط کو حجت قرار دیا ہے، دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱-الكتابة المرسومة: یعنی ایسے خطوط جو عنوان کے ساتھ ہوں یعنی ان کے شروع میں باقاعدہ تحریر ہو کہ یہ خط فلاں کی طرف سے فلاں کے نام ہے۔ ایسا خط عرف کے مطابق حجت ہے۔ علامہ عینی مکتوب کی ایک قسم "متبین مرسوم" کی تشریح فرماتے ہیں:

وهو أن يكون معنونا أي مصدرا بالعنوان وهو أن يكتب في صدره من فلان إلى فلان على ما جرت به العادة في سير الكتاب فيكون هذا كالنطق فيلزم حجة. (عيني شرح الكنز، الدر المنتقى للحصكفي، العقود الدرية للشامي)

صاحب مجمع الانہر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں خط کے حجت ہونے کے لیے مہر لگا ہونا اور کاغذ پر لکھا ہونا بھی عرف کی بنا پر شرط ہے۔

وفي زماننا الختم شرط لكونه معتادا، وكذا الكتب على كاغذ حيث يشترط بناء على العرف المعروف. (مجمع الانهر)

۲-بیاع، صراف اور سمساری کی تحریر کو بھی عرف کی بنا پر حجت تسلیم کیا ہے۔ اس کی بنا پر دعویٰ پیش کر کے فیصلہ کرایا جاسکتا ہے۔

فقد قال في الفتح من الشهادات أن خط السمسار والصراف حجة للعرف الجاري به.[1]

درج بالا تمام معاملات میں شریعت نے خط کا اعتبار کیا ہے، اس لیے اگر درج ذیل شرطیں خط میں موجود ہیں تو اس کو معتبر مانا جائے گا:

(۱) خط مرسوم ہے یعنی اس پر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے نام درج ہیں کہ فلاں کے نام فلاں کا خط ہے۔

(۲) عرف کے اعتبار سے مکتوب نگار کے لیٹر پیڈ پر تحریر ہے اور اس کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔

(۳) مکتوب الیہ کو خط پڑھ کر اور مکتوب نگار کی تحریر پہچان کر اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص کا خط

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۸، ص: ۱۳۶، كتاب القضاء / كتاب القاضى إلى القاضى، مطلب في دفتر البياع، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

ہے اور یہ کہ اس میں کسی نے کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔

ان شرائط کے ساتھ جو خط آئے گا وہ معتبر ہوگا اور دینی امور میں حجت بھی ہوگا یہی حکم فیکس کا بھی ہے۔ لیکن ان کے ذریعہ شہادت نہیں دی جاسکتی، یہ بدرجۂ خبر قابل اعتبار ہوگا۔

البتہ اگر کوئی قاضی بذات خود، یا اس کا معتمد عادل شخص ان شرائط کے مطابق فیکس سے دوسرے شہر کے قاضی کو رویت ہلال کے فیصلہ کی اطلاع دیتا ہے اور دوسرا قاضی خود یا اس کا معتمد عادل شخص فیکس کو وصول کرلیتا ہے، قاضی کو اس کی صداقت پر پورا اطمینان بھی ہوجاتا ہے تو وہ اس بنا پر رویت ہلال کا اعلان کرے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

(۱) ریڈیو پر قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کی طرف سے رویت کے فیصلے کا اعلان کرنا صحیح ہے اس کو منادی وغیرہ کی طرح علامت ظاہرہ مانا جائے گا اور اعلان کنندہ کے دائرۂ حدود کے اندر اس کا اعلان واجب التعمیل ہوگا۔ اس کی بنیاد پر رمضان کا روزہ رکھنا یا عید منانا صحیح ہے۔

(۲) فون اور فیکس کے ذریعہ مذکورہ شرائط کے ساتھ قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کے افراد دوسرے شہر کے رویت ہلال کے ذمہ داروں سے رویت کی تصدیق کرلیتے ہیں اور اس پر ان کو ظن غالب حاصل ہوتا ہے تو وہ بھی ثبوت رویت کا فیصلہ کریں گے۔

(۳) کسی شہر میں رویت نہیں ہوئی لیکن دوسرے شہروں کی رویت کے اعلانات ریڈیو پر آرہے ہیں، اسی طرح ان شہروں سے بکثرت شرائط کے مطابق اسے فون اور فیکس آرہے ہیں جن سے اس شہر کی رویت ہلال کمیٹی کے افراد کو اطمینان حاصل ہوجاتا ہے کہ فلاں جگہ قطعی اور یقینی طور سے رویت ہوچکی ہے تو استفاضہ کی بنیاد پر بھی رویت کا اعلان کریں گے۔ ھذا ما ظھر لي و اللہ تعالی أعلم.

کتبـــــہ

بدر احمد مجیبی

۲۰؍ محرم ۱۴۲۰ھ

دار الافتا خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

أصاب ما أجاب

محمد جمال الحق قادری امانی

مدرس دار العلوم مجیبیہ خانقاہ

پھلواری شریف، پٹنہ

شارح بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان کا جواب

الجواب

پھلواری کا یہ فتویٰ کئی وجوہ سے محل نظر ہے، ان سب کو لکھنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ کے یہاں تنازع سے متعلق صرف یہ بات ہے کہ دوسری جگہ سے رویت ہلال کی خبر بذریعہ فون آئے تو وہ معتبر ہے یا نہیں؟ پھلواری کے اس فتوے میں بشرائط اس کی اجازت دی گئی ہے۔ ان شرائط میں سے سب سے اہم شرط یہ ہے کہ یہ فون قاضی نے خود کیا ہو یا قاضی کے حکم سے کسی دوسرے نے خود کیا ہو اور وہ دوسری جگہ قاضی کے حدود قضا میں ہو لیکن اس فتوے میں حدود قضا کی تعیین کی کوئی صورت تحریر نہیں۔ ایک جگہ رواداری میں یہ لکھ دیا ہے "جہاں کے لوگ اسے مانتے ہوں" تو اس کا حاصل یہ نکلا کہ اگر پورنیہ کے لوگ پھلواری کے مفتی کو مانتے ہوں تو پورنیہ پھلواری کے حدود قضا میں داخل ہو گیا۔ یہ حکم شرعی بیان کرنا نہیں گمراہ گری ہے۔ "مانتے ہوں" کا لفظ مبہم ہے۔ کیا مانتے ہوں؟ پیر مانتے ہوں؟ مفتی مانتے ہوں، قاضی مانتے ہوں؟ غوث مانتے ہوں؟ قطب مانتے ہوں؟ کیا مانتے ہوں؟

چلیے "مانتے ہوں" کا مطلب ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ مفتی اور قاضی مانتے ہیں، اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کتنے آدمی مانتے ہیں؟ کل، کہ اکثر، کہ اقل؟ ضلع پورنیہ کا سروے کر لیجیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت حال کیا ہے؟ پھلواروی صاحب نے جو حدیقہ ندیہ کی عبارت نقل کی ہے اس کے اخیر میں تصریح ہے:

فإن عسر جمعهم على واحد استقل كل قطر باتباع علمائه(۱).

کیا پورا ضلع پورنیہ کسی ایک عالم کے قاضی ہونے پر متفق ہے یا ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب آپ بھی یہی دیں گے کہ یہ ممکن نہیں تو حدیقہ ندیہ کے ارشاد کی روشنی میں پھلواری کا اعلان پورنیہ ضلع کے لیے کالعدم۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ قاضی وہاں کا وہی عالم ہو جو اعلم اور مرجع فتویٰ ہو پھر شرائط میں یہ بھی ہے کہ قاضی یا مفتی کا فون آنے کے بعد دوبارہ اسی نمبر پر ڈائل کر کے پوچھ لیا جائے اور جہاں سے فون آیا ہے وہاں کے دوسرے مقامی لوگوں سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ خدا کا خوف دل میں رکھ کر اور آخرت کے مواخذہ کو سامنے رکھ کر بتائیے کہ کیا آپ کے یہاں ان دونوں باتوں پر عمل ہوا ہے۔

---

(۱) الحديقة الندية، ج:۱، ص: ۲۴۰.

پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے لوگوں کو قاضی کا فون نمبر معلوم ہو؛ کیوں کہ اگر پہلے سے فون نمبر معلوم نہیں اور جو فون آیا ہے اسی سے نمبر معلوم کر کے دوبارہ ڈائل کریں گے تو اس کا کیا اعتبار ؟

غرض کہ پھلواری کے اس فتوے کی رو سے بھی اگر آپ ۸؍ جنوری کو سنیچر کے دن روزہ نہ رکھتے یا عید کرتے تو ایک نہیں چار چار گناہ کے مرتکب ہوتے۔

(۱) غیر شرعی طریقہ کو معتبر مان کر عمل کیا۔

(۲) سنیچر ۸؍ جنوری کو ۳۰؍ رمضان تھی، اس دن کا روزہ نہ رکھا یا رکھ کر توڑ دیا۔

(۳) ابھی نماز عید کا وقت نہیں آیا تھا۔ نماز عید کے نام سے جو نماز پڑھی وہ صحیح نہ ہوئی اور نماز عید پڑھنے والوں نے اسے عبادت سمجھا۔

(۴) ۹؍ جنوری اتوار کو نماز عید واجب تھی اسے چھوڑا۔

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ شخص واحد پورے ملک یا پورے صوبہ کا قاضی القضاۃ ہو اور اس کا منادی پورے ملک اور پورے صوبہ میں حجت شرعی ہو اور فون پر کہنا منادی ہو۔ پہلی بات تو صحیح ہے اس لیے کہ قاضی الشرق والغرب قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف قدس سرہ اپنے عہد مبارک میں پورے بلاد اسلامیہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ ایسے قاضی کا منادی جس شہر میں وہ مقیم ہے اس کے علاوہ دوسرے بلاد میں معتبر ہے یا نہیں ؟ اس میں علما کو سخت کلام ہے۔ ان کا فرمانا یہ ہے کہ قاضی جس شہر میں ہے وہاں کے منادی پر اس کو کنٹرول ہوگا۔ خدانخواستہ اگر کوئی خدانا ترس قاضی کی طرف منسوب کر کے غلط اعلان کرے گا وہ اسے گرفتار کر سکتا ہے، سزا دے سکتا ہے پھر اپنی طرف سے صحیح اعلان کرا سکتا ہے بخلاف دوسرے شہروں کے۔ وہاں سے اطلاع آتے آتے اور پھر صحیح اعلان کراتے کراتے کیا سے کیا ہو جائے گا۔ پھر آج کون غلط اعلان کرنے والے کو پکڑ سکتا ہے، سزا دے سکتا ہے ؟ ابھی تازہ بات ہے، اسی سال گورکھ پور میں کچھ خدانا ترسوں نے اعلان کر دیا کہ مفتی محمد شریف الحق صاحب نے ۲۹؍ کے چاند ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ کل عید ہے۔ جب کہ قطعاً مجھ سے کوئی رابطہ گورکھ پور والوں سے نہیں ہوا اور نہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جس نے یہ اعلان کرایا۔ تیسرے دن مجھے اطلاع ملی۔

سب سے حیرت انگیز ٹیلیفون کی بات کو منادی بنانا ہے۔ کہاں ٹیلی فون کی بات جو کانوں میں ہے، پاس بیٹھنے والوں کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ کیا بات ہو رہی ہے اور کہاں منادی کہ کوئی شخص علانیہ علی روس الاشہاد گلی

کوچوں میں بلند آواز سے چلاتا پھرتا ہے کہ یہ بات ہے جسے ہر شخص سنتا ہے، منادی کرنے والے کو دیکھتا ہے اور توپ کی فائر اور منارہ کی یہ مخصوص روشنی حاکم اسلام کے حکم کے بغیر نہ ہوتی ہو۔ مختصر یہ کہ پھلواری کا یہ فتویٰ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ فرمایا گیا:

واتخدوا الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا۔[1]

یہ کسی طرح لائق عمل نہیں اور صحیح یہی ہے کہ پھلواری کے کسی مفتی کا فون اور وہاں کے شیخ المشائخ کا فون پورنیہ کے کسی بھی خطہ کے لیے بلکہ پھلواری سے باہر کسی بھی جگہ کے لیے شرعاً کالعدم ہے اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ ہمارے ہندوستان میں پورے ملک یا کسی ایک پورے صوبہ کا کوئی ایسا عالم نہیں جو پورے ملک یا پورے صوبہ کا ایسا مقتدا ہو جس کی بات سب مانتے ہوں۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ پورے ملک یا پورے صوبہ کا کہیں کوئی قاضی نہیں۔ اب اگر کسی شہر سے ریڈیو یا فون وغیرہ سے خبر آتی ہے، اگرچہ وہ کسی عالم کی ہو، وہ ایک عام خبر ہے جس کے بارے میں خود پھلواری کے فتوے میں تصریح ہے کہ وہ معتبر نہیں، شامی میں ہے:

بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية[2].

بلکہ در مختار میں یہ بھی تصریح ہے کہ دو آدمی اگر اس بات کی گواہی دیں کہ کچھ لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو معتبر نہیں، فرمایا:

لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية[3].

دلی کے ایک ذمہ دار شخص نے چند سال پہلے اٹھائیس رمضان ہی کی رویت کا اعلان کر دیا جس پر ریڈیو نے اعلان کر دیا کہ فلاں صاحب نے یہ اعلان کیا ہے، جب کہ اس سال وہ تاریخ سوائے نجدی حدود مملکت کے

---

(۱) الجامع للترمذی، ج:۲،ص:۹۰، أبواب العلم، باب ما جاء في ذهاب العلم، رقم: ۲٦٥٢.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳،ص: ۳٦٤، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۳) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۳٥٩، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلميه، بيروت.

پوری دنیا میں ۲۸ر ہی تھی۔ ۲۰ر سال پہلے ممبئی ریڈیو اور آل انڈیا ریڈیو دونوں نے اعلان کر دیا کہ ممبئی میں ۲۹ر کا چاند ہو گیا ہے، جب کہ وہاں کی مرکزی رویت ہلال کمیٹی نے ۳۰ر کا چاند مانا تھا اور اسی کے مطابق اعلان کیا اور اسی کے مطابق پورے ممبئی میں عید منائی گئی۔ غرض کہ از روے شریعت اور از روے تجربہ ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، فیکس دربارۂ رویت ہلال کالعدم ہے۔ اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور اس پر عمل کرنے والے ایک نہیں چار چار گناہ کے مرتکب ہوں گے، جیسا کہ گزرا۔

پھر ایک نکتہ پر غور کیجیے۔ حدیث میں فرمایا گیا:

الشهر تسع وعشرون ليلةً فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين[1] .متفق عليه.

مہینہ ۲۹ر دن کا ہوتا ہے اگر ۲۹ر کو چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ر کی گنتی پوری کرو۔

اس کے مطابق رمضان کا مہینہ بھی کبھی ۳۰ر کا ہونا چاہیے مگر دیوبندی، مودودی، صلح کلی اور پھلواری فرقے کے لوگوں نے طے کر رکھا ہے کہ رمضان کا چاند اب کبھی ۳۰ر کا نہیں ہونے دیں گے، ہمیشہ ۲۹ر ہی کا مانیں گے۔ آپ لوگ غور کریں! پچھلے کتنے برسوں سے مسلسل یہ لوگ ۲۹ر کا رمضان مان رہے ہیں۔ کیا اب رمضان کا چاند کبھی ۳۰ر کا نہیں ہوگا؟ یہ خاص نکتہ ہر دین دار کے غور کرنے کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ر شوال ۱۴۲۰ھ

[۴۲، ۴۳] رویت ہلال کے ثبوت کے طریقے متعیّن ہیں

مسئلہ۔ ① زید کہتا ہے کہ چاند دیکھ کر رمضان المبارک کا روزہ رکھنا چاہیے اور عید منانی چاہیے، اگر ۲۹ر شعبان المعظم کو چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ پورا کر کے روزہ رکھنا چاہیے۔ ایسے ہی ۲۹ر رمضان المبارک کو چاند نظر نہ آئے تو اس کی صبح کو عید نہیں منانا چاہیے جب تک کوئی شہادت شرعیہ نہ مل جائے؛ کیوں کہ اس کے خلاف مثلاً ریڈیو وغیرہ کی خبر پر رمضان المبارک کا روزہ رکھنا اور عید منانا شریعت مطہرہ کے حکم سے روگردانی کرنا ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

---

(۱) مشكوة المصابيح، ج:۱، ص: ۱۷۴، باب رؤية الهلال، مجلس البركات.

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ. [1]

آیت کریمہ کے موجب ۲۹؍ کو چاند نظر نہ آنے کی صورت میں عدت یعنی ۳۰؍ کا پورا کرنا لازم ہے ورنہ آیت کریمہ کا کیا مطلب ہوگا پھر یہ کہ بخاری و مسلم شریف میں ابن عمر و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو روایت مروی ہے اس سے بھی تیس کا پورا کرنا لازم ہے۔ ایسے ہی ابو داؤد شریف میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ تیس پورا کر کے رمضان کا روزہ رکھتے۔ [2]

اس کے خلاف خالد یہ کہتا ہے کہ اگر ۲۹؍ شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو کہیں سے اگر یہ خبر آجائے کہ فلاں جگہ چاند دیکھا گیا مثلاً پھلواری شریف سے سید شاہ محمد صاحب یا دلی سے عبد اللہ بخاری نے یا دیگر جگہوں سے بذریعہ ریڈیو یا اخبار یہ اعلان ہوا کہ چاند دیکھا گیا۔ رمضان کا روزہ رکھا جائے اور عید منائی جائے۔

خالد کے اس جواب پر زید کہتا ہے: یہ خبر ہے اور خبر محتمل صدق و کذب ہوتی ہے؛ لہٰذا نہ مانا جائے گا۔

معاً خالد یہ کہتا ہے کہ "لا إله إلا الله محمد رسول الله" بھی تو خبر ہے۔ اس سے کوئی بھی مومن یہ نہیں کہتا کہ یہ بھی تو محتمل صدق و کذب ہے۔ بلا تشبیہ و تمثیل ریڈیو کی خبر بھی ایسی ہے، یہی تو وجہ ہے کہ آپ لوگ جب یہ خبر سنتے ہیں کہ ہماری جماعت کے فلاں عالم کا وصال ہوگیا تو مان لیتے ہیں۔ تو کیا ساری خبر مانی جائے اور رویت ہلال کی خبر نہ مانی جائے؟ نیز اگر قاضی القضاۃ کے پاس شہادت شرعیہ گزری، اس نے رویت ہلال کا حکم صادر فرمادیا جس کو ایک فاسق داڑھی منڈانے والے نے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا کہ فلاں قاضی نے رویت ہلال کا حکم صادر فرمایا: تو کیا اس فاسق کا اعلان صحیح مانا جائے؟ تو پھر کیوں ریڈیو کی خبر نہ مانی جائے؟

❷ قاضی نے جو حکم صادر فرمایا اس کے حکم کی حد کہاں تک ہے، کیا دوسرے شہر والے ان کے حکم سے عید و رمضان منا سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد نظام الدین، بہار گنج، پورنیہ، بہار

الجواب

❶- رویت ہلال کے سلسلے میں علماے اہل سنت کے کثیر رسائل و فتاوی شائع و ذائع ہیں جن میں خالد

(۱) القرآن المجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵.

(۲) السنن لأبي داؤد، ص: ۳۹۹، کتاب الصيام، باب إذا غمي الشهر، دار إحياء التراث العربي.

کے ان تمام وسوسوں اور شبہات کے مکمل طور پر جوابات موجود ہیں۔ آپ ان کا مطالعہ کریں۔ مثلاً "ازکی الاہلال، طرق اثبات ہلال، اجمل المقال وغیرہ۔

روز مرہ کے معاملات میں خبر کا معتبر ہونا اور بات ہے اور دینی معاملات میں کسی خبر کا معتبر ہونا یا نہ ہونا اور بات ہے۔ کسی کے انتقال کی خبر یہ دُنیوی معاملہ ہے اور رمضان کب شروع ہوگا، کب ختم ہوگا، کب سے روزہ رکھا جائے، کب عید کی نماز پڑھی جائے، یہ خالص دینی معاملہ ہے۔ دینی معاملے میں ہر مسلمان شریعت کا پابند ہے۔ شریعت نے جس دینی معاملے کو جس طرح ثابت مانا ہے اسی طرح ہم ثابت ماننے کے پابند ہیں اور جس طریقے کو شریعت نے غیر معتبر مانا ہے اسے غیر معتبر ماننا واجب۔ اس میں اپنی ٹانگ اڑانا شریعت کی مخالفت کرنا اور نئی شریعت بنانا ہے۔ رویت ہلال سے چوں کہ ایک فرض متعلق ہے اس لیے یہ خالص شرعی معاملہ ہے۔ شریعت نے اس کے ثبوت کے طریقے مقرر فرمادیے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ جہاں رویت نہ ہو وہاں دوسری جگہ کی رویت کے معتبر ہونے کے لیے صرف تین صورتیں ہیں:

رویت کی شہادت، قضا علی الرویۃ کی شہادت یا استفاضہ۔ صرف خبر اس بات کی کہ فلاں جگہ چاند ہوا قطعاً غیر معتبر ہے، ردالمحتار میں ہے:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية.[1]

یعنی دو شخص گواہی دیں یا دو شخص قاضی کے فیصلے کی گواہی دیں یا استفاضۂ خبر ہو جائے۔ بخلاف اس کے دو شخصوں نے یہ خبر دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، اس کا اعتبار نہیں، اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔

شامی ہی میں نہیں فقہ کی تمام کتابوں میں یہی تصریح ہے کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے یا فلاں جگہ چاند ہوا ہے قطعاً غیر معتبر ہے حتی کہ رمضان کے چاند میں بھی معتبر نہیں۔ ریڈیو پر جو اعلان ہوتا ہے تو یہی ہوتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوا؛ لہذا اعلان کرنے والا کتنی ہی بڑی شخصیت ہو شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض چاند

(۱) ردالمحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٦٤، ج: ٣، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، مطبع: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

دیکھنے والا خود ریڈیو اسٹیشن سے اعلان کرے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو یہ معتبر نہیں کہ یہ شہادت شرعیہ نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس کا یقین نہیں کہ جو بول رہا ہے یہ کون ہے۔ یقیناً ہر خبر محتمل صدق وکذب ہے۔ اور "لا إله إلا الله محمد رسول الله" بھی خبر ہی ہے مگر چوں کہ اس کے صدق پر ناقابل انکار دلائل قائم ہیں، اس لیے اس کے کذب کا پہلو ختم ہو گیا اور اس کے صدق میں کوئی شبہہ نہ رہا۔ رویت ہلال کی کوئی بھی خبر ہو اس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے، سیکڑوں بار کا تجربہ ہے کہ ریڈیو کی سیکڑوں خبریں جھوٹی نکلیں۔ بلکہ کئی بار تو ریڈیو کی چاند کی خبر بھی غلط ثابت ہو چکی ہے۔ چھ سال پہلے ہندوستان کے تمام ریڈیو میں یہ خبر نشر ہوگئی کہ ممبئی میں ۲۹ر رمضان کو عید کا چاند ہو گیا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی، اس سال ممبئی میں تیس رمضان کو چاند نظر آیا اور اسی حساب سے عید ہوئی۔ جھوٹ اور سچ کے احتمال ہی کی وجہ سے شہادت کی شرط رکھی گئی ہے تاکہ جھوٹ کا احتمال ختم ہو جائے اور سچ کا یقین ہو جائے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ریڈیو، ٹیلیفون، اخبار اور تار کی خبر نہ قانونی طور پر شہادت نہ شرعی طور پر۔ اس لیے چاند کے معاملے میں ریڈیو وغیرہ ناقابل اعتبار ہے۔

رہ گیا قاضی کا اعلان تو وہ اس کے حدود قضا تک محدود ہے، حدود قضا کے باہر تو قاضی کا اعلان بڑی چیز ہے خود قاضی بھی اگر آ کر کہے تو غیر معتبر ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں تصریح ہے۔ **ہاں اگر کسی ملک میں کوئی قاضی القضاۃ ہو اور وہ پورے ملک میں اس طرح اعلان کرے کہ وہ اعلان یقینی طور پر قاضی القضاۃ کا مانا جائے کسی دوسرے کا نہ مانا جائے تو وہ ضرور معتبر ہوگا۔**

لیکن یہاں قاضی القضاۃ کہاں؟ یہ کام سلطان اسلام کا ہے اور جب سلطان اسلام نہیں تو وہ عالم جو پورے ملک میں سب سے بڑا ہو وہ قاضی القضاۃ ہوگا۔ بڑے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ سب سے بڑی مسجد کا امام ہو یا سب سے بڑے مدرسے کا مدرس ہو یا ناظم ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ملک کے تمام علما میں سب سے زیادہ فقہ کا جاننے والا ماہر ہو اور مرجع فتویٰ ہو، خدا ترس اور دین دار ہو اور تقویٰ و پرہیز گاری میں سب سے بڑھا ہوا ہو، جس کی عظمت اور بزرگی کو ملک کے تمام علما نے تسلیم کر لیا ہو۔ ہندوستان میں ایسے عالم ضرور موجود ہیں مگر ملک نے کسی کو قاضی القضاۃ نہیں تسلیم کیا ہے۔ اس لیے ہندوستان میں ایسا عالم نہیں جس کا اعلان پورے ملک کے لیے واجب التسلیم ہو، اور نہ کوئی ایسی صورت ہے کہ کسی کے اعلان کو جو ریڈیو پر یا کہیں ہو رہا ہو یہ یقین کیا جا سکے

کہ واقعی یہ اعلان فلاں عالم کی طرف سے ہے۔ عوام عام طور سے شاہی مسجد دلی کے امام عبد اللہ بخاری کے اعلان کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن یہ امام محض اس لیے امام ہیں کہ ان کے خاندان کی میراث ہے، کہیں کچھ پڑھا لکھا ضرور ہوگا لیکن پورے ملک کا سب سے بڑا فقیہ ہونا تو بڑی بات ہے فقہ کی فا سے بھی ان کو مس نہیں۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے حکومت کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے نس بندی کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ ان کی سیاسی بازی گری کسے نہیں معلوم ہر الیکشن میں نیا موقف اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، ایک وقت وہ بھی آیا ہے کہ ان کی غیر شرعی حرکتوں کی وجہ سے خود جامع مسجد دلی میں دو جماعتیں ہوئیں۔ اب بھی دین دار ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ واللہ تعالی اعلم

(۲) حکومت اسلام میں ہر قاضی کے لیے ایک خطہ مقرر ہوتا تھا۔ جیسے اس زمانے میں تحصیل اور پرگنہ کی حد بندی ہے۔ اب نہ حکومت اسلام ہے اور نہ قاضی ہے نہ قاضی کی حد بندی۔ کسی جگہ کا سب سے بڑا عالم سنی صحیح العقیدہ جو مرجع فتویٰ ہو وہاں کا قاضی ہے، اس کے حدود کہاں تک ہیں؟ اس کا تعین مشکل ہے، بس اندازے کے طور پر بتایا جاتا ہے کہ جس آبادی میں وہ ہے وہ آبادی اور اس کے متعلق جو دیہات ہوں وہ سب اس کے حدود قضا میں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اب یہ توسیع کی جاسکتی ہے کہ جتنے دور کے لوگ اپنی دینی ضرورت میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں وہ سب اس کے حدود قضا میں داخل ہوں گے۔ یہاں دینی ضرورتوں سے مراد روز مرہ کی پیش آنے والی ضرورتیں ہیں، اہم اور مشکل مسائل کا حل نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۴۴] رصد گاہوں کی پیشین گوئی کے مطابق روزہ چھوڑنا جائز نہیں

مسئلہ— رصد گاہوں کی پیشین گوئیوں کے مطابق رمضان کی ابتدا و انتہا نیز عید الاضحی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

کیا چاند کی گواہیوں کو رصد گاہ کی پیشین گوئیوں کے ساتھ مشروط کرنا جائز ہے؟ یعنی یہ کہ رصد گاہ والے امکان رویت اس دن بتلاتے ہوں تو چاند کی گواہیاں معتبر ہوں گی کہ نہیں؟

یا ۲۹/ویں کو چاند کی رویت کی شہادت پر اور شہادت نہ آنے کی صورت میں ۳۰/دن پورے کر کے رمضان کی ابتدا و عیدین منائی جائیں گی، چاہے رصد گاہ والے امکان رویت بتلائیں یا نہ بتلائیں؟

کیا اوقات صلات کے تعین میں رصد گاہوں کے حسابات کو اولیت ہوگی، یا ان نمازوں کے اوقات کی

علامت کے مشاہدات کو؟

رصد گاہوں کے حسابات اور علامات کے مشاہدات کے اوقات میں اختلاف ہونے کی صورت میں کس پر عمل کیا جائے گا؟ بینوا توجروا

صدر الدین محمد، پردیس واڑ، بھروچ، گجرات

الجواب

رصد گاہوں کی پیشین گوئیوں کے مطابق روزہ رکھنا یا چھوڑنا یا عید کی نماز پڑھنی جائز نہیں۔

در مختار میں ہے: ولا عبرة بقول المؤقتين ولو عدولا[1].

شہادت شرعیہ کے قبول کو رصد گاہوں کی پیشین گوئیوں کے ساتھ مشروط کرنا جائز نہیں کہ وہ کالعدم ہے، شہادت شرعیہ تنہا حجت ہے اور ثبوت ہلال کے لیے موجب۔ تنویر الابصار میں ہے:

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب[2].

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر[3].

واللہ تعالیٰ اعلم

یقیناً اگر ۲۹ر رمضان کو چاند ہو جانے کا ثبوت شرعی ہو جائے تو دوسرے دن روزہ چھوڑ دینا اور عید کرنا واجب ہے اور اگر ۲۹ کو نہ چاند نظر آئے اور نہ شرعی ثبوت ملے تو ۳۰ر کی گنتی پوری کر کے اس کے دوسرے دن عید منائیں خواہ رصد گاہ والے کچھ بھی کہیں ان کی طرف قطعاً التفات نہیں کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مشاہدہ کو ترجیح حاصل ہوگی بشرطے کہ مشاہدہ کرنے والا مشاہدہ کرنے کا ماہر ہو نیز موسم صاف ہو، گرد و

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۳٥٤، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۳٦٤، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳،ص: ۳٦٤، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، دار الكتب العلمية، بيروت.

غبار، کہرا، دھواں افق پر نہ ہوں۔ مشاہدہ ہر شخص کا کام نہیں۔ اوقات صلاۃ میں سب سے آسان زوال کے وقت کا مشاہدہ ہے مگر آپ تجربہ کر لیجیے کہ جتنے مشاہدہ کرنے والے ہوں گے، مشاہدہ میں اتنا ہی اختلاف ہوگا، وجہ یہ ہے کہ جس لکڑی کو کھڑی کر کے زوال کا وقت معلوم کرتے ہیں خود اس کھونٹی کے کھڑے کرنے میں تفاوت ہو جاتا ہے نیز اس کی نوک بنانا بہت باریک بینی کا کام ہے۔ اگر اس کی نوک بیچ سے ذرا بھی ہٹی رہی تو صحیح وقت معلوم نہ ہو پائے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی دشواریاں ہیں جو وہی جانتا ہے جس نے کبھی اس کا تجربہ کیا ہو۔

یہاں خاص بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ اوقات صلاۃ میں بھی ہر صاحب توقیت کا قول معتبر نہیں، صرف اسی کا معتبر ہے جو مسلمان دین دار ہونے کے ساتھ ساتھ حساب کا ایسا ماہر ہو کہ اس سے حساب میں غلطی شاید باید کبھی ہوتی ہو نیز استخراج کے اصول سے کما حقہ واقف ہو اور اسے استخراج کا ملکہ بھی حاصل ہو۔ بناء علیہ اگر چند رصد گاہوں کے حساب میں اختلاف ہو اور سب رصد گاہ والے دین دار ہوں تو ترجیح اس کے حساب کو ہوگی جو ان سب میں اوقات کے استخراج کا زیادہ ماہر ہو۔

اب یہاں ایک شبہہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اوقات صلاۃ میں اہل توقیت کا قول معتبر ہے تو رویت ہلال میں کیوں معتبر نہیں؟

اس کا جواب مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ چاند کے سلسلہ میں شریعت نے مدار رویت پر رکھا ہے یا تکمیل عدت پر۔

ارشاد ہے: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته[1].

اور ارشاد فرمایا: فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلثين يوما[2].

"فإن غم" نے بات بالکل واضح کر دی "غم" کے اصل معنی یہ ہیں کہ چاند بدلی میں چھپ گیا، اس کا حساب یہ نکلا کہ اگر چاند افق پر اتنی اوپر آچکا ہے کہ اگر کوئی حائل نہ ہوتا تو نظر آجاتا مگر کسی حائل کی وجہ سے نظر

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا رأيتم الهلال ،الخ ج:۱،ص: ۲۵۶، مجلس البركات.

(۲) نصب الراية، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال،ج:۲،ص: ٤٥٧، دار الكتب العلميه، بيروت.

نہیں آیا تو بھی تیس دن کی گنتی پوری کرنی واجب۔ یہ اس پر قطعی دلیل ہے کہ مدار صرف رویت پر ہے، علاوہ ازیں "إنا أمة أمية لا نكتب و لا نحسب"[1] فرما کر ہلال کے سلسلے میں حساب وکتاب کو کالعدم قرار دے دیا۔ بخلاف نماز کے۔ اس کے اوقات طلوع، غروب، زوال وغیرہ پر رکھا، ان کی رویت پر نہیں رکھا، اس لیے کہ اگر رویت کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے طلوع و غروب وغیرہ کا علم ہو جائے تو وہ معتبر ہوگا۔

اب یہاں دو باتیں ہیں: ایک حساب وہ تو قطعی ہے۔ دوسرے وہ قواعد۔ ان قواعد پر بار بار تجربہ کیا گیا، بار بار کے مشاہدے سے یہ یقین ہو گیا کہ ان قواعد سے طلوع و غروب کا علم قطعی ہے۔ اب دو قطعی چیزوں نے مل کر ہم کو یہ قطعی علم دیا کہ ان قواعد کے مطابق حساب لگانے سے طلوع و غروب وغیرہ کا صحیح علم ہو جاتا ہے، اس لیے اس پر اعتماد کیا گیا۔ واللہ تعالی اعلم

[۴۵-۵۱] ریڈیو کے ذریعے رویت ہلال کے اعلان سے متعلق اہم فتوی

مسئلہ- ملک نیپال، وادی کاٹھ منڈو فلک بوس پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے جہاں پورے سال میں چار یا پانچ مرتبہ ہی ہلال دیکھ سکتے ہیں یہاں دار الفتاوی، یا امارت شرعیہ کی طرح کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے جہاں سے امور شرعیہ کا اِجرا یا نفاذ عمل میں آسکے۔ پاک و ہند و بنگلہ دیش ہمسایہ ممالک میں باقاعدہ متعدد رویت ہلال کمیٹیاں قائم ہیں۔ رمضان کا روزہ رکھنے، یا عید منانے کے لیے مذکورہ رویت ہلال کمیٹیوں کے جید علماے کرام اسما کی صراحت کے ساتھ شرع محمدی کے مطابق اپنے اپنے اداروں سے بروقت عوام الناس کے لیے رویت کی اطلاع اور اعلانات ریڈیو مرکزوں سے کرتے ہیں جس کی رو سے ان ممالک کے کروڑوں مسلمان رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور عید مناتے ہیں۔ ہم مسلمانان کاٹھمانڈو بھی انھیں ذمہ دار علما کے انھیں معتبر اعلانات پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ہم قریب ۲۵/ ۳۰/ سال پیش تر سے ہند و پاک کے کروڑوں مسلمان بھائیوں کے ساتھ روزے رکھتے

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ لا نكتب ولا نحسب، ج:۱، ص: ۲۵۶، مجلس البركات.

اور عید مناتے چلے آرہے ہیں کیا ہمارا یہ فعل اختراع فی الدین کے مترادف ہے؟ یا تاوقتے کہ ہم اپنی آنکھوں سے شعبان ورمضان کی ۲۹ر تاریخوں میں ہلال نہ دیکھیں یا بوجہ ابر نہ دیکھ سکیں تو تیس کی گنتی پوری کریں؟

کیا عید کے دن روزہ رکھنے کی حرمت ثابت نہیں؟

لہٰذا یہ حکم صادر فرمائیے کہ ریڈیائی اعلان رویت صحیح، قابل قبول اور لائق عمل ہے یا از روے شرع شریف ناجائز، محض لغو اور ناقابل اعتنا ورد ہے؟

پاکستان وہندوستان اور ہم سایہ ملک کاٹھ منڈو نیپال کے اوقات میں حسب اختلاف درجہ بندی سے ۴۵ر منٹ تک کی کمی وبیشی ضرور ہوتی ہے، اس معمولی تقدیم وتاخیر رویت سے پورے ایک دن کا فرق قمری تاریخوں میں واقع نہیں ہوتا تو پھر ان جگہوں کی ہلال کمیٹیوں کا اعلان رویت کیوں ماننے کے لائق نہیں؟

۳۰ر، ۳۵ر سال پیش تر کے ایک فتویٰ کے رو سے یہاں کاٹھ مانڈو میں پاکستان وہندوستان رویت ہلال کے ریڈیائی اعلان کو معتبر مان کر اسی کی سند سے ہم اب تک روزے رکھتے اور عید مناتے آئے ہیں۔ افسوس کہ اصل فتویٰ موجود نہیں، کہیں گم ہو گیا ہے، اس لیے یہ تازہ استفتا علماے کرام کے حضور پیش ہے کہ جو اعلانات علماے رویت ہلال کمیٹی اپنی اپنی نگرانی میں شرع محمدی ﷺ کے موافق، فقہی اصول شہادت کی روشنی میں رویت ہلال کی شہادت حاصل کرتے اور اپنے فیصلے کا اعلان اپنے خاص علما کی زبانی یا حوالے سے ریڈیو مرکزوں کے ذریعہ نشر کرتے یا کراتے ہیں تو کیا اس کا دائرۂ جواز پاکستان اور ہندوستان پر ہی ختم ہو جاتا ہے یا ہم سایہ ملک نیپال پر بھی از روے شرع شریف اس کا اطلاق جائز ہے یا ممنوع ہے؟

نیز حسب ذیل باتوں کا جواب بھی مرحمت ہو:

❶ ریڈیو کے ذریعہ ہونے والا اعلانِ رویت با اختیار عالم خود کرتے یا ناشر سے کراتے ہیں۔

❷ ریڈیائی اعلان از روے شرع شریف ناجائز، محض لغو ناقابل اعتنا ورد ہے تو ناجائز اعلانات ریڈیو سے کیوں کرواتے ہیں؟

❸ اعلان رویت کے ساتھ مرکز سے حدود اربعہ کی تشریح ہونی لازمی تھی کہ ان مذکورہ حدود سے باہر کے حضرات اپنے اپنے علاقہ کے لیے اپنے علما کی جانب رجوع کریں ایسا اعلان کیوں نہیں کرواتے؟

❹ کیا اس دوری کی کوئی حد شرعی بھی مقرر ہے یا نہیں ہے؟

❺ اس صورت میں مذکورہ حدود سے باہر کے مسلمان کو اگر ابر کی وجہ سے رویت ہلال نہ ہو تو کیا کریں؟

❻ ریڈیائی اعلاناتِ رویت پر عمل پیرا ہونے والوں پر کوئی شرعی حد بھی قائم ہے؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

❼ اختلاف طول البلد اور عرض البلد کی وجہ سے کہیں کچھ پہلے اور کہیں کچھ بعد میں تو رویت ہونا لازمی ہے، آپ کے یہاں کے اوقات طلوع وغروب سے کتنی دیر تک کی کمی بیشی سے طلوع وغروب ہونے والے مقامات پر مساوی حکم جاری ہوگا یعنی تبدیلی تاریخ کا سوال پیدا نہ ہوگا؟

سعید الدین، جمعیت المسلمین، کاٹھمانڈو، نیپال

الجواب

❶ آپ کے کچھ سوالات ایسے ہیں کہ آپ کو لازم تھا کہ یہ سوالات بنگلہ دیش اور پاکستان کے ان علما سے کرتے جو یہ اعلانات اپنے یہاں سے کراتے ہیں، دوسری جگہ کے علما کیا کرتے ہیں اس کے ہم ذمہ دار نہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ ان دونوں ممالک کے علمانے سرکاری سطح پر اس قسم کے اعلانات کیے جانے کی شدومد کے ساتھ مخالفت کی ہے مگر دونوں جگہ برسراقتدار جو طبقہ ہے وہ دین سے نابلد یورپ کا مقلد ہے۔ اس لیے مخالف علماے کرام کی بات رہ گئی اور حکومت کے زر خرید علما کی بات حکومت نے تسلیم کرلی۔ خود ہندوستان میں لے لیجیے، شاہ جہانی مسجد کے امام عبد اللہ صاحب نے نسبندی کرانے کو جائز کہا اور سال گزشتہ قطعی طور پر ایک روز پہلے عید کرادی۔ اب آپ ہی بتائیے کہ عبد اللہ صاحب نے ایسا کیوں کیا، مجھ سے کوئی پوچھے تو میں کیا جواب دے سکوں گا؟

ہمارے سامنے رہنمائی کے لیے کتاب اللہ، احادیث اور کتب فقہ موجود ہیں۔ ان سے ہم بحوالہ حکم شرعی تحریر کر دیتے ہیں، ماننے نہ ماننے کا اختیار آپ لوگوں کو ہے۔

پہلے آپ احادیث سے رویت ہلال کے ثبوت کا طریقہ سنیے۔ مشکات، طحاوی وغیرہ میں یہ حدیث ہے: کچھ سوار جن کی تعداد تین سے لے کر نو تک تھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے یہ خبر دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے اور اس کی گواہی بھی دی تو حضور ﷺ نے یہ اعلان فرمایا کہ لوگ روزہ توڑ دیں اور چوں کہ اب نماز عید کا وقت نہیں رہا اس لیے کل نماز عید پڑھی جائے گی۔ (۱)

---

(۱) السنن لابن ماجه، ص: ۱۲۱، كتاب الصيام، باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال، تقدم نصه، المكتب الإسلامي، قاهره.

جس طرح آپ کو ریڈیو کی خبر پر یقین ہے اسی طرح ہر دین دار کو اس بات پر یقین ہے کہ صحابہ کرام وہ بھی ایک نہیں متعدد کبھی بھی جھوٹ نہیں بول سکتے، وہ بھی عبادت کے معاملے میں۔ پھر بھی حضور اقدس ﷺ نے محض ان لوگوں کی خبر پر حکم نہیں دیا بلکہ جب ان لوگوں نے اس کی گواہی بھی دی تو قبول فرمایا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عید کے ہلال کی رویت محض خبر سے ثابت نہ ہوگی بلکہ اس کے ثبوت کے لیے گواہی ضروری ہے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ شرعی طور پر تو آپ رہنے دیں، آپ اپنے طور پر بتائیں کہ محض ریڈیو کے اعلان کو شہادت قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا سرکاری سطح پر اگر کسی ریڈیو سے اعلان ہو جائے کہ فلاں شخص نے فلاں جرم کیا ہے تو کیا محض اس اعلان پر کوئی حاکم ملزم کو سزا دے سکتا ہے؟ بناء علیہ فقہا نے فرمایا کہ اگر مطلع ناصاف ہو تو عید کی رویت ہلال کے ثبوت کے لیے کم از کم دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، وہ بھی اس قید کے ساتھ کہ جن لوگوں نے چاند دیکھا ہے وہی گواہی دیں اگر بالفرض دوسرے لوگ یہ گواہی دیں کہ فلاں فلاں نے چاند دیکھا ہے یا فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو معتبر نہیں۔

در مختار میں ہے: لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية[1].

اسی میں ہے: (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ أشهد لكن (لا) تشترط الدعوى[2].

اس سے ظاہر ہو گیا کہ رویت ہلال کے لیے ریڈیو، ٹیلی فون وغیرہ کی خبریں غیر معتبر ہیں۔ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ رویت ہلال کا مسئلہ بھی عام معاملات کے مثل ہے جن میں محض خبر کافی ہوتی ہے یہی بہت بڑا دھوکا ہے۔ روزہ اور عید دونوں خالص عبادتیں ہیں ان کے لیے جو اوقات مقرر ہیں وہ شارع کی طرف سے مقرر ہیں اور ان اوقات کے جاننے کا طریقہ بھی شریعت نے مقرر فرمایا ہے، شریعت کے اس مقرر کردہ قاعدے کے خلاف کسی اور طریقے سے اگر وقت معین کیا جائے گا وہ شرعاً اس کا وقت نہ ہوگا۔ یہ عام احوال نہیں؛ اس لیے رویت ہلال کے ثبوت کے لیے شریعت نے جو طریقہ مقرر فرمایا ہے اس کے علاوہ دنیوی رسم ورواج کے

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۹، ج: ۳، کتاب الصوم، دار الکتب العلمية، بیروت.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۵۳، ج: ۳، کتاب الصوم، دار الکتب العلمية، بیروت.

مطابق کسی دن عید منالیں گے تو وہ شرعی طور پر عید کا دن نہ ہوگا۔

آپ نے لکھا ہے: کیا عید کے دن روزہ رکھنے کی حرمت ثابت نہیں؟ یہ اس وقت ہے جب کہ شرعی طور پر کسی دن کا عید ہونا ثابت ہو جائے اور اگر کسی دن کا شرعی طور پر عید ہونا ثابت نہ ہو تو اس دن روزہ نہ رکھنے اور نماز عید پڑھنے میں چار چار گناہ کا ارتکاب ہے: جس دن کا روزہ شرعًا فرض تھا اسے چھوڑا یا رکھ کر توڑا، جو دن عید کا دن نہیں تھا اسے عید کا دن سمجھ کر نماز عید پڑھی تو یہ نفل نماز ہوئی۔ چار آدمی یا اس سے زائد لوگوں کے ساتھ نفل نماز مشروع نہیں، ممنوع ہے۔ پھر جس طرح نماز عید پڑھی جاتی ہے ایسی کوئی نفل نماز مشروع نہیں تو یہ ایک لایعنی فعل ہوا، شرعًا یکم عید الفطر کو نماز عید الفطر واجب تھی مگر اس گمان پر کہ ہم تو نماز عید پڑھ چکے ہیں نہیں پڑھی۔ اس طرح نماز عید کو چھوڑا مزید براں تیسویں شب کی تراویح چھوڑی یہ الگ گناہ، غیر شرعی طریقہ کو شرعی طریقہ جانا یہ الگ گناہ ہوا۔

عوام کی یہ خواہش کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک دن عید کریں یہی ان سب فساد کی بنیاد ہے۔ شریعت نے مسلمانوں کو مکلف نہیں کیا کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک دن عید کریں، جس کے یہاں جیسے رویت ہلال ثابت ہو اس کے مطابق عید کیا کریں۔ مسلم اور ترمذی میں حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے تلمیذ جلیل خادم خاص کُریب ایک سال شعبان میں دمشق گئے، وہاں سے رمضان میں واپس ہوئے، باتوں باتوں میں رمضان کی رویت ہلال کا ذکر آیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم نے جمعہ کو دیکھا ہے اور وہاں سب لوگوں نے دیکھا ہے حتی کہ امیر المومنین حضرت معاویہ نے بھی دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ ہم نے توسنیچر کو دیکھا ہے اسی کے مطابق ہم روزہ رکھیں گے۔ کریب نے عرض کیا: کیا معاویہ اور لوگوں کا دیکھنا کافی نہیں؟ فرمایا: نہیں، هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم. ہمیں ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ (۱)

اب آپ لوگ غور کریں کہ ایک جلیل القدر تابعی جن کا سچا ہونا ثابت جن کا جھوٹ بولنا متعذر وہ یہ خبر

---

(۱) الجامع للترمذي، أبواب الصوم، باب ما جاء لكل أهل بلد رؤيتهم، ج:۱،ص: ۸۷، مجلس البركات. وقد تقدم نصه.

دے رہے ہیں کہ دمشق میں امیر المومنین نے چاند دیکھا ہے اور لوگوں نے دیکھا ہے، میں نے بھی دیکھا ہے مگر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما جو خاص حضور اقدس ﷺ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ کے تربیت یافتہ تھے انھوں نے قبول نہیں فرمایا اور آج کے شوقین مسلمانوں کی طرح ان کو یہ خیال نہیں ہوا کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ عید کریں حالاں کہ شام مدینہ طیبہ سے اس سے کم دوری پر ہے جتنی دوری پر کاٹھ مانڈو سے ڈھاکہ یا کراچی ہے۔ یہاں حکومتیں الگ الگ ہیں اور وہاں دونوں جگہ ایک حکومت تھی ۔ یہاں اعلان حکومت کے زر خرید علما کا ہے اور وہاں جلیل القدر صحابی امیر المومنین حضرت معاویہ کا ہے اور ایک تابعی خود اپنی رویت کو بیان کرتا ہے اس کے باوجود حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے قبول نہیں کیا۔ آپ اس حدیث پر خود غور کر کے نتیجہ اخذ کریں کہ ڈھاکہ یا کراچی کا اعلان کاٹھ مانڈو کے لیے کیسے صحیح ہو سکتا ہے ؟

اخیر میں دو باتیں اور صاف کر دوں کہ کسی بھی قاضی کا اعلان صرف اس کے حدود قضا تک معتبر ہے۔ جیسے کسی بھی کلکٹر کا کوئی بھی اعلان صرف ضلع تک محدود ہوتا ہے، دوسرے اضلاع میں نافذ نہیں ہوتا۔ فتح القدیر میں ہے کہ اگر کسی شہر کا قاضی دوسرے شہر میں آکر اس شہر کے قاضی کے سامنے یہ بیان دے کہ میری کچہری میں یہ گواہی گزری ہے اور میں نے یہ فیصلہ دیا ہے تو معتبر نہیں۔ تو جب ایک ملک کے قاضی کا فیصلہ اسی ملک کے دوسرے قاضی کے لیے قابل قبول نہیں تو دوسرے ملک کے علما کا اعلان دوسرے ملک میں کیسے معتبر ہو گا؟

آپ نے رویت ہلال کے سلسلے میں کچھ موشگافیاں کی ہیں۔ صرف یہ بتانے کے لیے کہ جب تک کسی فن کا مکمل علم نہ ہو اس فن پر رائے زنی کرنا درست نہیں۔ اب ہم سے سنیے! از روے قواعد ہیئت چاند افق سے جب آٹھ درجے اوپر ہو تو دیکھا جا سکتا ہے ضروری نہیں، بارہ درجے بلندی تک یہی پوزیشن ہوتی ہے اور بارہ درجے کے اوپر جب آجائے اور مطلع صاف ہو تو ضرور دکھائی دے گا۔ آپ نے لکھا ہے کہ بنگلہ دیش کاٹھ مانڈو کا طلوع و غروب کا فرق پندرہ منٹ ہے، پندرہ منٹ میں چاند ہزاروں میل طے کر لیتا ہے یہ عین ممکن ہے کہ ڈھاکہ میں چاند اس خط پر نہیں آیا تھا کہ نظر آجائے اور کاٹھ مانڈو میں پندرہ منٹ کے بعد اس خط پر آجائے کہ دکھائی دے۔ اسی طرح یہ عین ممکن ہے کہ کاٹھ مانڈو کے افق پر دکھائی دینے کے وقت چاند اس خط پر نہیں پہنچا تھا جہاں سے دکھائی دے مگر کراچی پہنچ کر اس خط تک پہنچ گیا اور دکھائی دیا؛ اس لیے شریعت نے رویت ہلال

میں توقیت کے حساب کا اعتبار نہیں کیا، اس میں ہزار پیچیدگیاں اور دشواریاں ہیں بلکہ آنکھ سے دیکھنے پر مدار رکھا ارشاد فرمایا: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته.[1]

اور فرمایا:

إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ، الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا . وفي رواية: وَخَنَسَ الإبهَامَ في الثَّلاثَةِ. وفي رواية: فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فأَكْمِلُوا العِدَّةَ ثَلاثِيْنَ .[2]

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر چھوڑو۔ ہم حساب وکتاب نہیں کرتے مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے اگر انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

دار الافتا میں کثرت کار کی وجہ سے ایک موضوع پر روزانہ کتابیں نہیں لکھی جاسکتیں۔ آپ لوگ مزید تحقیق واطمینان کے لیے مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ طرق اثبات ہلال کا مطالعہ کریں اور نئے شبہات کے ازالہ کے لیے مقالات امجدی کا۔ ان کے مطالعہ کے بعد آپ کو انشراح صدر حاصل ہو جائے گا کہ علماے اہل سنت جو کچھ فرماتے ہیں وہی حق ہے کاٹھ مانڈو کے مسلمان اگر چاہیں تو ایک رویت ہلال کمیٹی قائم کر سکتے ہیں۔ دنیوی کاروبار کے تو بہت ماہر ہیں دینی کام میں بھی دلچسپی لیں، رویت ہلال کمیٹی قائم کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ واللہ تعالی اعلم ۲۶ر شوال ۱۴۰۹ھ

ضمیمہ

نیپال جمعیۃ المسلمین، کاٹھ مانڈو

اگر آپ نے میرے جواب کو بغور پڑھا ہوتا تو آپ پر واضح ہو جاتا کہ آپ کے ہر نمبر کا جواب اس میں موجود ہے۔ میں نے جواب کا تسلسل قائم رکھنے کے لیے اس بنا پر کہ مسئلہ آسانی سے آپ لوگوں کی سمجھ میں آجائے اکٹھا ہی سب کا جواب لکھ دیا ہے، میں نے بعض علما کے بارے میں یہ لکھا کہ حکومت کے زر خرید غلام

---

(۱) الصحيح للبخاری، کتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ لا نكتب ولا نحسب، ج:۱، ص: ۲۵۶، مجلس البرکات، جامعه اشرفیه، مبارک پور.

(۲) الكل في الصحيح للبخاري، كتاب الصوم، ج:۱، ص:۲۵۶، مجلس البرکات.

ہیں، اس پر آپ بہت خفا ہیں، خفا ہونا نہیں چاہیے۔

خود حدیث میں ہے:

إن شر الشر شرار العلماء وإن خير الخير خيار العلماء [1].

سب سے بدتر برے علما ہیں اور سب سے بہتر اچھے علما ہیں۔ علمائے سو ہر دور میں رہے اور رہیں گے، غیر عالم کو اس تحقیق کے بعد ہی کسی عالم کے فون پر اعتماد جائز ہے جب کہ وہ صحیح معنی میں عالم دین ہو، اس کا معیار کتاب وسنت اور کتب تفسیر وحدیث اور فقہ ہیں۔ ریڈیو کا اعلان رویت ہلال کے سلسلہ میں قطعاً غیر معتبر ہے۔ فقہانے تصریح کی ہے کہ اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کے لیے معتبر ہے جب کہ یہ رویت بطریق شرعی ثابت ہو۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب. [2]

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية. [3]

اہل مشرق پر اہل مغرب کی رویت لازم ہے (اور ایسے ہی اس کا عکس) جب کہ ان کے نزدیک اہل مغرب کی رویت بطریق موجب ثابت ہو جیسے دو گواہ عینی گواہی دیں، یا قاضی کے حکم پر دو گواہ گواہی دیں، یا استفاضۂ خبر ہو بخلاف اس کے دو آدمی یہ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے دیکھا ہے یہ معتبر نہیں، اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔

مسلم اور ترمذی میں جلیل القدر تابعی سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تلمیذ جلیل حضرت کریب سے مروی ہے کہ وہ ایک سال شعبان میں دمشق گئے، وہاں سے رمضان میں واپس

---

(۱) مشكوة المصابيح، ص: ۳۷، كتاب العلم، مجلس البركات، جامعه اشرفيه.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ٣٦٤، ج:٣، كتاب الصوم، مكتبه : دار الكتب العلمية، بيروت لبنان.

(۳) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٦٤، ج:٣، اختلاف المطالع، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

ہوئے، باتوں باتوں میں رمضان کی رویت ہلال کا ذکر آیا توانھوں نے بتایا کہ ہم نے اور وہاں کے بہت سے لوگوں نے حتی کہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی جمعہ کو چاند دیکھا ہے اور اسی کے مطابق لوگوں نے روزہ رکھا ہے۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ ہم نے توسنیچر کو چاند دیکھا ہے، اسی کے مطابق ہم روزہ رکھیں گے۔ کریب نے عرض کیا۔ کیا معاویہ اور لوگوں کا دیکھنا کافی نہیں؟ فرمایا: نہیں۔

هكذا أمرنا رسول الله ﷺ[1]. ہمیں ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔

غور کیجیے! ایک جلیل القدر تابعی یہ خبر دے رہے ہیں کہ دمشق میں چاند ہوا ہے مگر حضرت عبد اللہ بن عباس اس کو قبول نہیں فرما رہے ہیں۔ پھر ریڈیو کا اعلان جس میں بہر حال اعلان کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے وہ بھی عموماً کفار ہوتے ہیں ورنہ فاسق وفاجر ضرور۔ کیسے معتبر ہوگا؟ خصوصاً جب کہ فقہاے کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ اسی وقت معتبر ہوگی جب کہ شہادت شرعیہ سے ثابت ہو خواہ یہ شہادت رویت ہو، یا شہادۃ علی القضا، یا استفاضہ۔ پھر ریڈیو کی خبر کے معتبر ہونے کا از روے شرع کوئی سوال ہی نہیں، جو لوگ بھی ریڈیو سے اعلان کرواتے ہیں وہ غلط کراتے ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ ہندوستان میں کوئی عالم ریڈیو اسٹیشن جاکر اعلان نہیں کرتا بلکہ نیوز ایجنسی کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق کوئی ریڈیو کا ملازم اعلان کرتا ہے۔ اور ریڈیو سننے والے جو بتاتے ہیں اس کے مطابق پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی یہی ہوتا ہے اور اگر بالفرض کوئی ایسا عالم بھی اعلان کرے جو شرعاً اس کا حق رکھتا ہو تو بھی اس کا اعلان دوسرے شہر ـــــ اگرچہ وہ اسی ملک کا ہو ـــــ کے لیے کافی نہیں۔ فتح القدیر میں فرمایا کہ اگر ایک شہر کا قاضی دوسرے شہر میں جاکر وہاں کے قاضی کے سامنے یہ بیان دے کہ میرے سامنے یہ گواہی گزری ہے تو معتبر نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

۲ اسے وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو یہ اعلانات کراتے ہیں ہم نے تین سال قبل ان سب لوگوں کے پاس خطوط لکھے اور ان سے دریافت کیا کہ آپ لوگ یہ اعلان کس شرعی بنیاد پر کراتے ہیں؟ کسی صاحب نے اب تک جواب نہیں دیا۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱) الجامع للترمذي، أبواب الصوم، باب ما جاء لكل أهل بلد رؤيتهم، ج:۱،ص: ۸۷، مجلس البركات، وقد تقدم نصه كاملا.

❸ ہمارے سوال میں یہ بھی تھا جن کو ہم نے ان علما سے کیا تھا مگر ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا؟ واللہ تعالیٰ اعلم

❹ ضرور مقرر ہے۔ ہر قاضی کا اعلان اس کے حدود قضا تک محدود ہے، اس کے باہر لغو ہے، نامعتبر ہے۔ جیسا کہ ابھی فتح القدیر کے حوالہ سے گزرا۔ حدود قضا کی تعیین یہ ہے کہ قاضی جس شہر کا ہے اور اس شہر سے ملحق جو دیہات ہوں وہ سب اس کے حدود میں داخل ہیں۔

علامہ شامی نے رد المحتار میں لکھا:

والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد؛ إذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان[1].

ظاہر یہ ہے کہ شہر کے توپوں کی آواز سننے اور قندیلوں کے دیکھنے سے دیہات والوں پر روزہ رکھنا لازم ہے؛ اس لیے کہ عادۃً یہ سب لیلۃ الشک میں صرف رمضان کے ثبوت کے لیے کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❺ ان کے لیے حدیث میں ہدایت موجود ہے فرمایا:

فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين[2].

اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ شریعت نے مسلمانوں کو اس کا مکلف نہیں فرمایا ہے کہ پوری دنیا یا پورے ملک بلکہ پورے صوبے اور پورے ضلع کے مسلمان ایک ہی دن سے روزہ رکھنا شروع کریں اور ایک دن عید کریں، جس کے یہاں بطریق شرعی جیسا ثابت ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ ابھی حدیث گزری کہ دمشق میں ایک دن پہلے سے لوگوں نے روزہ رکھنا شروع کیا اور مدینہ طیبہ میں ایک دن بعد سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❻ پہلا جرم ان کا یہ ہے کہ شریعت کے خلاف انھوں نے ایک طریقے کو اپنایا یہ خود حرام۔

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص:۳۵٤، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، مطبع: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) الصحيح للبخاري، ج:۱، ص:۲٥٦، كتاب الصوم، مجلس البركات / نصب الراية، ج:۲، ص: ٤٨٥، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

قرآن مجید میں ہے: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (١)

دوسرا حرام یہ ہوگا کہ اگر انتیس رمضان کو بطریقۂ شرعیہ چاند کا ثبوت نہ ہو اور صرف دوسرے شہروں یا ملکوں کے ریڈیو کے اعلان پر دوسرے دن روزہ نہ رکھیں گے عید کرلیں گے تو ایک فرض کے تارک ہوں گے؛ کیوں کہ اس دن کا روزہ رکھنا فرض ہوگا جسے ان لوگوں نے چھوڑا، پھر اس دن نماز عید کا وقت نہیں نماز عید کا وقت یکم شوال ہے ۳۰؍ رمضان نہیں، تو نماز عید کے نام سے جو نماز پڑھی وہ نماز عید نہ ہوئی، نماز نفل ہوئی اور جیسے نماز عید پڑھی جاتی ہے اس کی طرح کوئی نماز نفل مشروع نہیں تو بنام عبادت ایک لایعنی فعل میں لوگ مشغول ہوئے، چوتھا یہ نماز نفل تداعی کے ساتھ ہوئی یہ بھی جائز نہیں۔ پانچواں اس گمان پر کہ ہم نماز عید پڑھ چکے ہیں، یکم شوال کو نماز عید نہیں پڑھیں گے جو واجب ہے۔ اور تیسویں رمضان کی تراویح سے محرومی مزید برآں اور اگر حد سے مراد آپ کی سزا ہے تو دنیوی سزا دینا حاکم اسلام کا کام ہے اگر حاکم اسلام ہوتا تو ان لوگوں کو کوڑے لگاتا اور فتوی دینے پر پابندی لگا دیتا۔ واللہ تعالی اعلم

۵ (ا) کے جواب میں گزر گیا کہ اہل مغرب کی رویت سے اہل مشرق پر روزہ رکھنا یا چھوڑنا لازم ہے۔ اس کے اوپر ہے: لا اعتبار لاختلاف المطالع (٢). یعنی مطلعوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں اور اس کا شرعی سبب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے رویت ہلال کے بارے میں ہیئت کے حساب وکتاب کو لغو قرار دیا، ارشاد فرمایا: نَحْنُ أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسُبُ (٣).

ہم لوگ حساب وکتاب نہیں کرتے۔ اور مدار رویت پر رکھا، ارشاد فرمایا:

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته (٤). چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔

اب کہیں کے بھی مسلمان نے چاند دیکھا اور انھوں نے کہیں بھی جاکر گواہی دی تو چوں کہ شہادت شرعًا

---

(١) القرآن الكريم، سورة المائدة، آيت: ٤٤.

(٢) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:٣، ص:٣٦٣، كتاب الصوم دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(٣) الصحيح للبخاري، ج:١، ص:٢٥٦، كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ لا نكتب ولا نحسب، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.

(٤) الجامع للترمذي، ج:١، ص:٨٦، أبواب الصيام، باب ما جاء لا تقدموا الشهر بصوم، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور

حجت ملزمہ ہے، اس لیے دوسری جگہ کے مسلمانوں پر اس کا ماننا لازم ہے اور وجہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کتنے فاصلے پر ہوتا ہے یہ منضبط نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خود چاند کی رفتار کے لیے کوئی قاعدہ منضبط نہیں ہو سکا۔ اہل ہیئت و نجوم نے لکھا ہے کہ اگر چاند افق سے آٹھ درجے سے لے کر بارہ درجے سے کم تک ہوگا تو نظر آسکتا ہے مگر نظر آنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر بارہ درجے سے اوپر ہوگا اور مطلع صاف ہو تو ضرور نظر آئے گا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ آج تک خود اہل ہیئت اس پر متفق نہیں ہو سکے کہ کتنی دوری پر اختلاف مطلع ہوگا، اس کا سبب یہ ہے کہ دو مقامات ایک ہی عرض البلد پر ہوں تو اختلاف مطلع کا فاصلہ اور ہوگا لیکن اگر ایک ہی عرض البلد پر نہ ہوں تو یہ فاصلہ کچھ اور ہوگا پھر طول البلد کے اختلاف سے بھی فاصلہ مختلف ہوگا۔ شریعت مطہرہ رحیم و کریم ہے، اس نے اپنے ماننے والوں کو اس گورکھ دھندے میں نہیں پھنسایا اور نہایت آسان واضح حکم ارشاد فرمایا: کہ مہینہ ۲۹ر کا ہوتا ہے، اگر انتیس کو چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ اس لیے میں نے آج تک اس کا حساب نہیں لگایا کہ مبارک پور سے کتنی دوری پر اختلاف مطلع ہوگا پھر یہ کام آسان نہیں؛ اس لیے کہ یہ اختلاف مبارک پور سے جانب مغرب خط مستقیم پر واقع ہونے والے مقامات کا کچھ اور ہوگا اور اتریا دکھن جانب واقع ہونے والے مقامات کا کچھ اور ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

[۵۲] قاضی القضاۃ کا اعلان پورے ملک کے لیے قابل قبول ہے

مسئلہ— اس سال عید الاضحیٰ کی رویت کا اعلان ریڈیو سے ۲۷ر ستمبر کو ہوا، اس لیے لوگوں نے ۲۸ر ستمبر کو عید الاضحیٰ منایا اور لوگوں نے اسی لحاظ سے سہ شنبہ ۲۸ر ستمبر کو نماز عید الاضحیٰ اور قربانیاں بھی کیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ریڈیو کے اس اعلان پر پڑھی جانے والی نماز اور قربانی کا کیا حشر ہوا؟ زید کا کہنا ہے کہ قربانی اور نماز درست ہوئی، بکر کہتا ہے کہ نہ نماز صحیح ہوئی نہ قربانی۔ اس لیے کہ ریڈیو کا اعلان ناکافی ہے۔ بہار کے ایک ادارہ پر فون کیا گیا تو وہاں سے کہا گیا کہ دلی سے فون آیا ہے کہ رویت کی تصدیق ہو گئی ہے، اس لیے نماز منگل کو پڑھی جائے۔ کیا کوئی ادارہ فون کے ذریعہ ملی اطلاع پر رویت ہلال کے اعلان کا مجاز ہے؟ زید کہتا ہے ہاں، بکر کہتا ہے نہیں۔ کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

عبد الودود، ٹائر دوکان، پی ڈبلوڈی، چوک ماری پور، مظفر پور، بہار

الجواب

۲۷ر ستمبر کو دہلی کے ریڈیو سے جو اعلان ہوا، وہ شاہ جہانی مسجد کے تنخواہ دار امام کا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مدرسے کا سند یافتہ ہو مگر عالم نہیں اور نہ متدین ہے۔ یہی وہ امام ہے جس نے سب سے پہلے حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نسبندی کے جائز ہونے کا فتوی دیا۔ یہی وہ امام ہے جس نے جنتا پارٹی جیسی مسلم کش جماعت کے لیے گلی گلی ورک کیا۔ اس کا کیا اعتبار؟ ریڈیو یا فون کی خبر رویت ہلال کے سلسلے میں قطعا غیر معتبر ہے۔ فقہا نے ثبوت کا صرف تین طریقہ مقرر فرمایا ہے۔

شہادة علی الرؤیۃ، شہادة علی القضا، استفاضہ۔ ریڈیو کی خبر ان تینوں میں سے کوئی نہیں۔ یہ صرف ایک خبر ہے جس کی حیثیت ایک حکایت محض کی ہے۔ اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ رد المحتار میں فرمایا:

كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه لأنه حكاية.[1]

ہاں! اگر ہندوستان کے تمام اہل سنت کسی ایسے شخص (جو حقیقی معنی میں ماہر مفتی ہو، دیانت دار خدا ترس ہو) کو پورے ملک کا قاضی القضاۃ مقرر کر لیں اور ریڈیو اسٹیشن والوں کو اس کا پابند کر دیں کہ بغیر اس قاضی القضاۃ کے حکم کے چاند کی رویت کے سلسلے میں کوئی اعلان نہ ہوگا اور اس طرح سے پورے طور پر اطمینان حاصل ہو جائے کہ ریڈیو اسٹیشن والے اس کی پابندی کریں گے تو ایسے قاضی القضاۃ کا اعلان اگر چہ بذریعہ ریڈیو ہو، اگر چہ اس کا علم بذریعہ فون آئے پورے ملک کے لیے قابل قبول ہوگا، مگر فون میں بھی یہ پابندی ضروری ہے کہ سوائے قاضی القضاۃ کے یا اس کی اجازت کے کوئی دوسرا فون نہ کرے۔ اب تک نہ کوئی قاضی القضاۃ مقرر ہوا ہے، نہ ریڈیو اسٹیشن سے مذکورہ بالا پابندی کی کوئی صورت نکلی ہے، لہٰذا ریڈیو کا اعلان غیر معتبر ہوگا۔ اس لیے جن لوگوں نے ۲۸ر ستمبر سہ شنبہ کو محض دلی کے ریڈیو کی خبر یا دہلی کے فون پر عید کی نماز پڑھی ان کی نماز نہ ہوئی اور قربانی کی تو ان کی قربانی صحیح نہیں ہوئی، ان میں سے جو لوگ ایسے تھے کہ مالک نصاب ہونے کی وجہ سے ان پر قربانی واجب تھی ان پر واجب ہے کہ زندہ جانور یا اس کی قیمت صدقہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:٣٦٤، ج:٣، مطلب في اختلاف المطالع، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

[۵۴۳] شہادت معتبر ہونے کے لیے کسی مسافت کی تحدید نہیں

مسئلہ- شہادت شرعی کتنی مسافت سے حاصل کی جائے؟

سکندر علی خاں، خطیب جدید ماسکو، پوسٹ موڈیگرہ، ضلع چک منگلور، کرناٹک

الجواب

❶- شہادت شرعیہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) شہادت اصلی، یعنی جن لوگوں نے چاند دیکھا ہے وہ لوگ خود قاضی شرع کے پاس آکر گواہی دیں۔ اس کے لیے کسی فاصلہ کی شرط یا حد بندی نہیں، مقامی لوگوں کی بھی معتبر ہے اور دور دراز حتی کہ دوسرے ممالک کے لوگوں کی بھی۔

(۲) شہادۃ علی الشہادۃ، شہادت اصلی کے شاہد دوسرے لوگوں کو اپنی گواہی پر گواہ بنائیں، اس کے لیے فاصلے کی شرط ہے، وہ یہ کہ شاہد اصلی اتنے فاصلے پر ہوں کہ قاضی کے یہاں گواہی دے کر رات گزارنے کے لیے اپنے گھر واپس نہ ہو سکیں، یا وہ مریض ہے کہ قاضی کے پاس نہیں آسکتا ہے یا پردہ نشیں عورت ہے کہ قاضی کے یہاں جا نہیں سکتی۔

(۳) شہادۃ علی القضا۔ (۴) کتاب القاضی الی القاضی۔ یہ دونوں قاضی کے حدود قضا میں غیر ضروری، اس لیے کہ قاضی کے حدود قضا میں اس کا اعلان کافی ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قلت: والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد؛ إذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان[1].

أقول: وكذا العلة مشتركة في الصوم والعيد وهي أن قضاء القاضي نافذ في حدوده،

---

(1) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٥٤، ج: ٣، كتاب الصوم، مبحث في يوم الشك، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

والعادة أن لا يفعل مثل ذلك في آخر رمضان إلا لإعلان العيد.

اس لیے ان دونوں کی ضرورت ایک قاضی کے حدود قضا کے باہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر شوال ۱۴۰۱ھ

[۵۴] اختلاف مطالع معتبر نہیں

مسئلہ- ایک مسلمان رمضان کا چاند ۲۹ر تاریخ کو ایک جگہ دیکھتا ہے، دوسرا شخص اتنے فاصلے پر دیکھتا ہے کہ دونوں کے اندر ایک ہزار کلو میٹر کی دوری ہے۔ اتفاقاً دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے اور چاند کی شہادت دی، شاہد شرعاً معتبر ہیں تو کیا ایسے کی شہادت پر شرعاً چاند کا ثبوت تسلیم کر لیا جائے گا، اگر تسلیم کر لیا جائے تو شرعاً اس کی دلیل کیا ہے اگر تسلیم نہ کیا جائے تو کیوں؟

شمس الضحیٰ، موضع وڈاک خانہ مادھوپور، بڑہریا، سیوان، بہار

الجواب

اگر دیکھنے والا مسلمان، سنی صحیح العقیدہ ہے اور فاسق نہیں تو اس کی شہادت بلکہ صرف خبر صرف رمضان کے چاند کے معاملہ میں معتبر ہے خواہ چاند دیکھنے والا کتنی ہی دوری پر ہو اگر چہ بعد المشرقین ہو۔ در مختار میں ہے:

واختلاف المطالع غير معتبر فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب.(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۵] یہ کہنا کہ ''فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے'' ثبوت کے لیے ناکافی ہے

مسئلہ- جامع مسجد کا امام حارث دوسرے مسجد کے امام (عمرو) کے پاس آکر یہ کہے کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا ہے، لہذا آپ کل عید کا اعلان کر دیں تو کیا اتنا کہنے کو شرع شہادت کا حکم دیتی ہے؟

یہ بھی واضح رہے کہ حارث نے جھوٹ بول کر کئی جگہ سے لوگوں سے پیسہ لیا اور فی الحال مقروض بھی ہے۔

محمد جابر رضا نوری، مدرس مدرسہ اہل سنت تعلیم الاسلام، ہنگن گھاٹ

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۳٦۳، ۳٦٤، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت.

الجواب

حارث کا عمرو کے پاس آکر یہ کہنا کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے رویت ہلال کے ثبوت کے لیے بالکلیہ ناکافی ہے۔ اولاً حارث نے خود نہیں دیکھا اور نہ دیکھنے والوں نے اسے گواہ بنایا ہے اور نہ یہ کسی قاضی کا خط لے کر آیا ہے اور نہ کسی قاضی کا فیصلہ لے کر آیا ہے تو اس کا یہ کہنا محض خبر ہوئی۔ عید تو عید رمضان کے چاند میں بھی ایسی خبر معتبر نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية. [1]

بلکہ اگر اس بات کی گواہی دے کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو بھی معتبر نہ ہوگی، یہ تو اکیلا ہے اگر دو آدمی بھی اس کی گواہی دیں کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے معتبر نہیں۔

لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية[2].

ثانیاً: یہ سائل کی تصریح کے مطابق عادل نہیں؛ کیوں کہ جھوٹ بولتا ہے، ایک نہیں بلکہ چند فاسقوں نے چاند دیکھا ہو اور گواہی دیں تو مردود، اس قسم کی غیر معتبر خبروں پر انتیس کا چاند مان کر دوسرے دن عید کر لینا اور روزہ چھوڑنا یا توڑنا پانچ پانچ گناہوں کا موجب ہے۔ کما بیناہ فی فتاوانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵۶] اگر کسی عالم کا قول شریعت کے خلاف ہو تو عمل شریعت کے حکم پر ہوگا

مسئلہ- مخالفین کا اعتراض یہ ہے کہ امسال کشمیر سے راس کماری اور گجرات سے آسام تک پورے ہندوستان میں ریڈیو کی اطلاع پر ہی عید اتوار کے دن منائی گئی تو کیا ان تمام کی عید نہ ہوئی؟ کیا وہ مسلمان نہیں تھے؟ کیا موڈ گیرہ اور بالے ہنور والے ہی شرعی مسلمان ہیں؟ دہلی سے تو خود شاہی امام نے اعلان کر دیا، ان سے بڑھ کر عالم کون ہے؟ کیا انھیں چاند کا مسئلہ معلوم نہیں ہے؟ ان پر مبسوط روشنی ڈال کر افادات عالیہ سے ممنون فرمادیں۔

ایم، اے، رحمت، موڈ گیرہ، کرناٹک

۷/ اگست ۱۹۸۱ء

---

(۱) ردالمحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٦٤، ج: ٣، كتاب الصوم، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان

(۲) الدر المختار فوق در المحتار، ص: ٣٥٩، ج: ٣، كتاب الصوم، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان

الجواب

معترض کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں کہ کشمیر سے راس کماری تک ہر جگہ اتوار ہی کو عید کی نماز ہوئی۔ سینکڑوں جگہوں کا تو مجھے علم ہے کہ ۲۹ر کی رویت کا شرعی ثبوت نہ ملنے کی بنیاد پر دوشنبہ کو عید ہوئی اور جہاں جہاں اتوار کو عید کی گئی وہاں یا تو رویت ہوئی یا شرعی ثبوت ملا۔ ہو سکتا ہے کہ چند ناواقف یا چند ضدی ہوں جنھوں نے ریڈیو کے اعلان پر اتوار کو عید کی نماز پڑھی ہو، امام جامع مسجد، دہلی سب سے بڑے عالم تو کیا ہوں گے سرے سے عالم ہی نہیں، قانونی طور پر وراثت میں امامت پا جانا اور بات ہے اور عالم ہونا اور بات۔ کسی مدرسہ سے سند حاصل کر لینا عالم ہونے کے لیے کافی نہیں، کتنے ایسے مدارس ہیں جو صرف یہ بتانے کے لیے کہ ہمارے یہاں سے بہت علما فارغ ہوتے ہیں۔ جاہلوں کو سند دے دیتے ہیں اور وہ بھی پگڑی باندھ کر۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ بہت بڑے بلکہ سب سے بڑے عالم ہیں تو ہر عالم کا قول حجت نہیں، حدیث میں ہے:

إن شر الشر شرار العلماء وإن خير الخير خيار العلماء [1]۔

اور فرمایا گیا ہے:

يهدمه (الإسلام) زلة العلماء وجدال المنافق بالكتاب وحكم الأئمة المضلين. [2]

پھر اگر کوئی عالم لائق اعتماد بھی ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ اس کا قول شریعت کے خلاف ہے تو عمل شریعت کے حکم پر کیا جائے گا۔ شاہی مسجد کے موجودہ امام نے کیا کیا گل کھلائے ہیں وہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائیں تو حقیقت واضح ہو جائے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے نس بندی کو جائز بتایا، اسی سے آپ سمجھ لیجیے کہ وہ کیسے عالم ہیں۔ دلی ریڈیو سے یا کہیں کے ریڈیو سے جو اعلان ہوتا ہے اس پر علمائے اہل سنت کا کوئی قابو نہیں کہ اسے بند کرائیں یا اس کو شریعت کے مطابق بنائیں۔ چاند کے ثبوت کے لیے شریعت نے جو طریقے مقرر فرمائیں ہیں وہ تین ہیں: شہادت شرعیہ، استفاضہ، رویت عامہ۔ کہیں سے محض خبر آنا اگرچہ خبر لانے والے عادل، ثقہ، متدین ہوں معتبر نہیں۔ جب تک وہ مقررہ اصول کے مطابق شہادت نہ دیں۔ رد المحتار میں طریق موجب کے بیان میں ہے:

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، ص:۳۷، کتاب العلم، مجلس برکات، اشرفیہ، مبارک پور۔
(۲) مشکاۃ المصابیح، ص:۳۷، کتاب العلم، مجلس برکات، اشرفیہ، مبارک پور

كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية.[1]

دیکھیے صاف تصریح ہے کہ اگر کچھ لوگ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے تو معتبر نہیں اس لیے کہ یہ صرف حکایت ہے شہادت نہیں، انسان کی لائی ہوئی خبر خصوصاً جب کہ متدین، عادل، ثقہ ہوں ریڈیو کی نشر کی ہوئی خبروں سے بدرجہا قوی ہے مگر اس کو شریعت نے معتبر نہ مانا، ریڈیو کی خبر کیا معتبر ہوگی؟ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ر شوال ۱۴۰۱ھ

[۵۷] رویت ہلال کے ثبوت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں

مسئلہ- کسی بستی میں ۲۹ر کی شام کو چاند نظر نہ آنے کی صورت میں باہر دوسری جگہ سے شرعی طریقہ سے موصول ہونے والی خبر کس حد تک قبول کی جا سکتی ہے، اس کی کوئی حد ہے؟ یا ماہ کے آخری دن میں موصول ہو تب بھی اس کو قبول کرنا شرعاً ضروری ہے؟

معین الدین قادری، رام پور، مین روڈ، وڈھیرا، بڑودا، گجرات

الجواب

اس کی کوئی حد نہیں، مہینہ کا آخر تو بہت کم ہے۔ اگر سال کے آخر میں بھی ثبوت مل جائے تو اس کا ماننا واجب ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ جن ذرائع سے ثبوت ملا ہے وہ اس آبادی میں موجود نہ ہوں، یا شروع میں موجود تھے، سفر میں گئے۔ پھر ان کو کہیں ثبوت ملا، واپس آنے کے بعد فوراً بلا تاخیر ثبوت پیش کیا اور اگر فوراً ثبوت پیش نہ کیا تو معتبر نہیں ہے۔ الفتاوی الهندیة میں ہے:

وإذا شهد الشهود على هلال رمضان في اليوم التاسع والعشرين أنهم رأوا الهلال قبل صومكم بيوم إن كانوا في هذا المصر ينبغي أن لا تقبل شهادتهم ؛ لأنهم تركوا الحسبة ، وإن جاءوا من مكان بعيد جازت شهادتهم لانتفاء التهمة كذا في الخلاصة[2]. واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳٦٤، ج: ۳، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) الفتاوى الهندية، ص: ۲۱۹، ج: ۱، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

[۵۸] جہاں اکثر چاند نظر نہ آتا ہو وہاں کیا کریں

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علماے دین، مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں یہاں اکثر رویت ہلال نہیں ہوتا، ابر، یا مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر آنا مشکل ہے تو کیا تمام کے تمام مہینوں کا حساب ۳۰ کی گنتی پوری کر کے کیا جائے یا کچھ مہینے ۲۹ کے بھی شمار کر لیے جائیں۔

محمد اقبال قادری مصباحی، لیناسٹ، بولٹن، یوکے، برطانیہ

الجواب

اصل حکم یہی ہے کہ اگر ۲۹ کو رویت نہ ہو تو تیس کی گنتی پوری کی جائے۔ حدیث میں ہے۔

فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا ثَلاثِينَ يوما.[1]

لیکن رویت ہلال کے دوسرے طریقے بھی ہیں، ان طریقوں پر عمل کر کے عمل کیا جائے، مثلاً دوسرے بلاد کی رویت کا ثبوت۔ اس کے دو طریقے ہیں شہادت شرعیہ اور استفاضہ۔ شامی میں فرمایا:

كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية.[2]

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لیے موجب ہے، اگر بقدر نصاب جامع شرائط شہادت افراد اس بات کی گواہی دیں کہ ہم نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہے یا اس بات کی شہادت دیں کہ فلاں جگہ کے قاضی نے ۲۹ کو رویت ہلال کا حکم دیا ہے بشرطے کہ یہ گواہ مجلس قضا میں حکم کے وقت موجود رہے یا بطریق استفاضہ وہاں خبر پہنچی ہو۔ البتہ یہ معتبر نہیں کہ دو آدمی یہ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے اس لیے کہ یہ صرف حکایت ہے شہادت نہیں۔ استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی شہر سے متعدد جماعتیں یکے بعد دیگرے اگر یہ خبر دیں کہ اس شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، عوام کو شورش سے بچانے کے لیے وہاں کے ذمہ دار افراد پر لازم ہے کہ دوسرے بلاد کی رویت بطریق شرعی تحقیق کر کے مہینوں کی رویت کا

(۱) نصب الراية، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ج:۲، ص: ٤٥٧، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ٣٦٤، ج:۳، باب رؤية الهلال، دار الكتب العلمية، بيروت.

حساب ٹھیک کر لیا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸؍ رجب ۱۴۰۱ھ

[۵۹] رویت ہلال کے ثبوت شرعی کے بغیر روزہ رکھنا ممنوع ہے

مسئلہ- ایک مسجد کے امام ہوتے ہوئے رمضان شریف کا چاند نہیں دیکھا اور دوسری جگہ کی خبر کو لے کر اس نے تراویح بھی پڑھائی اور روزہ بھی رکھا۔ اور اعلان بھی کر دیا۔ بہت سے لوگوں نے روزہ نہیں رکھا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس امام کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

حافظ الطاف حسین، کٹک، اڑیسہ

الجواب

بلا ثبوت شرعی جس حافظ نے ۳۰؍ شعبان کو تراویح پڑھی اور ۳۰؍ شعبان (یوم الشک) کو روزہ رکھا یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ اسے امام بنایا جائے، اس نے جو تیسویں شعبان کی رات میں تراویح پڑھی وہ تراویح نہ ہوئی خالص نفل ہوئی جو غیر مشروع ہوئی اور تداعی کے ساتھ ہوئی، اور یوم الشک کو روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صام اليوم الذي يُشَكُّ فيه فقد عصى أبا القاسم صلى الله تعالى عليه وسلم (۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

[۶۰] شوافع کے نزدیک بھی رویت کے ثبوت کے لیے شہادت شرعیہ شرط ہے

مسئلہ- کیا شوافع حضرات کے نزدیک چاند کا مسئلہ ہم سے مختلف ہے؟ کیا ان کے نزدیک تار، ریڈیو، ٹیلیفون اور خط کی اطلاع پر اعتبار کر کے عید کرنے کی اجازت ہے؟

ایم، اے رحمت، موڈگیرہ، کرناٹک

۷؍ اگست ۱۹۸۱ء

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۱۷٤، باب رؤية الهلال، مجلس بركات، اشرفيه، مبارك پور.

الجواب

رویت ہلال کے سلسلے میں ہمارے اور شوافع کے درمیان اس خصوص میں کوئی اختلاف نہیں جس طریقے سے ہمارے یہاں رویت کے ثبوت کے لیے شہادت شرعیہ شرط ہے اسی طرح ان کے یہاں بھی۔

”کتاب الأم“ میں ہے: قال الشافعي يقبل فيه شاهدان عدلان في جماعة الناس و منفردين و لا يقبل على الفطر أقل من شاهدين عدلين. (۱)

اور جب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں بھی ثبوت کے لیے شہادت شرعیہ شرط ہے تو اس سے ظاہر کہ ان کے یہاں بھی ریڈیو، ٹیلیفون، تار کی اطلاع محض خبر ہے جو معتبر نہیں، اس لیے جن شافعیوں نے محض ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑا اور نماز عید اتوار کو پڑھی وہ سب گنہ گار ہوئے، ان سب پر توبہ اور روزے کی قضا واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹/ شوال ۱۴۰۱ھ

[۶۱] ظن غالب عرفی اور شرعی میں فرق

مسئلہ— یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ چاند ہوجانے کی خبر پر ظن غالب کا حاصل ہوجانا ثبوت چاند کے لیے ناکافی ہے اور محض خبروں پر اعتماد جائز نہیں۔ اسی طرح ۲۹/ تاریخ کو اپنے مقام پر چاند نظر نہ آنے کی صورت میں خواہ مخواہ دوسرے مقامات پر تحقیق و تلاش کرنا کسی قاضی، مفتی، عالم دین، ذمہ دار شخصیت پر اگرچہ فی نفسہ لازم وضروری یا خالی از تکلف نہیں ہے لیکن اس زمانے میں دوسری جگہ سے محصول ہونے والی چاند کی خبر کے صحیح ہونے کے امکانات اور ظن غالب ہوں تو انتشار واختلافات سے عوام کو بچانے کی خاطر قاضی، مفتی، عالم دین، ذمہ دار شخصیت وغیرہ پر اس خبر کی تحقیق کر کے عوام کو صحیح حکم سے آگاہ کرنا شرعاً لازم یا کم از کم افضل ہے یا نہیں؟ یا وہ خاموش تماشائی کی طرح بیٹھے رہیں؟ اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جناب معین الدین صاحب قادری، بروداٖ، پوسٹ بروداٖ، گجرات

---

(۱) الأم، كتاب صلاة العيدين، ج: ۱، ص: ۲۶۳، دار الفكر، بيروت.

الجواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ ظن غالب کے دو معنی ہیں، ایک عرفی، دوسرے شرعی۔ رویت ہلال کے سلسلے میں ظن غالب عرفی غیر معتبر ہے اور ظن غالب شرعی معتبر ہے یہ ملحق بہ یقین ہے اس کی پوری تشریح اور ان دونوں کے مابین فرق اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی رضویہ جلد دوم میں فرمایا ہے۔

ظن غالب عرفی یہ ہے کہ جانب مخالف کا ضعیف احتمال ہو مگر اس کی طرف بھی ذہن جائے اگرچہ بروجہ قلت وضعف جانب مخالف کو بالکل ذہن ساقط نہ کرے اسی کو فقہا ظن بھی کہتے ہیں، اور ظن غالب یہ ہے کہ جانب مخالف کا احتمال ہے مگر ذہن اس کو بالکل مضمحل اور ساقط کر دے اسی کو فقہا غلبۂ ظن، ظن غالب، اکبر رائے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مراد ہے مفتی یا قاضی کا ظن غالب عوام کا نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر دوسری جگہوں سے خبریں رویت ہلال کی آئیں۔ اگرچہ عوام اس کو کتنے ہی بڑھا چڑھا کر یقین کے ساتھ بیان کریں۔ پھر بھی قاضی یا مفتی اس کا مامور نہیں کہ وہ گھوڑا کس کر چاند کی خبر لینے کے لیے کہیں جائے۔ شاہدین کو خود قاضی کے پاس حاضر ہو کر شہادت دینی واجب ہے، عوام فتنہ فساد مچائیں اس کے ذمہ دار عوام ہیں۔ اگر عوام کے فتنہ وفساد پر علما کی نکیل عوام کے ہاتھوں میں دیدی جائے تو پھر دین کا خدا حافظ۔ عوام ایک روزے سے جان بچانے کے لیے جھٹ پٹ عید کرنے کے لیے ہر نا کردنی کر بیٹھے ہیں۔ خود میرے اوپر اسی سال یہ بات گزری ہے کہ ایک پورے جم غفیر نے مجھے آکر کے انتہائی وثوق کے ساتھ یہ خبر دی کہ یہاں سے دس کلو میٹر کی دوری پر عام رویت ہوئی ہے، وہاں کے لوگوں نے خود آکر بتایا ہے، پھر لوگوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا، میں نے ہتھیار ڈال دیا اور کچھ علما کو بھیجا، دو گھنٹے کے بعد وہ لوگ واپس ہوئے اور بتایا کہ وہاں کے لوگوں میں سے کسی نے بھی چاند نہیں دیکھا تھا۔ ہاں اگر کوئی عالم یہ زحمت برداشت کرے تو حرج بھی نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۶۲] ۲۷، ۲۸ رمضان کو چاند نظر آنے کا مسئلہ

مسئلہ۔ سوال نہ دارد

مولانا قمر نذیر، دار العلوم اعلی حضرت، رضا نگر، ناگ پور، ناسک، مہاراشٹر

الجواب

مولانا المحترم زید مجد کم

السلام علیکم رحمۃ اللہ و بر کاتہ

عوافی مزاج گرامی!

آپ کا رجسٹرڈ ملفوف ابھی ملا، اس کا کچھ حصہ پڑھوا کر سنا بھی، آپ کے خط کے جواب میں معروض ہے کہ جس زمانے میں صدر ایوب نے مذکورہ بالا قانون بنایا تھا، میں بریلی شریف ہی حاضر تھا، میرے علم میں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا اس قسم کا کوئی فتویٰ نہیں اور نہ میں نے اخبارات میں اس کی کوئی گونج تو بہت بڑی بات ہے، خبر بھی نہیں سنی۔ ۹۶ء میں میں پاکستان گیا اور تقریبًا ایک ماہ وہاں قیام رہا اور اہل سنت کے تقریبًا کل افراد سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان سے میں نے اس فتوے کے بارے میں پوچھا، ان لوگوں نے لاعلمی ظاہر کی اس فتوے کا علم مجھے اس وقت ہوا جب ماہنامہ استقامت نے مفتی اعظم نمبر شائع کیا۔ تحقیق سے ثابت ہوا کہ اس کے بنیادی راوی حاجی ریاست علی صاحب مرحوم ہیں، انھیں سے بعد میں کچھ لوگوں نے لیا ہے۔ نزاع ختم ہونے کی صورت دو ہے۔ اول یہ کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے اس فتوے کی زیراکس کاپی دکھائی جائے۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ یہ فتویٰ فلاں جگہ محفوظ ہے۔

دوسرے یہ کہ ان اخبارات کے حوالے دیے جائیں جن سے اس فتوے کی گونج اٹھی اور آپ اور خواجۂ علم وفن کے مابین بحث کا رخ جو ہے وہ پسندیدہ نہیں۔ اس لیے میں نے ان کو بھی روک دیا ہے اور آپ کو بھی روک دیا ہے لیکن ماہنامہ اشرفیہ کو ہدایت کرنا بھول گیا کہ اس قسم کا کوئی مضمون نہ چھاپیں۔ اسی اثنا میں ان کا مضمون آیا اور ماہنامہ میں چھپ گیا۔ مضمون چھپنے کے بعد میں نے ایڈیٹر صاحب کو بہت سختی سے روک دیا البتہ اس سلسلے میں میرا ایک مضمون چھپ رہا ہے جس میں صرف یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا فتویٰ ایسا ہے، اس کا ثبوت فراہم کیا جائے جس کی دو صورتیں اوپر مذکور ہوئیں۔

مولانا! میں بہت ضیق میں ہوں، غیر ذمہ دار لوگ جو چاہتے ہیں چھاپ دیتے ہیں اور سب کی جواب دہی اس بوڑھے خادم پر عائد ہوتی ہے۔ اسی فتوے کے سلسلے میں اب تک دس استفتا آچکے ہیں۔ ایک علی گڑھ سے آیا ہے جس میں مستفتی صاحب نے بڑی قابلیت بگھاڑی ہے، لیکن میں صرف مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے مریدین کی

جذباتیت سے خاموش ہوں۔ اب گالی گلوج بھرے خطوط آرہے ہیں۔ مجلس ادارت میں میرا نام ضرور ہے مگر ایڈیٹر صاحب کبھی بھی کسی مضمون کے بارے میں سوال نہیں کرتے ورنہ خواجہ صاحب کا پہلا ہی مضمون نہیں چھپتا، غیر ذمہ دار مصنفین نے کیا کیا گل کھلائے ہیں اس سے آپ غافل نہیں ہوں گے۔ مثلا طوائف کو دیکھ کر کرتے کا دامن آنکھ پر ڈال لینا۔ بنارس مندر میں جاکر ایک پجاری سے ملاقات کرنا جو قطب وقت تھا۔ فرکی بیچنے کے لیے عمل بتانا۔ کیا آپ کی دانست میں یہ سب باتیں صحیح ہیں؟ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ میری گزارش یہ ہے کہ آپ پہلے ٹھنڈے دل سے تحقیق کیجیے کہ مذکورہ بالا فتویٰ حضرت مفتی اعظم ہند کا ہے یا نہیں؟ اس باب میں صرف حاجی ریاست علی صاحب پر بھروسہ کرنا درست نہیں، ویسے اختیار آپ لوگوں کو ہے اس خصوص میں جو میرے پاس استفتا آئے ہیں ان میں بنیادی سوال یہ ہے کہ بالفرض اگر وہ فتویٰ مفتی اعظم کا ہے اور حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ۲۷؍۲۸؍ کو بھی ہوائی جہاز سے دیکھا جائے تو چاند نظر آئے گا کیا یہ ارشاد قرآن واحادیث سے ثابت ہے، یا فقہاے کرام کے ارشادات سے جس سے بھی ثابت ہو اس کا حوالہ دیا جائے یا حضرت نے اپنے کشف سے فرمایا۔ کشف حجت شرعی نہیں جیسا کہ کتب عقائد میں تصریح ہے ورنہ امان اٹھ جائے گا۔ یا حضرت نے ازروے قواعد ہیئت بتایا؟ اس سوال پر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ واللہ تعالی اعلم

[۶۳] چاند کی شہادت سے متعلق بہار شریعت کی عبارت کی وضاحت

مسئلہ- چاند کے مسئلہ میں بہار شریعت حصہ پنجم پر تحریر ہے کہ ٹیلیفون و تار کا اعتبار نہیں اور اس میں تار، ٹیلیگرام کے بارے میں وضاحت بھی ہے کہ اس میں غلطیوں کا امکان ہے مگر فون کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ غلطیاں کیوں کر ممکن ہیں؟ وضاحت نہ ہونے کی بنا پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ فون کا ذکر محاورہ کے طور پر کیا گیا ہے۔

موجودہ دور میں فون پر گفتگو کرنے والے ایک دوسرے سے واقف ہوں تو آواز پہچانی جاتی ہے اور کسی صورت میں غلطی کا امکان نہیں ہے نیز مستقبل قریب میں فون پر گفتگو کرنے والے کی تصویر بھی دیکھی جائے گی۔

اس سال عید کے موقع پر دہلی کے اعلان کے بعد ہم لوگوں نے اپنے بریلوی مسلک کے ترجمان ادارۂ شرعیہ، پٹنہ، بہار کے صدر دفتر اور جمشید پور سے فون پر رابطہ کیا، پٹنہ سے ادارۂ شرعیہ کے مہتمم جن کی آواز ہم

لوگ بخوبی پہچانتے ہیں انھوں نے اطلاع دی کہ پٹنہ میں ہم لوگوں نے تصدیق کر لی ہے آپ بھی اپنے شہروں میں اعلان کر سکتے ہیں۔

بہار شریعت حصہ پنجم، ص:۱۱۰ر پر یہ بھی درج ہے کہ "کسی ایک مقام پر چاند کی شہادت ہو جانے پر وہ صرف اسی جگہ کے لیے نہ ہو کر سارے جہاں کے لیے ہے"۔ چناں چہ اس بنا پر ہم لوگوں نے اپنے شہر میں اعلان کرا دیا۔ یہ اعلان مقامی جامع مسجد انتظامیہ و امام نیز چار دوسرے مساجد کے ائمہ حضرات کی ہنگامی نشست جو ادارۂ شرعیہ بہار کے مہتمم سے ہوئی گفتگو اور چاند کی تصدیق کی بنا پر کی گئی تھی۔ سارے علاقے میں عید اس اعلان کے مطابق ہوئی مگر چند لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں کہ چاند کی تصدیق فون پر نہیں ہو سکتی ہے اور حوالہ بھی بہار شریعت کا ہی دیتے ہیں۔ اعتراض کرنے والوں سے ہم لوگ بھی اتفاق کرتے ہیں کہ فون، تار پر چاند کی شہادت نہیں لی جا سکتی ہے مگر کسی شہر میں اگر دار القضا ہو اور وہاں چاند کی شہادت و تصدیق قاضی صاحب نے کر دیا ہو اور اس کا اعلان بذریعہ مائک شہر میں کیا گیا ہو اس کے مطابق عوام عید کی تیاری میں لگ جاتے ہیں اسے کبھی غلط نہیں کہا گیا۔ فرداً فرداً شہر کے لوگ قاضی صاحب یا امام صاحب یا ارکان رویت ہلال کمیٹی جن کے حوالہ سے اعلان ہوا ہے تصدیق نہیں کرتے ہیں جب کہ مائک کا اعلان فون کے مقابلے غیر معتبر ہے، چوں کہ اعلان میں صرف تصدیق کرنے والے کا حوالہ ہوتا ہے، تصدیق کرنے والا بذات خود مائک لے کر شہر میں نہیں نکلتا ہے اور ہم لوگوں نے فون پر مہتمم ادارۂ شرعیہ بہار پٹنہ سے ذاتی طور پر گفتگو کی اور بہار شریعت کے اس حوالے کے مطابق کہ ایک مقام پر تصدیق سب جگہ کے لیے ہو گئی۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ہم لوگوں کا مہتمم ادارۂ شرعیہ، پٹنہ بہار سے فون پر چاند کی پٹنہ میں تصدیق کے بنا پر اپنے علاقہ میں نماز عید پڑھنا از روے شرع جائز ہوا یا نہیں؟ ادارۂ شرعیہ بہار پٹنہ کے اعلان کو کیا کہا جائے گا۔؟

غلام معین الدین، سکریٹری جامع مسجد، روڈ ہزاری باغ، بہار

الجواب

آپ نے مجھ سے مناظرہ شروع کر دیا، جب کہ آپ نے پہلے سے مجھے اطلاع بھی نہیں کیا اور نہ میں نے آپ کا چیلنج مناظرہ منظور کیا تھا، وہ بھی اس جرأت کے ساتھ کہ بہار شریعت کا حوالہ دیتے ہوئے اور بہار شریعت

میں ذکر کی ہوئی پانچ باتوں میں سے جو بات آپ کو پسند ہے اسے قبول کرتے ہیں اور جو ناپسند ہے اسے ذکر بھی نہیں کرتے۔ اور اس میں سے ایک بات ذکر بھی کرتے ہیں تو مجتہدین کی طرح اجتہاد شروع کر دیتے ہیں۔

بندہ نواز!

یہ دیانت نہیں، یقیناً ایک جگہ کا دیکھا ہوا چاند دوسری جگہ معتبر ہے مگر بہار شریعت میں وہیں یہ بھی ہے "مگر دوسری جگہ کے لیے اس کا حکم اس وقت ہے کہ ان کے نزدیک اس دن اس تاریخ میں چاند ہونا شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے یعنی دیکھنے کی گواہی یا قاضی کے حکم کی شہادت گزرے یا متعدد جماعتیں وہاں سے آکر خبر دیں الخ"

قبلہ!

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے یہ اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے اور جہاں سے لکھا ہے اس کا حوالہ بھی دیدیا ہے۔ آپ در مختار اور اس کا حاشیہ رد المحتار اٹھا کر دیکھ لیجیے، لکھتے ہیں:

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب[1].

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے:

كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر[2].

اسی سے ظاہر ہو گیا کہ ٹیلیفون کی خبر کیوں معتبر نہیں اگرچہ بولنے والے کی آواز پہچانتے ہوں، اگرچہ اس کا فوٹو دیکھتے ہوں کہ جب دو آدمیوں کی یہ خبر معتبر نہیں کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے دیکھا ہے جو سامنے موجود ہو کر خبر دیں تو ٹیلی فون کی خبر کیا معتبر ہوگی جن لوگوں نے چاند نہیں دیکھا؟ اگر دو نہیں دس آدمیوں نے آکر گواہی دی کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو بھی معتبر نہیں۔ در مختار ہی میں ہے:

لا لو شهدوا برؤية غيرهم؛ لأنه حكاية[3].

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۳٦٤، كتاب الصوم، مكتبه: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳٦٤، ج:۳،كتاب الصوم، مطلب فى اختلاف المطالع، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ۳۵۹، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اگر کچھ لوگ دوسروں کے چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو معتبر نہیں اس لیے کہ یہ حکایت ہے۔

اور یہی نہیں کہ یہ بات انھیں دو کتابوں میں لکھی ہے بلکہ صحابہ کرام کے عمل سے بھی ثابت ہے۔

اسی طرح آپ کا یہ اجتہاد کہ شہر میں قاضی کا اعلان معتبر ہوتا ہے تو پھر پوری دنیا میں کیوں معتبر نہیں؟ اور اس کا آپ کو مسخرانہ انداز میں بیان کرنا۔ اس کی دلیل ہے کہ آپ اپنے آپ کو بہت بڑا مجتہد سمجھتے ہیں اور ہم خادمان دین کو نرا گھامڑ۔ قاضی کا اعلان اس کے شہر میں معتبر ہے اس میں لِم یہ ہے کہ اگر کوئی شر پسند قاضی کی طرف منسوب کر کے غلط اعلان کرے گا تو قاضی کو فوراً اطلاع ہو جائے گی، قاضی فوراً اس کی تردید کرا سکتا ہے، اصلاح کرا سکتا ہے اور جھوٹے مولویوں کو سزا بھی دے سکتا ہے۔ بخلاف حدود قضا کے باہر جس کا جی چاہے قاضی پر جھوٹ باندھ کر غلط اعلان کر دے قاضی کو پتہ بھی نہ چلے۔ پتہ بھی چلے تو کچھ کر نہ سکے۔ اسی سال بہت سی جگہوں پر آپ جیسے لوگوں نے میرے متعلق مشہور کر دیا کہ انھوں نے ۲۹ کا چاند مان لیا ہے۔ مجھے تین دن بعد اطلاع ملی۔

اب سنیے! آپ لوگ یا جن لوگوں نے ٹیلیفون کی خبر پر امسال شوال کا چاند انتیس کا مان کر منگل ۱۹ جنوری کو عید کی۔ روزہ چھوڑا وہ اکٹھے چار چار گناہ کے مرتکب ہوئے۔ **اول:** غیر شرعی طریقہ کو معتبر مان کر اس پر عمل کیا۔ **دوم:** منگل ۱۹ر جنوری کا روزہ فرض تھا اسے چھوڑا یا توڑا۔ اس دن نماز عید پڑھی۔ حالاں کہ نماز عید کا وقت نہیں ہوا تھا۔ یہ نماز نماز عید نہ ہوئی نفل ہوئی، اور تداعی کے ساتھ ہوئی۔ پھر **۲۰**ر جنوری بدھ کو نماز عید پڑھنی واجب تھی اسے چھوڑا۔ ایسے تمام لوگ توبہ کریں اور ایک روزہ کی قضا رکھیں۔ واللہ تعالی اعلم

۲۲ر شوال ۱۹ ۱۴ھ

[۶۴] دوسری جگہ سے چاند کا شرعی ثبوت لانے میں حرج نہیں

مسئلہ- عید کے چاند کے ثبوت کے لیے دوسرے شہر جا کر اطلاع لا کر عید کر سکتے ہیں یا نہیں؟

شیخ منشی امیر محمد قادری، مقام گوکندہ، اودے پور، راجستھان

الجواب

اس میں کوئی حرج نہیں کہ دوسری جگہ جا کر چاند کا شرعی ثبوت لائیں۔ واللہ تعالی اعلم

۱۴ شوال ۰۴ ۱۴ھ

[۶۵] چار پانچ آدمی جماعت کثیرہ نہیں

مسئلہ- آسمان صاف تھا لیکن آسمان میں لالی تھی، بستی کے بہت سارے لوگوں کو چاند نظر نہیں آیا۔ لیکن چار پانچ لوگوں نے کہا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے۔ کیا اتنی تعداد کے لوگوں کی گواہی لی جا سکتی ہے؟

اعجاز احمد خاں، کلاتھ مرچنٹ، رانی بنور، دھارواڑ، کرناٹک

الجواب

اگر بدلی یا غبار یا دھواں یا کہرا نہ ہو تو چار پانچ آدمیوں کی گواہی یا خبر سے ثبوت نہ ہوگا اگرچہ مطلع میں سرخی ہو اس لیے کہ سرخی چاند دیکھنے میں حائل نہیں ہوتی۔ اس صورت میں اتنی بڑی جماعت کی خبر ضروری ہے جن کی خبر پر قاضی کو سچ ہونے کا ظن غالب ہو جائے اس کے لیے تعداد معین نہیں۔ یہ قاضی پر محمول ہے۔ اتنا طے ہے کہ اس خصوص میں چار پانچ آدمی جماعت کثیرہ نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

۲۸ر شوال ۱۴۱۳ھ

[۶۶] رویت ہلال کمیٹی کا اعلان اس کے شہر کے لیے کافی ہے

مسئلہ- اگر سنی جمعیۃ العلما کی طرف سے ہر ضلع میں ایک ایک تنظیم تشکیل میں لائی جائے اور اس کے اراکین میں سے چند افراد رویت ہلال کی شہادت دیتے ہوں، یہ تو ممکن نہیں کہ وہ چند افراد پورے ضلع میں شہادت دیں، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ پورے ضلع کے لوگ تنظیم پہنچ کر شہادت لیں تو ایسی حالت میں شہادت کی کیا صورت ہوگی؟ اس سلسلے میں تنظیم کے اعلان کی کیا حیثیت ہے، صورت مذکورہ میں ایسی خبر پر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

محبوب عالم، مدرسہ اسلامیہ، مقام اعظم نگر، کٹیہار، بہار

الجواب

اگر اس کا انتظام ہو جائے کہ ہر شہر اور قصبے میں رویت ہلال کمیٹی قائم ہو جائے جس میں شہر کے تمام سنی علما شریک ہوں اور اگر متعدّد علما نہ ہوں تو صرف ایک ہی کوئی عالم ہو۔ اور اگر بالفرض وہاں کوئی عالم نہ ہو تو دین دار لوگوں کی ایک کمیٹی بن جائے اور یہ لوگ بطریق شرعی رویت ہلال کا ثبوت لے کر اعلان کریں تو اس کمیٹی کا

اعلان اس شہر اور قصبے کے ملحقہ دیہاتوں کے لیے بھی کافی ہوگا۔ اور ان لوگوں کی تحریر جو کتاب القاضی الی القاضی کی تمام شرائط پر مشتمل ہو یا ان کے قضا کی شہادت شرعیہ دوسرے شہر اور قصبے کے لوگوں کے لیے کافی ہوگی۔ تفصیل کے لیے فتاوی رضویہ، جلد چہارم، کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالی اعلم

[٦٧] علمائے اہل سنت کا فیصلہ ماننا لازم ہے

مسئلہ- ایک ہلال کمیٹی ہے جس میں تین علما اہل سنت و جماعت کے ہیں دو علما دیو بندی ہیں اور اس کمیٹی کا صدر فاسق و فاجر ہے تو آیا ایسی ہلال کمیٹی کا چاند کے بارے میں فیصلہ مانا جائے گا۔ بینوا توجروا

سید حسین الدین، کونی پورہ، ناسک

الجواب

جب اس کمیٹی میں تین علما اہل سنت سے ہیں تو ان کا فیصلہ ماننا تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۱۰ر ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

[٦٨] رویت کے اعتبار سے شب قدر منانی چاہیے

مسئلہ- اسلام کا مہینہ و سال چاند کی منزلوں پر منحصر ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو، تیوہار مناؤ، جس کی مصلحت شاید یہ ہوگی کہ آپس میں شور و غل نہ ہو کر اتفاق بنا رہے، یہ اپنی جگہ حق ہے، خدا کا نظام ہے، چاند و سورج آسمان و زمین سب اپنی اپنی منزلوں سے گزرتے ہیں۔ اس طرح دنیا کے کسی خطے میں رات ہے تو کہیں دن، کہیں صبح ہے تو کہیں شام اور اسی حساب سے لوگ فجر سے عشا تک کی نمازیں پڑھتے ہیں کوئی اختلاف کی گنجائش نہیں، کوئی شک و شبہہ نہیں، شک پیدا ہوتا ہے یہاں پر کہ خداوند کریم سال بھر کی قسمتوں کا فیصلہ ایک مخصوص رات میں کرتا ہے جب رحمتوں کی بارش ہوتی ہے جس نے بھی اس رات کی قدر کی دامن پھیلا کر مانگ لیا خدا رحیم و کریم نے اسے دے دیا، جو سویا رہا وہ غافل رہے گا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس رات کی قدر کس حساب سے کس رات کی جائے؟ مسئلہ جو ہے وہ عبادتوں کے لیے ہے کہ اپنے شہر اپنے گاؤں میں چاند دیکھ کر دن و رات کا شمار کرو اور نمازیں پڑھو لیکن یہ تو فیصلہ کی رات ہے جو پورے عالم کے ایک مقررہ

وقت ورات میں ہوتا ہے، اگر مسئلہ کے حساب سے چلتے ہیں تو یہ کئی راتوں میں بٹ جاتی ہے۔ دفتر بند ہو جانے کے بعد یا فیصلہ ہو جانے کے بعد فریاد کرنے اور زار و قطار رونے سے کیا حاصل؟ وہ وقت تو گزر گیا جب آنسو کی ایک بوند ہی بہت تھی۔ ہند میں یہ رات مسئلہ کے حساب سے دو رات بعد آتی ہے۔ کیا ہم اسی وقت میں اس مخصوص رحمتوں والی رات میں جب آنسو کی ایک بوند ہی بہت ہے اپنے رب سے فریاد کرتے ہیں یا دفتر بند و فیصلہ ہو جانے کے بعد ہم آہ و فغاں کرتے ہیں۔ آفتاب رسالت و ماہتاب نبوت حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل میرے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! باہر تشریف لاکر آسمان کو ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے آسمان کو دیکھا کہ اس کے دروازے کھلے ہیں اور منادی ندا کر رہا ہے یہ شعبان کی پندرہویں شب تھی وہ عرب کا مقام تھا، عرب کے چاند کے حساب سے شمار تھا تو کیا اس مخصوص رات کو ہمیں اس حساب سے نہیں منانا چاہیے جب قسمتوں کے فیصلے ہو رہے ہوں، رحمتیں لٹائی جا رہی ہوں۔

محمد اشرف خاں، خان کالیج، شیرہ گاؤں، پتھوراگڑھ، یوپی

الجواب

جب اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ نے مہینے کی ابتدا و انتہا چاند دیکھنے پر رکھی ہے تو ہر شخص کے یہاں جیسی رویت ہو اسی کے حساب سے اسی کے مطابق اسے شب قدر منانی چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کہ اللہ عز و جل اپنے فضل و کرم سے شب قدر کی برکات عطا فرمائے گا۔ بقیہ وساوس کا کوئی علاج نہیں۔ آپ نے جو طولانی تقریر کی ہے وہ ہر عبادت میں جاری ہو سکتی ہے مثلاً جمعہ کے لیے جو فضیلتیں وارد ہیں ان پر غور کیجیے سورج کی رفتار سے حساب لگائیے تو ۲۴ر گھنٹے میں ہر آن کہیں نہ کہیں جمعہ کا وقت رہتا ہے اور یہی حال ہر نماز کا ہوتا ہے اس کی تاویل آپ کیا کریں گے لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ جمعہ کے جو فضائل وارد ہیں وہ ہر اس شخص کو ملیں گے جو اپنے یہاں کے لحاظ سے جمعہ میں شریک ہو۔ یہی شب قدر میں کہا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر ذوقعدہ ۱۴۱۴ھ

[۶۹] ۲۸ر رمضان کو چاند نظر آنے کا حکم

مسئلہ- سنا گیا ہے کہ اس سال سعودیہ عربیہ میں وہاں کے حساب سے ۲۹ر شعبان کو چاند نظر نہ آسکنے

اور کسی جگہ سے شرعی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے شعبان کے تیس دن پورے کر کے یکم جون ۱۹۸۴ء جمعہ کو وہاں پہلا روزہ ہوا۔ اس کے بعد فقط ۲۸؍ رمضان کو عید کا چاند نظر آجانے کی وجہ سے (۲۹؍ شعبان کو چاند نظر آنے کا شرعی ثبوت ملک بھر میں کسی جگہ سے نہ ہوسکنے کے باوجود) ایک روزہ کی قضا کا اعلان کیا گیا۔ اور ۲۹؍ شعبان کو رمضان کا چاند تسلیم کر کے ۳۱؍ مئی ۱۹۸۴ء جمعرات کا پہلا روزہ مان لیا گیا۔ سعودیہ عربیہ کے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر چاند کے سلسلے میں چند سوالات در پیش ہیں، جواب باصواب سے نوازیں۔

کسی صوبہ یا ملک میں ۲۹؍ شعبان کو چاند نظر آنے کا شرعی ثبوت پورے ماہ رمضان میں موصول نہ ہوسکے اور ۲۸؍ رمضان کو عید کا چاند عام طور پر چند مقامات یا کسی ایک یا دو مقام پر نظر آجائے تو کیا یہ سمجھ کر کہ رمضان کی پہلی تاریخ متعین کرنے میں ہم سے غلطی واقع ہوئی ہے اور صرف ۲۸؍ رمضان کو عید کا چاند نظر آجانے کو دلیل اور بنیاد بنا کر ۲۹؍ شعبان کو رمضان کا چاند تسلیم کر کے ایک روزہ کی قضا کا فیصلہ اور حکم شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

معین الدین قادری، رام پور، مین روڈ، وڈاھیرا، بڑودہ، گجرات

الجواب

سعودیہ عربیہ میں نجدیوں کی حکومت ہے وہاں اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کا حکم نہیں چلتا نجدی مولویوں کا چلتا ہے۔ اس وقت پورے سعودیہ عربیہ کے علاقے میں ایک اندھے مولوی ابن باز کا حکم چلتا ہے۔ ان کا مذہب الگ، ہمارا مذہب الگ، ہمیں ہرگز ہرگز یہ نہ دیکھنا ہے نہ سننا ہے کہ نجدی کیا کر رہے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ دنیا میں صرف وہی مسلمان ہیں۔ ان کے علاوہ ساری دنیا کے مسلمان کافر مشرک ہیں، علامہ شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں:

اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علماءهم (۱).

نجدیوں کا اعتقاد ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے مخالف اعتقاد رکھے وہ مشرک ہے، اسی وجہ سے اہل سنت اور ان کے علما کے قتل کو یہ حلال جانتے ہیں۔

---

(۱) رد المحتار علی هامش الدر المختار، ج:٦، ص:٤١٣، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فی اتباع عبد الوهاب الخوارج في زماننا، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اس لیے نجدی کیا کر رہے ہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔آپ نے جو سوال کیا ہے اس کا شرعی حکم ہم تحریر کرتے ہیں۔ایسی صورت میں جب ۲۹؍ شعبان کو رمضان کا چاند نہ دکھائی دے اور شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزے رکھے ہوں ۲۸؍ ہی روزے رکھے تھے کہ چاند نظر آگیا تو اب دو صورت ہے۔اگر ۲۹؍ یا ۳۰؍ رجب کو شعبان کا چاند دیکھا تھا، اس کے حساب سے شعبان کی ۳۰؍ دن کی گنتی پوری کی تھی تو اب ایک روزہ قضا کرے اور اگر شعبان کا بھی چاند دکھائی نہ دیا تھا بلکہ رجب کی ۳۰؍ تاریخیں پوری کر کے بغیر چاند دیکھے ہوئے شعبان کا مہینہ شروع کیا تھا تو دو روزے کی قضا رکھنی ہے۔الفتاوی الھندیۃ میں ہے:

إذا صام أهل مصر شهر رمضان على غير رؤية ثمانية وعشرون يوما، ثم رأوا هلال شوال إن عدوا شعبان برؤيته ثلاثين يوما، ثم صاموا رمضان قضوا يومين كذا في الخلاصة[1]. واللہ تعالیٰ اعلم

[۷۰] اس زمانے میں بھی غیر عادل یا مستور کی گواہی نامقبول ہے

مسئلہ- شرائط شہادت کے متحمل لوگ جہاں نایاب اور کمیاب ہوں مثلاً داڑھی منڈے یا کتروا کر ایک مشت سے کم رکھنے والے، یا داڑھی تو حد شرع ہے مگر پنج وقتہ نماز کے پابند نہیں یا نماز کے پابند تو ہیں مگر جماعت کے پابند نہیں، خلاصہ یہ کہ لوگ عادل یا مستور الحال نہیں تو ایسی صورت میں ثبوت ہلال کے لیے کسی بھی مسلم کی گواہی جو عدل وستر سے عاری ہو کافی اور قابل قبول ہوگی یا نہیں؟

محمد اسرار الحق اشرفی، خادم فیض الاسلام، ڈین ہاگ، ہالینڈ

الجواب

اس زمانے میں بھی غیر عادل یا مستور کی گواہی نامقبول۔لا تبديل لكلمات الله -
قال الله تعالى: وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ[2]۔واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) الفتاوى الهندية، ج:۱، ص:۲۱۹، باب روية الهلال، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) القرآن الكريم، سورة الطلاق، آيت: ۲.

[۷۱] فاسق کی شہادت

مسئلہ- زید اور اس کے ساتھ چند جاہل فاسق چاند کی شہادت لے کے آئے اور اپنے یہاں آکر چاند ہونے کا اعلان کر دیا۔ کیا اس صورت میں زید اور جاہل فاسقوں کی لائی ہوئی شہادت قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں۔

مولانا محمد منور مصباحی، چلبلواں پوسٹ بھٹہٹ، گورکھ پور، یوپی

الجواب

سوال میں پوری بات لکھنی چاہیے۔ زید اور چند فاسق چاند کی شہادت لے کر کس کے پاس آئے، اگر وہ بستی کے سب سے بڑے مفتی کے پاس آئے اور مفتی نے ان کی گواہی قبول کر کے چاند کا حکم دے دیا تو دو صورت ہے۔ اگر یہ چند فاسق جمع عظیم تھے جن کی تعداد کے پیش نظر مفتی کو یہ ظن غالب حاصل ہو گیا کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں تو قاضی پر کوئی الزام نہیں نہ ان لوگوں پر۔ خواہ مطلع صاف رہا ہو یا ناصاف۔ اور اگر یہ اتنی بڑی جماعت نہیں تھے تو قاضی گنہ گار ہوا۔ یہ لوگ گنہ گار نہیں ہوئے اور جن لوگوں نے قاضی کے اعلان پر عمل کیا وہ بھی گنہ گار نہیں ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ر شوال ۱۴۲۰ھ

الباب الثاني في تفسير الصوم

ماہ رمضان اور روزے کے مسائل

[۱] رمضان میں شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں

مسئلہ- میں نے سنا ہے کہ رمضان المبارک میں شیطان کو باندھ دیا جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو کہاں بند کیا جاتا ہے اور رمضان میں کیوں آسیب آتا ہے جس کی وجہ سے لوگ بیمار اور پریشان رہتے ہیں اور ڈراونے خواب دیکھتے ہیں۔

محمد یٰسین اشرفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

الجواب

یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، ارشاد ہے:

صفدت الشياطين [۱]. شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

جکڑ کر کہاں رکھے جاتے ہیں یہ مذکور نہیں۔ اولاً تو آسیب زدہ ظاہر کرنے والے ہزار میں نوسو ننانوے فرضی اور مکار ہوتے ہیں خصوصاً عورتیں۔ اگر بالفرض واقعی آسیب زدہ ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ آسیب شیطان ہی ہو، ٹونا اور سحر کا بھی اثر ہو سکتا ہے۔ آسیب زدہ جو کچھ کہتا ہے وہ یقینی نہیں اور خواب میں یہ ضروری نہیں کہ شیطان ہی دکھائی دیتے ہوں کبھی بعض بیماریوں کی وجہ سے، کبھی ہضم میں فتور پیدا ہو جانے کی وجہ سے، سونے میں دماغ پر بخارات چڑھ جانے کی وجہ سے بھی خواب نظر آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) الجامع للترمذي، ج:۱، ص:۸۶، أبواب الصوم، باب ما جاء في فضل شهر رمضان، مجلس البركات

[۲] شب قدر رمضان کی کس تاریخ میں ہے

مسئلہ-کیا یہ سچ ہے کہ یکم شوال یا عید الفطر کا چاند اگر ۲۹ر رمضان کو نظر آجائے تو رمضان کی ۲۱ر ۲۳ر ۲۵ر ۲۷ر اور انتیسویں شب کے بجائے ۲۰ر ۲۲ر ۲۴ر و ۲۸ر ویں شب میں شب قدر ہوگی؟

نعیم احمد برکاتی، ایجنسی یک کالیٹ، ہبلی، کرناٹک

الجواب

بعض احادیث سے ایسا ظاہر ہوتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ شب قدر نویں، ساتویں، پانچویں ان راتوں میں ہے جو باقی رہ جائیں۔ واللہ تعالی اعلم

۲۳ر رجب ۱۴۱۰ھ

[۳] رمضان کے دنوں میں اعلانیہ کھانے والے کو سلطان اسلام قتل کردے

مسئلہ-ایک شخص تندرست ہے اور رمضان المبارک کا روزہ نہیں رکھتا، بہانہ بازی کرتا ہے بلا خوف وخطر کھاتا پیتا ہے، اس کے بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟

سید عبد المشہود حبیبی قادری، مدرسہ نعمانیہ چندن بازار، بھدرک، بلاسور، اڑیسہ

۱۶ر شوال ۱۴۰۴ھ

الجواب

یہ شخص فاجر و فاسق ہے۔ اگر اعلانیہ کھاتا پیتا ہے تو سلطان اسلام اسے قتل کردے، در مختار میں ہے:

ولو أكل عمدا شهرة بلا عذر يقتل (۱)۔ واللہ تعالی اعلم

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۹۲، ج:۳، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

[۴] بغیر کسی عذر کے روزہ نہ رکھنے والے کو کھلانے والا فاسق ہے

مسئلہ- جو شخص رمضان شریف میں ان لوگوں کو دن میں کھانا کھلاتا ہے جن پر روزہ فرض ہے اور روزہ نہیں رکھتے ہیں۔ کیا ایسا شخص مسجد کا متولی یا امام بن سکتا ہے؟

مشتاق احمد خیر آبادی، اعظم گڑھ

الجواب

جن پر روزہ فرض ہے انھیں رمضان میں جو شخص دن میں کھانا کھلائے وہ ان تارکین صوم کے مثل فاسق ہے۔ قرآن کریم میں ہے: إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ [۱].

اور متولی سے اگر فسق صادر ہو تو اسے مسجد کی تولیت سے علاحدہ کرنا واجب۔ در مختار میں ہے:

وينزع عنه وجوبا لو الواقف، فغيره بالأولى غير مأمون أو عاجزا أو ظهر به فسق. [۲]

اسی طرح اس کے پیچھے نماز بھی ہرگز ہرگز نہ پڑھی جائے اور اگر اعلانیہ کھلایا ہے تو فاسق معلن ہو گیا۔ پھر تو اسے امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ۔ غنیہ میں ہے:

ولو قدموا فاسقا یاثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم [۳].

در مختار میں ہے: كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها [۴]. واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) القرآن الكريم، سورة النسا، آيت: ۱۴۰.

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:٦، ص:٥٧٨، كتاب الوقف، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۳) غنية، ص:٥١٣، فصل الإمامة، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۴) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:٢، ص:١٤٧، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دار الكتب العلميه، بيروت.

الباب الثالث فیما یکرہ للصائم وما لا یکرہ

روزے کے مکروہات کا بیان

[۱] روزے کی حالت میں گناہ کے ارتکاب سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے

مسئلہ- زید رمضان شریف کے روزے رکھتا ہے مگر ہر وقت ناپاک رہتا ہے اور نماز بھی نہیں پڑھتا ہے۔ بکر کا کہنا ہے کہ اس طرح روزہ رکھنا فاقہ کرنے کے مانند ہے، لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں۔

حاجی بدر الدین، بیلو بازار، پوسٹ سمر خورد، گورکھپور، یوپی

الجواب

روزہ صحیح ہوجائے گا اس معنی کر کے کہ فرض ادا ہوجائے گا۔ لیکن روزے میں اتنی دیر تک جنابت کی حالت میں رہنا کہ وقت نکل جائے مکروہ ہے۔ [1] یوں ہی نماز چھوڑنے سے بھی روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ جنبی پر فرض ہے کہ جنابت کے بعد سب سے پہلی نماز کا وقت ختم ہونے سے اتنے پہلے غسل کرلے کہ نماز ادا کرلے اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔ یوں ہی نماز چھوڑنا بھی گناہ اور روزے کی حالت میں گناہ کے ارتکاب سے روزہ مکروہ اور بے نور ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹؍ شوال ۱۴۱۸ھ

---

(۱) در مختار میں ہے: أصبح جنبا وإن بقی کل الیوم ... وإن کرہ لم یفطر. ج: ۳، ص: ۳۷۲، ۳۷۳، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم، وما لا یفسدہ، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

[۳،۲] جنابت کے ساتھ رہنا روزے کو بے نور کر دیتا ہے

مسئلہ — زید مدرسہ کا ایک اہم رکن ہے۔ اس نے رمضان شریف کے موقع سے مدرسہ کی جانب سے ایک اشتہار شائع کیا، اس اشتہار میں اس مسئلہ کو تحریر کیا جس سے عوام الناس میں کافی کھلبلی اور کشیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ اور ہزاروں نے مذکورہ مسئلہ پر عمل کیا۔ نقل اشتہار

❶ ”اپنی بیوی سے رات میں صحبت کیا اور سارا دن غسل نہیں کیا تو روزہ نہیں جائے گا۔ البتہ ترک نماز کا گنہ گار ہوگا“۔ اس مسئلہ کا اظہار کیسا ہے؟

❷ ”مسافر سفر کے سبب، مریض مرض کے سبب روزہ نہ رکھ سکا اور اسی حالت میں ختم ہو گیا تو دونوں پر نہ روزہ کا کفارہ ہے اور نہ قضا“۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے جو مسئلہ نمبر ۲ تحریر کیا ہے یہ قرآن عظیم کے موافق ہے یا خلاف؟ چوں کہ قرآن عظیم میں ہے: ”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ“[۱]۔ بینوا توجروا

محمد ابراہیم، مزدور ٹیلرس، ملنگوا نیپال، پوسٹ سون برسا، سیتامڑھی، بہار

الجواب

❶ اس مسئلہ کو اشتہار میں لکھ کر چھاپنا بہت ہی غیر مناسب بات ہے۔ روزے کی حالت میں جنابت کے ساتھ رہنا روزے کو بے نور کر دیتا ہے، اس سے روزے میں سخت کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ دوسرا مسئلہ اپنی جگہ پر درست ہے اور سائل کا قرآن مجید سے مسئلہ کے غلط ہونے پر استدلال کرنا بہت بڑی اور غلط جرأت ہے۔ اگر وہ کسی مترجم قرآن میں اس کا ترجمہ دیکھ لیتا تو ایسی بے جا بات نہ کرتا۔

اس آیت کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ جو مریض بوجہ مرض اور جو مسافر بوجہ سفر رمضان کے دنوں میں روزہ نہ رکھ سکا وہ دوسرے دنوں میں روزے کی قضا کرے۔ دوسرے دنوں میں قضا اسی

---

(۱) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۴.

وقت رکھ سکے گا جب اس کو دوسرے دن ملے ہوں اور جب وہ دوسرے دن پانے سے پہلے ہی مرگیا تو قضا کیسے رکھے ؟[1] واللہ تعالی اعلم

[۴] طلوع آفتاب تک غسل جنابت نہ کرنا مکروہ ہے

مسئلہ — زید نے رمضان المبارک میں سحری کھاکر بیوی سے ہم بستری کی اور طلوع آفتاب کے بعد غسل کیا اس کا روزہ ہوا یا نہیں ؟

محمد اسرائیل رضوی، صدر انجمن مدرسہ خیریہ فیض عام، گھوسی، مئو

الجواب

اس صورت میں روزہ ہوگیا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: أو أصبح جنبا و إن بقي كل اليوم (إلى أن قال) لم يفطر[2].

البتہ اس شخص پر دو گناہ ہوا ایک یہ کہ اس نے نماز فجر قضا کی، دوسرے یہ کہ اس پر فرض تھا کہ اتنے پہلے غسل کرلیتا کہ نماز فجر ادا کرسکے، اس نے ایسا نہیں کیا تو یہ بھی گناہ ہوا اور روزہ کی حالت میں گناہ سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۵ر صفر ۱۴۰۹ھ

[۵] روزہ صحیح ہونے کے لیے جنابت سے پاکی ضروری نہیں

مسئلہ — روزہ کے دن ایک دن ایسا ہوا کہ سحری کے وقت اٹھا تو احتلام ہوا تھا اور سحری کرکے پھر سوگیا اور پھر اٹھا تو غسل کیا، غسل کرنے کے بعد ایک بج گیا تھا تو روزہ ہوا یا نہیں ؟

محمد یسین اشرفی، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

---

(۱) فتاوی ہندیہ میں ہے: "لو فات صوم رمضان بعذر المرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لا قضاء عليه". [ج:۱، ص: ۲۲۸، كتاب الصوم، الباب الخامس فى الإعذار التى تبيح الإفطار، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.]

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۷۲- ۳۷۳، ج:۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

الجواب

روزہ صحیح ہوگیا۔ [1] روزہ صحیح ہونے کے لیے جنابت سے پاکی ضروری نہیں۔ حدیث میں حضور اقدس ﷺ سے مروی ہے کہ جنابت کی حالت میں صبح صادق کا وقت ہوجاتا حالاں کہ حضور روزہ دار ہوتے۔ البتہ اتنی دیر تک ناپاک رہنا کہ ایک نماز کا وقت گزر جائے گناہ ہے۔ نماز چھوڑنے کے علاوہ یہ الگ گناہ ہے۔ نیز علما نے فرمایا ہے کہ جنابت کی حالت میں کھانے سے رزق میں تنگی ہوتی ہے؛ اس لیے اگر وقت میں گنجائش ہو تو غسل کر کے کھائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ر ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

[٦] ٹکٹ چپکانے کے لیے اسے زبان پر رکھنا مکروہ ہے

مسئلہ-رمضان المبارک کے مہینہ میں پوسٹ آفس میں زیادہ کام رہنے کی وجہ سے ٹکٹ پر پانی لگا کر چپکانے میں دیری ہوتی ہے اس وجہ سے منھ کے تھوک سے لگا سکتا ہے کہ نہیں؟

شکیل احمد، بھیونڈی، ممبئی

الجواب

زبان پر نہ رکھیں، زبان پر رکھنے سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ [2] واللہ تعالیٰ اعلم

۸ر شوال ۱۴۰۹ھ

[۷] گل لگانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں

مسئلہ-گل لگانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) تنویر الابصار ودر مختار میں ہے: أو أصبح جنبا وإن بقي كل اليوم ... (إلى أن قال) وإن كره لم يفطر". ج:۳،ص: ۳۷۲، ۳۷۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) تنویر الابصار ودر مختار میں ہے: "وكره ذوق شيئ". [ج:۳،ص: ۳۹۵، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.]

محمد نعیم الدین فیضی، مدرسہ رضائے مصطفیٰ، جیرو ڈیہ، موڑ بھنگا، دمکا، بہار

الجواب

روزے کی حالت میں گل لگانا سخت منع ہے، میرا تجربہ ہے کہ کتنی احتیاط سے گل لگایا جائے وہ بڑی تیزی سے حلق کے نیچے اتر جاتا ہے۔ اگر خدانہ خواستہ گل لگایا اور حلق کے نیچے چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر بالفرض حلق کے نیچے نہ بھی گیا تو مکروہ ضرور ہے۔

در مختار میں ہے: کرہ ذوق شيئٍ[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶/ ذو قعدہ ۱۴۱۹ھ

[۸] روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ لگانا مکروہ ہے

مسئلہ— رمضان شریف کے مہینہ میں سو فیصد میں پچھتر فیصد مولوی عالم کو دیکھتا ہوں کہ رمضان میں دانت منجن گل نشہ والا کرتے ہیں۔ اور پوچھنے پر یہ کہتے ہیں کہ اسے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ہم لوگ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو نشہ والی ہو اس سے روزہ جاتا رہا اور مکروہ ہوئی۔ حضور نائب مفتی اعظم ہند اس کے متعلق آپ مفصل جواب کتابوں کے حوالے سے عطا فرمائیں۔

ہارون رشید، دار العلوم محمدیہ، سمبھی بزرگ، پوسٹ شنکریٹ کھولی، دیوریا، یوپی

الجواب

روزے کی حالت میں گل منجن کرنا مکروہ ہے۔ یوں ہی ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا جب کہ یہ یقین کامل ہو کہ اس کے اجزا لعاب کے ساتھ مل کر حلق میں نہ جائیں گے۔ اور اگر ان کے اجزا لعاب کے ساتھ اندر چلے گئے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ گل اور ٹوتھ پیسٹ تو بہت خطرناک ہیں ان کے اجزا بہت باریک ہوتے ہیں اور بڑی تیزی سے لعاب میں مل جاتے ہیں۔ اس لیے ان سے احتیاط ضروری ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، ص: ۳۹۵، ج:۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

[در مختار میں ہے: وكره ذوق شيئ][1] واللہ تعالی اعلم

۲۵ر ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

[۹] روزے کی حالت میں گل لگانا مکروہ ہے

مسئلہ- چاند تارا مارکہ گل جس سے دانت صاف کرتے ہیں اور اس میں زردہ تمباکو کی طرح شدت ہوتی ہے اور جس طرح پان، بیڑی، سگریٹ تمباکو کھانے والے عادی ہو جاتے ہیں جب تک پان، سگریٹ یا تمباکو استعمال نہ کریں بے چین رہتے ہیں، اسی طرح گل لگانے والے بھی، اور رات دن میں کئی بار منھ دھو کر تسکین پاتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ رمضان المبارک کے دنوں میں مذکورہ گل استعمال کرنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ جب کہ گل لگانے سے گل کی شدت حلق تک پہنچتی ہے اور زردہ تمباکو کی طرح نشہ بھی محسوس ہوتا ہے۔

طفیل احمد، انڈیا ٹلرنگ، گورول، ویشالی، بہار

الجواب

روزے کی حالت میں گل لگانا مکروہ ہے۔ اس کی حیثیت صرف منجن کی ہے، حلق میں یا حلق کے نیچے تک اثر محسوس ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر گل کے ذرات حلق کے نیچے اتر جائیں تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ پان میں کھائی جانے والی تمباکو سے روزہ اس لیے ٹوٹ جاتا ہے کہ پان کی پیک غیر اختیاری طور پر حلق کے نیچے اتر جاتی ہے۔ اس پر تجربہ شاہد ہے۔ روزہ ٹوٹنے کا سبب وہ سرور نہیں ہے جسے آپ نے نشہ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱) المصدر السابق.

فصل في مسائل السحور والإفطار

سحری اور افطار کا بیان

[۱۰] اگلی شریعتوں میں روزے کے دن میں عشا بعد مباشرت ممنوع تھی

مسئلہ — ماہ رمضان کی رات میں مباشرت کا حکم نہیں تھا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شب میں ہم بستری کی، سرکار کی بارگاہ میں آکر عرض کرتے ہیں، یہ گناہ کر گیا۔ تدارک کی صورت بعد کو نازل ہوئی۔ اب رات کو بھی ہمبستری کی اجازت دی۔ کیا حضرت فاروق اعظم نے حکم عدولی کی تھی؟

سید جاوید اشرف، بڑی مسجد سلی گوڑی، بنگال

۶/ ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

الجواب

اگلی شریعتوں میں حکم یہ تھا کہ عشا بعد سے مباشرت روزے کے دن میں ممنوع تھی۔ نیز کھانا پینا بھی، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ اور صحابہ کرام سے رمضان کے مہینے میں عشا بعد مباشرت کا وقوع ہو گیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ. (۱)

یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں ابتدائی دور میں واقع ہوا تھا۔ بات وہی ہے کہ یہ عقیدہ نہیں کہ اسلام لاتے ہی تمام صحابہ کرام ہر ممنوعات سے علاحدہ رہے، عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے سہتے ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ انھیں گناہ سے نفرت ہو گئی تھی، ابتدا ہی میں اتنا حال ضرور تھا کہ اگر ان میں سے کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو وہ فوراً توبہ کرتے، گناہ پر اصرار نہیں کرتے تھے۔ اور نہ آج کے مسلمانوں کی طرح

(۱) القرآن الكريم، سورة البقرة، آيت: ۱۸۷.

اس پر اڑے رہتے اور پکڑے جانے کے بعد جھوٹ اور فریب سے کام لے کر اس کو چھپانے کی کوشش کرتے جیساکہ حضرت ماعز اسلمی کے واقعہ سے ظاہر ہے[1]، نیز روزے کی راتوں میں جو لغزش ہوگئی تھی اس سے بھی۔

---

(۱) متعدد کتب حدیث میں حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ کا واقعہ موجود ہے، صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن سليمان بن بريدة، عن أبيه قال: جاء ماعز بن مالك إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فقال يا رسول الله طهرني. فقال: «ويحك ارجع فاستغفر الله وتب إليه». قال: فرجع غير بعيد ثم جاء فقال: يا رسول الله طهرني. فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: «ويحك ارجع فاستغفر الله وتب إليه». قال: فرجع غير بعيد ثم جاء فقال: يا رسول الله طهرني. فقال النبي -صلى الله عليه وسلم- مثل ذلك حتى إذا كانت الرابعة قال له رسول الله -صلى الله عليه وسلم- «فيم أطهرك». فقال من الزنى. فسأل رسول الله -صلى الله عليه وسلم- «أبه جنون». فأخبر أنه ليس بمجنون. فقال: «أشرب خمرا». فقام رجل فاستنكهه فلم يجد منه ريح خمر. قال: فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: «أزنيت». فقال: نعم. فأمر به فرجم فكان الناس فيه فرقتين قائل يقول لقد هلك لقد أحاطت به خطيئته وقائل يقول ما توبة أفضل من توبة ماعز أنه جاء إلى النبي -صلى الله عليه وسلم- فوضع يده في يده ثم قال اقتلني بالحجارة - قال - فلبثوا بذلك يومين أو ثلاثة ثم جاء رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وهم جلوس فسلم ثم جلس فقال: «استغفروا لماعز بن مالك». قال: فقالوا: غفر الله لماعز بن مالك. - قال - فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: «لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لوسعتهم».
[الصحيح لمسلم، كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، ص: ۷۲۰، رقم الحديث: ۴۴۳۱]

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے پاک کردیجیے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس! جاؤ اللہ سے استغفار کرو، اور توبہ کرو، انھوں نے پھر تھوڑی دیر بعد واپس آکر کہا: یا رسول اللہ! مجھے پاک کردیجیے، نبی ﷺ نے پھر اسی طرح فرمایا، حتی کہ چوتھی مرتبہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو کس چیز سے پاک کروں؟ انھوں نے کہا: زنا سے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق پوچھا کیا اس کا دماغ خراب ہے؟ انھوں نے کہا وہ پاگل نہیں ہیں، حضور نے پوچھا: کیا اس نے شراب پی ہے؟ ایک شخص نے کھڑے ہوکر ان کا منہ سونگھا تو شراب کی بدبو محسوس نہیں کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، پھر سرکار نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، پھر حضرت ماعز کے متعلق لوگوں کی دو رائیں ہوگئیں، بعض کہتے تھے کہ حضرت ماعز ہلاک ہوگئے اور اس گناہ نے انھیں گھیر لیا، اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ حضرت ماعز کی توبہ سے کسی کی توبہ افضل نہیں ہے، وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا، مجھے پتھروں سے مار ڈالیے، حضرت بریدہ کہتے ہیں: دو، تین دن صحابہ میں یہی اختلاف رہا، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے دراں حالے کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، حضور سلام کرنے کے بعد بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو، صحابہ نے کہا: اللہ تعالی ماعز بن مالک کی مغفرت کرے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے اگر اس کو ایک امت پر تقسیم کردیا جائے تو اسے کافی ہوگی۔ (مرتب غفرلہ)

پھر یہ کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ج[1]

اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول فرمائی اور تمھیں معاف فرمادیا۔

تواب اس کو ذکر کر کے اور اس سے صحابہ کرام پر طعن کرنا دیانت وانصاف نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۱] صبح صادق طلوع ہونے کے بعد کھانے پینے والوں کا روزہ صحیح نہیں

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس بارے میں کہ ملک ہالینڈ میں ۶/۷ سال کے عرصہ سے راقم الحروف مشاہدہ کر رہا ہے: ماہ رمضان المبارک میں لوگ صبح صادق کے بہت بعد تک سحری کھاتے رہتے ہیں، متدین مفتیان کرام کے مستخرج اوقات سحر کے مشتہر ہونے کے باوجود کچھ مولوی صاحبان نے مسلمانوں کو اس طریقہ پر چلایا اور کہا کہ تم لوگ جو کرتے ہو کرتے رہو، حالاں کہ ان مولوی صاحبان کے پاس اس حکم کے لیے کوئی دلیل شرعی نہیں بلکہ اگر کوئی وجہ اور سبب ظاہر ہے تو وہ یہ کہ اوقات الصلاۃ اور سحر وافطار جو مفتیان کرام نے ہالینڈ کے مسلمانوں کے لیے مہیا کیا وہ ان کے ذریعہ نہیں تھا، دریافت کرنا یہ ہے کہ جن مولویوں کے ذریعہ دین کا اتنا اہم فرض، روزہ مسلمانان ہالینڈ ضائع کر رہے ہیں ان مولویوں کا دینی اور شرعی حکم کیا ہے؟ اور مسلمان اپنے ان روزوں کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ خدارا! یہاں کے بھولے بھالے مسلمانوں کے اس اہم قضیہ کا اسلامی حل پیش فرکر احسان فرمائیں۔ اور عند اللہ ماجور ہوں۔

بدر القادری، دی ہیگ، ہالینڈ

الجواب

یہ قطعی ہے کہ جو لوگ صبح صادق طلوع ہونے کے بعد بھی کھاتے پیتے ہیں ان کا روزہ صحیح نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کی نص قطعی ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ م[2]

تم لوگ کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا کالے دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔

(۱) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۷.

(۲) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۷.

مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن مجید کی اس نص صریح کے خلاف کسی کی بھی بات نہ سنیں۔ اللہ عزوجل کے ارشاد کے خلاف جو مسلمان کسی کی بھی بات مانے گا وہ ضرور بالضرور گنہ گار ہوگا، جو لوگ بھی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد کھاتے پیتے ہیں ان کا روزہ نہیں ہوتا، وہ بلا شبہہ فرض کے تارک ہیں، ان سب پر وہی وبال ہے جو روزہ چھوڑنے والوں پر ہے، ہر شخص پر اپنا اپنا وبال۔ اور سب کے برابر اس مولوی پر جس نے لوگوں کو یہ غلط مسئلہ بتایا ہے۔ حدیث میں ہے:

وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا [1]. رَوَاهُ مُسلم

جو کسی گمراہی کی طرف کسی کو بلائے گا تو اس گمراہی پر عمل کرنے والوں کے برابر اس پر گناہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

مسلمانوں پر یہ بھی فرض ہے کہ ایسے مولوی سے قطع تعلق کرلیں اور آیندہ اس کی کوئی بات نہ سنیں۔

اولاً تو خود مسلمانوں پر فرض ہے کہ اتنا علم حاصل کرلیں کہ فرائض صحیح طریقہ سے ادا کر سکیں مگر چوں کہ ہالینڈ دار الحرب ہے تو وہاں کے مسلمان معذور ہو سکتے ہیں۔

ثانیاً جب ایک عالم نے ان کو حق بات بتادی تو اب خدا کے یہاں بھی وہ کسی طرح معذور نہیں ہو سکتے۔ مسلمان اگر واقعی مسلمان ہے تو اس پر اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی پابندی لازم ہے۔ اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف مسلمانوں کو مسئلہ بتانے والے عالم سے دور رہنا فرض ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۲] بعد افطار دعاے افطار پڑھنا افضل ہے

مسئلہ— افطار کی دعا افطار کے بعد پڑھے یا پہلے؟

محمد عبد الہادی نعیمی، اماری ہرٹلہ، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

(۱) مشكاة المصابيح، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، ص:۲۹، مجلس البركات.

اجازت دونوں کی ہے مگر افضل یہ ہے کہ افطار کے بعد پڑھے جیسا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ میں فرمایا ہے[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم
۷/ ذو قعدہ ۱۴۱۸ھ

[۱۳-۱۵] اعتکاف کی نیت کرنے کے بعد مسجد میں افطاری کر سکتے ہیں

مسئلہ- ❶ روزہ کے مہینہ میں مسجد کے اندر افطار کرنا کیسا ہے زید کا کہنا ہے کہ کھانا پینا عام دنوں میں منع ہے مگر افطار کرنا چوں کہ فرض عبادت سے متعلق ہے اس لیے جائز ہے کہ مسجد عبادت ہی کے لیے ہے۔

❷ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں لوگ مسجد میں افطار کرتے تھے؟

❸ مسجد میں افطار کرنے کے لیے افطاری کا سامان بھیجنا کیسا ہے؟

شہاب الدین، ترچھی غازی پور، یوپی

الجواب

❶ معتکف کے علاوہ کسی کو بھی مسجد میں کھانے پینے کی اجازت نہیں نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں[2]، نہ افطار کے لیے اور نہ پیٹ بھرنے کے لیے خواہ یہ معتکف واجب اعتکاف کی نیت سے ہو یا سنت موکدہ یا نفل۔ اعتکاف کی کوئی میعاد نہیں تھوڑی دیر پانچ منٹ کے لیے بھی مسجد میں عبادت کی نیت سے ٹھہرنے پر بھی اعتکاف نفل ہو جاتا ہے، اس لیے علما نے لکھا ہے کہ مسجد میں کسی بھی کام کے لیے جائے، نماز

---

(۱) فتاویٰ رضویہ میں ہے: فی الواقع اس کا محل بعد افطار ہے، ابوداؤد عن معاذ بن زهرة أنه بلغه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا أفطر قال اللهم لك صمت وعلى رزقك أفطرت فحمل "أفطر" على معنى "أراد الإفطار" صرف عن الحقيقة من دون حاجة إليه وذا لا يجوز وهكذا في أفطرت.
ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:
(كان إذا أفطر قال) أي دعا، وقال ابن الملك أي قرأ بعد الإفطار، إلخ. والله تعالى اعلم.
(ج:۴، ص:۶۵۱، کتاب الصوم، رضا اکیڈمی)

(۲) ردالمحتار میں ہے: "و يأكل [أي المعتكف] و يشرب و ينام و يبيع و يشتري فيه لا غيره". [ج:۳، ص: ۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.]

پڑھنے، تلاوت کرنے وغیرہ وغیرہ تو اعتکاف کی نیت کرلے مسجد میں نماز یا ذکر یا تلاوت جو کچھ کرے گا اس کا ثواب الگ ملے گا اور اعتکاف کا الگ ملے گا۔ اس لیے رمضان میں جو لوگ مغرب پڑھنے کے لیے جائیں وہ اعتکاف کی نیت کرلیں۔ اب وہ مسجد میں افطاری بھی کرسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں مسلمانوں میں ایک بہت غلط طریقہ رائج ہوگیا ہے کہ روزہ کھولنے کے بعد کھانے پینے میں ایسے منہمک ہوجاتے ہیں کہ اذان کا جواب بھی نہیں دیتے اور نماز میں بھی دیر کردیتے ہیں، مغرب کی نماز اتنی دیر سے پڑھنا کہ دو رکعت پڑھنے کی مقدار سے زائد تاخیر ہوجائے مکروہ ہے مسلمانوں کو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ واللہ تعالی اعلم

❷ اس بارے میں کوئی روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ واللہ تعالی اعلم

❸ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ باعث اجر وثواب ہے۔ واللہ تعالی اعلم

یکم ذوقعدہ ۱۳۸۹ھ

[۱۶] سورج ڈوبنے کا ظن غالب ہوجائے تو بلا تاخیر افطار کرنا سنت ہے

مسئلہ- زید کہتا ہے کہ افطار نماز مغرب بعد کرنا چاہیے جب کہ عمر اس کی مخالفت کررہا ہے۔ زید اپنی دلیل میں قرآن مقدس کی آیت کریمہ: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ. ترجمہ: پورے کرو اپنے روزے کو رات تک۔ پیش کررہا ہے۔ آیا زید کا کہنا صحیح ہے یا عمر کا۔ آیت شریف کی مکمل تشریح اور افطار کرنے کی اجازت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے کب اور کس وقت دی ہے، احادیث کی روشنی میں واضح فرمادیں۔

غلام سرور، شیب پور، ہوڑہ

الجواب

سورج ڈوبنے کا جب ظن غالب ہوجائے تو بلا تاخیر افطار کرنا سنت ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا: لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرتے رہیں گے۔ (۱)

(۱) الصحیح للبخاري، ج:۱، ص:۲۶۳، رقم الحدیث: ۱۹۵۷، مجلس البرکات، مبارك پور، ونصه: "لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر".

سورج ڈوبتے ہی رات شروع ہوجاتی ہے۔ رات کہ یہ معنی نہیں کہ اندھیرا چھا جائے۔ واللہ تعالی اعلم

۱۶ر شوال

[۱۷] جن جن لوگوں نے افطاری کا سامان دیا سب کو ثواب ملے گا

مسئلہ- زید نے مسجد میں مصلیوں کو افطاری کے لیے کھجور بھیجی اور بہت سے لوگوں نے کھجور وغیرہ بھیجی روزہ دار کے آگے کئی آدمی کے کھانے کی چیز آگئی۔ روزہ دار نے اول میں زید کی کھجور سے روزہ افطار کیا اور بعد میں دوسروں کا کھایا تو آیا اب بھی ہر ایک کو ثواب ملے گا؟

محمد یٰسین اشرفی، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

الجواب

ملے گا۔ واللہ تعالی اعلم ۱۶ر ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ

[۱۸] غیر مسلموں کو افطار کی دعوت دینا سخت ناپسندیدہ ہے

مسئلہ- رمضان کے مہینے میں عام افطار میں ایک غیر مسلم نیتا کو دعوت دے کر مسجد میں روزہ داروں کے ساتھ افطار کرایا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

حافظ محمد صلاح الدین فخری، خطیب مسجد ڈمراوں، ضلع بھوج پور، یوپی

الجواب

افطار کی دعوت غیر مسلموں کو دینا اور ان کو افطار میں شریک کرنا سخت ناپسندیدہ ہے اور ان کو مسجد میں لے جانا حرام و گناہ، وہ بھی کھلانے پلانے کے لیے۔ واللہ تعالی اعلم ۱۵ر شوال ۱۴۱۱ھ

[۱۹] غیر مسلموں کی دعوت افطار قبول کرنا جائز نہیں

مسئلہ- کیا غیر مسلم کی دعوت افطار میں اس کی چیزوں سے روزہ کھول سکتے ہیں یا نہیں؟

قاضی میر احمد علی، گنگاوتی، کرناٹک

الجواب

غیر مسلم کی دعوت افطار قبول کرنا جائز نہیں لیکن اگر اس کی دعوت پر چلا گیا اور حلال وطیب چیزوں سے روزہ افطار کیا تو روزہ بلا کراہت ہو گیا۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۰] کھانا مباح ہے اور اذان کا جواب دینا واجب

مسئلہ - عند الافطار اگر اذان شروع ہو جائے تو آکل (کھانے والا) اذان کا جواب دے یا اتنی دیر کھانا ملتوی رکھے؟

محمد حسین بر کاتی، مدرسہ حنفیہ جنک پور دھام، نیپال

الجواب

اتنی دیر کھانا بند رکھے اور اذان کا جواب دے۔ کھانا مباح ہے اور اذان کا جواب دینا واجب۔ جو کھانے میں مشغول ہو کر جواب نہ دے گا وہ گنہ گار ہو گا۔ دن بھر بھوکا رہ سکتا ہے، آسان ہے، اور چند منٹ میں جان نکل جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم

۳/ ذوقعدہ ۱۳۹۹ھ

[۲۱] رمضان میں بھی اذان وجماعت کے درمیان دو رکعت سے زائد وقفہ مکروہ ہے

مسئلہ - اذان مغرب وجماعت کے درمیان ماہ رمضان میں کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی تاخیر شرعاً اس نیت سے احسن اور روا ہے کہ محلہ کے روزہ دار حضرات اطمینان کے ساتھ افطار کر کے تکبیر اولی کے ساتھ جماعت میں شرکت کر سکیں؟

حاجی محمد شرافت اللہ صدیقی، ۵۹/ صاحب گنج، ڈاک خانہ، دردا بازار، بڑا گاؤں، گونڈہ

الجواب

رمضان میں بھی اذان اور جماعت میں دو رکعت سے زائد وقفہ مکروہ ہے۔ یہ بہت غلط رواج ہے کہ

رمضان میں اذان کے بعد لوگ دیر تک کھاتے پیتے رہتے ہیں۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) اس سے مراد مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے جب کہ یہ تاخیر بلا عذر ہو۔ مسئلہ یہ ہے کہ مغرب کی نماز جلد پڑھ لینا مستحب ہے اور اس حد تک تاخیر کہ ستارے باہم گتھ جائیں مکروہ تحریمی ہے۔ہاں اگر کھانے کی شدید خواہش ہو اور کھانا حاضر ہو تو اس عذر کی وجہ سے بقدر حاجت تاخیر مباح ہے۔ اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔ جیسا کہ در مختار وغیرہ کتب فقہ سے ظاہر ہے، اس لیے مسلمان رمضان شریف کے مہینے میں اذان کے بعد دس منٹ کے اندر کھا، پی لیں تاکہ اطمینان وسکون حاصل ہو جائے، پھر ہاتھ، منھ صاف کر کے جلد از جلد جماعت قائم کرلیں۔ اتنی تاخیر سخت بھوک، پیاس کے عذر کی وجہ سے جائز، غیر مکروہ ہے مگر یہ عذر دیر پا نہیں ہوتا اس لیے یہ لحاظ رہے کہ جماعت قائم ہونے میں دس منٹ سے زیادہ دیر نہ ہو۔

تاہم تائید میں کچھ فقہی جزئیات پیش کرتے ہیں:

در مختار، کتاب الصلاۃ میں ہے:

(و) أخر (المغرب إلى اشتباك النجوم) أي كثرتها (كره) أي التأخير لا الفعل لأنه مأمور به (تحريما) إلا بعذر كسفر، وكونه على أكل. (الدر المختار)

وفي رد المحتار: (قوله: إلى اشتباك النجوم) هو الأصحُّ. وفي رواية لا يكره ما لم يغب الشفق -بحر- أي الشفق الأحمر؛ لأنه وقت مختلف فيه فيقع الشك. وفي الحلية بعد كلام: والظاهر أن السنة فعل المغرب فورا وبعده مباح إلى اشتباك النجوم فيكره بلا عذر اهـ قلت أي يكره تحريما، والظاهر أنه أراد المباح ما لا يمنع فلا ينافي كراهة التنزيه.

(قوله: تحريما) كذا في البحر عن القنية، لكن في الحلية أن كلام الطحاوي يشير إلى أن الكراهة في تأخير العشاء تنزيهيا وهو الأظهر. اهـ.

. . . وفي الإمداد وغيره " إلا من عذر كسفر ومرض وحضور مائدة أو غيم. اهـ.

(قوله: وكونه على أكل) أي لكراهة الصلاة مع حضور طعام تميل إليه نفسه ولحديث «إذا أقيمت الصلاة وحضر العشاء فابدءوا بالعشاء») رواه الشيخان.(رد المحتار، ج:۲، ص:۲۷، ۲۸، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، دار الكتب العلمية)

صحیح البخاری میں ہے:

- سمعت عائشة ، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إذا وضع العشاء وأقيمت الصلاة فابدؤوا بالعشاء.
- حضرت عروہ نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب رات کا کھانا رکھا جائے اور اقامت کہی جائے تو پہلے کھانا کھالو۔
- عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إذا قدم العشاء فابدؤوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب ، ولا تعجلوا عن عشائكم.

[۲۲] غیر مسلمین کے بھیجے ہوئے پھل سے افطار کرنا درست ہے

مسئلہ- غیر مسلمین افطار کے وقت مسجدوں میں پھلوں کا تحفہ بھیجا کرتے ہیں، روزہ داروں کے لیے خاص طور سے۔ اس سے افطار کیا جائے یا نہیں؟ از روے شرع کیا حکم ہے مطلع فرمائیں۔

سید محمد حسین، جلگاؤں

الجواب

مال موذی نصیب غازی سمجھ کر لے لے اور کھائے۔ واللہ تعالی اعلم

- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رات کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھالو۔ کھانا چھوڑ کر نماز کے لیے جلدی مت کرو۔
- عن ابن عمر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة فابدؤوا بالعشاء ، ولا يعجل حتى يفرغ منه ، وكان ابن عمر يوضع له الطعام وتقام الصلاة فلا يأتيها حتى يفرغ وإنه ليسمع قراءة الإمام.
- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمھارے سامنے تمھارے شام کا کھانا رکھ دیا جائے اور اقامت کہی جائے تو پہلے کھانا کھالو۔ نماز کے لیے جلدی نہ کی جائے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہولے۔ اور ابن عمر کے آگے کھانا رکھا جاتا اور اقامت کہی جاتی پھر بھی وہ نماز کے لیے نہ آتے جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے حالاں کہ وہ امام کی قراءت سنتے رہتے۔
- عن ابن عمر قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم إذا كان أحدكم على الطعام فلا يعجل حتى يقضي حاجته منه وإن أقيمت الصلاة.
- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم کھانے پر ہو تو جلدی نہ کرو۔ یہاں تک کہ اپنی حاجت پوری کرلو اگرچہ اقامت ہوگئی ہو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، وہ کھا رہا ہو کہ جماعت شروع ہوگئی تو کھانا چھوڑ کر جماعت کے لیے جانا واجب نہیں۔ اور اسی کے حکم میں وہ صورت بھی ہے کہ بھوک شدت کی لگی ہو اور کھانا تیار ہو۔ سیدنا امام اعظم نے فرمایا: نماز کو کھانا بنادوں کہ نماز کے وقت دل کھانے میں لگا رہے اس سے بہتر کہ کھانے کو نماز بنادوں کہ کھاتے وقت دل نماز میں لگا رہے۔ یہ اس وقت ہے جب نماز کے وقت میں گنجائش ہو۔ اور اگر اس کا اندیشہ ہو کہ کھاتے کھاتے نماز کا وقت نکل جائے گا یا وقت مکروہ آجائے گا تو بہر حال نماز پہلے پڑھ لے۔ (نزہۃ القاری، ج:۲، ص:۲۳۸،۲۳۹، کتاب الاذان)

الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

[۱] انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علماے دین مسئلہ ذیل میں:
انجکشن لینے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

محمد نعیم الدین فیضی، مدرسہ رضاے مصطفیٰ، جیرو ڈیہ، موڑ بھنگا، دمکا، بہار

الجواب

جمہور علماے اہل سنت کثرھم اللہ تعالی حتی کہ سیدی وسندی وسند الفقہاء الکاملین حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کا یہی فتوی ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ انجکشن خواہ گوشت میں لگنے والا ہو خواہ رگ میں، اور یہی عند التحقیق حق ہے۔ البتہ روزے کی حالت میں انجکشن لگوانا مکروہ ہے۔ انجکشن مفسد صوم یوں نہیں کہ دونوں انجکشنوں میں دوا یا غذا صرف کسی منفذ کے ذریعہ دماغ اور معدہ تک نہیں جاتے بلکہ ابتدا یا وسط یا انتہا میں صرف مسامات ہی کے ذریعہ جاتے ہیں اور یہ بات فقہ کے ساتھ ہر ادنی سی ممارست رکھنے والا جانتا ہے کہ اندرون جسم کسی دوا یا غذا کا جانا مطلقاً مفسد صوم نہیں بلکہ اس شرط پر ہے کہ وہ دوا یا غذا پیٹ یا دماغ تک منفذ ہی کے ذریعہ یقینی طور پر پہنچے، نیز یہ کہ دوا یا غذا مسامات کے علاوہ کسی منفذ کے ذریعہ داخل ہو اور مدخل اور دماغ و معدہ تک کہیں منفذ ختم ہو کر صرف مسامات ہی واحد راستہ نہ ہوں اگر ابتدا، یا انتہا، یا وسط کہیں

بھی داخلہ کے ذریعے صرف مسامات ہی ہوں اگرچہ اول وآخر، یا وسط میں منفذ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگرچہ دوا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے۔

الفتاوی الھندیۃ میں ہے:

وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر، ومن اغتسل في ماء وجد برده في باطنه لا يفطر، ولو أقطر شيئا من الدواء في عينه لا يفطر صومه عندنا وإن وجد طعمه في حلقه ، وإذا بزق فرأى أثر الكحل ، ولونه في بزاقه عامة المشايخ على أنه لا يفسد صومه .وإذا أقطر في إحليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - سواء أقطر فيه الماء أو الدهن ، وهذا الاختلاف فيما إذا وصل المثانة ، وأما إذا لم يصل بأن كان في قصبة الذكر بعد لا يفطر بالإجماع.[1]

ترجمہ: بدن کے مسامات کے ذریعہ جو تیل داخل ہو وہ روزہ نہیں توڑے گا، کسی نے ٹھنڈے پانی میں غسل کیا پانی کی ٹھنڈک اندر محسوس کی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ آنکھ میں دوا ڈالی روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ اس کا مزہ حلق میں محسوس کرے، اگر تھوکا، اور اس میں سرمہ کا اثر اور رنگ ملا تو عام مشائخ کا یہی مذہب ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹا، اگر احلیل (پیشاب کی نلکی) میں دوا ٹپکائی۔ امام اعظم، امام محمد رحمہا اللہ تعالی کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ پانی ڈالیں خواہ تیل۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ یہ تیل اور پانی مثانہ میں پہنچ گیا ہو اگر مثانہ تک نہیں پہنچا تو بالاتفاق روزہ نہیں توڑے گا۔

اسی میں ہے:

وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ لا لكونه رطبا أو يابسا حتى إذا علم أن اليابس وصل يفسد صومه ، ولو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد هكذا في العناية ، وإذا لم يعلم أحدهما ، وكان الدواء رطبا فعند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - يفطر للوصول عادة، وقالا: لا، لعدم العلم به فلا

(1) الفتاوى الهندية، ص:٢٢٤، ج:١،كتاب الصوم، باب فيما يفسد ومالايفسد، دار الكتب العلمية، بيروت.

يفطر بالشك ، وإن كان يابسا فلا فطر اتفاقا۔[1]

ترجمہ: اور جائفہ (پیٹ کا وہ زخم جو معدہ تک گہرا ہو) اور آمہ (سر کا وہ زخم جو بھیجے کی جھلی تک گہرا ہو) کی دوا میں اکثر مشائخ کے نزدیک اعتبار معدہ یا دماغ تک پہنچنے کا ہے۔ دوا کے تر یا خشک ہونے کا نہیں۔ یہاں تک کہ اگر معلوم ہو جائے کہ خشک دوا پہنچ گئی، روزہ ٹوٹ گیا، اور اگر معلوم ہو کہ تر نہیں پہنچی تو نہیں ٹوٹا، اور اگر پہنچنا اور نہ پہنچنا معلوم نہ ہو اور دوا تر ہو تو امام اعظم کے نزدیک روزہ توڑ دے گی، اس لیے کہ تر دوا عادۃً پہنچ ہی جاتی ہے۔ صاحبین نے فرمایا: نہیں۔ اس لیے کہ پہنچنا معلوم نہیں، شک سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر خشک ہے تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

نقایہ اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے:

(وصل)من غيرالفم (دواء إلى جوفه أو دماغه) بأن داوى آمة: وهي الشجة التي تبلغ أم الدماغ (من غير المسام) قيد به لأنه لو وصل إلى جوفه من المسام لا يقضي، كما لو اغتسل بالماء البارد ووجد برده في كبده، وكما لو ادهن فوجد أثر الدهن في بوله، أو اكتحل فوجد طعم الكحل في حلقه، أو لونه في بزاقه.[2]

دوا اگر منہ کے علاوہ کسی اور راستے سے دماغ یا پیٹ میں گئی، مثلا آمہ میں دوا ڈالی تو روزہ ٹوٹ گیا، قضا واجب ہے بہ شرطیکہ مسامات کے ذریعہ نہ گئی ہو۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ اگر دوا یا غذا مسامات کے ذریعہ پہنچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور پانی کی ٹھنڈک کلیجے میں محسوس کی یا تیل لگایا اور تیل کا اثر پیشاب میں پایا، سرمہ لگایا اور سرمہ کا مزہ حلق یا رنگ تھوک میں پایا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

تنویر الابصار، در مختار ورد المحتار میں ہے:

ادهن أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه أي طعم الكحل أو الدهن،

---

(۱) الفتاوى الهندية، ص:٢٢٤، ج:١، كتاب الصوم، باب فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) فتح باب العناية بشرح النقاية، ج:١، ص: ٥٧١، كتاب الصوم، فصل فيما يفسد الصوم وما لا يفسده، شركة دار الأرقم، بيروت.

وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح. بحر. قال في النهر ؛ لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر.[1]

تیل ملا، یا سرمہ لگایا، یا سینگی لگوائی تو روزہ نہ ٹوٹا اگرچہ سرمہ یا تیل کا مزہ حلق میں محسوس کرے۔ یوں ہی تھوکا اور اس کا رنگ تھوک میں ملا تو بھی مذہب اصح پر روزہ نہیں گیا۔ نہر میں فرمایا: اس لیے کہ حلق میں موجود مسامات کے ذریعہ داخل شدہ کا اثر ہے، اور مسام بدن کے خلل کا نام ہے اور روزہ توڑنے والی صرف وہ دوا یا غذا ہے جو منافذ کے ذریعہ داخل ہو؛ اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ کسی نے پانی میں غسل کیا اور اندر ٹھنڈک محسوس کی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

انہی تینوں میں ہے:

داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه ، أشار إلى أن ما وقع في ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبني على العادة من أنه يصل وإلا فالمعتبر حقيقة الوصول ، حتى لو علم وصول اليابس أفسد أو عدم وصول الطريّ لم يفسد، وإنما الخلاف إذا لم يعلم يقينا فأفسد بالطري حكما بالوصول نظرا إلى العادة ونفياه، كذا أفاده في الفتح .

قلت : ولم يقيدوا الاحتقان والاستعاط والإقطار بالوصول إلى الجوف لظهوره فيها وإلا فلا بد منه حتى لو بقي السعوط في الأنف ولم يصل إلى الرأس لا يفطر ، ويمكن أن يكون الدواء راجعا إلى الكل تأمل. قوله : إلى جوفه ودماغه لف ونشر مرتب. قال في البحر : والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصليا فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن.[2]

---

(۱) تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ج: ۳٦٦، كتاب الصوم، باب ما يفسد ومالايفسده، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳۷٦، ج: ۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لايفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

"جائفہ یا آمہ میں دواڈالی اور دوا یقینی طور پر پیٹ اور دماغ تک پہنچ گئی۔ یقینی طور پر پہنچنے کی قید سے یہ اشارہ ہے کہ ظاہر الروایہ میں جو یہ قید آئی ہے کہ روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب کہ دوا تر ہو، یہ عادت کی بنا پر ہے کہ تر دوا پہنچ ہی جاتی ہے۔ ورنہ معتبر حقیقت میں پہنچنا ہے یہاں تک کہ اگر خشک (دوا) پہنچ گئی تو توڑ دے گی، تر (دوا) نہیں پہنچی تو نہیں توڑے گی، اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ دوا ضرور پہنچ گئی، اس صورت میں عادت پر نظر رکھتے ہوئے یہ حکم ہو گا کہ تر دوا روزہ توڑ دے گی۔ اور صاحبین نے نفی کی۔

جائفہ آمہ کی دوا کو جوف اور دماغ تک پہنچنے کے ساتھ مقید کیا اور احتقان، استعاط اور اقطار میں جوف تک پہنچنے کی قید نہیں لگائی کیوں کہ ان میں جوف تک پہنچنا ظاہر ہے ورنہ روزہ توڑنے کے لیے یہ قید ضروری ہے یہاں تک کہ اگر ناک کی دوا نتھنوں میں رہ گئی اور سر تک نہیں چڑھی تو نہیں توڑے گی۔ ممکن ہے دوا سے اوپر ذکر کردہ تمام دوائیں مراد ہوں۔ بحر میں کہا کہ تحقیق یہ ہے کہ سر اور معدہ کے جوفوں کے مابین منفذ اصلی ہے تو جو سر میں گئی وہ پیٹ میں گئی۔"

غور کریں! یہ تمام اساطین ملت یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ جو دوا مسامات کے ذریعہ اندرون جسم گئی اگرچہ دماغ تک، پیٹ تک پہنچ جائے مگر روزہ نہیں توڑے گی، روزہ توڑنے والی وہی دوا یا غذا ہے جو کسی منفذ اصلی کے ذریعہ پیٹ یا دماغ میں جائے، **اس کلیہ پر جو جزئیات متفرع ہیں ان پر ایک گہری نظر پھر ڈال لیں۔**

(۱) پانی میں غسل کیا ٹھنڈک پیٹ اور جگر میں محسوس کی، ظاہر ہے کہ یہ ٹھنڈک پانی کے اندر پہنچنے کی بنا پر ہے مگر روزہ نہیں ٹوٹا، اگرچہ پانی پیٹ میں پہنچ گیا، اس لیے کہ پانی مسامات کے ذریعہ پیٹ میں گیا کسی منفذ کے ذریعہ نہیں۔

(۲) آنکھ میں دوا ڈالی، سرمہ لگایا، دوا اور سرمہ آنکھ کے پردوں سے گزر کر دماغ میں گیا، دماغ سے حلق میں آیا، مگر روزہ نہیں ٹوٹا حالاں کہ اس مسافت میں اکثر راستہ منفذ ہے۔ آنکھ کے پردوں کے بعد دماغ تک، دماغ سے حلق تک منفذ ہی کے ذریعہ گئی، پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹا؛ اس لیے کہ داخلہ مسامات کے ذریعہ ہوا تھا۔ احلیل میں دوا ڈالی، دوا مثانہ تک پہنچ گئی مگر روزہ نہیں ٹوٹا، حالاں کہ دوا منفذ میں ڈالی گئی؛ اس لیے کہ مثانہ تک پہنچ کر منفذ ختم ہو گیا، مثانہ کی جھلی حائل ہو گئی، اس کے آگے پیٹ تک جانے کے لیے مثانہ کے مسامات ہی

واحد راستہ ہیں۔

(۳) سر کے ایسے گہرے زخم میں دواڈالی جو بھیجے کی جھلی تک گہرا ہو، اگر دوا دماغ تک نہیں پہنچی تو روزہ نہیں گیا؛ کیوں کہ دماغ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچی حالاں کہ مسامات کے ذریعہ پہنچنا یقینی ہے۔

(۴) جائفہ یعنی پیٹ کے ایسے زخم میں دواڈالی جو شکم تک گہرا ہو مگر دوا شکم تک نہیں پہنچی روزہ نہیں گیا حالاں کہ مسامات کے ذریعہ پیٹ تک جانا یقینی ہے، اس لیے کہ منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچی۔

(۵) تیل مَلا، تیل کا اثر پیشاب میں مِلا روزہ نہیں ٹوٹا حالاں کہ تیل کو پیٹ میں پہنچے بغیر پیشاب میں اس کا اثر ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں؛ اس لیے کہ منفذ کے ذریعہ نہیں پہنچا بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچا۔

مذکورہ بالا نصوص سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

فائدہ اولی: مسامات کے ذریعہ جو دوا یا غذا اندرون جسم داخل ہو وہ مفسد صوم نہیں اگر چہ معدہ اور دماغ تک پہنچ جائے خواہ مدخل اور معدہ تک اور دماغ تک صرف مسامات ہوں کہیں کوئی منفذ نہ ہو جیسے نہایا اور پانی پیٹ میں پہنچا، خواہ معدہ اور دماغ تک پہنچنے میں مسامات اور منافذ ذریعہ ہوں، اس کی تین صورتیں ہیں:

اول: ابتداءً مسامات ہوں اور بعد میں معدہ اور دماغ تک منفذ ہو۔ جیسے آنکھ میں دواڈالی یا سرمہ لگایا اور وہ حلق تک پہنچ گئی۔

ثانی: ابتداءً منفذ ہو، انتہاءً منفذ ہو، وسط میں مسامات ہوں جیسے احلیل میں دواڈالی اور مثانہ تک پہنچی کہ ادھر مثانہ تک منفذ ہے، اوپر مثانہ کے بعد منفذ ہے۔

ثالث: صرف منتہیٰ پر مسامات ہوں دوا منفذ میں ڈالی اور منفذ ہی کے ذریعہ آگے بڑھی مگر معدہ اور دماغ کے جوف سے پہلے مسامات ہوں اور اخیر میں جوف و معدہ و دماغ تک پہنچنے کا ذریعہ صرف یہی مسامات ہوں کوئی منفذ نہ ہو تو بھی مفسد صوم نہیں۔ اس لیے کہ علت افساد منحصر ہے منافذ کے ذریعہ وصول الی الجوف میں اور یہ علت یہاں منتفی ہے۔ نقض صوم کی علت وصول بالمنافذ میں منحصر ہے اس پر صاحب نہر کا یہ ارشاد جسے علامہ شامی نے نقل فرماکر مقرر کیا، دلیل ہے۔

فرماتے ہیں:

والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ۔[1]

روزہ توڑنے والی صرف وہی دوا ہے جو منافذ کے ذریعہ داخل ہو۔

اور جب منتہیٰ پر صرف مسامات ہی رہ گئے تو صرف منفذ سے داخل نہیں ہوا۔

فائدہ ثانیہ: منفذ کے ذریعہ بھی کسی دوا یا غذا کا مطلقاً اندرون جسم جانا مفسد نہیں کہ کھال کے اندر گھسی اور روزہ گیا بلکہ مفسد اس وقت ہے جب کہ دوا یا غذا معدہ یا دماغ تک پہنچے، اگر دوا اندرون جسم منفذ ہی کے ذریعہ گئی مگر دماغ یا معدہ کے جوف تک نہیں پہنچی تو روزہ نہیں گیا۔ جیسے کلی کی، ناک میں دوا ڈالی مگر پانی حلق میں اور دوا دماغ تک نہیں چڑھی روزہ نہیں ٹوٹا۔ احلیل میں دوا ڈالی، اندرون جسم گئی حتی کہ مثانہ تک پہنچ گئی روزہ نہیں گیا، آمہ جائفہ میں دوا ڈالی مگر دماغ اور معدہ تک نہیں گئی روزہ نہیں گیا۔ اگر اندرون جسم دوا جانا مطلقاً مفسد ہوتا تو لازم تھا کہ کلی کرتے ہی، ناک میں دوا ڈالتے ہی، احلیل میں ٹپکاتے ہی، آمہ جائفہ میں ڈالتے ہی روزہ ٹوٹ جاتا، بلکہ آمہ جائفہ کی قید نہ تھی بلکہ یہ زخم میں دوا ڈالنا مفسد ہوتا۔

فائدہ ثالثہ: فقہاے کرام کے اس ارشاد "وصل إلى الجوف" سے مراد مطلقاً اندرون جسم عروق اور ہر کھوکھلی جگہ نہیں بلکہ صرف دماغ اور معدہ ہے۔ جس پر یہ جزئیہ نص قاطع ہے کہ احلیل میں دوا ڈالی اور مثانہ میں گئی مگر روزہ نہیں گیا، مثانہ ایک کھوکھلا عضو ہے اور یقیناً جوف ہے، اگر جسم کا ہر جوف مراد ہوتا تو یقیناً اسے مفسد صوم ہونا چاہیے تھا۔ اس میں اگرچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے مگر یہ اختلاف ہمارے معروضہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ یہ اختلاف اس لیے نہیں کہ مطلقاً ہر جوف میں دوا جانا مفسد ہے یا نہیں بلکہ اس بنا پر ہے کہ مثانہ اور معدہ کے مابین کوئی منفذ ہے یا نہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم میں یہ بات تھی کہ مثانہ اور معدہ کے مابین منفذ ہے؛ اس لیے انھوں نے اسے مفسد کہا مگر امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ مثانہ اور معدہ کے مابین منفذ نہیں؛ اس لیے انھوں نے یہ حکم دیا کہ مفسد نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف بھی حضرات طرفین کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳۶۷، ج: ۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت.

مفسد وہی دوا اور غذا ہے جو معدہ تک پہنچے۔ اب جب کہ مثانہ اور معدہ پھاڑ کر انسانی اعضا کی ہیئت وماہیت معلوم ہوگئی اور یہ ثابت ہوگیا کہ مثانہ اور معدہ کے مابین کوئی منفذ نہیں، پیشاب مثانہ میں مثانہ کی جھلیوں کے سوراخوں سے ٹپکتا ہے تو یہ اختلاف باقی نہیں رہا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أولا، وهو ليس باختلاف على التحقيق، والأظهر أنه لا منفذ له، وإنما يجتمع البول فيها بالترشيح كذا يقول الأطباء.[1]

یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ مثانہ اور معدہ کے مابین منفذ ہے یا نہیں، اور یہ حقیقت میں اختلاف نہیں اور ظاہر تر یہ ہے کہ یہاں منفذ نہیں۔ پیشاب مثانہ میں ٹپک کر جمع ہوتا ہے جیسا کہ اطبا کہتے ہیں۔

الغرض منفذ کے ذریعہ اندر داخل شدہ دوا اسی وقت مفسد ہے جب کہ معدہ اور دماغ تک پہنچے، ان کے علاوہ دوسرے اجواف میں جانا قطعاً مفسد نہیں بلکہ علامہ شامی وطحطاوی نے صاحب بحر کی اس تحقیق کو برقرار رکھا ہے کہ مفسد اصل میں جوف معدہ میں جانے والی دوا ہے۔ دماغ میں جانے والی دوا مفسد اسی بنا پر ہے کہ دماغ اور معدہ کے مابین منفذ براہ راست ہے یہ اس بات پر نص ہے کہ مفسد صرف معدہ میں جانے والی دوا ہے۔ اس لیے جوف سے مراد صرف معدہ ہے اور دماغ مراد ہونا اس لیے ہے کہ دماغ اور معدہ میں براہ راست منفذ اصلی کے ذریعہ تعلق ہے۔

ہماری مراد پر اول دلیل یہ ہے جس کے بعد کوئی شبہہ نہیں رہ جاتا کہ "جوف سے مراد اندرون جسم کے گوشت ہڈی دوسرے جوف نہیں صرف معدہ اور دماغ ہیں"۔ اوپر ذکر کردہ نصوص اور جزئیات اور تینوں فوائد کو اچھی طرح ذہن میں رکھ لیں اور اب انجکشن کی ماہیت کو سامنے رکھ کر غور کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ ہر منصف پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ انجکشن قطعی مفسد صوم نہیں خواہ وہ رگ کا ہو خواہ گوشت کا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ گوشت والے انجکشن کے جسم کے مختلف حصوں میں پہنچنے کی کیفیت یہ ہے کہ گوشت کے اندر بکثرت باریک باریک خلا ہوتے ہیں، جنھیں مسامات کہا جاتا ہے کہ ان میں ہر وقت خون بھرا رہتا

---

(1) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:٣٧٢، ج: ٣، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

ہے یہ خون اگر چہ خالص نہیں ہوتا بلکہ دیگر اخلاط کے ساتھ ممزوج ہوتا ہے مگر غلبہ خون ہی کو ہوتا ہے، اس لیے ہم نے اسے خون ہی کہا جب یہ انجکشن لگتا ہے تو پچکاری کے دباؤ سے دوا بجبران مسامات میں گھس کر خون میں مل جاتی ہے، خون کہیں بھی ٹھہرتا نہیں بلکہ ہر وقت جسم میں گردش کرتا رہتا ہے، اس لیے یہ دوا خون کے ساتھ گردش کرتے کرتے وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں اسے کام کرنا ہے چوں کہ دوا میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ وہ مخصوص جگہ اثر انداز ہو اس لیے وہ وہیں اثر ڈالتی ہے، جیسے کھانے پینے والی دواؤں کا حال یہ ہے کہ سب کی سب پہلے معدہ میں جاتی ہیں پھر ہضم ہو کر اخلاط میں ملتی ہیں اور جہاں ان کی ضرورت ہے وہاں پہنچ کر اپنا کام کرتی ہیں۔

گوشت میں لگنے والی دوا انجکشن سے مسامات میں پہنچی پھر رگوں میں رفتہ رفتہ جہاں کے لیے تھی وہاں پہنچی، معدہ یا دماغ کی دوا ہے تو دوا یا اس کا اثر دماغ یا معدہ تک ضرور پہنچے گا مگر چوں کہ دوا کا داخلہ مسامات کے ذریعہ ہوا ہے اس لیے روزہ نہیں توڑے گی جیسا کہ اوپر گزرا کہ مسامات کے ذریعہ داخل شدہ دوا مفسد نہیں اس کا جزئیہ اوپر گزرا کہ آنکھ میں دوا ڈالی، یا سرمہ لگایا، دوا یا سرمہ آنکھ سے حلق میں پہنچا مگر مفسد نہیں اس لیے کہ داخلہ مسامات کے ذریعہ ہوا تھا اگر چہ بعد میں منفذ سے حلق تک گیا، اسی طرح یہاں بھی مسامات کے بعد اگر چہ انجکشن سے دوا ابتداءً رگ میں جاتی ہے جو ضرور منفذ ہے مگر رگوں کا تعلق براہ راست معدہ یا دماغ سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔ علم تشریح میں اس کی پوری تحقیق دیکھی جا سکتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جگر میں اخلاط اربعہ علی قدر مراتب ممزوج ہو کر شرائین اور اورطہ [1] کے ذریعہ پورے جسم میں جاتے ہیں ان میں غلبہ خون ہی کو ہوتا ہے، اس کا عمدہ حصہ اعضا کی غذا بنتا ہے، بقیہ جسمانی فضلات کے مل جانے سے سیاہ اور کثیف ہو کر دل میں جاتا ہے، دل اسے پھیپھڑوں میں ڈھکیل دیتا ہے، پھیپھڑوں میں باہر سے گئی ہوئی صاف ہوا بھری ہوتی ہے جو پھیپھڑوں کے مسامات اور کیسوں میں موجود رہتی ہے، خون اس تازہ ہوا سے صاف ہوتا ہے، اس کی کثافت اور دخانی مادہ ہوا میں رہ جاتا ہے جسے پھیپھڑے باہر پھینک دیتے ہیں اور خون صاف شفاف سرخ تازہ ہو کر پھر دل میں جاتا

---

(۱) **اورطہ:** بڑی شریان جو قلب کے بائیں جوف سے نکلتی ہے۔
شریان: وہ رگ جو دل سے بدن میں خون پہنچاتی ہے، وہ چھوٹی چھوٹی رگیں جو ہر ایک رگ کے نیچے ہوتی ہیں اور ان میں خون سے زیادہ روح ہوتی ہے۔ (مرتب)

ہے اور دل شرائین اور اورطہ کے ذریعہ دوبارہ پورے جسم میں پہنچاتا ہے، اور پھر یہ خون کثیف دخانی مادوں سے سیاہ ہوکر دل میں اور دل سے پھیپھڑوں میں اور پھیپھڑے میں صاف اور تازہ ہوکر پھر دل میں جاتا ہے اور دل اسے پورے جسم میں پہنچاتا ہے۔ یہی چکر زندگی بھر چلتا رہتا ہے اور یہی انسانی نشوونما و قوت کا مدار ہے۔

یہ انجکشن جب رگ میں لگا تو رگوں کے خون میں دوا مل گئی اور خون کے ساتھ دل میں اور پھر پھیپھڑے میں پھر دل میں اور دل سے پورے جسم میں پہنچی، رگ والا خون دوا لے کر براہ راست نہ دماغ میں گیا نہ معدہ میں بلکہ دل میں گیا اور دل سے بھی براہ راست دوسرے اعضا میں نہیں گیا بلکہ پھیپھڑوں میں اور پھیپھڑوں سے واپس آکر پھر رگوں کے ذریعہ دوسرے اعضا حتی کہ دل اور معدہ میں گیا بہر حال پھیپھڑے بیچ میں ضرور آتے ہیں، اب پھیپھڑے کی ساخت اور ان میں خون کی جگہ معلوم کریں مسئلہ صاف ہو جائے گا۔

ماضی قریب کے مسلم الثبوت طبیب حاذق حکیم اجمل خاں اپنی مشہور و معروف کتاب "حاذق" میں لکھتے ہیں:

"پھیپھڑوں کی ساخت نرم اور متخلل ہے، ان میں نرم گوشت اور غضاریف اور قصبۃ الریہ اور شریانوں اور وریدوں کی شاخیں اور ورید شریانی کی شاخیں پائی جاتی ہیں... پھیپھڑوں کی بالائی سطح پر آبدار جھلی اور باقی ساخت میں خانہ دار جھلی اور لچکیلے نرم ریشے اور ہوا کے چھوٹے چھوٹے خانے پائے جاتے ہیں جو باہم مل کر لوتھڑے سے بناتے ہیں انہی ہوا کے کیسوں یا خانوں میں ہوا کی نالی یعنی قصبۃ الریہ کی باریک باریک شاخیں ختم ہوتی ہیں، پھیپھڑے کی شریان اور ورید کا جال بھی پھیپھڑے کے ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے... پھیپھڑے ایسے اعضا میں سے ہیں جو فضلات جسم کو خارج کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ان کا یہ فعل بھی ہے کہ وہ خون کو بھی صاف کرتے ہیں، صاف اور سرخ خون جسم کی پرورش کے لیے براستہ شرائین تنفس کے ذریعہ تمام جسم میں چلا جاتا ہے اور مختلف اعضا کی عروق شعریہ تک پہنچ کر وہ کثیف اور سیاہ ہو جاتا ہے جس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس میں جسمانی فضلات کے دخانی مادے مل جاتے ہیں، جب کثیف وریدی خون پھیپھڑوں کے ہوائی کیسوں کے عروق شعریہ تک پہنچتا ہے تو اس کا رنگ فوراً ہی بدل کر سرخ ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ خون کا دخانی مادہ ہوائی کیسہ کے اندر آجاتا ہے اور اس ہوائی کیسہ کی لطیف ہوا خون میں مل کر اسے صاف اور سرخ رنگ کا بنا دیتی ہے۔"(۱)

---

(۱) حاذق، ص:۲۰۰ تا ۲۰۲، کراچی۔

پھیپھڑوں کی اس تشریح سے کوئی یہ دھوکا نہ کھائے کہ دیگر اعضا سے پھیپھڑے میں خون کی آمد ورفت براہ راست ہے۔ نہیں بلکہ بواسطہ دل ہے، اسی کتاب میں دل کی تشریح میں ہے:

''دل کے دونوں دائیں اور بائیں اذن ایک ہی وقت میں پھیلتے ہیں اور دائیں اور بائیں دونوں بطن ایک ہی وقت میں سکڑتے ہیں، جب دونوں اذن پھیلتے ہیں تو دائیں اذن میں بالائی اور زیریں وریدوں کے ذریعہ جسم کا کثیف اور سیاہ خون آجاتا ہے اور بائیں اذن میں پھیپھڑوں کی وریدوں کے ذریعہ صاف شدہ خون آجاتا ہے پھر دائیں اذن کا سیاہ خون درمیانی سوراخ کے راستے دائیں بطن میں اور بائیں اذن کا بائیں بطن میں چلا جاتا ہے ، اور جب دونوں بطن سکڑتے ہیں تو دائیں بطن کا خون بذریعہ شریان الریہ پھیپھڑوں میں چلا جاتا ہے۔ اور بائیں بطن کا خون بذریعہ اورطہ تمام جسم میں چلا جاتا ہے''۔ (۱)

الغرض جملہ اطبا کا اس پر اتفاق ہے کہ رگوں سے خون براہ راست دل میں جاتا ہے اور دل ہی کے ذریعہ پھیپھڑوں میں جاتا ہے۔ براہ راست پھیپھڑے میں نہیں جاتا۔ اور نہ ایسا ہے کہ بغیر پھیپھڑوں میں گئے دل ہی سے واپس ہوتا ہو۔ پھیپھڑے میں ضرور جاتا ہے اور پھیپھڑوں میں صاف ہو کر پھر دل میں آجاتا ہے اور دل سے پھر پورے جسم میں جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پھیپھڑوں کے جن ہوائی کیسوں میں جاتا ہے اس کی حیثیت جوف کی ہے یا مسامات کی۔ اوپر ذکر کردہ تشریح سے یہ بات ظاہر ہے کہ پھیپھڑے کی جن ہوائی کیسوں میں جاتا ہے ان کی حیثیت مسامات ہی کی ہے، تو اس کا حاصل یہ ہے کہ خون دل سے مسامات میں گیا اور مسامات سے واپس ہو کر پھر دل میں آیا۔

اب اگر مان بھی لیا جائے کہ دل سے معدہ اور دماغ تک کوئی منفذ ہے تو بھی وہ دوا مفسد نہیں ہوگی اس لیے کہ اگرچہ ابتداءً منفذ میں گئی اور انتہا پر بھی منفذ ہی سے پیٹ یا دماغ میں پہنچی مگر بیچ میں مسامات حائل ہیں تو جس طرح احلیل میں دوا ڈالی اور وہ مثانہ تک پہنچی مگر روزہ نہیں ٹوٹا اگرچہ دوا کا داخلہ بھی منفذ ہی میں ہوا اور مثانہ کے بعد بھی منفذ ہے مگر بیچ میں مثانہ کی جھلی حائل ہے جس میں اگرچہ چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں مگر ان کی حیثیت مسامات ہی کی ہے منفذ کی نہیں۔ اسی طرح رگ والے انجکشن میں اگرچہ دوا منفذ میں گئی مگر بیچ میں

---

(۱) حاذق، ص:۲۳۳، کراچی۔

پھیپھڑے کے ہوائی کیسوں کی عروق شعریہ حائل ہیں جن کی حیثیت مسامات کی ہے اس لیے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ علاوہ ازیں دل سے دماغ یا معدے تک کوئی منفذ نہیں دل سے شرائین اور اورطہ نکل کر پورے جسم میں پھیلی ہیں، جن کے ذریعہ خون تمام اعضا کے تغذیہ کے لیے جاتا ہے۔ مگر یہ شرائین دماغ یا معدہ میں کھلتی نہیں بلکہ ان سے نکلی ہوئی عروق شعریہ کے مبدأ پر ختم ہو جاتی ہیں، عروق شعریہ ہی کے ذریعہ مسامات میں خون جا کر گوشت اور پوست کا جز بنتا ہے تو اگر ہوائی کیسوں کے عروق شعریہ کو بطور مجادلہ کوئی منفذ مانے بھی تو چوں کہ منتہا پر مسامات ہیں اور دماغ اور معدہ میں انہی مسامات کے ذریعہ دوا پہنچے گی اس لیے اب بھی مفسد نہ ہوئی۔ ہم اوپر ثابت کر آئے کہ اگر انتہا پر بھی دوا مسامات ہی کے ذریعہ داخل ہو تو مفسد صوم نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رگ والے انجکشن میں بھی دوا کسی منفذ سے جاتی ہے مگر معدہ اور دماغ تک نہیں پہنچتی بلکہ وسط میں یا انتہا پر منفذ ختم ہو کر صرف مسامات ہی کے ذریعہ دوا دماغ یا معدہ میں جاتی ہے۔ اس لیے مفسد صوم نہیں مگر چوں کہ انجکشن کی تقریباً تمام دواؤں میں اسپرٹ ہوتی ہے اور یہ بدترین قسم کی شراب ہے، نجس العین ہے۔ اس لیے روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا مکروہ ضرور ہے، اس لیے کہ روزہ سے مقصود طہارت و تزکیۂ باطنی ہے اور یہ انجکشن جس میں نجس العین دوا ہے باطن کو نجس کرنے والی ہے، اس لیے روزہ میں کسی قسم کے انجکشن ہرگز نہ لگوائے جائیں اور ان سے اجتناب کیا جائے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ دوا اسپرٹ اور ہر قسم کی شراب اور نجاست سے پاک ہے اور خارجی طور پر بھی اسپرٹ استعمال نہ کریں تو کراہت بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲-۴] انجکشن کے بارے میں علمائے کرام کے فتاوی پر شارح بخاری کی تحقیق

مسئلہ-کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

① حضرت علامہ مفتی وجیہ الدین پیلی بھیتی علیہ الرحمہ سے ایک شخص نے استفتا کیا کہ روزے کی حالت میں انجکشن لگوایا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ جواباً تحریر فرمایا: روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ترجمان اہل سنت پیلی بھیت، شمارہ اول، ص:۱۶، کالم:۱)

مفتی آگرہ حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا جواب پر حضرت فاضل مجیب

علیہ الرحمہ سے سوال فرمایا کہ باب استفتا میں انجکشن کے متعلق تحریر کیا گیا ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وجہ تحریر فرمائیے اور کتب فقہ سے استدلال لائیے اور فقیر کے پاس بھیج دیجیے تاکہ میں اس مسئلہ کو سمجھ سکوں اس لیے کہ میں مفسد نہیں مانتا ہوں۔

حضرت وجیہ الدین علیہ الرحمہ سوال مذکور کے جواب میں فرماتے ہیں:

باب الاستفتا ملاحظہ ہو، اس میں انجکشن کو مفسد صوم نہیں تحریر کیا گیا ہے۔ اب جب کہ آپ نے تحریر فرمایا تو جواب میں عرض ہے کہ انجکشن مطلقاً مفسد صوم نہیں البتہ اس سے بچنا روزے میں مطلقاً احوط ہے اور انجکشن گوشت یا کھال میں لگوایا اور دواسوئی کے ذریعہ صرف گوشت اور کھال میں رہ گئی یا جوف میں بھی جلد اور گوشت کے مسامات کے ذریعہ سے سرایت کر گئی روزہ نہ ٹوٹا، اور اگر رگ یا دماغ یا معدے وغیرہ کسی جوف میں انجکشن لگوایا اور دواسوئی کے ذریعہ سے جوف یعنی رگ یا دماغ یا معدہ میں پہنچ گئی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بہار شریعت حصہ پنجم میں ان چیزوں کے بیان میں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ص:۱۱۲ پر یہ مسئلہ در مختار و رد المحتار سے لکھا کہ: روزہ دار کے پیٹ میں کسی نے نیزہ یا تیر بھونک دیا اگرچہ اس کی بھال یا پیکان پیٹ کے اندر رہ گئی، یا اس کے پیٹ میں جھلی تک زخم تھا کسی نے کنکری ماری کہ اندر چلی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اور اگر خود اس نے یہ سب کیا اور بھال یا پیکان یا کنکری اندر رہ گئی تو جاتا رہا۔ انجکشن اپنے قصد وارادے سے لگوایا جاتا ہے تو عروق میں انجکشن لگوانے سے دوا جوف میں داخل ہو جاتی ہے۔ رگ خود ایک جوف ہی تو ہے فلہٰذا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

الفتاوی الھندیۃ، جلد اول، کتاب الصوم میں چوتھے باب میں ہے:

وفي دواء الجائفة والآمة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ لا لكونه رطبا أو يابسا حتى إذا علم أن اليابس وصل يفسد صومه ، ولو علم أن الرطب لم يصل لم يفسد، هكذا في العناية[1].

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب عثمانی اشرفی سنبھلی نے اپنی مرتبہ کتاب مسمیٰ بہ "مسلم تقریبات مع

---

(۱) الفتاوی الهندية، ص:٢٢٤، ج:١،كتاب الصوم، باب فيما يفسد ومالايفسد، دار الكتب العلمية، بيروت.

احکام رمضان المبارک واحکام قربانی وروزہ وزکات" کے ص:۵ پر انجکشن لگوانا روزہ کے مفسدات کے بیان میں لکھا ہے اور مزید، ص:۶ پر رقم طراز ہیں:

انتباہ! روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے بچنا نہایت ضروری ہے، اس لیے کہ اس کی دوا رقیق ورطب ہونے کی وجہ سے مادہ جوف دماغ وجوف معدہ میں پہنچتی ہے اور روزہ میں ایسی ہر دوا کا استعمال ممنوع ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب مفتی فرنگی محلی لکھنو لکھتے ہیں:

صاحب فتح القدیر روزہ کی تعریف اس طرح لکھتے ہیں:

هو إمساك عن الجماع وعن إدخال شيء بطنا له حكم الباطن (۱).

لہذا پیٹ میں کسی چیز کا داخل کرنا یا کسی چیز کا اس شے میں داخل کرنا جس کے لیے حکم باطن کا ہو روزہ کے منافی ہوگا اور مفسد ہوگا اور مفسد صوم ہوگا۔

اور صاحب بحر "وَإِذَا احْتَقَنَ أَو اسْتَعَطَ أَوْ أَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ أَوْ دَاوَى جَائِفَةً أَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ، وَوَصَلَ إِلَى جَوْفِهِ أَوْ دِمَاغِهِ أَفْطَرَ" کی علت میں یہ حدیث تحریر فرماتے ہیں: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: الْفِطْرُ مِمَّا دَخَلَ، وَلَيْسَ مِمَّا خَرَجَ. (۲)

یعنی چوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ روزہ اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جو بطن میں داخل ہو جائے لہذا امور مذکورہ بالا یعنی احتقان وغیرہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اور علی العموم کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جوف میں ایسی چیز کا پہنچنا جس سے بدن کی اصلاح ہو اور اس سے بدن کو نفع حاصل ہو فطر معنوی ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

بس ان مسائل کے جان لینے سے معلوم ہوا کہ بطن یا جسم کے اندرونی حصہ میں جو حکم میں باطن جسم کے ہو اگر کوئی چیز اس طرح پہنچائی جائے جس سے جسم کو نفع حاصل ہو وہ مفطر صوم ہے لہذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بغرض علاج جسم کے اندرونی حصہ میں پہنچائی جائے اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے نیز انجکشن کی دوا

---

(۱) فتح القدير، ج:۲، ص:۳۰۷، كتاب الصوم، مكتبة دار الكتب العلميه، بيروت.

(۲) البحر الرائق، ج:۲، ص:٤٨٦، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد، دار الكتب العلميه، بيروت.

کے اجزا (اگر چہ اقل قلیل ہوں) خون میں مل کر دماغ اور جوف میں بھی پہنچ جاتے ہیں جو عند الفقہا مفسد صوم ہے۔ انجکشن کا قیاس سر میں تیل لگانے پر کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ تیل لگانے سے کوئی چیز باطن میں داخل نہیں کی جاتی ہے، اسی طرح تبرید کے لیے صائم کا پانی میں بیٹھنا کہ اس صورت میں بھی کوئی چیز باطن میں داخل نہیں ہوتی، اس کا قیاس آنکھ میں سرمہ لگانے پر بھی درست نہیں اس لیے کہ آنکھ روزہ کے اعتبار سے ظاہر جسم ہے، واقعی غیر مخارق مسالک اصلیہ سے جو چیز دواءً یا غذاءً باطن جسم میں پہنچ جائے وہ مفتیٰ بہ قول پر مفسد صوم ہوتی ہے جیسا کہ مبسوط سرخسی میں ہے:

فأما الجائفة والآمة إذا داواهما بدواء يابس لم يفطره، وإن داواهما بدواء رطب فسد صومه في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- ولم يفسد في قولهما والجائفة اسم لجراحة وصلت إلى الجوف. والآمة اسم لجراحة وصلت إلى الدماغ فهما يعتبران الوصول إلى الباطن من مسلك هو خلقة في البدن؛ لأن المفسد للصوم ما ينعدم به الإمساك المأمور به، وإنما يؤمر بالإمساك لأجل الصوم من مسلك هو خلقة دون الجراحة العارضة، وأبو حنيفة -رحمه الله تعالى- يقول: المفسد للصوم وصول المفطر إلى باطنه، فالعبرة للواصل لا للمسلك، وقد تحقق الوصول هنا، وفي ظاهر الرواية فرق بين الدواء الرطب واليابس، وأكثر مشايخنا -رضي الله عنهم- أن العبرة بالوصول حتى إذا علم أن الدواء اليابس وصل إلى جوفه فسد صومه، وإن علم أن الرطب لم يصل إلى جوفه لا يفسد صومه عنده، إلا أنه ذكر اليابس والرطب بناء على العادة. فاليابس إنما يستعمل في الجراحة لاستمساك رأسها به فلا يتعدى إلى الباطن، والرطب يصل إلى الباطن عادة، فلهذا فرق بينهما، والدليل على أن العبرة لما قلنا إن اليابس يترطب برطوبة الجراحة.(۱)

یعنی اگر غیر مخارق اور مسالک اصلیہ سے دوا باطن جسم میں داخل ہو جائے تو صاحبین کے نزدیک مفسد صوم نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مفسد صوم ہے اس لیے کہ امام صاحب کے نزدیک مفطر کا باطن جسم

(۱) ● البحر الرائق، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده، ص: ۳۰۰، ج: ۲، دار المعرفة، بیروت. ● المبسوط للسرخسی، ج: ۲، ص: ٦٣، کتاب الصوم، مکتبة دار الفکر.

میں پہنچ جانا مفسد صوم ہے خواہ مسلک خلقی سے پہنچے جیسے حلق، کان اور دبر وغیرہا سے، یا مسلک غیر خلقی سے پہنچے جیسے جائفہ اور آمہ کے ذریعہ سے، اور صاحبین کے نزدیک مفسد صوم وہ چیز ہے جو باطن میں مسلک خلقی کے ذریعہ سے پہنچے اور اکثر مشائخ نے امام صاحب کے قول کو اختیار کیا ہے اور وصول الی باطن الجسم کو مفسد صوم قرار دیا ہے اور ظاہر الروایۃ کے جائفہ اور آمہ کے مسئلہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب دوا باطن میں پہنچ جائے تو مفسد صوم ہے پس صورت مسئولہ میں چوں کہ انجکشن کے ذریعہ سے دوا باطن جسم میں پہنچ جاتی ہے اس لیے وہ بھی مفسد صوم ہوگا۔ (فتاوی فرنگی محل، موسوم بہ فتاوی قادریہ، کتاب الصوم، ص: ۲۳۴،۲۳۵)

اول الذکر فتاوی کی توضیح و تفصیل سے واضح ہے کہ گوشت کا انجکشن مفسد صوم نہیں اور رگ کا انجکشن مفسد صوم ہے حضرت وجیہ الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ”عروق میں انجکشن لگوانے سے دوا جوف میں داخل ہوجاتی ہے، رگ خود ایک جوف ہی تو ہے، فلہذا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور ”مسلم تقریبات“ کے مرتب نے انجکشن لگوانا مطلق مفسد صوم لکھا ہے رگ کا انجکشن ہو خواہ گوشت کا؛ اس لیے کہ اس کی دوا رقیق ورطب ہونے کی وجہ سے عادۃً جوف دماغ و جوف معدہ میں پہنچتی ہے۔

اور حضرت مفتی فرنگی محلی فرماتے ہیں: ”بطن یا جسم کے اندرونی حصہ میں جو حکم میں باطن جسم کے ہو اگر کوئی چیز اس طرح پہنچائی جائے جس سے جسم کو نفع حاصل ہو وہ مفطر صوم ہے لہذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بغرض علاج جسم کے اندرونی حصہ میں پہنچائی جائے اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا“۔

مزید رقم طراز ہیں: ”غیر مخارق و مسالک اصلیہ سے جو چیز دوا یا غذا باطن جسم میں پہنچ جائے وہ مفتی بہ قول پر مفسد صوم ہوتی ہے“۔

لہذا حضور والا مسئلہ انجکشن کی تحقیق جلیل و توضیح جمیل فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

۲ بحالت روزہ طاقت و نیز گلوکوز وغیرہ کا انجکشن لگوانا شرعاً کیسا ہے؟

۳ وِکس کی پلاسٹک کی ڈبیہ جسے انگریزی میں وِکس ان ہلر کہتے ہیں اس کے سونگھنے سے دل و دماغ پر اچھے اثرات ہوتے ہیں اس کا سونگھنا نزلہ وزکام کی حالت میں فائدہ مند ہے بحالت روزہ ایسی دوا اگر ناک کے ذریعہ سونگھ

کر جسم کے اندرونی حصہ میں پہنچائی جائے جس سے جسم کو نفع حاصل ہوتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم

قاضی محمد مطیع الحق عثمانی، موضع علاء الدین پور، پوسٹ سعد اللہ نگر، گونڈہ، یوپی

۲۵/ جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ

الجواب

❶، ❷ صحیح اور محقق یہ ہے کہ کسی بھی انجکشن کے لگوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، خواہ وہ گوشت کا ہو خواہ رگ کا البتہ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا مکروہ ہے، اس کی بنیاد ان تین اصولوں پر قائم ہے:

اول: روزہ توڑنے والی وہ دوا اور غذا جو معدہ تک مسامات کے علاوہ کسی منفذ یا راستہ سے پہنچے۔

ثانی: فقہائے کرام جو فرماتے ہیں: فما وصل إلى الجوف. اس سے مراد جوف معدہ ہے دوسرے اعضا مراد نہیں۔

ثالث: دوا یا غذا ابتداءً کسی منفذ میں داخل کی گئی اور اخیر میں وہ جوف معدہ تک پہنچی مگر بیچ میں مسامات کے ذریعہ سے پاس ہوئی تو بھی مفسد نہیں۔

اب ہر ایک کی تائیدات سنیے۔ فقہا لکھتے ہیں: ”اگر دماغ یا پیٹ کے ایسے زخم میں دوا ڈالی جو جھلی تک پہنچا ہو اگر یہ دوا دماغ یا معدہ تک پہنچی تو روزہ ٹوٹ گیا“ اگر جوف سے مراد مطلقاً اندرون جسم ہوتا تو روزہ ٹوٹ جانا چاہیے تھا، دوا دماغ تک پہنچے یا نہ پہنچے۔

نیز فقہا نے فرمایا کہ: ”اگر ذکر کے سوراخ میں دوا یا تیل ڈالا تو روزہ نہ ٹوٹا اگرچہ دوا مثانہ تک پہنچ گئی۔ حضرت امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ: اگر دوا مثانہ تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ گیا لیکن وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ دوا اگر عضو تناسل میں رہی مثانہ تک نہ پہنچی تو روزہ نہ ٹوٹا“۔ حالاں کہ ذکر کا اندرونی حصہ اور مثانہ اندرون جسم ہے اگر جوف سے مراد مطلقاً اندرون جسم ہوتا تو دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جانا چاہیے تھا۔

تنویر اور در مختار میں ہے:

أو أقطر في إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب.(۱)

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۳، ص: ۳۷۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، دار الفكر، بيروت

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے:

أي قول أبي حنيفة ومحمد معه في الأظهر. وقال أبو يوسف يفطر، والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا وهو ليس باختلاف على التحقيق، والأظهر أنه لا منفذ له، وإنما يجتمع البول فيها بالترشيح كذا يقول الأطباء. زيلعي. وأفاد أنه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقا[1].

اس عبارت میں مثانہ پر جوف کا عطف واضح کر رہا ہے کہ جوف سے مراد معدہ اور اس کے متعلقات ہیں۔ البحر الرائق میں ہے:

لِو اسْتَعَطَ لَيْلًا وَوَصَلَ إِلَى الرَّأْسِ ثُمَّ خَرَجَ نَهَارًا لَا يَفْسُدُ كَمَا قَدَّمْنَاهُ، وَعَلَّلَهُ فِي الْبَدَائِعِ بِأَنَّهُ لَمَّا خَرَجَ عُلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَى الْجَوْفِ أَوْ لَمْ يَسْتَقِرَّ فِيهِ[2].

یہاں مسئلہ کو یوں فرض کیا کہ تیل یا دوا سر تک پہنچ گئی تھی تو روزہ ٹوٹ گیا، اس کی علت علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھی، علامہ شامی نے رد المحتار میں اسے نقل کر کے برقرار رکھا، فرماتے ہیں:

والتحقيق أن بين جوف الرأس وجوف المعدة منفذا أصليا فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن[3].

یعنی دماغ تک دوا پہنچنے سے روزہ کا فاسد ہونا اس بنا پر ہے کہ سر اور معدہ کے مابین منفذ اصلی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مفسد اصل میں پیٹ تک دوا پہنچنا ہے۔ اب جسم کے جن اندرونی حصے اور معدہ کے

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ص: ٣٧٢، ج:٣، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ص:٤٨٨، ج:٢، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ص:٣٧٦، ج:٣، دار الكتب العلمية، بيروت.

مابین منفذ اصلی ہے وہاں دوا یا غذا پہنچنے سے روزہ اس لیے ٹوٹ جاتا ہے کہ جو دوا یا غذا وہاں پہنچے گی منفذ کے ذریعہ معدے تک ضرور پہنچ جائے گی اسی لیے فقہا کبھی جوف بول کر دماغ یا جسم کا ایسا حصہ مراد لیتے ہیں جہاں سے معدہ تک منفذ اصلی ہے۔ فقہا نے تصریح فرمائی ہے اگر پائخانے کے مقام میں یا عورت نے اپنی شرم گاہ میں دوا ڈالی تو روزہ فاسد ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه[1].

غور کیجیے! مثانہ کو جوف میں داخل نہیں مانا، اور پائخانہ کے مقام اور عورت کی شرم گاہ کو جوف میں داخل مانا۔ وجہ فرق یہ بتائی کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان ایک جھلی حائل ہے اور ان دونوں مقامات اور معدہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ اس کا خلاصہ یہی ہوا کہ حقیقت میں مفسد وہ دوا یا غذا ہے جو کسی منفذ اصلی کے ذریعہ پیٹ تک پہنچے، یا جسم کے کسی ایسے اندرونی حصے تک پہنچے جس میں پیٹ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، براہ راست منفذ ہو، اس لیے کہ ایسی جگہ دوا کے پہنچنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ معدہ تک پہنچی تو ظاہر ہو گیا کہ فقہا کے ارشادات میں یہاں جو جوف آتا ہے اس سے مراد جسم کا ہر اندرونی خالی حصہ نہیں بلکہ اصل مراد معدہ اور اس کے متعلقات ہیں یا وہ اندرونی حصہ جہاں سے معدہ تک منفذ اصلی ہو۔ فقہا نے تصریح فرمائی کہ آنکھ میں سرمہ لگایا، سرمہ تھوک کے ذریعہ باہر نکلا روزہ نہیں ٹوٹا۔

ردالمحتار میں ہے:

أي طعم الكحل أو الدهن كما في السراج وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح. بحر. قال في النهر: لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر.[2]

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:۳۷۲، ج:۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:۳۶۷، ج:۱، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت.

ہدایہ میں ہے: والداخل من المسام لا ينافي[1].

فتح القدیر میں ہے: وَالْمُفْطِرُ الدَّاخِلُ مِنَ الْمَنَافِذِ كَالْمُدْخَلِ وَالْمُخْرَجِ لَا مِنَ الْمَسَامِّ الَّذِي هُوَ خَلَلُ الْبَدَنِ.[2]

غور کیجیے! سرمہ آنکھ میں لگایا گیا، آنکھ سے دماغ میں پہنچا، دماغ میں کھکھار سے مل کر بذریعہ ناک باہر آیا، یا حلق پر گر کر تھوک کے ساتھ باہر آیا روزہ نہیں ٹوٹا۔ علت یہ بیان کی گئی کہ دماغ تک مسامات کے ذریعہ پہنچا، یہ مفسد نہیں، مفسد وہ ہے جو منفذ سے پہنچے۔ آپ غور کریں گے تو ہم نے جو تینوں اصول ذکر کیے تھے وہ ثابت ہو گئے نیز انہی عبارات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جسم کی اندرونی ساخت کے بارے میں اطبا کا قول حجت ہے، اب آیئے انجکشن کی حقیقت پر غور کیجیے۔ گوشت میں جو انجکشن لگا وہ ابتدا ہی سے مسامات میں گیا لہذا اس کے مفسد صوم ہونے کا سوال ہی نہیں۔ وہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے نہانے یا مالش میں پانی یا دوا جسم میں جذب ہوتی ہے۔ رہ گیا رگ کا انجکشن وہ یقیناً ابتداءً منفذ میں گیا لیکن جن رگوں میں انجکشن لگایا جاتا ہے اس میں اور معدہ اور سر کے مابین براہ راست کوئی منفذ نہیں، اخیر میں جا کر یہ دوا مسامات ہی کے ذریعہ دماغ یا معدہ تک پہنچے گی اس کے لیے علم تشریح کا مطالعہ کریں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رگوں کا خون براہ راست دل میں واپس ہوتا ہے، دل اس کو پائپ کر کے پھیپھڑوں میں پہنچا دیتا ہے۔ سانس کے ذریعہ پھیپھڑے میں پہنچی ہوئی تازہ ہوا جو پھیپھڑے میں پہنچتی ہے اس خون کی اصلاح بھی کرتی ہے اور اس میں قوت بھی، اس کے بعد یہ خون دل میں جاتا ہے، دل اس تازہ خون کو رگوں میں سپلائی کرتا ہے، ان رگوں کے ذریعہ پورے جسم میں پہنچتا ہے پھر رگوں سے نکلی ہوئی اس کی بال کے مانند باریک شاخیں بقدر ضرورت اور قوت گوشت میں پہنچاتی ہے، اس طرح وہ گوشت کے مسامات میں ملتا ہے پھر وہ اعضا کے غذا کے کام میں آتا ہے۔ خون کے ناقص اجزا پھر واپس آتے ہیں اور رگوں کے ذریعہ دل میں آکر پھیپھڑوں میں

(۱) الهداية، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة ،ص: ۱۹۷، ج:۱، مجلس بركات، اشرفيه مبارك پور.

(۲) فتح القدير، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة ،ص: ۳۳۵، ج:۲، بركات رضا، پور بندر، گجرات.

پہنچ کر صاف ہوکر پھر حسب سابق دل میں جاکر پورے جسم میں پھیلتے ہیں۔ دل سے معدہ تک یا دماغ تک کوئی منفذ ایسا نہیں جس کے ذریعہ خون براہ راست بغیر مسامات کے دماغ یا معدہ تک جائے؛ اس لیے انجکشن کے ذریعہ جو دوا خون میں ملی وہ دماغ یا پیٹ میں کسی منفذ کے ذریعہ نہیں مسامات کے ذریعہ پہنچی اس لیے وہ مفسد صوم نہیں ہوئی۔

ہماری اس تقریر سے دونوں فتاوی کے ان مقامات کی نشان دہی ہو گئی جس کی وجہ سے دونوں مفتی صاحبان سے خطا واقع ہوگئی۔ مگر وہ اس بنا پر ہے کہ روزہ سے مقصود "إمساك عن الأكل والشرب" ہے انجکشن سے اگرچہ حقیقتا "إمساك عن الأكل والشرب" نہیں ہوتا مگر حقیقت میں کھانے پینے کا جو فائدہ ہے وہ انجکشن سے بخوبی حاصل ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

٣ وکس کے سونگھنے سے اگر دوا کا کوئی جز اندر گیا اور دماغ تک پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر دوا کا کوئی جز نہیں گیا صرف اس کی مہک گئی تو روزہ نہیں ٹوٹا خواہ اس کا اثر کتنا ہی ظاہر ہو۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: أو استعط في أنفه شيئا أو أقطر في أذنه دهنا أو داوى جائفة أو آمة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه(١).

رد المحتار میں ہے:

لا يكره للصائم شم رائحة المسك والورد ونحوه مما لا يكون جوهرا متصلا كالدخان، فإنهم قالوا: لا يكره الاكتحال بحال، وهو شامل للمطيب وغيره، ولم يخصوه بنوع منه وكذا دهن الشارب(٢). واللہ تعالی اعلم

[٥] کان میں از خود پانی جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

مسئلہ— تالاب میں غسل کرتے وقت کان میں پانی از خود چلا جائے تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا؟

(١) تنوير الأبصار والدر المختار ، ص:٣٧٦، ج: ٣، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(٢) رد المحتار فوق الدر المختار، ص:٣٩٧، ج: ١، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

محمد یٰسین اشرفی، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

الجواب

روزہ نہیں ٹوٹتا۔[لو أقطر في أذنه الماء لا يفسد صومه، كذا في الهداية.[1] ش]واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

[۶] روزے کی حالت میں نیم کی مسواک کرنے میں حرج نہیں

مسئلہ۔ روزہ کی حالت میں نیم کی مسواک کرنا کیسا ہے؟ کیوں کہ سنی مسلمان ہی خود آپس میں نیم کی مسواک روزہ کی حالت میں کرنے میں اختلاف کرتے ہیں، لہذا جواب عنایت فرمائیں تاکہ مسلمانوں کا شک دور ہو جائے۔

اختر علی صاحب، پرم پورہ، کان پور، یوپی

۳/ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

الجواب

روزہ کی حالت میں بھی نیم کی مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۷] حلق میں خود بخود دھواں داخل ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

مسئلہ۔ رمضان شریف کے مہینوں میں مسجدوں میں اگر بتی اور لوبان جلانا درست ہے یا نہیں؟ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس کے دھواں سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے اور عصر بعد غسل کرنے سے بھی منع کرتے ہیں کہ ان دونوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے، مفصل اور مدلل جواب دیں گے۔

علی احمد، ہورلاڈیہ، پوسٹ بھاگا، دھنباد، بہار

الجواب

---

(1) الفتاوى الهندية، ص: ٢٢٤، ج: ١، كتاب الصوم، باب في ما يفسد الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

رمضان شریف میں اگر بتی اور لوبان سلگانا درست ہے اگر حلق میں خود بخود دھواں داخل ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا، ورنہ روزہ دار عورتوں کا کھانا پکانا ناجائز ہو جائے۔ بلکہ بالقصد حلق میں تلذذ، یا دوا، یا غذا کے طور پر دھواں داخل کیا جائے گا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا جس کی تفصیل اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالۂ مبارکہ "الاعلام بحال البخور فی الصیام" میں ملاحظہ کریں۔ عصر بعد غسل کرنے یا کسی دوسرے وقت غسل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ پانی کی خنکی اندر محسوس ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

[۸] بچے کو دودھ پلانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا

مسئلہ - کیا حالت روزہ میں ماں اپنے شیر خوار بچے کو دودھ پلا سکتی ہے؟ روزے میں کوئی خرابی آئے گی جب کہ بچہ ماں کے علاوہ کوئی اور دودھ نہیں پیتا۔

مصباحی، سلطان پور

الجواب

ضرور پلائے گی، بچہ کے دودھ پلانے سے روزہ پر کوئی خرابی نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ر محرم ۱۴۲۱ھ

---

(۱) در مختار میں ہے:

دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكرا (لم يفطر) استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان ولو عودا أو عنبراً لو ذاكرا، لإمكان التحرز عنه، فليتنبه له، كما بسطه الشرنبلالي. [تنوير الأبصار مع الدر المختار، ص:٣٦٦، ج: ٣، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.]

ردالمحتار میں ہے:

(قوله: ومفاده) أي مفاد قوله دخل أي بنفسه بلا صنع منه. (قوله: أنه لو أدخل حلقه الدخان) أي بأي صورة كان الإدخال، حتى لو تبخر ببخور وآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه، وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس، ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لو ضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله. [رد المحتار على هامش الدر المختار ج:٣، ص:٣٦٦، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.] (مرتب غفرلہ)

[۹، ۱۰] داڑھ میں دوا لگانے کا حکم

مسئلہ- ① روزے میں داڑھ میں درد ہو تو دوا لگا سکتے ہیں یا نہیں۔

② روزے میں انجکشن لگوا سکتے ہیں یا نہیں، یا ہاتھ میں یا پیر میں یا کولھے پر یا پیٹ میں پچکاری سے دوا پہنچانا کیسا ہے؟

عبد الحکیم صاحب، منہ سور، ایم پی

الجواب

① - لگا سکتے ہیں مگر احتیاط کریں کہ دوا حلق کے نیچے نہ جانے پائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

② روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا، یا کہیں بھی پچکاری سے دوا پہنچانا مکروہ ہے بلکہ پچکاری سے پیٹ یا دماغ میں دوا پہنچائی تو روزہ جاتا رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ / جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے

[۱۱] ہاتھ سے مالش کرنے سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا

مسئلہ- میری نظر سے درج ذیل مسئلہ گزرا جس کی وضاحت کا خواست گار ہوا۔

روزہ میں ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ فاسد نہیں۔ (در مختار، ج:۱، ص:۵۱۲)

محمود جعفر صاحب، ۲۵ / کمرشیل اسٹریٹ، بنگلور

الجواب

اس میں غیر مقلد جاہل نے صریح خیانت کی ہے۔ در مختار میں کہیں نہیں کہ جس نے ہاتھ سے منی نکالی

اس کا روزہ فاسد نہیں۔بلکہ در مختار سے بطور مفہوم مخالف یہ ثابت ہے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

در مختار جلد ثالث، ص:۳۷۰ پر ہے:

أو جامع فيما دون الفرج ولم ينزل يعني في غير السبيلين كسرة وفخذ وكذا الاستمناء بالكف وإن كره تحريما[۱].

سبیلین کے علاوہ اور کہیں جماع کیا جیسے ناف اور ران میں اور انزال نہیں ہوا اور ایسے ہی ہاتھ سے مالش کی اگرچہ یہ مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔

اس عبارت کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ ہاتھ سے مالش کرنے پر اگر انزال نہ ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔اس گمراہ گر جاہل کو یہاں کی عبارت سوجھی اور چند سطر بعد اسی در مختار میں یہ تصریح فرمائی کہ اگر ہاتھ سے مالش کی اور منی نکل آئی تو روزہ ٹوٹ گیا یہ اسے نہیں سجھائی دیا۔ سجھائی ضرور دیا ہوگا مگر ان بدباطنوں کو عوام میں شورش پھیلانا اور فقہ حنفی سے بد ظن کرنا مقصود ہوتا ہے۔اسی لیے یہودیوں کی اس سنت پر عمل کرتے ہیں کہ کتاب کے بعض حصے کو ذکر کرتے ہیں اور بعض کو ہضم کر جاتے ہیں۔

اسی باب میں اسی در مختار میں چند سطر بعد ہے:

أو استمنىٰ بكفه أو بمباشرة فاحشة ولو بين المرأتين فأنزل قيد للكل حتى لو لم ينزل لم يفطر كما مر[۲].

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، ص: ۳۷۰-۳۷۱، ج:۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت.

"وكذا الاستمناء باليد" کے تحت رد المحتار میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

أی في كونه لا يفسد لكن هذا إذا لم ينزل أما إذا أنزل فعليه القضاء كما سيصرح به و هو المختار كما يأتي. (ج:۳،ص:۳۷۱، الباب السابق.)

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۷۹، ج:۳، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اپنے ہاتھ سے مالش کی یا مباشرت فاحشہ کی اگرچہ دو عورتوں کے مابین جس سے انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ گیا یہ سب کے لیے قید ہے یہاں تک کہ اگر انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹا جیسا کہ گزر گیا۔

آپ خود غور کیجیے اگر بغیر انزال کے محض ہاتھ کی مالش سے روزہ ٹوٹنے کا حکم لگایا جائے تو لازم کہ اگر عضو تناسل کو ہاتھ لگے یا استنجا کرے یا غسل کے وقت میل چھڑانے کے لیے ملے روزہ ٹوٹ جائے، یہ کوئی جاہل اور مسلمان کا دشمن ہی کہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲] شہوت کی حالت میں خروج منی سے روزہ ٹوٹ جائے گا

مسئلہ- کسی ظالم بندۂ نفس کا غلبۂ نفس میں نابالغ بچے بچیوں کے انگلی کر کے لطف لینا اور اپنی شہوت کی پیاس بجھانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ آیا یہ فعل ارتکاب زنا ہے یا نہیں؟

اور اگر روزے کی حالت میں یہی حرکت سرزد ہو اور اخراج منی ہو تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ اور اگر روزہ فاسد ہوا تو کفارہ بھی لازم ہو گا یا نہیں؟ اور اگر کئی روزوں کی حالت میں ایسی ہی حرکت واقع ہوئی تو ایک ہی کفارہ کافی ہے یا کیا؟ اب روزوں کی قوت نہیں رکھتا تو کفارہ کی کیا صورت ہے جب کہ یہ شخص کئی بار توبہ کر چکا ہے مگر شامت نفس سے اندھا ہو کر پھر افعال بد میں گھر گیا تو کیا کافر ہو گیا؟ کیا اب بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ فعل انتہائی گھناونا، بہت بڑی بے حیائی اور حرام و گناہ ہے لیکن ہر حرام و گناہ کام زنا نہیں۔ زنا غیر منکوحہ عورت کے ساتھ جو قابل شہوت ہو پیشاب کے مقام میں دخول کو کہتے ہیں۔ عورت کے علاوہ کسی سے بدفعلی یا خود عورت ہی سے پیچھے کے مقام میں بدفعلی حرام ضرور ہے لیکن زنا نہیں۔ روزے کی حالت میں اس غلط طریقے سے اخراج منی سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر یہ لڑکا یا لڑکی قابل شہوت ہیں مگر کفارہ واجب نہ ہو گا، صرف قضا واجب ہو گی۔ اور اگر یہ لڑکا یا لڑکی حد شہوت تک نہیں پہنچے ہیں تو اس فعل بد کے باوجود روزہ

بھی نہیں ٹوٹے گا۔[1] اللہ تعالیٰ عفو و غفور ہے۔ ہزار بار گناہ کرنے کے بعد اور ہزار بار توبہ کے بعد پھر وہی گناہ کرنے کے باوجود آدمی کافر نہیں ہوتا اور توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ آیت کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا.[2] اپنے عموم کے اعتبار سے ہزار بار گناہ کر کے بار بار توبہ کر کے گناہ کرنے کو بھی شامل ہے۔ اس شخص پر کفارہ واجب نہیں۔ اور اگر بالفرض کسی ایسے شخص پر روزے کا کفارہ واجب ہو جائے تو اس کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے جب کہ وہ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا بقدر صدقۂ فطر ہر روزے کے عوض مسکین کو دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) درمختار میں ہے: "أدخل ذكره في بهيمة أو ميتة من غير إنزال أو مس فرج بهيمة أو قبلها فأنزل ... لم يفطر.
ردالمحتار میں ہے: قوله : من غير إنزال : أما به فعليه القضاء فقط كما سيأتي . قوله : أو قبلها : عطف على مس فهو فعل ماض من التقبيل . قوله : فأنزل : وكذا لا يفسد صومه بدون إنزال بالأولى. ونقل في البحر وكذا الزيلعي وغيره الإجماع على عدم الفساد مع الإنزال، واستشكله في الإمداد بمسألة الاستمناء بالكف .
قلت : والفرق أن هناك إنزالا مع مباشرة بالفرج وهنا بدونها، وعلى هذا فالأصل أن الجماع المفسد للصوم هو الجماع صورة وهو ظاهر، أو معنى فقط وهو الإنزال عن مباشرة بفرجه لا في فرج أو في فرج غير مشتهى عادة، أو عن مباشرة بغير فرجه في محل مشتهى عادة، ففي الإنزال بالكف أو بتفخيذ أو تبطين وجدت المباشرة بفرجه لا في فرج، وكذا الإنزال بعمل المرأتين فإنها مباشرة فرج بفرج لا في فرج، وفي الإنزال بوطء ميتة أو بهيمة وجدت المباشرة بفرجه في فرج غير مشتهى عادة، وفي الإنزال بمس آدمي أو تقبيله وجدت المباشرة بغير فرجه في محل مشتهى؛ أما الإنزال بمس أو تقبيل بهيمة فإنه لم يوجد فيه شيء من معنى الجماع فصار كالإنزال بنظر أو تفكر فلذا لم يفسد الصوم إجماعا . هذا ما ظهر لي من فيض الفتاح العليم. [رد المحتار المطبوع مع الدر المختار، ج:۳، ص: ۳۷۱، ۳۷۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت]
سوال میں جس گھناونے طریقے کا ذکر ہے اس طریقے پر قابل شہوت لڑکا یا لڑکی کے ساتھ اخراج منی اگرچہ حقیقۃً جماع نہیں لیکن معنیً جماع ہے اس لیے روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔ قضا اور کفارہ اس صورت میں ہوگا جب جماع جملہ شرائط کے ساتھ حقیقۃً متحقق ہو۔ اور اگر لڑکا یا لڑکی غیر قابل شہوت ہیں تو یہ نہ حقیقۃً جماع ہے اور نہ معنیً اس لیے اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مرتب غفرلہ)

(۲) سورۃ الزمر، آیت: ۵۳.

[۱۳] عورت کے جسم سے اپنا جسم مس کرنے سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا

مسئلہ- آج کل بسوں، ٹرینوں میں بھیڑ جب بہت ہوتی ہے ایسی صورت میں اگر مرد و عورت بوجہ مجبوری ایک دوسرے سے سٹے ہوئے کھڑے ہوں چوں کہ مرد ہزار کوشش کے باوجود کہ الگ ہٹ جائے مگر ہلنے کی بھی جگہ نہ ملے اور نا چاہتے ہوئے بھی آلہ میں انتشار ہوا اور انزال ہو جائے تو روزہ دونوں کا یا خالی مرد کا ٹوٹا یا نہیں اور اگر ٹوٹا تو اس پر صرف قضا ہے یا کفارہ بھی؟

محمد رفیع اللہ، مدرسہ جامعہ مصطفیٰ قادریہ، ابراہیم پور، ولی پور، سلطان پور، یوپی

الجواب

اگر مرد نے بالقصد عورت کے ساتھ جسم مس نہیں کیا، اس نے پوری احتیاط کی کہ میرا جسم عورت سے مس نہ ہو مگر مس ہو گیا اور انزال ہوا تو ظاہر ہے کہ روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اور اگر مرد نے اپنے جسم کو قصداً عورت کے جسم کے ساتھ مَس کیا، اور انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی قضا واجب ہوگی، اس صورت میں کفارہ نہیں۔ [ولو مس المرأة ورأى ثيابها فأمنى فإن وجد حرارة جلدها فسد وإلا فلا، كذا في معراج الدراية][1] واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

[۱۴] کان یا ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا

مسئلہ- کان اور ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مختلف اشتہاروں سے ظاہر ہے لیکن آنکھ کے بارے میں بتایا ہے کہ روزہ مکروہ ہوتا ہے۔ اس کا شرعی فلسفہ کیا ہے برائے کرم بالتفصیل جواب سے نوازیں۔

عبد القادر رضوی، ولد عبد الرحیم قادری، کنگھار واڑی، بوسیاڑہ، راجستھان

---

(۱) الفتاوى الهندية، ج:۲۲۵، ج:۱، كتاب الصوم، باب فيما يفسد وما لا يفسد، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

الجواب

ناک یا کان میں جو دوا ڈالی جاتی ہے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ناک اور دماغ میں براہ راست منفذ ہے جو دوا ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ بذریعہ منفذ دماغ میں پہنچتی ہے۔ یہی حال کان کا ہے اگر چہ کان و دماغ کے مابین بہت باریک پردہ حائل ہے لیکن وہ اتنا باریک ہے جس کا وجود کالعدم ہے جو دوا کان میں ڈالی جائے گی وہ دماغ میں ضرور پہنچے گی[1]۔ بخلاف آنکھ کے، آنکھ و دماغ کے مابین کوئی منفذ نہیں، آنکھ میں جو دوا ڈالی جائے گی وہ بذریعہ منفذ دماغ میں نہیں پہنچتی اس کا کچھ حصہ اگر دماغ میں پہنچتا بھی ہے تو بذریعہ مسامات پہنچتا ہے اور مسامات کے ذریعہ جو دوا یا پانی دماغ میں یا جوف میں پہنچے اس کو اگر مفسد صوم مان لیا جائے تو بڑی دشواری پیدا ہو جائے گی۔ پھر نہانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس لیے فقہانے تصریح فرمائی ہے کہ مسامات کے ذریعہ جو دوا یا پانی پیٹ یا دماغ میں پہنچے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ آنکھ میں دوا ڈالنے یا سرمہ لگانے سے روزہ مکروہ بھی نہیں ہوتا اگر کسی پوسٹر میں یہ لکھا ہے تو غلط لکھا ہے۔

ہدایہ میں ہے: ولا باس بالاکتحال[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال ۱۴۰۱ھ

---

(۱) کان خود ایک جوف ہے اور منفذ بھی۔ اور اس منفذ کے اندر تیل ڈالیے، یا دوا، تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا اثر دماغ تک پہنچ رہا ہے اسی احساس کو دماغ میں تیل یا دوا کا پہنچنا کہا جاتا ہے۔ شریعت نے ہمیں طبی حقائق اور مڈیکل سائنس کے دقائق کو سمجھنے کا مکلف نہیں کیا، نہ اس پر احکام شرع کی بنیاد رکھی، بلکہ "نحن أمة أمية" فرما کر عام فہم انسانی اور یسر و آسانی پر بنائے احکام رکھی اور کان کے منفذ سے جب اس کے جوف کے اندر دوا جاتی ہے اور دماغ میں اس کا اثر محسوس ہوتا ہے تو عامۂ امت یہی سمجھتی ہے کہ دماغ تک دوا پہنچ گئی، اثر انگیزی کا یہی احساس وصول ہے اور مفطر صوم۔ اس کو ذہن میں رکھ کر اب تنویر و در مختار کا جزئیہ ملاحظہ کیجیے:

"احتقن أو استعط في أنفه شيئا أو أقطر في أذنه دهنا أو داوى جائفة أو آمّة فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه". (تنویر الابصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳۷٦، ج: ۳، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.)

مزید تفصیل کے لیے "مجلس شرعی کے فیصلے" ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۲) الهداية، ج:۱، ص: ۲۰۱، کتاب الصوم، باب ما یوجب القضا والکفارة، مجلس برکات.

فصل في ما یوجب القضاء دون الکفارة

ان صورتوں کا بیان جن میں صرف قضا لازم ہے

[۱۵] مسلمان رمضان میں جہاں ہو وہاں کے حساب کی پابندی اس پر لازم ہے

مسئلہ— زید عرب میں ملازم ہے اس سال ماہ صیام میں وہ چھٹی پر اپنے وطن ہندوستان واپس آیا۔ عرب میں اس نے دو روز قبل ہی روزے رکھنا شروع کیے تھے (کہ ہر سال وہاں دو روز قبل ہی چاند نظر آتا ہے اور ہند کے مقابل دو روز قبل ہی عید ہوتی ہے) ہند میں جس وقت ۲۸/ واں روزہ تھا اس دن زید کے ۳۰/ روزے مکمل ہو چکے تھے باوجود اس کے زید نے ہند کی تاریخ یا روزوں کے مطابق مزید دو روزے اپنے گھر والوں کے ساتھ سحری کر کے رکھ لیے۔ گویا زید نے کل ۳۲/ روزے اس سال رکھے پھر عید منائی اور نماز عید الفطر ادا کی۔ تو زید کا ۳۲/ روزے رکھنا کیسا ہے؟ جب ایسا معاملہ پیش آئے یعنی ۳۲/ روزے (ہند کے چاند کے مطابق) ہونے کا اندیشہ ہو تو زید کو کیا کرنا چاہیے؟

نعیم احمد برکاتی، ہبلی، کرناٹک

الجواب

زید پر فرض تھا کہ جب وہ ہندوستان آیا تو ہندوستان کی رویت کے مطابق ۲۹/ ۳۰/ کو روزے رکھتا۔ مسلمان جہاں ہو وہاں کے حساب کی پابندی اس پر لازم ہے اگر وہ ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوستان کے حساب کے مطابق روزے نہ رکھتا تو گناہ گار ہوتا اس پر دو روزوں کے چھوڑنے کا وبال ہوتا۔[۱] واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/ ذو قعدہ ۱۴۱۴ھ

---

(۱) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵)

[۱۶] آدمی جس جگہ ہو اس پر وہیں کے اعتبار سے رمضان مکمل کرنا لازم ہے

مسئلہ- زید کے ہمراہ بکر بھی عرب میں ملازم ہے مگر اس نے ہندوستان اپنے وطن آکر ۳۰/ روزے ہی مکمل کر لیے وہ اس طرح کہ اس نے عرب ہی میں دو روزے قضا کر دیے تھے۔ پندرہویں روزے کے بعد وہ ہندوستان آیا پھر اپنے وطن و گھر والوں کے مطابق مکمل روزے (یعنی زید ہی کی طرح) پورے کر لیے۔ اب بکر کا کہنا ہے کہ میں نے جو دو روزے عرب میں قضا کیے تھے وہ بھی یہاں ادا ہو گئے اور مکمل ۳۰/ ادا ہی ہو گئے۔ اب مجھ پر عرب کے دو روزوں کی قضا نہیں (کہ شوال میں قضا رکھ لوں) الغرض بکر کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے اور کیسے؟

نعیم احمد برکاتی، کالسٹ، ہاسٹ ہبلی، کرناٹک

الجواب

بکر پر بھی یہی واجب تھا کہ وہ ہندوستان آگیا تو وہ ہندوستان کے حساب کے مطابق ۲۹/ اور ۳۰/ کو رمضان کے روزے رکھتا اس نے ان دنوں میں بہ نیت قضا جو روزے رکھے وہ قضا کے نہ ہوئے بلکہ رمضان کے ہوئے اس پر اب بھی اپنے قضا کردہ دو روزوں کی قضا واجب ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ

[۱۷] بیمار پر بعد صحت قضا واجب ہے

مسئلہ- بیمار آدمی روزے کا فدیہ دینے کی وسعت نہیں رکھتا، اس کا کیا راستہ ہے؟

حافظ محمد احمد، پیش امام مسجد مقام بروامیر چھاپر، دیوریا

الجواب

بیمار پر فدیہ نہیں، بعد صحت اس پر قضا واجب ہے۔ اور اگر بیماری ہی میں مر گیا تو معاف ہے۔ فدیہ کی

---

(۱) قرآن کریم میں ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ. (سورة البقرة، الآية: ۱۸۵)

وصیت کر جانا بھی واجب نہیں، کر جائے تو بہتر ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ر رجب ۱۴۱۰ھ

[۱۸-۲۰] غلطی سے وقت سے پہلے افطار کرنے سے قضا لازم ہے

مسئلہ- زید جو ایک عالم ہے اور پیری مریدی بھی کرتا ہے، ساتھ ہی ایک ادارے کا صدر بھی ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کے شرعی معاملات بھی حل کرتا ہے۔ اس نے رمضان المبارک کا نقشہ سحر و افطار چھپوایا جس میں صحیح وقت سے ایک گھنٹہ کا فرق تھا۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر انھوں نے جو نماز کا طریقہ چھپوایا اس میں پہلی رکعت کی تکبیر زائد غائب تھی اس لیے نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات شریعت کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

❶ جن لوگوں نے اس اشتہار کے مطابق رمضان میں روزہ افطار کیا ان کا روزہ ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو کیا اس روزہ کی قضا کرنی پڑے گی، یا نہیں؟

❷ جن لوگوں نے بقر عید کی نماز اس اشتہار کے مطابق ادا کی ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

❸ زید کو اشتہار کی ان غلطیوں کی طرف متوجہ کیا گیا تاکہ وہ بذریعہ اشتہار لوگوں کو صحیح مسئلہ سے مطلع کردے لیکن آج تک اس نے اس پر نہ توجہ دی، نہ غلطی کا اعلان کیا۔ بلکہ جب لوگوں نے بات کی تو یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کر دیا کہ چھپائی وغیرہ میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں زید پر شریعت کا کیا حکم ہے اکثر شرعی فیصلے میں بھی وہ لوگوں کا چہرہ دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے، کیا ایسی حالت میں انھیں شرعی فیصلہ کا حق ہے یا نہیں؟

محمد قادر خاں، کیراف ظفر علی، مکان ۹۶/۷ نیز ناپور، رائپور، ایم پی

---

(۱) الفتاوی الهندیة میں ہے:

ولو فات صوم رمضان بعذر المرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لا قضاء عليه لكنه إن أوصى بأن يطعم عنه صحت وصيته وإن لم تجب عليه، ويطعم عنه من ثلث ماله فإن برئ المريض أو قدم المسافر ، وأدرك من الوقت بقدر ما فاته فيلزمه قضاء جميع ما أدرك ، إلى آخره .(الفتاوى الهندية، ج:١ ، ص: ٢٠٧ ، كتاب الصوم، الباب الخامس في الإعذار التي تبيح الإفطار، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.)

الجواب

❶ تا ❸ سائل نے یہ نہیں بتایا کہ مذکورہ بالا اشتہار میں ایک گھنٹہ کا فرق کیسا تھا ایک گھنٹہ پہلے کا وقت لکھا تھا یا ایک گھنٹہ بعد کا۔ مثلاً آج یہاں مبارک پور میں غروب آفتاب ۶/ بج کر ۲۰/ منٹ پر ہے اس میں لکھا تھا کہ غروب ۵/ بج کر ۲۰/ منٹ پر، یا ۷/ بج کر ۲۰/ منٹ پر [اور طلوع صبح صادق ۴/ بج کر ۱۵/ منٹ پر ہے ـــــ لیکن اس میں لکھا تھا کہ طلوع صبح صادق ۳/ بج کر ۱۵/ منٹ پر، یا ۵/ بج کر ۱۵/ منٹ پر] اگر واقعی کسی نے بفرض محال پہلی صورت میں اس اشتہار کے مطابق افطار کر لیا، یا سحری میں دوسری صورت کے مطابق ایک گھنٹہ بعد تک کھایا پیا تو اس کا روزہ نہ ہوا۔ اس پر سب روزوں کی قضا واجب ہے (۱) لیکن یہ بہت مشکل ہے کہ کسی مسلمان نے ایسا کیا ہو۔ غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ پہلے تک اگر بادل نہ ہو تو کافی دھوپ ہوگی۔ اور اگر بادل ہو تو کافی اجالا ہوگا۔ اسی طرح سحری میں ایک گھنٹہ بعد کافی اجالا پھیل جائے گا جس کو ہر مسلمان محسوس کرے گا۔ اس لیے شاید ہی کسی نے اس اشتہار پر عمل کیا ہو۔

نماز عید کی ترکیب میں زائد تکبیریں اشتہار میں نہیں چھاپی یہ بہت بڑی کوتاہی ہے اگر کسی نے قصداً نماز عیدین میں تکبیر زوائد کو چھوڑا تو وہ گنہ گار ہوا لیکن ایسا بھی بہت مشکل ہی ہے اور کتابت کی غلطیاں شائع اور ذائع ہیں جب مشتہر نے تسلیم کر لیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی یا اشتہار میں کتابت کی غلطی ہے تو اس پر مواخذہ نہیں مگر انھیں چاہیے کہ صحت نامہ شائع کر دیں تاکہ لعن وطعن ان پر نہ ہو اور آیندہ بہت احتیاط کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲/ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ

[۲۱] سورج ڈوبنے کا ظن غالب ہو جائے تو افطار کرنا درست ہے

مسئلہ - یہاں پر لوگ رمضان المبارک میں وقت ہونے سے ایک دو منٹ پہلے روزہ کھول لیتے

---

(۱) تنویر الابصار و در مختار میں ہے: "(أو تسحر أو أفطر يظن اليوم) أى الوقت الذي أكل فيه (ليلاً و) الحال أن (الفجر طالع والشمس لم تغرب قضى". [ج:۳، ص: ۳۸۲، کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالكف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.]

ہیں، کیا حکم ہے؟

حافظ عبد الرشید صاحب، پیش امام جامع مسجد دادنگری

۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ

الجواب

آفتاب کے غروب ہونے سے اگر ایک منٹ پہلے بھی روزہ کھول دے گا تو روزہ صحیح نہ ہو گا بلکہ اس کی قضا اور کفارہ بھی لازم ہو گا۔(۱) اور اگر سائل کی مراد یہ ہے کہ افطار و سحر کے جو نقشے چھپے ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے ایک دو منٹ پہلے روزہ افطار کر دیتا ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زید کو اس کا یقین ہو گیا کہ آفتاب ڈوب چکا ہے اور دیکھنے میں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے تو زید کا روزہ ہو گیا۔ اس لیے کہ اولا تو یہ سب نقشے صحیح نہیں ہوتے اکثر نقشے غلط ہوتے ہیں۔ ہر نقشے پر اعتبار جائز نہیں۔ اعتماد صرف انھیں نقشوں پر درست ہے جو کسی دین دار معتمد عالم کا نکالا ہوا ہو جو توقیت کا بھی ماہر ہو۔ عام طور پر مدارس سے جو نقشے شائع ہوتے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے پھر ماہرین بھی دو سے لے کر پانچ منٹ تک احتیاط رکھ کر بناتے ہیں۔ اس صورت میں ایک دو منٹ پہلے افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱) ردالمحتار میں ہے: "وَإِنْ ظَنَّ غُرُوبَ الشَّمْسِ فَإِنْ تَبَيَّنَ عَدَمُهُ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ فَقَطْ، وَإِنْ تَبَيَّنَ الْغُرُوبُ أَوْ لَمْ يَتَبَيَّنْ شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَإِنْ شَكَّ فِيهِ فَإِنْ لَمْ يَتَبَيَّنْ شَيْءٌ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَفِي الْكَفَّارَةِ رِوَايَتَانِ وَإِنْ تَبَيَّنَ عَدَمُهُ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ وَإِنْ تَبَيَّنَ الْغُرُوبُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ". [ج:۳، ص: 382، کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.]

فصل في ما يوجب القضاء والكفارة

ان صورتوں کا بیان جن میں کفارہ بھی لازم ہے

[۲۲] روزہ یاد ہوتے ہوئے پان کھانے پر قضاو کفارہ دونوں ہے

مسئلہ — زید کہتا ہے کہ رمضان المبارک کا روزہ حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ پینے یا پان کھانے سے ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی واجب ہوتی ہے البتہ کفارہ لازم نہ ہوگا۔ اگرچہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔

اور بکر کہتا ہے کہ روزہ بھی ٹوٹ جائے گا، قضا بھی واجب اور کفارہ بھی لازم ہوگا بشرطے کہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔

معروض ہے کہ بالوضاحت بیان فرمائیں کہ کس کا قول درست ہے اور کس کا غلط اور کس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

معین الدین، چندوسی، مرادآباد

الجواب

زید کا قول غلط ہے، بکر صحیح کہتا ہے۔ روزہ یاد ہوتے ہوئے جو شخص حقہ، بیڑی، سگریٹ پیے یا پان کھائے اس پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔ [1] واللہ تعالی اعلم

۱۴ر شوال ۱۴۱۳ھ

---

(۱) تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(أكل أو شرب غذاء أو دواء)، والضابط وصل ما فيه صلاح بدنه لجوفه (عمدا ... قضى في الصور كلها وكفر) لأنه ظن في غير محله . [ج:۳، ص:۳۸۷، ۳۸۸، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

[۲۴۳] کفارے میں اس وقت ساٹھ روزے ضروری ہیں جب درمیان ماہ سے روزہ رکھے

مسئلہ- ایک روزہ ماہ رمضان المبارک کا رکھ کر قصداً بغیر کسی عذر شرعی کے توڑ دیا اس گناہ کے ارتکاب کے بعد زید نادم ہوا اور ماہ شعبان انتیس یوم کا روزہ رکھا مگر چوں کہ مذکورہ کفارہ کے روزے مسلسل ۶۰/ رکھنا واجب ہے اس لیے ماہ رمضان المبارک کے پہلے دن بھی اسی کفارہ کے روزہ میں سے باقی ایک روزہ کی نیت کی آیا اس کا کفارہ درست ہوا یا پھر اسے ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے؟

عبدالجلیل، عبدالرحمن اسٹریٹ، ممبئی

الجواب

اس شخص کا کفارہ ادا ہو گیا۔ اگر کفارہ کے روزے چاند کی پہلی تاریخ سے رکھنا شروع کریں تو دو مہینے کافی ہیں، ساٹھ دن پورے کرنے ضروری نہیں، اگرچہ دونوں مہینے انتیس کے ہو جائیں۔

درمختار میں ہے: ککفارة المظاهر[۱].

الفتاوی الھندیۃ میں ہے: إذا صام المظاهر شهرين بالأهلة أجزأه، وإن كان كل شهر تسعة وعشرين يوما[۲].

رمضان کا پہلا روزہ کفارے کی نیت سے نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ فرض ہی کی نیت سے رکھنا چاہیے تھا، لیکن اب بھی وہ فرض ہی ادا ہوا۔ اگرچہ کفارہ کی نیت کی تھی کیوں کہ اس کا کفارہ ادا ہو چکا تھا۔ ساٹھ روزہ رکھنا اس وقت کفارہ میں ضروری ہے جب کہ درمیان ماہ سے روزہ رکھے۔ واللہ تعالی اعلم

۳/ رجب ۱۴۱۰ھ

---

(۱) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ص: ۳۹۰، ج:۳، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) الفتاوى الهندية، ص: ۵۴۰، ج:۱، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار

ان وجوہ کا بیان جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

[۱] جب جان جانے کا یقین ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے

مسئلہ- ایک شخص رمضان میں روزے سے تھا، اچانک بیماری کی وجہ سے حالت بہت خراب ہوگئی اور وارثین کو یقین ہو گیا کہ اگر روزہ نہیں توڑے گا تو موت واقع ہو جائے گی، ایسی حالت میں جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کیا حکم ہے؟

مدار بخش، کالپی شریف، جالون، یوپی

الجواب

ایسی حالت میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے بلکہ واجب ہے کہ توڑ دے[۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

[۲] جو شخص رمضان کے مہینہ میں روزہ نہ رکھ سکے دوسرے دنوں میں قضا کرے

مسئلہ- میری عمر ساٹھ سال ہے تقریبًا ایک سال سے ذیابیطس کا موذی مرض لاحق ہوگیا جس کی وجہ سے نقاہت اور بے قراری رہتی ہے۔ پیاس کی شدت ہمیشہ رہتی ہے۔ ماہ رمضان میں فرض روزہ کے

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "(ومنها المريض) إذا خاف على نفسه التلف و ذهاب عضو يفطر بالإجماع". [ج:۱، ص: ۲۲۷، الباب الخامس فی الإعذار التی تبیح الإفطار، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.]

رکھنے کا کیا حکم ہے؟

محبوب خاں جامع مسجد، ٹرسٹی، مان چر، پونہ

الجواب

رمضان میں روزہ نہ رکھ سکیں تو قضا کریں اور جاڑوں میں قضا رکھیں۔ قضا اگر مسلسل نہ رکھ سکیں تو ناغے سے رکھیں، جاڑوں میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اور موسم سرد، پیاس کا غلبہ نہ ہوگا[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ر شوال ۱۴۱۰ھ

[۳] روزے کا فدیہ کب دے سکتے ہیں

مسئلہ- میری عمر پچہتر سال کی ہوگئی ہے، ڈاکٹر نے گزشتہ سال بھی روزہ رکھنے سے منع کیا تھا۔ اب میری قضا نمازوں اور روزوں کا کیا حکم ہے؟ میں ان کو اپنی زندگی میں ادا کرنا چاہتی ہوں مگر مسلسل بیمار رہنے کی وجہ سے بہت کمزوری آگئی ہے۔ لہذا میں ان قضا نمازوں اور روزوں کا فدیہ دے سکتی ہوں یا نہیں؟ اگر دے سکتی ہوں تو کس حساب سے ادا کروں؟

مخدومہ زوجہ محترمہ سید العلما سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ، مارہرہ شریف، خانقاہ برکاتیہ

الجواب

اگر آپ کھڑے کھڑے قضا نمازیں نہیں پڑھ سکتیں تو بیٹھ کر پڑھیں۔ مجھے امید ہے کہ حضور والا اس پر ضرور قادر ہوں گی کہ بیٹھ کر پڑھ لیں اور اگر بالفرض اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹے لیٹے اشارے سے پڑھیں۔

آپ یہ کریں کہ بیٹھ کر پڑھیں اگر اس کی قدرت ہو۔ سورہ فاتحہ کے بعد اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھیں۔ رکوع اور سجدے میں صرف ایک ایک بار تسبیح پڑھیں۔ چار رکعت والی نماز میں اخیر کی دو رکعتوں میں قیام کی حالت میں بغیر سورہ فاتحہ کے تین تین بار تسبیح پڑھ لیں۔ اور قعدہ اخیرہ میں درود کے بعد صرف اتنا پڑھ

---

(۱) رد المحتار میں ہے: "لأن نحو المرض والسفر فی عرضة الزوال فيجب القضاء، وعند العجز بالموت تجب الوصية بالفدية". [ج:۳،ص: ٤١٠، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم، فصل فی العوارض، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.]

لیں: اللهم اغفرلي ولوالدي۔

نمازوں کا کفارہ اپنی زندگی میں کوئی نہیں ادا کر سکتا۔ آپ کوشش فرمائیں، ہمت کریں مولیٰ عزوجل آپ کی مدد فرمائے گا۔ اور اگر خدا نخواستہ کچھ نمازیں رہ جائیں اور آپ کو یقین ہو جائے کہ اب آپ کے ظل ہمایوں سے اللہ عز وجل ہم سب کو محروم فرمادے گا تو وصیت فرما جائیں کہ میرے ذمہ اتنی نمازیں رہ گئی ہیں اس کا فدیہ دے دیا جائے۔ ایک نماز کا فدیہ نصف صاع گیہوں، یا اس کی قیمت ہے، یا کسی مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا ہے۔

رہ گئے روزے، اگر آپ کو روزہ رکھنے پر قدرت نہیں اور اس کی امید بھی نہیں کہ آئندہ اتنی قوت واپس آئے گی کہ روزہ رکھ سکیں تو ہر روزے کے بدلے نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت یا ایک مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا ہے[1]۔ اور اگر ایسا ہو کہ اگر رمضان المبارک گرمیوں میں پائیں جس کی وجہ سے استطاعت نہیں، یا ان دنوں میں پڑے جب دن رات برابر ہوتے ہیں، اور ان دنوں میں روزہ نہ رکھ سکیں لیکن دسمبر یا جنوری میں جب دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں، رکھ سکیں تو فرض ہے کہ چھوٹے دنوں میں قضا کریں۔ ہاں اگر چھوٹے دنوں میں بھی رکھنے کی قوت نہ ہو تو فدیہ دیں۔ یہ حکم آئندہ آنے والے رمضان کے بارے میں ہے، لیکن جو روزے حالت صحت کے ذمہ رہ گئے ہیں اور اب قضا کی استطاعت نہیں، ان کا فدیہ زندگی میں دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی، لیکن ظاہر یہی ہے کہ جب وہ بالکل معذور ہو چکا ہے اور آئندہ اس کی امید نہیں کہ روزہ رکھنے کی قوت لوٹے گی تو وہ فدیہ دے سکتا ہے۔ قضا روزوں کے عوض بھی۔ ہاں اگر اللہ کے فضل سے دوبارہ قوت مل جائے گی تو یہ فدیہ صدقہ ہو جائے گا۔ اور ان روزوں کی قضا رکھنی واجب ہوگی۔ ایک روزے کا فدیہ نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت ہے۔ نصف صاع دو کیلو ۴۷ گرام ہوتا ہے۔ اگر ہر روزے کے عوض اتنا فدیہ دینا استطاعت میں نہ ہو تو یہ حیلہ کریں:

کسی غیر مالک نصاب شخص کو منتخب کریں، اسے پہلے سمجھادیں کہ میں تم کو کچھ رقم دوں گا اس کو تم ہاتھ میں

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "فالشيخ الفاني الذي لا يقدر على الصيام يفطر و يطعم لكل يوم مسكينا كما يطعم فى الكفارة، كذا في الهداية". [ج: ۱، ص: ۲۲۸، الباب الخامس فى الاعذار التي تبيح الإفطار دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.]

لے کر قبضہ کرکے پھر مجھے ہبہ کر دینا، اس فقیر سے وہ رقم ہاتھ میں لے کر پھر اسے بہ نیت فدیہ دیں اور وہ پھر ہبہ کرے۔ اسی طرح لوٹ پھیر کرتے رہیں یہاں تک کہ پورے روزے کا فدیہ ادا ہو جائے۔ (۱) گیہوں میں وہاں کے بھاؤ کا اعتبار ہے جہاں فدیہ ادا کیا جا رہا ہے۔ ہمارے یہاں کے حساب سے دو کیلو سینتالیس گرام گیہوں کی قیمت مثلاً دس روپے ہوئی اور تیس روزوں کا فدیہ دینا ہے تو تیس بار الٹ پھیر کیا جائے۔ آسانی اس میں ہے کہ اگر زیادہ روزوں کا فدیہ دینا ہو تو ہزار روپیہ لے لیا جائے یا اس سے زیادہ حساب لگایا جائے کہ ہزار روپیوں میں کتنے روزوں کا فدیہ ہوگا تو لوٹ پھیر میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

[۴] عیدین و ایام تشریق کا روزہ مکروہ تحریمی ہے

مسئلہ۔ زید کا قول ہے کہ عید الفطر اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ مذکورہ بالا ایام میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مذکورہ بالا اقوال میں مفتی بہ قول مع دلائل تحریر فرمائیں۔

شمشیر احمد صاحب، محلہ کریم الدین پور گھوسی، اعظم گڑھ، یوپی

۱۳/ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ

الجواب

عیدین اور ایام تشریق کے روزے مکروہ تحریمی ہیں۔

درمختار میں ہے: والمكروه تحريما كالعيدين (۲).

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: أي وأيام التشريق (۳). واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) الاشباہ والنظائر میں ہے: "أراد الفدية عن صوم أبيه، وصلاته، وهو فقير يعطي منوين من الحنطة فقيرا، ثم يستوهبه، ثم يعطيه، وهكذا إلى أن يتم".
[ج:۳، ص: ۲۹۸، الفن الخامس، الحيل، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان]

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ص: ۳۳۶، ج: ۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص: ۳۳۶، ج: ۳، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

الباب السادس في صوم النفل

نفل روزوں کے مسائل

[۱] ضحوۂ کبریٰ سے پہلے مہمان کی خاطر داری کے لیے نفل روزہ توڑنا جائز ہے

مسئلہ- ایک مولانا صاحب ہمارے یہاں تقریر کر رہے تھے۔ تقریر میں بولے کہ ہم نفل روزہ سے ہیں، کوئی مہمان ہمارے گھر آجائے، اس مہمان کو ہم نے کھانا کھلانے کے لیے دستر خوان پر بلایا، مہمان آگیا۔ مہمان ہم کو بولا: آپ بھی کھائیے ہم نے بولا کہ ہم روزہ ہیں۔ مہمان یوں کہے کہ نفل روزہ توڑ کر کھائیے اس میں ایک حج کا ثواب ہے۔ یہ بات صحیح ہے؟ جواب سے نوازیئے تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

عبدالقدوس، مقام وپوسٹ جنگی پور، غازی پور، یوپی

الجواب

مہمان کی خاطر داری کے لیے نفل روزہ توڑنے کی اجازت ہے بشرطے کہ اگر میزبان مہمان کے ساتھ نہ کھائے تو مہمان کو ناگوار ہوگا، یا اسے اذیت ہوگی۔ وہ بھی ضحوۂ کبری سے پہلے پہلے، ضحوۂ کبری کے بعد مہمان کے لیے بھی توڑنا جائز نہیں اگرچہ مہمان کو ناگوار ہو اسے اذیت ہو۔ (۱)

---

(۱) در مختار میں ہے: (وَالضِّيَافَةُ عُذْرٌ) لِلضَّيْفِ وَالْمُضِيفِ (إِنْ كَانَ صَاحِبُهَا مِمَّنْ لَا يَرْضَى بِمُجَرَّدِ حُضُورِهِ وَيَتَأَذَّى بِتَرْكِ الْإِفْطَارِ) فَيُفْطِرُ (وَإِلَّا لَا) هُوَ الصَّحِيحُ مِنَ الْمَذْهَبِ"- [ج:۳، ص: ۴۱۳، ۴۱۴، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، فصل فی العوارض، دار الکتب العلمية، بیروت، لبنان.]

ردالمحتار میں ہے: " إن كان صاحبها أي صاحب الضيافة وكذا إذا كان الضيف لا يرضى إلا بأكله معه ويتأذى بتقديم الطعام إليه وحده، رحمتي. قوله: هو الصحيح من المذهب. وقيل هي عذر قبل الزوال لا بعده". [ج:۳، ص: ۴۱۳، ۴۱۴، كتاب الصوم باب ما يفسد الصوم، فصل في العوارض، دار الكتب العلمية، بيروت] (مرتب غفرلہ)

اور یہ کہ اگر مہمان کے ساتھ کھانے کے لیے روزہ توڑے گا تو ایک حج کا ثواب ملے گا یہ بے بنیاد اور جھوٹ ہے جس نے ایسا کہا ہے وہ توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یکم ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

[۲] کیا ماہ رجب کے ایک روزہ کا ثواب ایک ہزار کے برابر ہے؟

مسئلہ- زید اس بات کا قائل ہے کہ رجب المرجب کے ستائیسویں کے روزہ کا ثواب ایک ہزار روزوں کے برابر ہے اس لیے کہ علامہ سید شاہ تراب الحق صاحب قادری کی کتاب "اوقات الصلاۃ" (بارہ مہینوں کی نفل نمازیں) کے ص: ۲۰ پر نفل روزہ کے تحت لکھا ہے کہ ماہ رجب کے ایک روزہ کا ثواب ہزار روزہ کے برابر ہے۔

لیکن بکر اس کا قائل نہیں، لہذا اس روزہ کے ثواب کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا ایک روزہ کا ثواب ہزار روزوں کے برابر نہیں ہے اس لیے کہ عوام میں یہ روزہ ہزاری روزہ کے نام سے مشہور ہے۔ بکر کا یہ بھی کہنا ہے کہ اب تک اس نے بچپن سے نہ کسی فقہ میں پڑھا ہے نہ ہی حدیث میں اور نہ ہی اساتذہ سے سنا ہے۔

فاروق احمد ۱/۱۵، ہوسپیٹل روڈ، کمرہٹی، کولکاتا، بنگال

الجواب

حضرت مولانا سید شاہ تراب الحق کی وہ کتاب میں نے نہیں دیکھی ہے اور نہ اس وقت تک اس سلسلہ میں میری کوئی تحقیق ہے اور نہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کی بنا پر آپس میں مخاصمہ یا مجادلہ کیا جائے۔ عوام روزہ رکھتے ہیں انھیں رہنے دیا جائے ان کو ایک روزہ کا ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳] کسی بھی مذہبی کتاب میں ضبط تولید کے لیے روزہ رکھنے کا طریقہ نہیں بتایا گیا ہے

مسئلہ- فتاویٰ عالمگیری میں ضبط تولید کے واسطے روزہ رکھنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس ترقی یافتہ زمانے میں جدید طریقوں کا استعمال نہ کیا جائے، باقاعدہ دلیل کے ساتھ مطلع کریں۔

جناب مجتبیٰ احمد، مقام پڈرونہ، مرورھی، دودھی، دیوریا، یوپی

الجواب

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے فتاوی عالمگیری یا کسی بھی مذہبی کتاب میں یہ نہیں کہ ضبط تولید کے لیے روزہ رکھو، ہاں مشکاۃ شریف میں یہ حدیث ہے کہ جس جوان کو شادی کرنے کی وسعت نہ ہو اور اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو وہ روزہ رکھے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸؍ شوال ۱۴۰۱ھ

[۴،۵] ایام محرم میں یہ سوچ کر روزہ رکھنا کہ ان ایام میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھوکے پیاسے تھے ممنوع ہے

مسئلہ - ① اگر بکر محرم کی ۷؍ تاریخ سے دس تاریخ تک اس نیت سے روزہ رکھے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفیوں نے میدان کربلا میں پانی دانہ بند کر دیا تھا۔ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھوں گا تو درست ہوگا؟

② اور اگر کسی شخص میں منافق کی علامت پائی جائے اور اس شخص کو اپنی شکر وغیرہ دیگر سبیل پلوائی جائے تو کیا کوئی فرق پڑے گا؟

محمد یٰسین اشرفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۱۷؍ محرم ۱۴۰۸ھ

الجواب

① - روزہ کبھی بھی رکھا جائے اللہ کی عبادت ہے۔ اس کا فرد ۷؍ محرم غایت ۳۰؍ محرم بھی ہے ان

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، ص: ۲۶۷، کتاب النکاح، مجلس البرکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور.
"عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء، متفق عليه."

دنوں میں بھی اگر کوئی روزہ رکھے گا تو اسے ثواب ملے گا مگر اس نیت سے کہ چوں کہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالی عنہ پر دانہ پانی بند تھا، وہ بھوکے پیاسے تھے روزہ رکھنے میں سوگ منانے کا شائبہ ہے اور تین دن سے زیادہ کسی کے لیے سوگ منانا جائز نہیں اس لیے اس نیت سے ان تاریخوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہو گا۔ واللہ تعالی اعلم

❷ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ واللہ تعالی اعلم

[۶] عاشورہ کا روزہ صرف دسویں محرم کو رکھنے میں قباحت نہیں

مسئلہ- عاشورہ کا روزہ اور کوئی نفل روزہ ایک ہی کر لے تو کیا یہ فعل مکروہ ہو گا؟ اگر در حقیقت مکروہ ہو تو وجہ کراہت کیا ہے؟

عبد الرؤف اشرفی، ساکن بہرال، مالدہ، بنگال

الجواب

عاشورہ کا روزہ صرف دسویں محرم کو رکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔[1] احادیث میں صرف جمعہ یا صرف شنبہ کے دن روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے اسی طرح یوم شک میں بھی روزہ مکروہ ہے۔ اور کراہت کی علت حضور

---

(۱) یعنی قبح شرعی نہیں کہ اسے گناہ قرار دیا جائے، ہاں خلاف اولی و مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ شامی وغیرہ میں اس کی صراحت ہے:
الفتاوی الھندیہ میں ہے: "(المرغوبات من الصيام أنواع:) أولها صوم المحرم. والثاني صوم رجب. والثالث صوم شعبان وصوم عاشوراء، وهو اليوم العاشر من المحرم عند عامة العلماء والصحابة رضي الله تعالى عنهم، كذا في الظهيرية ". والمسنون أن يصوم عاشوراء مع التاسع، كذا في فتح القدير. و يكره صوم عاشوراء مفردا، كذا في محيط السرخسي.
[الفتاوى الهندية، ج:١، ص:٢٢٢، الباب الثالث فيما يكره للصائم ومالا يكره، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان]
در مختار میں ہے:
والمكروه تحريما كالعيدين. وتنزيها كعاشوراء وحده.
اس کے تحت رد المحتار میں ہے:
قوله: (وعاشوراء وحده) أي مفردا عن التاسع أو عن الحادي عشر. إمداد. لأنه تشبه باليهود. محيط [رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:٣، ص: ٣٣٦، ٣٣٧، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية] (مرتب غفرلہ)

ﷺ کا منع فرمانا ہے اور اس ممانعت میں راز کیا تھا یہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ جانیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲/ر جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ

[۷] صرف پندرہویں شعبان کو روزہ رکھنا صحیح ہے

مسئلہ- پندرہویں شعبان المعظم کا روزہ تاریخ کے اعتبار سے اگر جمعہ کے دن پڑ جائے تو اس روزے کے بارے میں کیا حکم ہے اور اگر کوئی شخص صرف ایک روزہ پندرہویں شعبان کا جمعہ کو رکھے تو روزہ ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

عبدالحکیم فردوسی، تلدہ، کٹک، اڑیسہ

۲۵/ر رمضان ۱۴۰۹ھ

الجواب

کوئی حرج نہیں، روزہ صحیح بھی ہوگا اور اسے وہ ثواب بھی ملے گا جو پندرہویں شعبان کے روزے پر مرتب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الباب السابع فی صوم النذر

منت کے روزے کا بیان

[۱] منت کے روزے میں تخفیف کی گنجائش ہے یا نہیں

مسئلہ- خالد ایک بار سخت بیمار ہوا اور اس بیماری کی سختی سے گھبرا کر اس کی ماں ہندہ نے یہ منت مانی کہ اگر میرا لڑکا اس بیماری سے شفا پا جائے تو میں عمر بھر جمعرات اور ہر جمعہ کے روزے رکھوں گی۔ بفضلہ تعالیٰ اس کا لڑکا شفایاب ہو گیا اور اس کو روزہ رکھتے بھی ایک سال سے زائد ہو گئے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اس کی ماں انتہائی ضعف و ناتوانی کی حالت میں روزہ رکھتی ہے جس کی وجہ سے اس کو سخت پریشانی ہوتی ہے اور حد یہ ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاتی ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عند الشرع اس منت میں تخفیف کی گنجائش ہے یا نہیں؟

محمد شہاب الدین، موضع سیتلاپور، گورکھپور، یوپی

الجواب

اس منت میں تخفیف کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر واقعی زید کی ماں اتنی کمزور ہے کہ روزہ رکھنے کی صورت میں ضعف و ناتوانی کی وجہ سے اس کی جان جانے کا خطرہ ہے تو وہ روزہ رکھنے کے بجائے روزہ کا فدیہ دے۔ ایک روزے کا فدیہ صدقۂ فطر کی مقدار ہے اور صدقۂ فطر کی مقدار ۲ر کلو ۷۴ر گرام گیہوں ہے خواہ گیہوں دے یا اس کی قیمت۔ یا یہ کہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے لیکن یہ یاد رہے کہ اگر آئندہ روزہ رکھنے کی طاقت ہوگی تو یہ صدقہ نفل ہو جائے گا اور پھر روزے کی

قضا واجب ہوگی۔ (1) واللہ تعالیٰ اعلم

۴/ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

[۲] مسلسل تیس دن روزہ رکھنے کی منت

مسئلہ - ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہو جائے گا تو تیس دن لگا تار روزہ رکھوں گا، اگر بیچ میں ایک ترک کیا تو پھر سے تیس روزہ لگا تار رکھوں گا۔ اب مسئلہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ شخص ۲۷/ روزہ پورا کرنے کے بعد شدید بیمار ہو گیا اور یہ صورت پیدا ہو گئی کہ متلی آنے لگی اور ۹/ بجے کے قریب روزہ توڑ دیا تو اب اس صورت میں کیا اس پر از سر نو ایک سے تیس تک روزہ رکھنا ہوگا یا صرف ۳/ روزہ رکھ کر کے تیس پورا کر دینا ہوگا؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد فیضان مصطفیٰ، کوئلی بوکھر، گیول بیگہ، گیا، بہار

الجواب

پھر سے مسلسل تیس روزے رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(1) فتاوی ہندیہ میں ہے: "فالشيخ الفاني الذي لا يقدر على الصيام يفطر و يطعم لكل يوم مسكينا كما يطعم فى الكفارة، كذا فى الهداية".
[الفتاوى الهندية، ج:١، ص:٢٢٨، الباب الخامس فى الإعذار التى تبيح الإفطار، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان]

الباب الثامن في الاعتكاف

اعتکاف کا بیان

مسجد میں اللہ عزوجل کے لیے نیت کے ساتھ ٹھہرنا اعتکاف ہے۔ اس کے لیے مسلمان، عاقل اور جنابت وحیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے، بلوغ شرط نہیں بلکہ نابالغ جو تمیز رکھتا ہو، اگر بہ نیت اعتکاف مسجد میں ٹھہرے تو یہ اعتکاف صحیح ہے۔ اعتکاف تین قسم ہے:

[۱] واجب، کہ اعتکاف کی منت مانی، یعنی زبان سے کہا، محض دل میں ارادہ سے واجب نہ ہوگا۔

[۲] سنت مؤکدہ، کہ رمضان کے پورے عشرۂ اخیر، یعنی آخر کے دس دن میں اعتکاف کیا جائے، یعنی بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت بہ نیت اعتکاف مسجد میں ہو اور تیسویں کے غروب کے بعد، یا انتیس کو چاند ہونے کے بعد نکلے۔ اس پر حضور پر نور ﷺ نے مواظبت ومداومت فرمائی ہے، ایک روز بھی کم ہو تو یہ سنت ادا نہ ہوگی اور یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے کہ اگر سب ترک کریں تو سب سے مطالبہ ہوگا اور شہر میں ایک نے کرلیا تو سب بری الذمہ۔

[۳] ان دو کے علاوہ اور جو اعتکاف کیا جائے وہ مستحب وسنت غیر مؤکدہ ہے۔ اعتکاف واجب اور اعتکاف سنت میں اگر معتکف بغیر عذر مسجد سے باہر نکلا تو اعتکاف جاتا رہا۔ معتکف کو مسجد سے نکلنے کے دو عذر ہیں:

ایک حاجت طبعی کہ مسجد میں پوری نہ ہو سکے جیسے پاخانہ، پیشاب، استنجا، وضو اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل، مگر غسل ووضو میں یہ شرط ہے کہ مسجد میں نہ ہو سکیں یعنی کوئی ایسی چیز نہ ہو جس میں وضو وغسل کا پانی لے سکے اس طرح کہ مسجد میں پانی کی کوئی بوند نہ گرے کہ وضو وغسل کا پانی مسجد میں گرانا ناجائز ہے اور لگن وغیرہ موجود ہو کہ اس میں وضو اس طرح کر سکتا ہے کہ کوئی چھینٹ مسجد میں نہ گرے تو وضو کے لیے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، نکلے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا، یوں ہی اگر مسجد میں وضو وغسل کے لیے جگہ بنی ہو یا حوض ہو تو باہر جانے کی اب اجازت نہیں۔

دوم حاجت شرعی مثلاً عید وجمعہ کے لیے جانا، یا اذان کہنے کے لیے منارہ پر جانا جب کہ منارہ پر جانے کے لیے باہر ہی سے راستہ ہو اور اگر منارہ کا راستہ اندر سے ہو تو غیر مؤذن بھی منارہ پر جا سکتا ہے مؤذن کی تخصیص نہیں۔

(ماخوذ از: بہار شریعت وفتاوی رضویہ - مرتب)

[۱] اعتکاف کی نیت

مسئلہ- اعتکاف کی نیت عربی اور اردو میں بتلائیں جس سے اعتکاف کی نیت بھی ہو جائے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا بھی۔ برائے مہربانی مذکورہ سوال کا جواب مفصل دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

محمد نظام الدین، روم نمبر ۱۸۴، علی گڑھ یوپی

الجواب

اعتکاف کے لیے دل میں یہ جمالینا کافی ہے، کہ نیت کیا۔ زبان سے کہ لینا بہتر ہے خواہ اردو میں خواہ عربی میں۔ نو یت الاعتکاف. اعتکاف کے شرعی معنی یہ ہیں: مسجد میں اللہ کی عبادت کی نیت سے ٹھہرنا۔ ایسی کوئی دعا نہیں جو اعتکاف کی نیت اور مسجد کے داخلے کے قائم مقام ہو۔ آپ جب مسجد میں داخل ہوں تو یہ پڑھیں: بسم الله والسلام على رسول الله اللهم افتح لى أبواب رحمتك . بسم الله دخلت وبالاعتكاف نو يت. والله تعالى أعلم

۲۴ر صفر ۱۴۱۱ھ

[۲] اگر بستی سے کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب گنہ گار ہوں گے

مسئلہ- ۱۴۱۰ھ کے رمضان میں یہاں کوئی اعتکاف میں نہیں بیٹھا ہے، مسئلہ پوچھنے پر امام کہتا ہے کہ بستی کے سب کے سب گنہ گار ہوں گے جب کہ اس مسجد کا امام تین یا چار ماہ سے مسجد کے کمرے میں تنہا رہتا ہے وہ بھی نہیں بیٹھا ہے۔ پوچھنے پر کہتا ہے کہ جو بھی بات بتاتا ہوں پہلے وہ مجھ پر ہی لاتے ہو تو اب امام بھی اس گناہ میں آئے گا یا نہیں؟

زبیر احمد قادری، ولی گڑھ ٹاٹا اسٹریٹ، راجہ مندری

الجواب

اگر امام میں اعتکاف کی استطاعت ہے پھر وہ بھی نہیں بیٹھا تو ضرور وہ بھی گنہ گار ہوا۔ واللہ تعالی اعلم

۲۳ر صفر ۱۴۱۱ھ

[۳] اعتکاف مستحب کے لیے روزہ شرط نہیں

مسئلہ- اعتکاف مستحب کے لیے نہ روزہ شرط ہے نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے بلکہ جس مسجد میں اعتکاف کی نیت کی تو جب تک مسجد میں ہے معتکف ہے اور جب مسجد سے چلا آیا اعتکاف ختم ہو گیا۔ اس مسئلہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

محمد علی، امام مسجد پنچوا پانڈے ٹولہ، جلال پور، گوپال گنج، بہار

الجواب

یہ مسئلہ حق ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹؍ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ

[۴] تین دن اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہ ہوگی

مسئلہ- امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتکاف کے لیے جماعت مسجد شرط ہے۔ اور دیہاتوں کی مسجد میں پنج وقتہ جماعت ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں تین شبانہ روز اعتکاف میں بیٹھتے ہیں دس روز نہیں بیٹھتے۔ شرعاً بتلایا جائے کہ اس صورت میں بستی کے لوگ گنہ گار ہوں گے یا نہیں صاف صاف بیان کیا جائے۔

محمد علی، امام مسجد پنچوا پانڈے ٹولہ، جلال پور، گوپال گنج، بہار

الجواب

دیہات کی مسجدوں میں اعتکاف صحیح ہے۔ اور پورے عشرے کا اعتکاف سنت موکدہ کفایہ ہے۔ تین دن

---

(۱) فتاوی ہندیہ میں ہے:
ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وهو قولهما أن الصوم ليس بشرط في التطوع وليس لأقله تقدير على الظاهر حتى لو دخل المسجد ونوى الاعتكاف إلى أن يخرج منه صح، هكذا في التبيين. [ج:۱، ص:۲۳۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، دار الكتب العلمية]

اعتکاف کرنے سے یہ سنت ادا نہ ہوگی۔ سنت موکدہ کے ترک کا وبال پورے گاؤں والوں پر رہے گا۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

[۵] مسجد میں معتکف کے لیے کھانا، پینا جائز ہے

مسئلہ- مسجد میں بہ نیت اعتکاف کھانا، پینا، سونا انفرادی یا اجتماعی از روے شرع جائز ہے یا نہیں؟

ایس، ایم، حبیب شیخ ٹریڈرس، بڑا بازار، شیلانگ

الجواب

حکم یہی ہے کہ معتکف مسجد میں کھا پی بھی سکتا ہے اور سو بھی سکتا ہے خواہ اکیلے ہو یا پوری جماعت ہو لیکن نفل اعتکاف کرنے والے کو مسجد میں کھانے، پینے، سونے سے احتراز چاہیے کہ پھر لوگ مسجد کو گھر بنالیں گے۔

البتہ اگر اعتکاف واجب ہے یا رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا ہے تو مسجد ہی میں کھائے پیے اور سوئے اس لیے کہ اگر وہ کھانے، پینے، یا سونے کے لیے مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

۷ر رجب ۱۴۲۰ھ

[۶] عورت کے ساتھ بات چیت کرنے سے اعتکاف میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا

مسئلہ- بکر مسجد میں معتکف ہے اس کے بڑے بڑے لڑکے ہیں اس کی عورت شام و سحری کا کھانا مسجد میں لاتی ہے دن میں دو تین دفعہ ملاقات کرنے آتی ہے۔ بکر کا اعتکاف ہوا کہ نہیں، بکر کے اوپر شرع کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟

محمد شریف، دھام نگر، بالیسر، اڑیسہ

۲۶ر شوال ۱۴۰۶ھ

---

(۱) ردالمحتار میں ہے: (قوله: أي سنة كفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، "فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا بالمواظبة على الترك بلا عذر." [رد المحتار، ج:۳،ص: ۴۳۰، ۴۳۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان]

(۲) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: وأما الأكل والشرب والنوم فيكون في معتكفه لأنه يمكنه قضاء هذه الحاجة في المسجد فلا ضرورة في الخروج، كذا في الهداية. [ج:۱،ص:۲۳۷، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.]

الجواب

محض عورت کے مسجد میں آنے سے اور عورت کے ساتھ بات چیت کرنے سے اعتکاف میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ اعتکاف میں ہوتے اور ازواج مطہرات مسجد میں حاضر خدمت ہوتیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۷] معتکف وضوخانہ پر وضو کے لیے جاسکتا ہے

مسئلہ- معتکف تلاوت کرنے یا محض وضو کا ثواب حاصل کرنے کے لیے وضو کرے تو باہر وضوخانہ پر جاسکتا ہے یا نہیں؟

اختر الاسلام قادری، چھتن پورہ، نواپورہ، وارانسی، یوپی

الجواب

جاسکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

[۸] معتکف اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر جاسکتا ہے

مسئلہ- اذان دینے کے لیے معتکف باہر جاسکتا ہے جب کہ موذن نہ ہو اور دوسرے جو لوگ ہوں وہ فاسق ہوں؟

اختر الاسلام قادری، چھتن پورہ، نواپورہ، وارانسی، یوپی

الجواب

اذان دینے کے لیے مسجد کے باہر جاسکتا ہے[1]۔ واللہ تعالی اعلم

۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

---

(۱) فتاوی ہندیہ میں ہے: ولو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خارج المسجد، كذا في البدائع. والمؤذن وغيره فيه سواء هو الصحيح، هكذا في الخلاصة، و فتاوى قاضي خان. [ج:۱، ص: ۲۳٤، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، دار الكتب العلمية]

[۹] معتکف کی عورت کھانا دینے کے لیے مسجد میں جاسکتی ہے

مسئلہ- معتکف کو کھانا دینے اس کی عورت مسجد میں جاسکتی ہے یا نہیں؟

اختر الاسلام قادری، چھتن پورہ، نواپورہ، وارانسی، یوپی

الجواب

جاسکتی ہے بشرطے کہ حالت حیض ونفاس میں نہ ہو اور پردے کے ساتھ جائے۔ بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کے حدود سے باہر کھڑی رہے اس کا شوہر کنارے آکر لے لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

[۱۰] جس مسجد میں اعتکاف کیا اگر اس میں جمعہ ہوتا ہے تو لازم ہے کہ معتکف اسی میں جمعہ پڑھے

مسئلہ- ہمارے قصبہ میں چھ مقام پر جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ گزشتہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جامع مسجد کے امام صاحب جو عیدین کے بھی امام ہیں۔ ایسی مسجد میں معتکف ہوئے جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ جمعہ سے ایک روز قبل انھوں نے ایک صاحب کو جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے اور ایک دوسرے صاحب کو عید کی نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے لیے مقرر کیا اور دیگر تمام مساجد کے ائمہ کو بھی الگ الگ تحریر کے ذریعہ مطلع کردیا۔ لیکن دوسرے دن خود امام صاحب بھی اپنے اعتکاف سے باہر نکل کر جامع مسجد پہنچ گئے لیکن جمعہ کی نماز کسی اور صاحب نے پڑھائی جن کو ایک روز قبل امام صاحب نے مقرر کیا تھا۔ عید کی نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے لیے جن کو مقرر کیا تھا وہ اعلان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو جنھوں نے نماز پڑھائی تھی وہ کہنے لگے کہ امام صاحب جب یہاں خود موجود ہیں تو وہی اعلان کردیں بہر حال امام صاحب نے عید کی نماز کے وقت کا اعلان کیا۔ سنتوں کے بعد امام صاحب باہر آئے اور جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام صاحب جس مسجد میں معتکف تھے اس مسجد میں بھی نماز جمعہ ہوتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ امام صاحب وہاں سے ایک کیلو میٹر دور نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے باہر آئے۔

کیا مذکورہ بالا صورت حال کے پیش نظر امام صاحب کا اعتکاف فاسد نہیں ہو گیا؟ از روے شرع ان کو کیا کرنا چاہیے؟ براے مہربانی احادیث نبوی و فقہ کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

عزیز اللہ نعمانی، بہادر گنج، غازی پور، یوپی

الجواب

امام مذکور کا اس دن کا اعتکاف فاسد ہو گیا اور گنہ گار بھی ہوئے، ان پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اس ایک دن کے اعتکاف کی قضا کریں۔ جب اس مسجد میں جمعہ ہوتا تھا تو ان پر واجب تھا کہ اسی مسجد میں جمعہ پڑھتے وہ جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد گئے اسی سے ان کا اعتکاف فاسد ہو گیا، اس کے بعد انھوں نے پھر نماز جنازہ پڑھائی یہ اعتکاف کے فاسد ہونے کا دوسرا سبب ہوا، معتکف نے جس مسجد میں اعتکاف کیا اگر اس میں جمعہ ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اسی مسجد میں جمعہ پڑھے اگر وہ جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد جاے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ امام کا یہ نکلنا بغیر عذر تھا اور بغیر عذر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، اعتکاف کی حالت میں مسجد سے نکلنے سے دو قسم کے عذر ہیں۔ عذر طبعی جیسے پیشاب پاخانہ اور غسل فرض اور عذر شرعی جیسے جمعہ اور اذان کے لیے مینارے پر جانا۔ جمعہ کے لیے نکلنے کی اجازت مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو اور جب اس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے تو جمعہ کے لیے نکلنا بلا عذر ہوا۔

در مختار میں ہے:

فلو خرج ولو ناسيا ساعة زمانية لا رملية كما مر بلا عذر فسد فيقضيه[1].

الفتاوی الھندیۃ میں ہے:

ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، وكذا لصلاتها، ولو تعينت عليه[2].

رد المحتار میں ہے:

---

(۱) الدر المختار، ص: ۴۳۷، ج: ۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دار الکتب العلمیہ، بیروت.

(۲) الفتاوی الهندية، ص: ۲۳۴، ج: ۱، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، دار الکتب العلمیہ، بیروت.

إذا فات عن وقته المعين ، فإن فات بعضه قضاه لا غير ولا يجب الاستقبال(۱). واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱؍ شوال ۱۴۱۹ھ

[۱۱] نماز جنازہ کے لیے مسجد سے نکلتے ہی اعتکاف فاسد ہو جائے گا

مسئلہ- اگر کفن دفن کے بعد فوراً لوٹ آیا اور بدستور مسجد ہی میں رہ کر شب عید کو مسجد سے نکلا تو اس کے لیے کیا حکم؟ بیان فرمائیں۔

سید جلیل رضوی، اے آر اسٹیٹ، ممبئی، مہاراشٹر

الجواب

نماز جنازہ کی نیت سے مسجد سے نکلتے ہی اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔(۲) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ

[۱۲] حوض خارج مسجد ہے وہاں معتکف وضو کے لیے جا سکتا ہے

مسئلہ- حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''جنتی زیور'' میں ص:۶۰ بحوالہ در مختار ورد المحتار، ج:۲، ص:۱۳۳ میں مسئلہ درج فرمایا ہے: اعتکاف کرنے والا صرف دو عذروں کی وجہ سے مسجد سے نکل سکتا ہے ایک عذر طبعی جیسے: پاخانہ، پیشاب اور غسلِ فرض۔ دوسرے عذر شرعی جیسے: نماز جمعہ کے لیے، ان عذروں کے سوا مسجد سے نکلا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور بہار شریعت میں بھی ایسا ہی مسئلہ درج ہے۔ تو کیا معتکف غسل فرض کے علاوہ غسل نہیں کر سکتا؟ جب کہ مسجد میں رہنا ہے اور عبادت کے لیے اطمینان ضروری ہے اگر روزانہ

---

(۱) رد المحتار علی هامش الدر المختار، ص: ٤٣٧، ج:۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۲) ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، [الفتاوى الهندية، ج:۱، ص: ٢٣٤، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، دار الكتب العلمية، بيروت]

نہانے کا معتکف عادی نہ بھی ہو تو گرمی میں دس دن کے اعتکاف میں غسل نہ کرنے سے بہت تکلیف ہوگی۔

غسل کے لیے معتکف گیا (خواہ فرض ہو) تو کیا غسل کے بعد کپڑے دھو سکتا ہے؟ خصوصاً وہ لنگی یا پاجامہ جو وہ پہنے ہوئے ہو۔ کیوں کہ وہ کپڑا وہاں رکھنا مشکل ہو جائے گا خاص کر جب کوئی مددگار نہ ہو۔

غسل یا استنجا کے لیے مسجد سے نکلا تو کیا کسی ضرورت کی گفتگو کر سکتا ہے مثلاً پانی وغیرہ کے متعلق بات کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر بھول کر گفتگو کر لی تو، یا کسی نے کچھ پوچھ لیا مثلاً راستہ وغیرہ تو کیا کرے خاموش رہے؟ اشاروں میں جواب دے یا گفتگو کر لے؟

بعض لوگوں کا کہنا ہے مسجد میں معتکف کسی بھی قسم کی گفتگو نہ کرے یہاں تک کہ بعض معتکف حضرات اپنی ضروریات کو کسی کاغذ پر لکھ کر دینا بولنے سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا معتکف گفتگو کر سکتا ہے؟ ضروریات وغیرہ کی، یا کاغذ پر لکھ کر دے تو یہ افضل ہے؟

معتکف اپنے احباب کے متعلق اور گھر کے بارے میں یا دیگر اہم معلومات کو دریافت کر سکتا ہے؟ یعنی معتکف کو اس کے متعلقین کے تعلق سے خبر وغیرہ دی جا سکتی ہے یا نہیں یا خود معتکف پوچھ سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کے احاطے میں حوض ہو تو حوض پر گفتگو کر سکتا ہے یا نہیں، احاطے میں ٹھہر سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد میں سگریٹ یا تمباکو والا پان کھا سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد میں مذہبی مسئلے مسائل پر گفتگو کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ معتکف کسی بھی قسم کی گفتگو نہ کرے جب کہ مسلسل عبادت کرنا آسان نہیں؟

مسجد میں کنارے پر پردہ باندھ کر حجرہ بنا دیا جاتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معتکف کو صرف اسی میں رہنا چاہیے ورنہ وہ کیوں کر باندھا جاتا ہے؟ تو کیا معتکف صرف وہیں رہے یا مسجد میں کہیں بھی رہے؟

دس روزہ اعتکاف کی اہمیت بتائیں اور اس کی نیت کس طرح کریں؟

محمد شمیم مومن، کوٹر گیٹ، بھیونڈی، تھانہ

الجواب

ٹھنڈک حاصل کرنے یا بدن کے میل کچیل چھوڑانے کے لیے غسل کرنے کے لیے مسجد کے باہر اگر جائے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ فرض غسل کے لیے بھی نکلنے کی اجازت اسی وقت ہے جب کہ مسجد میں

غسل کرنا ممکن نہ ہو یعنی کوئی اتنا بڑا برتن مہیا ہو سکے جس میں کھڑا ہو کر وہ اس طرح نہالے کہ غسل کا پانی یا اس کی چھینٹیں مسجد میں نہ پڑیں تو وہ غسل فرض ادا کرنے کے لیے بھی مسجد سے باہر نہیں جا سکتا ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: (وحرم عليه) أي على المعتكف اعتكافا واجبا، أما النفل فله الخروج؛ لأنه منه له لا مبطل كما مر (الخروج إلا لحاجة الإنسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد، كذا في النهر (أو) شرعية كعيد وأذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد و (الجمعة وقت الزوال)[1].

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

اعترض بعض الشراح تفسير الكنز لها بالبول والغائط بأن الأولى تفسيرها بالطهارة ومقدماتها ليدخل الاستنجاء والوضوء والغسل لمشاركتها لهما في الاحتياج وعدم الجواز في المسجد اهـ. فافهم قوله: (ولا يمكنه إلخ) فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد فلا بأس به. بدائع: أي بأن كان فيه بركة ماء أو موضع معد للطهارة أو اغتسل في إناء بحيث لا يصيب المسجد الماء المستعمل[2].

رہ گیا وہ شخص جسے روزانہ نہانے کی عادت ہے یا کم از کم یہی بات کہ دس دن تک نہ نہانے سے میل، کچیل جم جائیں گے جس سے الجھن ہوگی، نہانے کے جواز کے لیے کافی نہیں، اور نہانا ہے تو پھر اسی شرط کے ساتھ کہ مسجد میں ایسا بڑا برتن رکھ کر نہائیں کہ پانی کی چھینٹیں مسجد میں نہ پڑیں۔ اگر کوئی دوسرا دھونے والا نہیں تو ناپاک کپڑا دھونے کے لیے اجازت ہو سکتی ہے۔

استنجے کے لیے جاتے آتے بضرورت بقدر ضرورت بات چیت کر سکتا ہے اسی طرح گھر کے متعلقین، احباب کی خیر و عافیت کی اطلاع معتکف کو دی جا سکتی ہے۔ اہم اور ضروری معاملات میں مشورہ لیا جا سکتا ہے بضرورت بقدر ضرورت اس سے ہر جائز بات کی جا سکتی ہے وہ خود بھی کر سکتا ہے۔ البتہ بلا ضرورت یا ضرورت

---

(۱) الدر المختار، فوق رد المحتار، ج:۳، ص:٤٣٤ تا ٤٣٦، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ص:٤٣٥، ج:۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلميه، بيروت.

سے زائد بات چیت کرنا ممنوع ہے۔

حوض خارج مسجد ہے تو صرف وضو کے لیے جا سکتا ہے دوسرے کسی کام کے لیے جائے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں:

● ایک وہ جو نماز پڑھنے کے لیے معین ہے اگرچہ اس میں چھت نہ ہو جسے فرش کہتے ہیں یہ مسجد ہی ہے، اس کے حدود میں رہنے سے اعتکاف باطل نہ ہوگا، اس حصے میں بلا ضرورت دنیوی بات چیت کرنی ممنوع ہے۔ بیڑی، سگریٹ بھی پینا ممنوع ہے۔

● کچھ حصہ مسجد کا وہ ہوتا ہے جو نماز پڑھنے کے لیے نہیں، جہاں جوتے وغیرہ اتارتے ہیں، یا جہاں وضو خانہ ہے، استنجا خانہ ہے، غسل خانہ ہے یا امام و موذن کے حجرے ہیں اعتکاف کے حق میں یہ جگہ خارج مسجد ہے۔ ان جگہوں پر اگر معتکف بلا ضرورت نکلے گا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔[1] جو شخص بیڑی، سگریٹ پینے کا عادی ہو کہ

---

(۱) حق یہ ہے کہ اعتکاف باطل نہ ہوگا کہ یہ جگہیں فنائے مسجد ہیں اور فنائے مسجد حکم مسجد میں ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته، وهذا لا يجوز، والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد، كذا في محيط السرخسي. [الفتاوى الهندية، ج:۲، ص:۴۳۱، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم وغيره في مال الوقت عليه.]

یہاں صاف لفظوں میں واضح کر دیا گیا کہ فنائے مسجد حکم مسجد میں ہے اس سے حقیقۃً مسجد ہونا ثابت نہیں ہوتا، احترام مسجد کے لیے اسے بحکم مسجد رکھا گیا اور اس تبعیت سے مسجد کے بعض احکام اس سے وابستہ ہوئے لہذا وہاں معتکف کو جانا اور کچھ دیر ٹھہرنا جائز ہے، اس سے اعتکاف کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

جو کام مسجد میں نہیں ہو سکتے اور وہ نماز یا نمازی کی ضروریات سے ہوں جیسے استنجا کرنا، غسل کرنا، وضو کرنا، اذان دینا۔ ان کے حق میں فنائے مسجد خارجِ مسجد ہے کہ قبل تمام مسجدیت وہ اس کے لیے مخصوص ہو چکے ہیں مگر اعتکاف، وضو و غسل وغیرہ کی طرح ایسا کام نہیں جو مسجد میں ممنوع ہو بلکہ یہ کام بجائے خود عبادت ہے وہ بھی ایسی عبادت جو مسجد میں ہی انجام پا سکتی ہے۔

ارشاد باری ہے: ''وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ'' [القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ، آیت:۱۸۷]

لہذا اعتکاف کے حق میں فنائے مسجد حکماً داخل مسجد ہے، اس کی تائید فتاوی رضویہ کے درج ذیل اقتباس سے ہوتی ہے۔

اگر نہ پیے تو اسے ضرر کا ظن غالب ہو وہ فرش کے باہر ان جگہوں میں آکر بیڑی، سگریٹ پی سکتا ہے مگر مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ خوب اچھی طرح صاف کرلے کہ بدبو بالکل نہ ہو، مذہبی باتیں اعتکاف کی حالت میں جائز ہی نہیں مستحسن ہیں، مذہبی باتوں میں دینی مسائل، انبیاے کرام، اولیاے عظام، علماے ذوی الاحترام کے تذکرے یا ان کے حالات پر مشتمل کتابیں سب داخل ہیں، معتکف اپنے لیے مسجد میں جو حجرہ نما کپڑے وغیرہ تان کر بنالیتا ہے اس کے باہر بھی جا سکتا ہے بلکہ صف اول اور امام کا قرب حاصل کرنے کے لیے اسے ضرور جانا

جب وہ مدارس متعلق مسجد، حدود مسجد کے اندر ہیں، ان میں اور مسجد میں راستہ فاصل نہیں؛ صرف ایک فصیل سے صحنوں کا امتیاز کر دیا ہے تو ان میں جانا مسجد سے باہر جانا ہی نہیں یہاں تک کہ ایسی جگہ معتکف کو جانا، جائز کہ وہ گویا مسجد ہی کا ایک قطعہ ہے، وهذا ما قال الإمام الطحاوي: إن حجرة أم المؤمنين من المسجد، في رد المحتار عن البدائع: لو صعد أي المعتكف المنارة لم يفسد بلا خلاف لأنها منها لأنه يمنع فيها من كل ما يمنع فيه من البول ونحوه فأشبه زاوية من زوايا المسجد. (فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۴۷۴، رضا اکیڈمی)

فتاوی رضویہ میں ہی ایک دوسرے مقام پر ہے:

فصیل مسجد جس پر وضو کرتے ہیں یا اذان دیتے ہیں بعض باتوں میں حکم مسجد میں ہے، معتکف بلا ضرورت اس پر جا سکتا ہے۔ اس پر تھوکنے، ناک صاف کرنے یا نجاست ڈالنے کی اجازت نہیں۔ بیہودہ باتیں، قہقہے سے ہنسا وہاں بھی نہ چاہیے اور بعض باتوں میں حکم مسجد نہیں۔ اس پر اذان دیں گے، اس پر بیٹھ کر وضو کر سکتے ہیں جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو اس پر نماز فرض میں مسجد کا ثواب نہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج:۶، ص:۳۷۴، کتاب الفقت، رضا اکیڈمی، ممبئی)

استاذی الکریم حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ کثرت کار کے باعث اس فرق کی طرف نہ ہو سکی، آپ نے یہ دیکھا کہ فناے مسجد کچھ احکام میں خارج مسجد ہے اور عبادات میں احتیاط چاہیے؛ اس لیے آپ نے فناے مسجد میں بلا ضرورت جانے سے اعتکاف کو غیر صحیح قرار دیا، بسا اوقات اس طرح کا ذہول فقہاے کبار سے ہو جاتا ہے، معصوم تو حضور سید الکونین ﷺ کی ذات شریف ہے۔

مختصر یہ کہ فناے مسجد میں بے ضرورت جانے سے بھی اعتکاف میں کوئی خلل نہ آئے گا۔ مسجد کا منارہ اذان کے حق میں خارج مسجد ہے کیوں کہ اذان دینا مسجد میں ممنوع ہے لیکن منارے پر معتکف کا چڑھنا بالاجماع جائز و درست ہے۔ ان سب کے باوجود معتکف کوشش کرے کہ زیادہ تر وقت اس کا حرم مسجد میں گزرے، وضو و غسل وغیرہ کے لیے بقدر حاجت فناے مسجد میں آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس سے زیادہ ٹھہر جائے تو بھی اعتکاف کی صحت پر کچھ اثر نہ آئے گا، تاہم احسن حرم مسجد ہے کہ وہ ہر حیثیت سے مسجد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد نظام الدین رضوی

چاہیے۔اعتکاف کی نیت اتنی کافی ہے کہ "میں نے دس روزہ اعتکاف کی نیت کی۔" اعتکاف کی اہمیت کے لیے اتنا سمجھ لیجیے کہ یہ دربار خداوندی کی حاضری ہے، اس احکم الحاکمین جبار وقہار نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں کو دس روز تک اپنی بارگاہ میں باریاب فرمایا ہے، یہ کم اہمیت نہیں، بادشاہوں کے دربار میں منٹ دو منٹ کی حاضری بھی بہت عظیم ہے چہ جائے کہ دس دن کی، معتکف لیلۃ القدر ضرور پاتا ہے جس کی ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادات سے بہتر ہے۔ حدیث میں فرمایا: اسے اس قدر ثواب ملتا ہے جیسے اس نے تمام نیکیاں کیں۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ: اسے دو حج اور دو عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ (۱)

اعتکاف میں تہجد کی پابندی کریں، کچھ دیر مراقبہ کریں، دوزانو بیٹھ کر سر جھکا کر یہ تصور باندھیں کہ میں اللہ عزوجل کو (گویا) دیکھ رہا ہوں یہ نہ ہو تو یہ تصور باندھیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، مراقبہ کا سب سے عمدہ وقت سحری کھانے سے پہلے رات کا پچھلا پہر ہے، اگر شور وغل ہو تو سیاہ مرچ پر روئی لپیٹ لیں اتنی کہ کانوں کا سوراخ بند ہو جائے دونوں کانوں میں یہ گولیاں اتنی دبادیں کہ آواز نہ سنائی دے مگر یہ خیال رہے کہ اتنی نہ دبائیں کہ نکالنا دشوار ہو اس کے لیے گولی کچھ موٹی بنالیں۔ تراویح پڑھ کر اول وقت سو رہیں، جب آنکھ کھلے اٹھ بیٹھیں، مسواک کے ساتھ تازہ وضو کر کے سورہ آل عمران کی اخیر کی دس آیتیں پڑھیں، پھر بیٹھ کر تھوڑی دیر اپنے پیر کا تصور کریں، ان سے استغاثہ کریں کہ مجھے کچھ نورانیت دلادیں، پھر تہجد پڑھیں، بہتر یہ ہے جتنا قرآن مجید زبانی یاد ہو سب برابر آٹھ یا بارہ رکعتوں پر تقسیم کر دیں۔ تہجد میں جتنا یاد ہو سب پڑھیں، اگر وقت میں گنجائش ہو تو تہجد سے فارغ ہو کر وتر پڑھیں پھر بہار شریعت حصہ چہارم میں تہجد کی کچھ دعائیں مذکور ہیں ان کو تین بار یا گیارہ بار پڑھیں، پھر بقدر وسعت درود غوثیہ پڑھیں وہ یاد نہ ہو تو جو بھی درود شریف یاد ہو پڑھیں پھر استغفار پڑھیں کم از کم سو بار، پھر اسلام وسنیت پر استقامت اور ایمان پر خاتمے کی دعا مانگیں، جی چاہے اور مقاصد کی دعا مانگ سکتے ہیں اگر اللہ توفیق دے تو شرح بخاری کا مطالعہ کریں اس پابندی کے ساتھ کہ عربی حدیث بھی پڑھیں اور ترجمہ بھی اور شرح بھی۔ زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کریں کوشش کریں کہ کم از کم قرآن مجید کا تین ختم ہو جائے رات کو زیادہ جاگیں اور دن میں سوئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) شعب الإيمان، باب فى الاعتكاف.

[۱۳] معتکف کو صلات کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں

مسئلہ:- رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف کرنے والا خارج مسجد الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پکار سکتا ہے کہ نہیں پکارنے کی صورت میں اعتکاف باقی رہے گا یا ختم ہو جائے گا؟

حافظ محمد ابراہیم صاحب، کہان والا، بھروچ، گجرات، انڈیا

الجواب

معتکف کو صلات کہنے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں اگر نکلے گا اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔[1]

واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۴-۱۹] معتکف اگر مسجد کے باہر نکل کر سلام کا جواب دے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا

مسئلہ:- ❶ زید نے رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں دس دن معتکف رہنے کی منت مانی۔ اس شرط کے ساتھ کہ دوران اعتکاف نماز جنازہ وعیادت مریض ومجلس علم میں حاضر ہوگا اور نماز جنازہ میں حاضر ہوا تو اعتکاف میں کوئی فساد واقع ہوا کہ نہیں۔

❷ معتکف بیرون مسجد سلام کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟

❸ حافظ نے کہا کہ اگر اس برس مجھے گزشتہ برسوں سے کم ہدیہ تراویح دیا تو پھینک دوں گا ایسے حافظ پر کیا حکم ہوگا؟

❹ حافظ نے تراویح کی پہلی رکعت میں سورۂ غاشیہ کی صرف تیسری آیت پڑھی یہ جان کر کہ یہ آیت گزشتہ شب کو چھوٹ گئی تھی اور آیت مذکور پڑھ کر سورہ والضحیٰ پڑھی اور نماز پوری کی تو کیا حکم ہے؟

---

(۱) "فلو خرج ساعة بلا عذر فسد فيقضيه". [تنوير الأبصار والدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ج:۳، ص:٤٣٧، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان]

۵ بعض جگہوں پر کچھ روپیہ دینے کا وعدہ کر کے معتکف مقرر کرتے ہیں۔ ایسے معتکف و اعتکاف کا کیا حکم ہے؟

۶ زید نے اس مثنوی

ہر کہ خواہی ہم نشینی با خدا　　　او نشیند در حضور اولیا

کی تشریح یوں کی کہ جو کوئی خدا کے ساتھ بیٹھنا چاہے وہ اولیاے کرام کی صحبت میں بیٹھے۔ تشریح صحیح ہے یا نہیں؟

جناب محمد حبیب صدیقی، جامع مسجد جام سلایا، ضلع جام نگر، گجرات

الجواب

۱ اگر اعتکاف کی منت مانتے وقت بلافصل زبان سے یہ شرط ذکر کر دی ہو کہ مریض کی عیادت اور نماز جنازہ اور مجلس علم میں حاضر ہو گا تو یہ شرط جائز ہے اب ان کاموں کے لیے جانے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو شرط وقت النذر الالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلك كذا في التتارخانية ناقلا عن الحجة[1].

جلد اول، ص:۱۰۹، بہار شریعت میں ہے: اب اگر ان کاموں کے لیے جائے اعتکاف فاسد نہ ہوگا اور یہی یجوز کا مفاد ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۲ معتکف مسجد میں ہی رہے گا اور مستثنیٰ ضروریات کے علاوہ اگر مسجد سے باہر جائے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا،[2] اگر مسجد کے باہر نکل کر کسی کے سلام کا جواب دے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ ہاں اگر

(۱) الفتاوی الهندية، ج:۱، ص: ٢٣٤، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) الفتاوی الهندية، ج:۱، ص: ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

تنویر الأبصار میں ہے: "فلو خرج ولو ناسيا ساعة زمانية بلا عذر فسد فيقضيه".

[ج:۳، ص: ٤٣٧، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان]

وہ مسجد میں ہے اور باہر سے کسی نے سلام کیا تو سلام کا جواب دے سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

③ اب بضرورت اس کی اجازت ہے کہ احتباس وقت کی اجرت تراویح سنانے والا لے۔ اس لیے یہ تراویح بھی صحیح ہے اور حافظ پر کوئی الزام نہیں۔ البتہ اسے یہ مناسب نہیں تھا کہ ایسے بے تکے الفاظ کہتا۔ واللہ تعالی اعلم

④ نماز بلا کراہت ہو گئی۔ واللہ تعالی اعلم

⑤ یہ حرام و گناہ ہے معتکف اور پیسہ دینے والے، دونوں گنہ گار ہیں۔ واللہ تعالی اعلم

⑥ یہ اس لفظ کا بعینہ ترجمہ ہے اس لیے جو تاویل "ہم نشینی با خدا" کی ہے وہی اس کے ترجمے کی بھی۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۰] درگاہ کی زیارت کے لیے جانے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا

مسئلہ- ہماری مسجد سے قریب ایک درگاہ شریف ہے۔ مسجد اور درگاہ کا درمیانی فاصلہ ۳۰؍ میٹر ہے۔ معتکف جو ماہ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف سے بیٹھتے ہیں وہ حالت اعتکاف میں کسی دن درگاہ شریف کی زیارت کر سکتا ہے کہ نہیں؟

سید محمد ابراہیم، جامع مسجد کرناٹک

۴؍ ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ

الجواب

اعتکاف کی حالت میں اس درگاہ میں بھی جانے کی اجازت نہیں اگر جائے گا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۱] معتکف عزیز و اقارب کی تجہیز و تکفین میں نہیں جا سکتا

مسئلہ- عمرو معتکف (اعتکاف سنت موکدہ کفایہ) ہے۔ دوران اعتکاف اس کے والد یا والدہ یا اور کسی عزیز کا انتقال ہو جانے کی صورت میں اعتکاف توڑ کر وہ تجہیز و تکفین میں شرکت کے لیے جا سکتا ہے یا نہیں؟

سید جلیل رضوی، اے آر، اسٹیٹ، ممبئی، مہاراشٹر

الجواب

نہیں جاسکتا، اگر جائے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اس پر اس ایک دن کی قضا واجب ہوگی۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے: لو خرج ساعة بلا عذر فسد و يقضيه (۱).

اس کے تحت شامی میں ہے: فإن فات بعضه قضاه لا غير و لا يجب الاستقبال (۲).

یہ حکم اس اعتکاف کا ہے جو واجب ہو۔ یا جو سنت کفایہ ہے۔ نفل کا حکم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۲] فصیل مسجد وضو کے معاملے میں خارج مسجد ہے

مسئلہ کیا معتکف مسجد کی فصیل پر بیٹھ کر وضو کر سکتا ہے جب کہ فصیل پر پانی گرنے کا پورا امکان ہے؟

اختر الاسلام قادری، چھتن پورہ، نواپورہ، وارانسی، یوپی

الجواب

معتکف مسجد کی فصیل پر بیٹھ کر وضو کر سکتا ہے۔ فصیل اگرچہ مسجد کا جز ہے لیکن وضو کے معاملے میں خارج مسجد کے حکم میں ہے۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۳ر ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

---

(۱) تنویر الأبصار و الدر المختار، ص: ۴۳۷، ج: ۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دار الکتب العلمیہ، بیروت.

(۲) رد المحتار، ص: ۴۳۷، ج: ۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دار الکتب العلمیہ، بیروت.

(۳) فتاوی رضویہ میں ہے:

فصیل مسجد بعض باتوں میں حکم مسجد میں ہے، معتکف بلا ضرورت اس پر جاسکتا ہے، اس پر تھوکنے، یا ناک صاف کرنے، یا نجاست ڈالنے کی اجازت نہیں، بیہودہ باتیں، قہقہے سے ہنسا وہاں بھی نہ چاہیے، اور بعض باتوں میں حکم مسجد میں نہیں، اس پر اذان دیں گے، اس پر بیٹھ کر وضو کر سکتے ہیں، جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو اس پر نماز فرض میں مسجد کا ثواب نہیں، دنیا کی جائز قلیل بات جس میں چپقلش ہو نہ کسی نمازی یا ذاکر کی ایذا، اس میں حرج نہیں۔ (ج: ۶، ص: ۴۷۳، رضا اکیڈمی) (مرتب غفرلہ)

کتابُ المناسِک

(فتاوی کی تعداد: ۱۱۳)

ابواب	فتاوی کی تعداد
الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته و وقته وشرائطه وأركانه	٣٤
الباب الثاني في كيفية أداء الحج	٤٥
الباب الثالث في العمرة	١٢
الباب الرابع في الجنايات	٣
الباب الخامس في الحج عن الغير	١٩
میزان	۱۱۳

الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته

ووقته وشرائطه وأركانه

[۱] حج کس پر فرض ہے؟

مسئلہ- حج کب فرض ہوتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لڑکی، لڑکے کی شادی کرنے کے بعد اور فراخی کے ساتھ کشادہ مکان بنانے کے بعد ہی حج کو جانا چاہیے۔ جب کہ بعض لوگ شادی بیاہ اور مکان میں ضرورت سے زیادہ خرچ کر ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے ان اخراجات کے بعد حج کی استطاعت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ اگر صرف ضروری خرچ کریں تو حج کرنے بھر رقم بچ رہے۔

محمد سلیم قادری، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

اگر کسی کے پاس اتنا پیسہ جمع ہو جائے جو حرمین شریفین سواری سے آنے جانے اور بقدر معتاد جتنے دن وہاں رہنا پڑتا ہے، اور حج کے متعلقات میں جو اخراجات ہوتے ہیں، نیز آمد و رفت کے درمیانی وقفہ میں جن لوگوں کا اس پر نان و نفقہ واجب ہو ان سب کو پورا کر سکتا ہو اس پر حج فرض ہے۔ نان و نفقے سے بطریق معتاد وہ جو کھاتا ہو اس کے اخراجات، اور عادۃً جو لباس پہنتا ہو اس کے اخراجات اور رہنے کے لیے اتنا مکان ہو جس میں وہ لوگ جن کا نان و نفقہ واجب ہے رہ سکیں مراد ہے۔ رہ گیا یہ جو رواج ہے اور عوام میں مشہور ہے کہ "جب تک بال بچوں کی حسب منشا برادری اور ملک کے رواج کے مطابق شادی نہ کر لیں اور ہر جوان بچے کے لیے بلڈنگ نہ بنوا لیں حج فرض نہیں" غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲] حاجی ہونے کے لیے بس حج ضروری ہے، خواہ وطن سے ہو، یا کہیں اور سے

مسئلہ- ایک شخص نوکری کے سلسلے میں عرب گیا ہوا ہے۔ اس نے وہاں پر حج بھی کر لیا۔ وہ حاجی

کہلائے گا یا نہیں؟ اس کا حج ہوا یا نہیں؟

۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

الجواب

اس کا حج ہو گیا۔ اس کو حاجی کہنا درست ہے۔ حاجی ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی اپنے وطن سے حج کو جائے۔ کسی طرح ایام حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر اوقات مقررہ میں ارکان حج کر لیا تو اس کا حج ہو گیا اور وہ حاجی ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳] گھر سے حج کے لیے جانا فرض نہیں

مسئلہ۔ زید بسلسلہ ملازمت سعودیہ عربیہ میں رہتا ہے وہاں پر اس نے پورے ارکان کے ساتھ حج بیت اللہ کیا تو کیا اس کا حج مکمل ہوا یا نہیں جب کہ اس کا ارادہ یہی تھا کہ میں سعودیہ جاؤں گا تو حج بیت اللہ کروں گا لہذا اس مسئلہ سے جلد مطلع فرمائیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ گھر سے آکر حج کے لیے جانا ضروری تو نہیں ہے؟ فقط والسلام

عبد الستار، مقام و پوسٹ ہوکیری، بیلگام، کرناٹک

الجواب

زید نے سعودیہ سے جو حج کیا وہ حج ہو گیا۔ حج فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ گھر سے حج کے لیے جانا فرض نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

[۴] ماں باپ کو حج کرانے سے اپنا فرض ذمے سے ساقط نہ ہوگا

مسئلہ۔ میرے والدین باحیات ہیں اور ہم لوگ چار بھائی ہیں۔ ہم چاروں بھائی کام الگ الگ کرتے ہیں اور اپنی کمائی اپنے والدین کے پاس بھیجتے ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وقت ہم لوگ اچھی حالت میں ہیں اور صاحب نصاب ہو گئے ہیں اور اپنے والدین کو حج کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں مگر کچھ لوگ

مجھ کو یہ رائے دیتے ہیں کہ جب آپ نے کمایا ہے اور آپ قریب بھی ہیں یعنی مسقط میں ہیں تو حج آپ پر فرض ہوتا ہے۔ پہلے آپ حج کیجیے مگر ہم چاروں بھائیوں کی متفقہ رائے ہے کہ پہلے اپنے والدین کو حج بیت اللہ کے لیے بھیجا جائے تو والدین کے اولاد پر کیا حقوق ہوتے ہیں اور اولاد کے والدین پر کیا حقوق ہوتے ہیں؟ تحریر فرمائیں۔

علی رضا، پوسٹ بکس نمبر ۵۶، مطرح، مسقط، عمان

الجواب

آپ جب اپنے والدین سے دور دراز رہ کر کماتے ہیں۔ تو جو کچھ کماتے ہیں وہ سب آپ کی ملک ہے۔ ہاں! اگر اپنی کمائی اپنے باپ کو دے دیتے ہیں تو جو کچھ باپ کو دے دیں گے وہ باپ کی ملک ہو جائے گا۔ اگر آپ کے پاس آپ کی کمائی سے اتنا ہے کہ آپ حج کر سکیں تو خود آپ پر حج فرض ہو گیا۔ اور ضرور آپ کو جلد از جلد حج کر لینا ضروری ہے۔

اسی طرح اگر آپ کے والدین کے پاس، یا ان میں سے کسی ایک کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ ان پر حج فرض ہے تو انھیں بھی لازم ہے کہ جلد از جلد حج کر لیں۔ اگر آپ پر حج فرض ہے اور ماں باپ کو حج کرادیں گے تو آپ کا فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ یوں ہی اگر باپ پر، یا ماں پر، یا دونوں پر حج فرض ہے وہ نہ کریں اور آپ کر لیں تو وہ بری الذمہ نہ ہوں گے۔

والدین کے حقوق اولاد پر یہ ہیں کہ اولاد ان کو راضی رکھیں، ان کی خدمت کریں، ان کو کسی طرح ایذا نہ پہنچائیں۔ والدین پر اولاد کے حقوق یہ ہیں کہ ان کی پرورش کریں، دین سکھائیں، دین دار بنائیں، کمانے کا ہنر سکھائیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق آپ پر حج فرض ہے تو آپ ضرور حج کریں، والدین پر بھی فرض ہے تو وہ بھی ضرور کریں۔ اور اگر آپ پر فرض ہے والدین پر نہیں اور آپ کو وسعت ہے کہ انھیں بھی حج کرادیں تو آپ بھی حج کر لیں اور انھیں بھی کرادیں یہ آپ کی بہت بڑی سعادت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۵] حج فرض کے لیے والدین کی اجازت کی حاجت نہیں

مسئلہ— زید کی ماں باحیات ہیں تو زید حج کر سکتا ہے یا نہیں اور زید کی ماں بھی بغیر کسی سہارے کے نہیں

جا سکتی اور اتنی وسعت بھی نہیں کہ دونوں جائیں تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟

شبیر احمد، پورہ رانی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۲۸ر صفر ۱۴۱۱ھ

الجواب

زید پر حج فرض ہو چکا ہے تو اس پر فرض ہے کہ تنہا بلا تاخیر پہلی فرصت میں حج کے لیے جائے۔ اس صورت میں ماں سے اجازت لینے کی بھی حاجت نہیں۔ عوام میں یہ غلط مشہور ہے کہ "جب تک ماں باپ حج نہ کرلیں اولاد کو حج کرنا جائز نہیں، یا جب تک ماں باپ اجازت نہ دیں اولاد کو حج کرنا جائز نہیں"۔ حج فرض کے لیے ماں باپ کی اجازت کی کوئی حاجت نہیں۔ ہاں حج نفل اور عمرہ ماں، باپ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، جائے گا تو گناہ گار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[٦] حج فرض کی ادائگی کے لیے والدہ کی ناراضگی کی پروانہ کریں

مسئلہ- ہندہ کے تین لڑکے ہیں زید، بکر، محمود۔ زید پر حج فرض ہے اور محمود غیر مستطیع مگر متوسط الحال اور تینوں لڑکے والدین سے الگ رہتے ہیں اور الگ الگ کاروبار بھی ہے۔ زید حج کی ادائگی کا ارادہ رکھتا ہے مگر اس کی والدہ ہندہ اس بات پر مصر ہے کہ زید اس کو بھی ساتھ لے جائے۔ اور نہ لے جانے پر والدہ ناراض ہو جائے گی۔ زید کہتا ہے کہ اخراجات حج کا نصف تو میں دے سکتا ہوں مگر نصف کا انتظام نہیں کر سکتا اور والدہ نصف حصہ کا بھی نہیں کرتی، ایسی صورت میں کیا والدہ کی ناراضی زید کی فرضیت حج کی ادائگی میں رکاوٹ بنے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا

جناب امتیاز احمد، اقبال احمد صاحبان، خیر آباد، اعظم گڑھ

۲۲ر رجب ۱۴۰۸ھ

الجواب

زید حج فرض کی ادائگی کے لیے جائے اور والدہ کی ناراضگی کی پروانہ کرے، حدیث میں ہے: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق [1]. حج فرض کے وجوب یا صحت کے لیے والدہ کی اجازت درکار نہیں، لہٰذا بلا

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ٣٢١، كتاب الإمارة والقضاء، مجلس بركات، اشرفيه مبارك پور.

در یغ حج ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۷] حج بلا تاخیر ادا کریں، خواہ شادی کر کے یا بلا شادی کیے

مسئلہ- میری پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے اب دوسری شادی کا مسئلہ درپیش ہے اور ساتھ ہی زیارت حرمین شریفین وحاضری دربار اقدس کا شوق دل ودماغ میں سما گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کس فرض سے سبک دوش ہوؤں۔

حبیب اللہ واردی، معرفت محمدی کیس امپوریم، محلہ جمند، بھدوہی، وارانسی

الجواب

سوال سے میں نے یہی سمجھا ہے کہ آپ کو شادی کی اتنی اشد ضرورت نہیں ہے کہ تاخیر ہو تو زنا میں، یا اس قسم کی بدکرداری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اگر آپ پر حج فرض ہے تو بلا تاخیر حج کریں۔ حج فرض ہونے کے بعد تاخیر جائز نہیں۔ ویسے دونوں میں منافات نہیں آپ چاہیں تو شادی بھی کر لیں اور حج بھی کر لیں[۱]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸/ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ

[۸] بینک سے ملی ہوئی زائد رقم سے حج کر سکتا ہے

مسئلہ- زید بینک کی زائد رقم سے حج بیت اللہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲۷/ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

الجواب

برہنائے تحقیق حکومت کے بینکوں میں رقم جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں۔
لہذا اگر روپے حکومت کے بینکوں میں جمع تھے تو بینک سے ملی ہوئی زائد رقم سے حج کر سکتا ہے یہ سود

(۱) جو شخص صاحب وسعت ہو اور شادی کر کے بھی حج کو جا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے شادی کر لے تاکہ پریشان نظری کا شکار نہ ہو اور پوری توجہ الی اللہ کے ساتھ مناسک حج ادا کرے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

نہیں مال حلال وطیب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

[9] جب بچی کی حفاظت کرنے والا قرابتدار نسبی ہو تو حج کے لیے جاسکتے ہیں

مسئلہ — میری ایک چھوٹی بچی عمر تقریباً ۱۳؍ سال ہے اسے اس کے دوسرے بھائیوں کے ساتھ چھوڑ کر ہم مع اہلیہ حج کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، لڑکی کی شادی نہیں ہوئی ہے، حج کرنا مناسب ہوگا یا نہیں؟ غیر شادی شدہ لڑکی کی موجودگی قباحت تو نہیں پیدا کرے گی؟

ولی اللہ، ٦٠، ہاٹا سنگی بیگ، لکھنو، یوپی

الجواب

اگر اس لڑکی کا کوئی ایسا رشتہ دار جو ذی رحم محرم ہو عاقل، بالغ ہو، خدا ترس، دین دار ہو جو اس لڑکی کی دیانت داری کے ساتھ کما حقہ دیکھ بھال، حفاظت کر سکے تو آپ لوگ دونوں میاں بیوی حج کے لیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً لڑکی کا دادا، یا بھائی، یا چچا ایسا موجود ہو۔ سوال یہ ہے کہ بھائی موجود ہیں اگر یہ بھائی عاقل وبالغ خدا ترس ہوں تو آپ لوگ جائیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ

[۱۰] حرام پیسوں سے حج کے لیے جانا حرام وگناہ ہے

مسئلہ — زید فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے جارہا ہے، زید جس آراضی کو فروخت کرکے حج کے لیے جارہا ہے وہ آراضی بکر کی تھی جس کو زید اور اس کے والد نے ناجائز طور پر قبضہ کرلیا تھا آج کے تقریباً چالیس سال قبل۔ کیا ناجائز طور پر قبضہ کی ہوئی) آراضی کو فروخت کرکے زید، یا کوئی اور شخص فریضۂ حج ادا کر سکتا ہے۔ شریعت محمدی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

امتیاز احمد

الجواب

اگر یہ صحیح ہے کہ زید نے بکر کی مملوکہ آراضی پر ناجائز قبضہ کیا تھا اور اسے فروخت کرکے بعینہ ان پیسوں سے

جواسے آراضی کی قیمت میں اس طرح ملے تھے کہ عقد ونقد جمع تھے حج کے لیے گیا ہے تو یقیناً اس کا حج کے لیے جانا حرام وگناہ ہے، یہ پیسے اس کے لیے مال خبیث تھے اور اللہ تعالی خبیث کو قبول نہیں فرماتا۔ (۱)

لیکن اگر وہ دوسرے پیسوں سے حج کے لیے گیا ہے مثلاً اس کے پاس پہلے کے پسماندہ روپے تھے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

[۱۱] حرام آمدنی سے حج کرنا جائز نہیں

مسئلہ-زید موت کا کنواں چلاتا ہے۔ تو اس کھیل کے پیسہ سے حج کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

محمد طاہر رضا صدیقی، ممبئی کالونی، رودر پورہ، سورت گجرات

الجواب

یہ آمدنی مال حرام ہے۔ (۲) اس سے حج کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالی اعلم ۱۶؍ رجب ۱۴۱۵ھ

---

(۱) مسلم شریف میں ہے: عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أيها الناس! إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا، وإن الله أمر المؤمنين، بما أمر به المرسلين، فقال:

"يٰأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ" [المؤمنون:۵۱]

وقال: "يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ" [البقرة:۱۷۲]

ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر، يمد يديه إلى السماء، يا رب، يارب، ومطعمه ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذلك. (مرتب غفرلہ)

(۲) **موت کا کنواں**۔ یہ لکڑی کا کنواں ہوتا ہے جسے عموماً سرکس والے بناتے ہیں۔ اس کی دیواریں کنویں کی طرح بالکل سیدھی نہیں ہوتیں، بلکہ ہلکی ترچھی ڈھلان نما ہوتی ہیں۔ ان پر کوئی کرتب باز موٹر سائیکل تیز رفتاری کے ساتھ چلاتا ہے، کچھ بھی فرق پڑے تو وہ گر کر موت کے منہ میں چلا جائے اس لیے اسے موت کا کنواں کہتے ہیں۔ لوگ یہ کرتب دکھانے پر اسے کچھ معاوضہ دیتے ہیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ کرتب دیکھنا، دکھانا ناجائز وگناہ ہے کہ یہ خطرناک کھیل ہے، صرف کھیل ہوتا تو بھی ناجائز ہوتا اور خطرناک ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز در ناجائز ہوا۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ." (البقرة/۱۹۵)

[۱۲-۱۴] قرض خواہوں کی اجازت یا ادائے قرض کے بغیر حج کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے

مسئلہ - ❶ زید پر عمر کا قرض عرصہ دو سال سے ہے، زید اس قابل ہے کہ بآسانی ادا کر سکتا ہے، کپڑے کی اچھی خاصی تجارت کرتا ہے۔ اب زید حج بیت اللہ شریف کو جانے کا ارادہ کرتا ہے، عمر کا دعوی ہے کہ بغیر میرے قرض کی ادائگی کیے ہوئے جائے گا تو حج نہیں ہوگا، ناجائز ہے۔ کیا یہ دعوی عمر کا از روے شریعت بجا ہے؟

❷ زید پر دوسرے لوگوں کے بھی کافی قرض ہیں مگر زید کہتا ہے کہ میرا بھی بقایا لوگوں پر ہے میرا حج جائز ہے۔

❸ زید بر سر روزگار تجارت، نان ونفقہ سے کافی خوش حال ہے مگر لوگوں کے قرض دینے میں اس کو قطعی احساس نہیں کہ یہ واجب ہے یا نہیں؟ صرف اوروں یعنی پڑوسیوں کو دیکھ کر حج کے لیے جا رہا ہے؟

منشی مسعود علی، اعظمی بیکری، گرک، اپر پیراک، ملیشیا

الجواب

(❶-❷-❸) زید پر فرض ہے کہ جن جن لوگوں کا اس پر قرض ہے۔ اور قرض کی ادائگی کی اسے

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس کھیل کی مشق کے دوران بہت سے لوگ گرتے اور زخمی ہوتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کچھ موت کے منہ میں بھی چلے جاتے ہوں، اس لیے اس کی ممانعت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ کرتب لہو ولعب سے ہے جس سے حدیث پاک میں نہی وارد ہے:

عن عبد الله بن عبد الرحمٰن بن أبي الحسين أن رسولَ الله ﷺ قال: كلُّ ما يلهو به الرجلُ المسلم باطلٌ إلا رميهٔ بقوسه وتاديبه فرسه وملاعبته أهله فإنهن من الحق. (جامع الترمذي، أبواب فضائل الجهاد)

ترجمہ: عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابو حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کا ہر کھیل باطل ہے مگر تیر اندازی، گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی کے ساتھ تفریح کہ یہ حق ہیں۔ (جامع الترمذی)

موت کا کنواں تین حلال کھیلوں کے سوا ہے اس لیے باطل وناجائز ہے اور باطل وناجائز کام پر جو مال ملے وہ بھی حرام وناجائز ہے۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

وسعت ہے سب فورا بلا تاخیر ادا کرے، حج کو جائے خواہ نہ جائے۔ قرض کا ادا کرنا اس پر بہر حال فرض ہے ادائگی میں تاخیر کرنا وسعت ہوتے ہوئے ظلم ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مطل الغنی ظلم (۱). مال دار کا قرض کی ادائگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔

یہاں تک کہ فرمایا:

یغفر للشهید کل ذنب إلا الدین (۲). قرض کے سوا شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔

نیز احادیث میں وارد ہے کہ خدمت اقدس میں جب کوئی جنازہ لایا جاتا، تو دریافت فرماتے کہ یہ مقروض تو نہیں۔ اگر مقروض ہوتا اور قرض کی ادائگی کے لیے مال نہ چھوڑے ہوتا اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھتے۔

زید پر واجب ہے کہ حج کے لیے جانے سے پہلے اپنا تمام قرض ادا کر دے، یا قرض خواہوں سے اجازت لے لے بغیر اس کے اس کا حج کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے۔

شامی میں ہے: وكذا يكره بلا إذن دائنه وكفيله، والظاهر أنها تحريمية لإطلاقهم الكراهة، ويدل عليه قوله فيما مر في تمثيله للحج المكروه كالحج بلا إذن'' مما يجب استئذانه (۳).

لیکن اگر زید بغیر قرض ادا کیے ہوئے اور قرض خواہوں سے بلا اجازت لیے ہوئے حج کو جائے گا تو اس کا حج ہو جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مکروہ تحریمی کے ارتکاب کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

زید کا یہ عذر کے میرا بھی قرض لوگوں پر ہے اس لیے میرا حج ہو جائے گا، مہمل بات ہے۔ اس کا لوگوں پر قرض ہونا کراہت کو دفع نہیں کر سکتا، اس کے ذمہ جو حق عائد ہے اس کا ذمہ دار یہ ہے اور دوسروں پر جو اس کا حق ہے اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں۔ اس صورت میں بھی قرض ادا کیے بغیر یا قرض خواہوں سے اجازت لیے بغیر زید کو حج کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱) السنن لأبي داؤد، ج:۲، ص:٤٧٥، كتاب البيوع / باب مطل الغنى ظلم.

(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين، ج:۲، ص:۱۳٥، مجلس البركات.

(۳) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص:٤٧٤، كتاب الحج، مطلب في فروض الحج و واجباته، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۱۵] حج سے پہلے دین مہر ادا کرنا لازم نہیں

مسئلہ- کیا حج سے پہلے دین مہر ادا کرنا لازمی ہے؟

علی احمد، جدہ-۱۹۸۰ء

الجواب

اس معنی کر لازم نہیں کہ اگر ادا نہ کرے تو حج ہی صحیح نہ ہو، یا حج میں کوئی نقص رہ جائے۔ مگر مہر شوہر پر فرض ہے بہتر یہ ہے کہ ادائگی حج سے پہلے یا تو ادا کر دے، یا عورت سے معاف کرالے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۶] تارک حج کافر نہیں

مسئلہ- ایک رسالہ میں لکھا گیا ہے کہ "جس مسلمان پر حج فرض ہے اگر وہ حج نہیں کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں۔" تفصیل کے ساتھ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

عبد الشکور، اُدے پور، راجستھان

الجواب

اس طرح مبہم سوال کبھی نہیں کرنا چاہیے جس رسالے میں بھی ہو جس کسی کا بھی ہو (یہ) غلط ہے، تارک حج گناہ کبیرہ کا مرتکب و گنہ گار ضرور ہے، کافر نہیں۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں۔ ہاں! ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے:

جسے حج کی استطاعت ہو اسے حج کرنے سے نہ حاجت ظاہرہ مانع ہوئی، نہ بادشاہ ظالم، نہ کوئی ایسا مرض جو روک دے پھر بغیر حج کیے مر گیا تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر[1]۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حج چھوڑنے کی وجہ سے فوراً کافر ہو گیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج چھوڑنا

---

(۱) أخرجه الدارمي في سننه، برقم: ١٨٢٦، كتاب المناسك، باب من مات ولم يحج، ونصه: عن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: "من لم يمنعه عن الحج حاجة ظاهرة، أو سلطان جائر، أو مرض حابس فمات ولم يحج، فليمت إن شاء يهوديا، وإن شاء نصرانيا". مرتب غفرلہٗ

اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی شامت یہاں تک پہنچ سکتی ہے کہ مرتے مرتے ایمان سے محروم ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴/ ذو قعدہ ۱۴۱۱ھ

[۱۷] حج وزیارت کے لیے چندہ کرنا جائز نہیں

مسئلہ- ایک شخص پہلے مسجد کا موذن تھا ابھی اس وقت نہیں ہیں، کیا وہ چندہ کر کے حج وزیارت کے لیے جا سکتے ہیں چندہ یعنی زکات کا پیسہ نہیں۔ گاؤں والوں سے لے کر جائیں گے۔

مانساء بازار --- ۱۴/ اگست ۱۹۹۸ء

الجواب

حج وزیارت کے لیے چندہ کرنے کا مطلب ہوتا ہے حج وزیارت کے لیے بھیک مانگنا اور یہ بھیک مانگنا بلا ضرورت شرعیہ ہے اس لیے جائز نہیں۔

اور زکات کا پیسہ کسی کو اس لیے دینا کہ وہ حج کرے یہ بھی جائز نہیں اس سے زکات ادا نہ ہوگی، زکات کی ادائگی کے لیے تملیک مستحق شرط ہے، ارشاد ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ(۱).

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے: ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة (لا) يصرف (إلى بناء) نحو مسجد (و) لا إلى (كفن ميت وقضاء دينه)(۲).

تملیک کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کو دے کر اسے مالک بنا دینا، کہ وہ جو چاہے کرے، جہاں چاہے صرف کرے اور جب حج کے لیے دیا تو لینے والا پابند ہو گیا اسے سوا حج کے اور کسی مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں اس لیے تملیک نہیں ہوئی جب تملیک نہ ہوئی زکات ادا نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

---

(۱) القرآن الكريم، سورة التوبة، آيت: ٦٠.
(۲) تنوير الأبصار مع الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۲۹۱، كتاب الزكات، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت.

[۱۸] چندہ وصول کر کے دوسروں کو حج کے لیے بھیجنا

مسئلہ- ہمارے یہاں کے باشندے معاشی لحاظ سے بہت ہی کمزور ہیں۔ ان لوگوں کے لیے ایک نیک خیال آدمی ہر سال چند آدمیوں کو ترغیب دے کر چندہ وصول کر کے دو دو، تین تین آدمیوں کو حج بیت اللہ کے لیے بھیجتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کا چندہ ہر سال کرنا اور غریب آدمیوں کو حج کے لیے بھیجنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ اگر مستقبل میں یہ لوگ مال دار ہو جائیں تو کیا ان پر دوبارہ حج فرض ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

داؤد ابراہیم، پوسٹ بکس ۵۰۸۵، ملاوی، افریقہ

۲۳/ رجب ۱۴۰۳ھ

الجواب

اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص [چندہ وصول کر کے کسی کو حج بیت اللہ کے لیے بھیجے، حسن نیت کے ساتھ] چندہ وصول کرنے والا مستحق ثواب ہے، یہ لوگ جب حج کر لیں گے تو آئندہ اگرچہ صاحب استطاعت ہو جائیں ان پر حج فرض نہ ہو گا۔ یہی پہلا حج فرض ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۹] دوسرے کے دیے ہوئے مال سے حج کر سکتے ہیں

مسئلہ- زید کی لڑکی کی مالی حالت اچھی ہے، اس نے ماں باپ کو کچھ روپے پیسے دیا تو کیا حکم ہے، اور وہ لوگ روپیہ لے کر خود حج کر سکتے ہیں، یا حج بدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

نذیر، بونپورا، بڑودہ، گجرات

۱۳/ جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ

الجواب

لڑکی نے جو کچھ دیا وہ ماں باپ کی ملک ہو گیا، ماں باپ اس میں جو چاہیں تصرف کریں جیسے اپنی کمائی ملکیت میں کرتے ہیں ان روپیوں سے خود بھی حج کر سکتے ہیں، حج بدل بھی کر سکتے ہیں اور کرا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۰] قرعہ اندازی کے ذریعے معاونین میں سے ایک کو حج کے لیے بھیجنا قمار ہے

مسئلہ- زید نے ایک دینی ادارہ کھولنے کا ارادہ کیا ہے جس میں درس نظامی کی تعلیم کے ساتھ عصر حاضر کے تقاضوں کے تحت ٹیکنیکل تعلیم بھی طلبہ کو دی جائے گی تاکہ وہ ادارہ سے نکلنے کے بعد اپنی معاش کے لیے کسی کے محتاج نہ رہیں، اس ادارہ کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک کروڑ کا منصوبہ ہے۔ زید نے دو سال کی تگ ودو ۔۔۔ زمین کی فراہمی کے بعد صرف اس کی چہار دیواری میں تقریباً دولاکھ خرچ کیا ہے۔ اب پیسہ کی فراہمی کے سلسلہ میں زید نے چند علمائے کرام سے مشورہ کرنے کے بعد ایک اشتہار شائع کیا اسے نقل کرتا ہوں۔

نقل اشتہار

معاونین جامعہ کے لیے حج بیت اللہ کی خوش خبری

جامعہ کی تعمیر میں حصہ لے کر ثواب جاریہ کے مستحق بنیں۔ جامعہ کی تعمیر کے لیے مبلغ دو سو روپیہ چندہ دے کر ایک سال کے لیے معاون بنیے۔ جامعہ کی جانب سے ہر ۳۳۵ معاونین میں سے ایک خوش نصیب کو اعزازی طور پر حج بیت اللہ شریف کے لیے بھیجا جائے گا، جس کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔

ہر معاون کو دو سو روپیہ جمع کرتے وقت اس بات پر رضامندی ظاہر کرنی ہوگی کہ جامعہ اپنے مفاد کے تحت موصولہ رقم جس مد میں چاہے خرچ کرے۔ تاریخ مقررہ پر قرعہ اندازی کے وقت معاونین ضرور شرکت کریں۔ جن معاونین کا ایک بار قرعہ اندازی میں نام شامل کرلیا جائے گا دوسرے سال اگر وہ پھر سو روپیہ جمع کریں گے تو ان کا نام دوسرے سال بھی قرعہ اندازی میں شامل کیا جائے گا۔

جن معاونین کا نام کسی وجہ سے قرعہ اندازی میں شامل نہ ہو سکے گا ان کی رقم آیندہ سال کے لیے محفوظ رہے گی جس کی اطلاع بذریعہ خط دی جائے گی۔ جن معاونین کا قرعہ اندازی میں نام آجائے گا ان کو انٹرنیشنل پاسپورٹ پر بذریعہ ہوائی جہاز حج کے لیے بھیجا جائے گا۔ جو حضرات پانی کے جہاز سے حج کمیٹی کی معرفت حج کے

لیے جاسکیں۔

اس اسکیم میں زکات، عشر، فطرہ وصدقہ کی رقم قبول نہیں کی جائے گی۔ دیگر ضروری معلومات کے لیے ناظم اعلیٰ سے ملیں یا خط لکھیں۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ بعض حضرات اس پر معترض ہیں کہ یہ ایک قسم کی لاٹری اور جوا ہے جو حرام ہے۔ کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے اور اس میں شرکت کرنا واقعی حرام ہے۔ اس سے اپنا ذاتی کوئی مفاد نہیں بلکہ صرف ادارہ کی جلد تعمیر وترقی پیش نظر ہے۔

اگر یہ اسکیم جائز ہو اس میں کسی ایسے شخص کا نام نکل آئے جس کے اوپر حج فرض ہو اور وہ جامعہ کی طرف سے حج کرنے جائے تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

امید ہے کہ جلد جواب باصواب سے مطلع فرمائیں گے کہ ہم لوگوں کو اس میں شریک ہونا چاہیے کہ نہیں؟

ڈاکٹر محمد صدیقی، محلہ ترین قصبہ، پھپھوند ضلع اٹاوہ

الجواب

یہ صورت جائز نہیں کھلا ہوا قمار ہے؛ اس لیے کہ معاونین نے دو سو روپے دیے ان میں قرعہ اندازی ہوئی جس کا نام قرعہ میں نکلا اسے حج کے لیے بھیجا گیا، اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ لوگوں نے دو دو سو روپے داؤں پر لگائے اور قرعہ اندازی بمنزلہ چھکہ پھینکنے کے ہے۔ اس کو یوں سمجھیے کہ دینے والوں نے روپے اس شرط پر دیے کہ قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلے گا وہ حج کو جائے گا جیسے جوئے میں ہوتا ہے کہ کھیلنے والے اس شرط پر روپے رکھتے ہیں کہ جس کے نام چھکہ پڑے گا وہ سب روپے پائے گا۔ یہاں بجائے روپیوں کے یہ شرط ہے کہ حج میں جو صرف ہوگا اتنے روپے پائے گا؛ اس لیے یہ بھی قمار ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ

[۲۱] عورت اپنی بہن کے لڑکے کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے

مسئلہ— ایک خاتون ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور عمر قریب قریب ۵۰/ سال ہے اور پھر وہ شادی کرنا نہیں چاہتی اور کھیت جائداد کافی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں حج کرنے جاؤں اور گاؤں کا ایک شخص

امسال جارہا ہے اور جو شخص جارہا ہے وہ اس خاتون کا بھانجا لگتا ہے تو کیا وہ خاتون اپنے بھانجے کے ساتھ حج کرنے جاسکتی ہے یا نہیں؟ واضح طور پر تشریح فرمائیں۔

جناب مجیب اللہ صاحب، دیوریا، پوسٹ رام پور، بستی، یوپی

الجواب

اگر یہ شخص واقعی اس خاتون کا بھانجا ہے یعنی اس کی حقیقی یا اخیافی یا علاتی یا رضاعی بہن کا لڑکا ہے تو وہ اس کا محرم ہوا۔ اس کے ساتھ یہ خاتون حج کرنے کے لیے جاسکتی ہے اور اگر رشتے کی بہن کا لڑکا ہے مثلاً چچازاد بہن، خالہ زاد بہن، ماموں زاد بہن کا لڑکا ہے تو محرم نہیں اس کے ساتھ حج کے لیے نہیں جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۲] بہو اپنے خسر کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے

مسئلہ- کیا بہو سسر کے ساتھ حج نہیں کر سکتی جب کہ سسر کے ساتھ ساس اور سسر کے بھائی ہیں یعنی چار افراد پر مشتمل قافلہ ہے۔

عورت کن کن کے ساتھ حج کر سکتی ہے کیا محرم و غیر محرم کے حکم میں ضعیف بوڑھی عورتیں بھی آئیں گی، یا اس سے خارج ہیں۔

زید و عمرو دونوں بھائی ہیں زید سعودی میں رہتا ہے اگر حج کے لیے عمرو نے ہوائی جہاز میں ماں کو سوار کر دیا اور زید نے ایرپوٹ پر اپنی والدہ کو اپنے ساتھ لے لیا ہے۔ اور حج کے مکمل ارکان ساتھ ہی میں کراتا ہے۔ کیا زید کی ماں گنہ گار ہوگی اور حج ہو جائے گا یا نہیں؟ کیا اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی جب کہ ہوائی جہاز سے کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے پھر بھی اس طرح حج میں کچھ قباحت رہ جاتی ہے؟

ایس، این، رحمن، پوسٹ بکس ۹۵۵، حفر الباطن

الجواب

بہو اپنے خسر کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے[1]، اس لیے کہ خسر عورت کا محرم ہے۔ محرم اسے کہتے

---

(۱) اب حالات زمانہ کی خرابی کے باعث حکم ممانعت ہے مگر یہ کہ خسر بوڑھا از کار رفتہ ہو علمائے مجلس شرعی نے اب یہی فیصلہ جاری کیا ہے، الفاظ یہ ہیں:

ہیں جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو خواہ رشتہ کی وجہ سے جیسے باپ بھائی، یا رضاعت کی وجہ سے جیسے رضائی باپ اور بھائی، خواہ مصاہرت کی وجہ سے جیسے خسر۔ خسر سے بھی بہو کا نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے مثلاً شوہر مر جائے یا طلاق دے دے تو شوہر کے باپ کے ساتھ اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: جوان ساس اپنے داماد کے ساتھ، اسی طرح بہو اپنے جوان خسر کے ساتھ سفرِ حج کو جائے تو اس کا جواز ہے یا نہیں؟

جواب: بہ نظر حالاتِ زمانہ وغلبۂ فساد یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

عورت حتی الامکان اپنے شوہر یا قابلِ اطمینان محرم نسبی کے ساتھ سفر کرے اور جوان ساس اپنے داماد کے ساتھ اسی طرح بہو اپنے جوان خسر کے ساتھ سفر نہ کرے۔

رد المحتار میں ہے: "نقل السيد أبو السعود عن نفقات البزازية: لا تسافر بأخيها رضاعا في زماننا. اه. أي لغلبة الفساد.

قلت: و يؤيده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة، فينبغي إستثناء الصهرة الشابة هنا أيضا؛ لأن السفر كالخلوة." اه.(رد المحتار، كتاب الحج، مطلبٌ يقدم حق العبد على الحق الشرع، ج:٣، ص:٤٦٤، دار الكتب العلمية، بيروت)

فتاوی رضویہ رسالہ انور البشارۃ میں ہے:

"عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابلِ اطمینان نہ ہو، جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے، سفر حرام ہے، اگر کرے گی حج ہو جائے گا، مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔"(فتاویٰ رضویہ، کتاب الحج، رسالہ: انور البشارة، ج:٤، ص:٦٩١، سنی دار الاشاعت، مبارك پور)

در مختار میں ہے:

"والخلوة بالمُحرّمةِ مباحة إلا الأخت رضاعا والصهرة الشابة." (الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، فصلٌ في النظر والمس، فوق رد المحتار، ج:٩، ص:٥٢٩، دار الكتب العلمية، بيروت)

رد المحتار میں ہے:

"قال في القنية: و في استحسان القاضي الصدر الشهيد: و ينبغي للأخ من الرضاع أن لا يخلو بأخته من الرضاع؛ لأن الغالب هناك الوقوع في الجماع. اه. وأفاد العلامة البيري أن "ينبغي" معناه الوجوب هنا. (قوله: والصهرة الشابة) قال في القنية: ماتت عن زوج و أم فلهما أن يسكنا في دار واحدة إذا لم يخافا الفتنة، و إن كانت الصهرة شابة فللجيران أن يمنعوها منه إذا خافوا عليهما الفتنة."اه.(رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصلٌ في النظر والمس، ، ص:٥٣٠، ج:٩، دار الكتب العلمية، بيروت) والله تعالیٰ أعلم.(مرتب غفرلہ)

عورت جب مکہ معظمہ سے بانوے کیلو میٹر کی دوری پر ہو، یا اس سے زائد ہو تو وہ صرف اپنے شوہر اور محرم مرد کے ساتھ ہی حج کو جاسکتی ہے اور اس میں جوان بوڑھی کی کوئی تخصیص نہیں جوانوں کی طرح بوڑھیوں کا بھی یہی حکم ہے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم[1].

حدیث میں مطلق "امرأة" وارد ہے۔ جوان کی تخصیص نہیں اور نہ بوڑھیا کا استثنا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(و) مع (زوج أو محرم بالغ عاقل) لامرأة حرة ولو عجوزاً في سفر[2]. واللہ تعالیٰ اعلم

یقیناً زید کی ماں بھی گنہ گار ہوگی۔ اور زید و زید کے بھائی بھی گنہ گار ہوں گے۔ گنہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ زید کی والدہ کا حج ہو جائے گا۔ اور جب قرآن و حدیث میں کسی چیز سے ممانعت ہو تو اس میں اپنی عقل کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی عورت کو تین دن یا اس سے زیادہ مسافت پر سفر کرنے کے لیے محرم کی شرط لگادی ہے تو کتنا ہی پر امن سفر ہو بغیر شوہر اور محرم کے عورت کو سفر کرنا جائز نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ر جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

[۲۲۳] شریعت نے غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کو حرام قرار دیا ہے

مسئلہ — زید اپنی بیوی اور چچی کو ساتھ لے کر حج کو جانا چاہتا ہے زید کے چچا زید کے دادا کے سگے بھائی کے لڑکے ہیں اور زید کی بیوی چچا کی حقیقی بہن ہے۔ زید کی لڑکی کا عقد و نکاح زید کے چچا کے لڑکے سے ہو چکا ہے اور

---

(۱) • الصحيح للبخاري، ج: ١، ص: ١٤٧، كتاب الصلاة، أبواب تقصير الصلاة، باب في كم يقصر الصلاة، رقم الحديث: ١٠٨٦، مجلس بركات، مبارك پور.
• الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ٤٣٣، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى الحج وغيره، مجلس بركات، مبارك پور.

(۲) تنوير الأبصار مع الدر المختار، ج: ٣، ص: ٤٦٤-٤٦٥، كتاب الحج، دار الكتب العلمية، بيروت.

سب لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ زید کے چچا ملایا رہتے ہیں۔ ۳،۴ سال پر آتے ہیں کاروباری پریشانیوں کی وجہ سے فی الحال وہ نہیں جاسکتے ہیں ایسی صورت میں زید اپنی بیوی اور چچی کو ساتھ لے کر حج کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں۔ (۱) زید کی عمر ۴۸ر سال ہے۔ (۲) زید کی بیوی کی ۳۸ر سال ہے۔ (۳) اور زید کی چچی کی عمر ۵۴ سال ہے، صحت ٹھیک نہیں رہتی ہو سکتا ہے وقت ٹلنے پر یا کمزوری بڑھنے پر ارادہ ترک کر دیں۔

ڈاکٹر سید محمد آصف، پرانی بستی، مبارک پور، اعظم گڑھ

الجواب

یہ عورت حج کے لیے زید کے ہمراہ نہیں جاسکتی ہے اس لیے کہ زید اس کے لیے اصطلاح فقہ کے اعتبار سے غیر محرم ہے اور شریعت نے غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کو حرام قرار دیا ہے چاہے عورت جوان ہو یا ضعیفہ۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزا، إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام، هكذا في المحيط. وإن كان أقل من ذلك حجت بغير محرم، كذا في البدائع. والمحرم الزوج، ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة، كذا في الخلاصة.(۱)

یعنی عورت کو مکہ تک جانے میں تین دن یا زیادہ کا راستہ ہو تو اس کے ہمراہ شوہر یا محرم ہونا شرط ہے خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی، اور تین دن سے کم کی راہ ہو تو بغیر محرم اور شوہر کے بھی جاسکتی ہے۔ محرم سے مراد شوہر ہے اور وہ مرد جس سے ہمیشہ کے لیے اس عورت کا نکاح حرام ہے۔

اگر شوہر مجبوری کی وجہ سے بیوی کے ساتھ حج کے لیے نہیں جاسکتا تو عورت اپنے بھائی، یا بیٹے، یا بھتیجے، یا ماموں کسی کے ساتھ بھی جاسکتی ہے۔ اگر عورت پر حج فرض ہونے کی اور شرطیں پائی جارہی ہیں اور یہ محرم کے ساتھ حج کے لیے جانے کی صورت میں اس کے نفقہ پر بھی قادر ہے تو اس پر فرض ہے کہ کسی محرم کے ہمراہ حج کے لیے جائے ورنہ گنہ گار ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

---

(۱) الفتاوى الهندية، ج:۱،ص:۲٤۱، كتاب المناسك، باب في تفسير الحج وشروطه، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

[۲۴] بیوہ پر وجوب ادائے حج کے لیے محرم کے نفقہ پر بھی قادر ہونا شرط ہے

مسئلہ—ہندہ جس کی عمر تقریباً ساٹھ برس ہے وہ صاحب نصاب ہے جس پر حج فرض ہے چوں کہ وہ بیوہ ہے اور شوہر زندہ نہیں اور کسی محرم کو ساتھ لے جانے کی سکت نہیں ہے کیوں کہ ہندہ کے پاس اپنے فریضہ حج کی ادائگی سے زیادہ رقم نہیں ہے؛ لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہندہ کسی غیر محرم مرد (جس کی عمر بھی تقریباً ساٹھ برس ہے) کے ساتھ حج کرنے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جاسکتی ہے تو وہ اپنے فریضۂ حج سے کس طرح سبک دوش ہوگی؟ حضور والا مع دلائل و حوالۂ کتب تحریر فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

محمد نور الہدیٰ، بھٹی محلہ ڈالٹن گنج، پلامو

۴؍ستمبر ۱۹۸۰ء

الجواب

جب ہندہ بیوہ ہے اور محرم کے ساتھ حج کو جانے کی صورت میں وہ اس کے نفقہ پر قادر نہیں ہے تو از روے شرع اس پر حج کی ادائگی واجب نہیں کیوں کہ ایسی صورت میں حج کی ادائگی واجب ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ عورت اپنے اور محرم دونوں کے نفقہ پر قادر ہو۔ چناں چہ شامی میں ہے:

مع وجوب النفقة إلخ أي: فيشترط أن تكون قادرة على نفقتها ونفقته[1].

یعنی جب عورت محرم کے ساتھ حج کو جائے تو اس کے ذمہ اپنے محرم کا نفقہ واجب ہے۔ پس اب یہ بھی شرط ہے کہ عورت اپنے اور اس کے دونوں کے نفقہ پر قادر ہو۔

پھر جب کہ یہاں وجوب ادائے حج کی ایک شرط مفقود ہے تو عورت کے لیے فریضۂ حج سے سبک دوش ہونے کی سبیل یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے جس کے ذمہ حج فرض نہ ہو اپنی طرف سے حج بدل کرائے یا اپنی موت کے وقت کسی کو حج کرنے کی وصیت کر جائے۔

---

(1) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج: ٣، ص: ٤٥٥، ٤٥٦، مطلب فيمن حج بمال الحرام، دار الكتب العلميه، بيروت.

چناں چہ شامی میں "لباب" کے حوالے سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ:

شروط الأداء: وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت، إهـ ملخصا[1].

لیکن اگر ہندہ خود ہی حج کو جانا چاہتی ہے تو اس کی آسان شکل یہ ہے جس غیر محرم کے ساتھ جانے کے بارے میں پوچھا ہے وہ اس سے نکاح کر کے اس کے ساتھ چلی جائے بغیر نکاح کیے کسی بھی غیر محرم کے ساتھ ہندہ کا حج کو جانا حلال نہیں ہے چاہے وہ غیر محرم نوجوان ہو یا ساٹھ سال کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۵،۲۶] اجنبی کو بھائی بنا کر اس کے ساتھ حج کے لیے جانا جائز نہیں

مسئلہ:- ① ایک محترمہ حج کو جانا چاہتی ہیں لیکن ان کے ساتھ کوئی محرم نہیں ہے کیا بغیر محرم کے وہ حج کو جا سکتی ہیں اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہو گا؟

② اگر کوئی عورت ایسے شخص کو بھائی بنائے جو اس کا رشتے دار بھی نہ ہو اور اس کا یہ کام صرف حج کرنے کے لیے ہو۔ تو ایسے محرم کے ساتھ حج کرنا جائز ہو گا۔ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

محمد منیر قصاب ابن نصر اللہ، شاہ جہاں پور

۱۴؍ جولائی ۱۹۹۹ء

الجواب

(①،②) یہ محترمہ اگر بغیر محرم کے حج کو جائیں گی تو ان کے ہر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، مصنوعی بھائی بھائی نہیں اس کے ساتھ بھی حج کو نہیں جا سکتی۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ کسی نیک دین دار سے نکاح کر لے جو حج سے واپسی کے بعد اسے طلاق دے دے، اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ حج سے واپسی کے بعد وہ طلاق نہیں دے گا تو ایجاب و قبول میں شرط کر لے کہ زندگی بھر مجھے یہ حق حاصل ہو گا کہ میں جب چاہوں اپنے کو طلاق دے

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص:٤٦٤، كتاب الحج، مطلب فى قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، دار الكتب العلمية، بيروت.

لوں۔حج سے واپسی کے بعد عورت کو اختیار رہے گا کہ اگر اس کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی تو اپنے آپ کو طلاق دے دے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۵؍ربیع الآخرہ ۱۴۲۰ھ

[۲۸،۲۷] پیر اور استاد عورت کے محرم نہیں

مسئلہ۔ ❶ غیر شادی شدہ اور بیوہ عورت کس کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے جاسکتی ہے؟

❷ اور اگر کوئی بیوہ عورت اپنی مرضی سے کسی بھی غیر محرم کے ساتھ حج کے لیے گئی، یا غیر محرم نے یہ کہاکہ میں تو تمھارا استاد ہوں، یا تم میرے سلسلے میں داخل ہو اس بنا پر میں تمھارا پیر ہوں اور استاد اور پیر باپ کی جگہ ہوتے ہیں ایسے شخص کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے ہمارے یہاں ایسا موقع در پیش ہوا ہے۔ لہذا مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

محمد امین الدین قادری رضوی، صابر کانٹھا، گجرات

الجواب

(❶،❷) شوہر یا محرم کے بغیر عورت حج کے لیے نہیں جاسکتی۔ کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ شوہر یا محرم کے بغیر بانوے کیلو میٹر سے زیادہ دوری کا سفر کرے اگرچہ وہ غیر محرم اس کا استاد یا پیر ہو۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم[1].

کوئی عورت تین دن کی مسافت کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔

فتاوی ہندیہ میں حج کے شرائط وجوب میں ہے:

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة

---

(1) • الصحيح للبخاري، ص:١٤٧، ج:١،كتاب الصلاة، أبواب تقصير الصلاة، رقم الحديث: ١٠٨٦، مجلس البركات، مباركفور.
• الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ٤٣٣، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى الحج وغيره، مجلس البركات.

ثلاثة أيام، هكذا في المحيط[1].

عورت کے لیے یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی محرم ہو۔ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی جب کہ اس عورت اور مکہ معظمہ کے مابین تین دن کی مسافت ہو۔

جس پیر یا عالم نے یہ کہا کہ عورت اپنے پیر یا استاد کے ساتھ جا سکتی ہے کیوں کہ وہ بمنزلہ باپ کے ہے۔ اس نے فریب دیا اور غلط مسئلہ بتایا۔ اس پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۹] بھابی اپنے دیور کے ساتھ بھی حج کے لیے نہیں جاسکتی

مسئلہ۔ زید کے سگے بھائی بکر کا انتقال ہو گا اور بکر کی بیوی جس کی عمر تقریباً ۷۰ رسال ہے وہ موجود ہے اور اس کے کوئی محرم بھی نہیں ہے۔ اب زید اپنی بیوی اور بھابھی کو ساتھ لے کر حج بیت اللہ کرنے جانا چاہتا ہے تو کیا زید کی بھابھی یعنی بکر کی بیوی زید کے ہمراہ حج بیت اللہ کرنے جا سکتی ہے یا نہیں، اگر نہیں جا سکتی تو اس کی صورت کیا ہے کہ زید کے ہمراہ جا سکے۔

جناب عبد المجید پردھان، اعظم گڑھ، یوپی

۷ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ

الجواب

بھابھی کے لیے دیور بھی غیر محرم ہے اس لیے زید کی بھابھی زید کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکتی۔

فتاوی ہندیہ میں حج کے وجوب ادا کے شرائط میں مذکور ہے:

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام[2].

ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ زید اپنی اس بھابھی سے نکاح کرلے پھر اس کے بعد حج کے لیے لے جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) الفتاوى الهندية، ج: ۱، ص: ۲٤۱، كتاب المناسك / باب في تفسير الحج وشروطه. دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) الفتاوى الهندية، ج: ۱، ص: ۲٤۱، كتاب المناسك، باب في تفسير الحج وشروطه. دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

[۳۰] عورت کا سمدھی کے ساتھ حج کے لیے جانا جائز نہیں

مسئلہ- زید آج سے تین سال قبل حج ادا کر چکا ہے اب چاہتا ہے کہ اس کی بیوی حج ادا کرے لہذا وہ اپنی بیوی کو اپنی اجازت سے اپنے سمدھی اور سمدھن یعنی بڑے بیٹے کی ساس اور سسر کے ساتھ مع اخراجات کے روانہ کرنا چاہتا ہے لہذا عرض یہ ہے کہ ساتھ لے کر جانے والے کے حج میں کوئی نقص آسکتا ہے کہ نہیں؟ نیز اس عورت کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ تمام اخراجات جمع کر دیے گئے ہیں۔ اب روکنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اگر عورت غیر محرم کے ساتھ جائے یا غیر محرم کا اس عورت کو ساتھ لے کر جانے میں گناہ ہے تو اس کا کفارہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیسا کفارہ ادا کرنا ہو گا از روے قرآن و شرع کے مطلع فرمائیں۔

ممتاز علی، آرام باڑ، چاند پور، ببر ودہ کٹک، اڑیسہ

الجواب

اس عورت کا اپنے سمدھی کے ساتھ حج کے لیے جانا ہر گز ہر گز جائز نہیں۔ یہ عورت بھی گنہ گار ہوگی اور لے جانے والا بھی۔ سمدھی کے ساتھ بھیجنا اور زیادہ خطرناک ہے ہندوؤں سے سیکھ کر مسلمانوں میں بھی یہ لعنت پھیل چکی ہے کہ سمدھی اور سمدھن بے پردہ ملتے جلتے ہیں اور انتہائی فحش قسم کے آپس میں مذاق بھی کرتے ہیں، اس گناہ کا کوئی بھی کفارہ نہیں اگر اللہ تعالی معاف نہ کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، اس کے باوجود اگر جاکر حج کریں گے تو اس معنی کر حج ادا ہو جائے گا کہ فرض ساقط ہو جائے گا، قبول ہونے کی امید نہیں حرم مکہ میں جہاں ایک نیکی پر لاکھ نیکی کا ثواب ہے وہیں ایک گناہ پر لاکھ گناہ کا وبال بھی، یہ عورت اپنے سمدھی کے ساتھ حرم مکہ میں جتنے دن رہے گی ہر آن لاکھ گناہ ان دونوں کے سر ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

۲۴؍ شوال ۱۳۹۸ھ

[۳۱] ایام عدت مکمل کیے بغیر حج کے لیے جانا جائز نہیں

مسئلہ- ہندہ کے شوہر کا انتقال ہوا ہندہ عدت موت گزار ہی رہی تھی ابھی تین ماہ اور کچھ دن ہوئے تھے چار ماہ بھی مکمل نہ ہونے پائے تھے کہ ہندہ کے حج کی منظوری آگئی کچھ لوگوں نے اس کو حج پر جانے کی

اجازت دے دی کہ پردہ کا اہتمام کر کے حج کو چلی جائے اور واپسی پر عدت کے بقیہ دن گھر آکر پوری کر لے، کیا ہندہ کے لیے حج کے واسطے جانا جائز تھا؟ اور جن لوگوں نے اس کو یہ کہہ کر روانہ کر دیا ان کے بارے میں ازروے شرع مبارک کیا حکم ہے؟ عدت موت جو کہ چار ماہ دس دن ہے کیا اس میں تبدیل و ترمیم کی گنجائش ہے مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

سلمان احمد، ناظم مدرسہ فیض الاسلام، باسنی، ناگور، راجستھان

الجواب

ہندہ کو یہ جائز نہیں تھا کہ عدت کے ایام پورے کیے بغیر حج کے لیے جائے، اس پر فرض تھا کہ عدت کے ایام مسلسل پورے کرے۔ عدت کے ایام میں گھر سے باہر نکلی گنہ گار ہوئی، توبہ کرے۔ حج بہر حال ہو گیا۔ جن لوگوں نے اسے یہ بتایا انھوں نے غلط فتوی دیا وہ بھی بے علم ہو کر، بے علم کا فتوی دینا حرام حتی کہ حدیث میں فرمایا گیا: من أفتى بغير علم لعنته ملائكة السماء والأرض [1]. ان لوگوں پر بھی واجب ہے کہ توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵؍ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

[۳۲] حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے

مسئلہ- فی زمانِنا ہندوستانی صاحب استطاعت مسلمانوں پر حج فرض ہے یا نہیں؟ جب کہ یہاں کی حکومت نے غیر ملکی سفر کے لیے تصویر کشی لازم قرار دے دی ہے۔ اور تصویر کشی کی حرمت بجائے خود مصرح ہے۔ تو کیا ادائگی حج کے لے اس حرمت کا ارتکاب شرعاً لازم قرار پائے گا، یا سرے سے حج ہی فرض نہ ہو گا۔ اگر ارتکاب حرمت کی بنا پر حج فرض نہ ہو تو کیا کسی فرض قطعی کو کسی ظنی ملحق بالیقین کی وجہ سے ترک کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ فقہاے کرام کے ارشادات واحکامات اس پر شاہد ہیں کہ اگر فرض قطعی (حج) کی ادائگی کے لیے کسی ایسے حرام کا ارتکاب کرنا پڑے جو شرعاً کسی طرح درست نہیں۔ اور ملکی قانون کے اعتبار سے اس سے مفر نہ ہو تو بھی حج کی فرضیت ساقط نہ ہو گی۔ مثلاً رشوت حرام ہے، حدیث میں فرمایا گیا: الراشي والمرتشي

(۱) جامع صغیر للسیوطی، ج:۲، ص:۵۱۷، حرف میم، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان.

كلاهما في النار"[1] مگر اس کے باوجود فقہا کا کہنا یہی ہے کہ رشوت لازم ہو جانے کی صورت میں بھی "رشوت" دے کر جانا فرض قرار پائے گا۔

چناں چہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے: ومن شروطه (الحج) أمن الطريق بأن يكون الغالب السلامة ولو بالرشوة[2].

بحر الرائق میں ہے: وَعَلَى تَقْدِيرِ أَخْذِهِمْ الرِّشْوَةَ فَالْإِثْمُ فِي مِثْلِهِ عَلَى الْآخِذِ لَا الْمُعْطِي وَلَا يُتْرَكُ الْفَرْضُ لِمَعْصِيَةِ عَاصٍ، وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنْ يُعْتَبَرَ مَعَ غَلَبَةِ السَّلَامَةِ عَدَمُ غَلَبَةِ الْخَوْفِ[3].

علامہ ابن ہمام نے تو اور صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

الْإِثْمُ فِي مِثْلِهِ عَلَى الْآخِذِ لَا الْمُعْطِي وَكَوْنُ الْمَعْصِيَةِ مِنْهُمْ لَا يُتْرَكُ الْفَرْضُ لِمَعْصِيَةِ عَاصٍ[4].

ان ارشادات عالیہ سے پتہ چلتا ہے کہ "رشوت" اگرچہ حرام اشد حرام جس کی حرمت میں شبہہ نہیں بلکہ حدیث میں "تصویر کشی" کے سلسلہ میں اتنی وعیدیں وارد نہیں جتنی "رشوت لینے اور دینے" کے سلسلے میں وارد ہیں۔ یوں ہی علمائے اصولیین نے یہ تصریح کی ہے کہ ایک فعل فی نفسہ قبیح ہوتے ہوئے، حسن لغیرہ "ہو سکتا ہے جیسے جھوٹ بولنا حرام قطعی ہے مگر کبھی یہ حسن ہو جاتا ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں کوئی فرض قطعی ہو۔ مثلاً کسی نبی کو کوئی جابر قاتل قتل کرنے کا عزم مصمم کر چکا ہو اور کسی طرح چھٹکارے کی صورت نہ ہو۔ صرف ایک ہی صورت ہو کہ کوئی شخص ان کی صفائی میں جھوٹ بول دے تو اللہ کے نبی کی جان بچ سکتی ہے۔ تو ایسے عالم میں کسی امتی مسلمان کا جھوٹ بولنا ضروری قرار پاتا ہے اور یہ جھوٹ قبیح نہ رہ کر حسن ہو جاتا ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا "رشوت" کی طرح "تصویر کشی" کے لزوم کے بعد بھی حج کی ادائگی

---

(۱) جامع الصغير للسيوطي، ج: ٢، ص: ٢٧٥، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) حاشية الطحطاوي على مراق الفلاح، ص: ٧٢٨، كتاب الحج، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۳) البحر الرائق، ص: ٥٥٠، ٥٥١، كتاب الحج، دار الكتب العلميه، بيروت.

(۴) فتح القدير، ج: ٢، ص: ٤٢٥، كتاب الحج، بركات رضا پور بندر.

فرض قرار پائے گی یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ کیا وہ فتیح ہوتے ہوئے ادائگی حج کے لیے حسن ہو کر جائز نہیں ہو سکتی؟ بینوا توجروا

آل مصطفیٰ کٹیہاری، متعلم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

الجواب

علمائے محتاطین جیسے حضرت مفتی اعظم ہند اور حافظ ملت علیہما الرحمۃ کا فتوی یہی ہے کہ حج فرض کے لیے بھی فوٹو کھنچوانا جائز نہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حج کے وجوب یا کم از کم وجوب ادا کے لیے امن الطریق شرط ہے۔ اور جب ایک گناہ کا ارتکاب لازم ہے تو امن طریق نہیں پایا گیا۔ اب سرے سے حج ہی فرض نہ ہوا۔ یا ادائگی واجب نہ ہوئی۔

اور آپ نے جو جزئیہ پیش کیا ہے اس پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔ اس لیے کہ وہ صورۃً رشوت ہے مگر حقیقتاً رشوت نہیں لمعات یا مرقات میں رشوت کی تعریف یہ کی ہے جو ازہاق حق اور احقاق باطل کے لیے دیا جائے۔ اور یہاں جو مال دیا جاتا ہے وہ احقاق حق کے لیے دیا جاتا ہے اس لیے یہ رشوت نہیں۔ اور سب کا اتفاق ہے کہ یہ دینا حرام نہیں اس لیے یہ امن طریق میں حارج نہ ہوا۔ مگر جمہور علمائے اہل سنت کا فتوی یہ ہے کہ حج فرض کے لیے تصویر کشی جائز ہے۔ اب بین الاقوامی قانون کے تحت کسی دوسرے ملک میں بغیر پاسپورٹ کے جانا ممکن نہیں۔ اور پاسپورٹ کے لیے فوٹو شرط۔ اب اگر اس کو ناجائز کہا جائے تو بر بنائے قول اول یعنی امن طریق نفس وجوب کے شرائط میں سے ہے اسلام کا یہ چوتھا رکن ساقط۔ اور قول ثانی کا بھی مآل یہی۔ کیوں کہ ایسی صورت میں اگر اس کی زندگی میں فوٹو کی شرط نہ اٹھی تو اس پر واجب کہ وصیت کر جائے اور اتنا مال ترکہ سے الگ کر کے کسی کے ہاں امانت رکھے۔ مگر اس کی کیا امید کہ فوٹو کی شرط ختم ہوگی۔ لا محالہ یہ دوسرا بھی مرتے وقت وہی کرے گا۔ وھلم جرا۔ اور جب تک فوٹو کی قید ہے حج بند۔ نیز پیسوں کی قیمت گھٹتی جا رہی ہیں۔ جو رقم حج کے لیے پس ماندہ کرے گا چند سال کے بعد وہ حج کے لیے ناکافی ہوگی۔ پھر ساری دنیا کے ان مسلمانوں کو جو فوٹو کے ساتھ حج کرنے آتے ہیں۔ گنہ گار ٹھہرانا ہے۔ اس لیے حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۱۶ر محرم ۱۴۱۰ھ

[۳۳] حج فرض کے لیے فوٹو کھنچانا جائز اور حج نفل کے لیے ناجائز ہے

مسئلہ- حج کے لیے بھی فوٹو کھنچانا جائز نہیں ہے جیساکہ فتاوی رضویہ جلد سوم، ص:۷۲۹ پر اشباہ سے ہے کہ اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمامورات. اور حکومت بغیر فوٹو کھنچائے جانے نہیں دیتی تو حج بیت اللہ کس طرح ادا کیا جائے مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

محمد شفیق رضوی، مدرسہ ضیاء العلوم، جامع مسجد شاہی، قصبہ شاہی، بریلی

الجواب

حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے، نفل کے لیے نہیں۔ فقہانے تحریر فرمایا ہے کہ اگر راستے میں کچھ ظالم ہوں جو رشوت لیے بغیر نہ گزرنے دیتے ہوں تو بھی حج فرض ہے اور اس صورت میں رشوت دینا گناہ نہیں۔ کلیات سے جزئیات پر حکم لگانا ہمارا اور آپ کا کام نہیں۔ یہ بڑے متبحر، ماہر، حاذق، مفتی کا کام ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۵؍ رجب ۱۴۱۴ھ

[۳۴] حج فرض کے لیے تصویر کھنچانے کی اجازت ہے کہ حج کی فرضیت قطعی ہے اور تصویر کشی کا عدم جواز ظنی

مسئلہ- حج فرض و نفل و تبلیغی غیر ملکی دورے پرمٹ لائسنس کے لیے تصویر کشی جائز ہے یا نہیں جب کہ اس دور میں بغیر اس کے کام چلنا مشکل بلکہ محال ہے۔

محمد عمر محمدی صاحب، موضع سرکانہی شریف، پوسٹ قابل پور، مظفر پور، بہار

الجواب

صرف حج فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے بقیہ حج نفل اور تجارت، سیاحت اور وعظ کے عوض لمبی لمبی رقمیں وصول کرنے کے لیے اجازت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حج فرض ہے جس کی فرضیت نص قطعی

الدلالہ وقطعی الثبوت سے ثابت ہے۔ اور اس کا فرض ہونا ضروریات دین سے ہے۔ اور تصویر کھنچوانے کا ناجائز ہونا خبر آحاد سے ثابت ہے جو ظنی الثبوت ہیں۔ نیز اب پوری دنیا کی صورت حال یہ ہے کہ پاسپورٹ پر سے تصویر کی پابندی ختم ہونا اتنا متعذر ہے کہ جو قریب بہ محال ہے اب اگر تصویر کے ساتھ حج فرض کی اجازت نہ دی جائے تو اسلام کا ایک رکن ختم ہو جائے گا۔ علمانے تحریر فرمایا ہے کہ اگر راستے میں کچھ لوگ رشوت لیتے ہوں بغیر رشوت لیے نہ جانے دیتے ہوں تو بھی حج فرض ہے۔ اور یہ رشوت دینا جائز ہوگا بقیہ کام صرف مستحب یا مباح ہیں۔ مستحب یا مباح کام کے لیے حرام کام کے ارتکاب کی اجازت نہیں۔ آپ نے تبلیغ کے لیے پوچھا ہے اس زمانہ میں تبلیغ کہاں رہی۔ اِلا ماشاء اللہ۔ وعظ گوئی کے لیے کہیں جانا باعتبار اغلب واکثر تبلیغ نہیں کاروبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الباب الثاني في كيفية أداء الحج

[۱] مسائل حج وزیارت

مسئلہ- علمائے کرام کی بارگاہ میں گزارش ہے کہ حج وزیارت کے مسائل آسان لب ولہجہ میں بیان فرمائیں تاکہ مسلمان اس کے مطابق آسانی کے ساتھ یہ فرض ادا کر سکیں۔ آداب اور دعائیں ارکان وغیرہ کا ذکر مفصل بیان فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیه والصلاة والسلام علی حبیبه وعلی آله وصحبه

سفر کے لیے لباس پہننے کے بعد گھر جا کر چار رکعت نماز پڑھے، جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد چاروں "قُلْ" پڑھے۔ یہ نماز اس کی واپسی تک اس کے اہل وعیال اور مال کی نگہبانی کرے گی۔

دروازے سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھے:

بِسمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نُزَلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نُضَلَّ اَوْنَظْلِمَ اَوْنُظْلَمَ اَوْنَجْهلَ اَوْيَجْهَلَ عَلَيْنَا اَحَدٌ.

ترجمہ: اللہ کے نام سے اور اللہ کی مدد سے سفر شروع کرتا ہوں، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، گناہوں سے بچنا اور نیکیوں کی طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ہے، اے اللہ ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ ہم خود لغزش کریں یا کوئی اور ہمیں لغزش دے، یا خود بہکیں یا کوئی دوسرا بہکائے، یا ہم کسی پر ظلم کریں یا کوئی ہم پر ظلم کرے، یا ہم خود جہالت کریں یا ہمارے ساتھ کوئی دوسرا جہالت کرے۔

سب سے رخصت ہوکر اپنی مسجد کو رخصت کرے، اگر وقت مکروہ نہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھے۔ چلتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَالْوَلَدِ .

اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں سفر کی مشقت اور واپسی کی برائی اور اہل وعیال اور مال میں کوئی بری صورت نظر آنے سے۔

نیز سورہ "تبت یدا" کو چھوڑ "قل یا ایها الکافرون" سے لے کے "قل اعوذ برب الناس" تک ہر سورہ مع بسم اللہ ایک بار پڑھے، اخیر میں بھی بسم اللہ پڑھے۔ اور یہ بھی پڑھے:

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ اِلٰى مَعَادٍ .

ترجمہ: وہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا، وہ ضرور تجھے واپسی کی جگہ لائے گا۔

ریل وغیرہ جس سواری پر سوار ہو، بسم اللہ تین بار، کہے پھر اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سُبْحٰنَ اللّٰهِ ہر ایک تین تین بار، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک بار، پھر کہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ . ایک بار۔

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اسے مسخر فرمایا، اور ہم اسے تابع نہیں بنا سکتے تھے، اور ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

جب کسی دریا کی سواری پر چڑھے تو یہ پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: اللہ کے نام سے ہے اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا، بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے، کافروں نے خدا ہی کی قدر جیسے چاہیے تھی نہ پہچانی، حالاں کہ ساری زمین قیامت کے دن بہت حقیر شے کی طرح اس کے قبضہ میں ہے اور سب آسمان اس کی قدرت سے لپٹ جائیں گے، وہ پاک وبلند ہے ان کی شرکت سے۔

احرام

میقات: اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا منع ہے۔ ہندوستانیوں کی میقات یلملم کی محاذات ہے۔ یعنی جب جہاز سمندر میں اس جگہ کو پہنچ جائے جو یلملم کے برابر ہے تو احرام باندھ لینا چاہیے۔ یہ جگہ کامران کے بعد جدہ سے پہلے ہے۔ (۱)

پہلے سے احرام کا سامان ٹھیک رکھیں، احرام سے پہلے خط اور حجامت بنوالیں۔ خوب مل کر دھل کر نہالیں، نہاکر خوشبو لگالیں، یا کم از کم وضو کرلیں۔

جب وہ جگہ آجائے دو رکعت بہ نیت احرام پڑھیں پہلی میں سورہ فاتحہ کے بعد "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ۝۱" اور دوسری میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ۝۱" پڑھیں۔ عام طور پر ہندوستان کے لوگ تمتع کرتے ہیں، یعنی پہلے عمرہ بعد میں حج، ایسے لوگ احرام کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ نَوَيْتُ الْعُمْرَةَ مُخْلِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى.

اگر کوئی صرف حج کرنا چاہتا ہے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ، وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ نَوَيْتُ الْحَجَّ مُخْلِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى .

اور اگر حج قران کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِيْ، وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّيْ نَوَيْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ تَعَالٰى.

---

(۱) اس وقت عام طور پر حج کا سفر ہوائی جہاز سے ہوتا ہے اس لیے اگر فلائٹ مکہ مکرمہ کے لیے ہو تو سوار ہونے سے پہلے تمام ضروریات سے فارغ ہوکر احرام پہن لیں، بہ نیت احرام دو رکعت نماز بھی پڑھ لیں، البتہ ابھی نیت نہ کریں بلکہ جب جہاز پرواز کرنے لگے اس وقت حج، یا عمرہ، یا دونوں کی حسب حال نیت کریں اور تلبیہ پڑھیں۔ یاد رکھیں کہ احرام کی پابندیاں نیت کے بعد شروع ہوں گی؛ اس لیے نیت سے پہلے نماز سر ڈھانپ کر پڑھیں اور احرام کی نیت کے بعد سر چھپانے کی اجازت نہیں۔ (مرتب غفرلہ)

اور تینوں صورتوں میں اس نیت کے بعد بآوازِ بلند لبیک کہے، لبیک یہ ہے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ.

جب "مَدْعٰی" پر پہنچے، جہاں سے کعبہ شریف نظر آتا ہے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا بَيْتُكَ وَأَنَا عَبْدُكَ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ.

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیرا گھر ہے، اور میں تیرا بندہ ہوں، میں تجھ سے معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

مسجد حرام کی دو منزلہ عمارت بن جانے کی وجہ سے "مدعیٰ" سے کعبہ نظر نہیں آتا۔ [1] مکہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ وَالْبَلَدُ بَلَدُكَ جِئْتُكَ هَارِبًا مِنْكَ إِلَيْكَ لِأُؤَدِّيَ فَرَائِضَكَ وَأَطْلُبَ رَحْمَتَكَ، وَأَلْتَمِسَ رِضْوَانَكَ. أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمُضْطَرِّينَ إِلَيْكَ الْخَائِفِينَ عُقُوبَتَكَ. أَسْأَلُكَ أَنْ تَسْتَقْبِلَنِي الْيَوْمَ بِعَفْوِكَ وَتُدْخِلَنِي فِي رَحْمَتِكَ وَتَتَجَاوَزَ عَنِّي بِمَغْفِرَتِكَ وَتُعِينَنِي عَلَى أَدَاءِ فَرَائِضِكَ. اللَّهُمَّ نَجِّنِي مِنْ عَذَابِكَ وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَأَدْخِلْنِي فِيهَا وَأَعِذْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.

ترجمہ: اے اللہ تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، اور یہ شہر تیرا شہر ہے۔ میں تیرے پاس تیرے عذاب سے بھاگ کر حاضر ہوا ہوں تاکہ تیرے فرائض کو ادا کر سکوں، اور تیری رحمت کو طلب کروں اور تیری رضا کو تلاش کروں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے مضطر اور تیرے عذاب سے ڈرنے والے کرتے ہیں۔ آج میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اپنے عفو کے ساتھ مجھ کو قبول فرما۔ اور اپنی رحمت میں داخل فرما کر اپنی مغفرت کے ساتھ مجھ سے درگزر فرما، اور فرائض کے ادا کرنے میں میری مدد فرما۔ اے اللہ! مجھ کو اپنے عذاب سے نجات دے، اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور اس میں مجھے داخل کر، اور شیطان

---

(۱) اس لیے نگاہ جھکائے ہوئے، عاجزی وانکساری کے ساتھ مطاف تک جائے اب نگاہ اٹھاتے ہی کعبہ معظمہ نظر کے سامنے ہوگا اس وقت نظر پڑتے ہی دعاے جامع کرے۔ مشاہدی

مردود سے مجھے پناہ میں رکھ۔

جب مسجد حرام کی دہلیز پر پہنچے تو چوکھٹ کو بوسہ دے اور یہ دعا پڑھتے ہوئے داہنا قدم پہلے اندر رکھے:

أَعُوذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ. اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِك.

یہ دعا خوب اچھی طرح یاد کرلے، جب بھی کبھی مسجد الحرام شریف، یا کسی اور مسجد میں داخل ہو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

جب مسجد حرام سے باہر آئے یا کسی بھی مسجد سے باہر نکلے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے اور پہلی والی دعا پڑھے البتہ "رحمتك" کی جگہ "فضلك" بدل دے اور اتنا بڑھادے: وَسَهِّلْ لِيْ أَبْوَابَ رِزْقِكَ.

جب کعبہ معظّمہ پر نظر پڑے تین بار کہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ.

درود شریف پڑھے اور یہ دعا پڑھے۔

اللَّهُمَّ زِدْ بَيْتَك هَذَا تَعْظِيمًا وَتَشْرِيفًا وَتَكْرِيمًا وبِرًّا وَمَهَابَةً. اللّٰهُمَّ أَدْخِلْنَا الجَنَّةَ بِلَا حِسَابٍ. اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسئَلُكَ أَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِي وَتُقِيْلَ عَثْرَتِيْ وَتَضَعَ وِزْرِيْ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ وَزَائِرُكَ وَعَلىٰ كُلِّ مَزُوْرٍ حَقٌّ وَأَنْتَ خَيْرُ مَزُوْرٍ فَأَسْئَلُكَ أَنْ تَرْحَمَنِيْ وَتَفُكَّ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: اے اللہ تو اپنے اس گھر کی عظمت و شرافت و بزرگی و خوبی وہیبت زیادہ کر۔ اے اللہ! ہم کو جنت میں بلا حساب داخل فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر، میری غلطی معاف کر، اپنی رحمت سے میرے گناہ دور فرما۔ اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان۔ اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرا زائر ہوں، جس کی زیارت کی جائے اس پر حق ہوتا ہے، تو سب سے بہتر زیارت کیا ہوا ہے۔ میں یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھ پر رحم کر، اور میری گردن جہنم سے آزاد کر۔

جس طواف کے بعد سعی ہے، اس میں مرد اضطباع کرے، یعنی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ داہنا مونڈھا کھلا رہے، اور دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال دے۔

طواف کی ابتدا یوں کرے رکن یمانی یعنی کعبے کے دکھن جاکر کعبہ کی جانب منھ کرکے اور جتنا ہو سکے کعبے سے قریب ہو کر حجر اسود کے قریب اس طرح کھڑا ہو کہ پورا حجر اسود اس کے داہنے طرف رہے۔ پھر طواف کی نیت کرکے یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّی أُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ .

مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے طواف کرے۔ ہاں! اگر جماعت قائم ہو یا فرض یا وتر یا سنت موکدہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلے انھیں ادا کرے پھر طواف کرے، طواف کے لیے جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِیرٌ.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اس نے اکیلے کفار کی جماعتوں کو شکست دی۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

طواف کی نیت کرنے کے بعد کعبہ کی طرف منھ کیے ہوئے اپنی داہنی طرف چلے۔ جب "سنگ اسود" کے مقابل ہو جائے تو کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف رہیں اور یہ پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ .

اگر بغیر کسی کو ایذا دیے ہوئے اور خود خطرے میں پڑے بغیر میسر ہو تو حجر اسود پر اپنی دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منھ رکھ کر یوں بوسہ دے کہ آواز نہ پیدا ہو، تین بار ایسا ہی کرے۔ اور اگر ہجوم کی وجہ سے یہ میسر نہ ہو سکے تو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ چوم لے اور اگر ہاتھ بھی نہ پہنچ سکے، تو لکڑی سے چھو کر چوم لے یہ بھی نہ ہو سکے تو، ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کرکے چوم لے۔ (اسے استلام کہتے ہیں)

استلام کے وقت یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَطَهِّرْلِیْ قَلْبِیْ وَاشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ .

ترجمہ: اے اللہ! تو میرے گناہ بخش دے اور میرے دل کو پاک کر دے اور میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے، جن کو تو نے عافیت دی ان لوگوں میں مجھے عافیت دے۔

یہ دعا پڑھتے وقت کعبہ کے دروازے کے طرف بڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ.

ترجمہ: اے اللہ! تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو اکیلا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اللہ پر ایمان لایا، بت اور شیطان کا انکار کیا۔

جب تک حجر اسود کے سامنے رہو منھ اس کی طرف رہے جب اس سے گزر جاؤ خانہ کعبہ کو اپنے بائیں پر لے کر یوں چلے کہ کسی کو ایذا نہ ہو۔

جس طواف کے بعد سعی ہے اس کے تین پھیروں میں رمل کرے۔ یعنی جلد جلد قریب قریب قدم رکھتا شانے ہلاتا چلے۔ البتہ نہ کودے نہ دوڑے، جہاں ہجوم زیادہ ہو جائے اپنے یا کسی دوسرے کو ایذا کا اندیشہ ہو اتنی دیر رمل چھوڑ دے مگر رکے نہیں، بلکہ طواف کرتا رہے، پھر جب موقع مل جائے تو جتنی دیر تک موقع ملے رمل کرے۔

رمل اور اضطباع صرف اسی طواف میں ہے جس کے بعد سعی ہے۔ اور رمل پہلے کے تین پھیروں میں ہے، بعد کے پھیروں میں نہیں۔ البتہ اضطباع پورے طواف میں ہے۔ طواف کے بعد اضطباع ختم کر دے۔

جب ملتزم کے سامنے آئے یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَالْحَرَمُ حَرَمُكَ وَالْاَمْنُ اَمْنُكَ وهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ فَاَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاخْلُفْ عَلٰى كُلِّ غَائِبَةٍ بِخَيْرٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .

اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے، اور یہ حرم تیرا حرم ہے اور امن تیرا ہی امن ہے اور یہ جہنم سے تیری پناہ مانگنے کی جگہ ہے، تو مجھ کو جہنم سے بچا، اے اللہ! جو تو نے مجھ کو دیا اس پر مجھے قناعت بخش اور میرے لیے اس میں برکت دے، اور ہر غائب پر خیر کے ساتھ تو خلیفہ ہو جا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے، اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جب رکن عراقی کے سامنے آئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهلِ وَالْوَلَدِ .

ترجمہ: اے اللہ میں شک اور شرک اور اختلاف اور نفاق، برے اخلاق اور مال واہل واولاد میں واپس ہو کر بری بات دیکھنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

جب میزاب رحمت کے سامنے آئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِيْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ وَلَا بَاقِيَ اِلَّا وَجْهُكَ وَاسْقِنِيْ مِنْ حَوْضِ نَبِيِّكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم شَرَاباً هَنِيْئًا لَا اَظْمأُ بَعْدَهٗ اَبَدًا.

ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنے عرش کے نیچے سایہ عطا فرما جس دن تیرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اور تیری ذات کے سوا کچھ باقی نہیں۔ اور مجھے اپنے نبی محمد ﷺ کے حوض سے اتنا پلا کہ اس کے بعد میں پھر کبھی پیاسا نہ ہوں۔

رکن شامی کے سامنے جب آئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ يَاعَالِمَ مَا فِيْ الصُّدُوْرِ أَخْرِجْنِيْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ.

اے اللہ اس کو حج مقبول کر اور سعی مشکور کر، اور گناہ کو بخش دے اس کو ایسی تجارت کر دے جس میں خسارہ نہ ہو۔ اے سینوں کی باتیں جاننے والے مجھ کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکال دے۔

جب رکن یمانی کے پاس پہنچے تو اسے دونوں ہاتھوں یا کم از کم داہنے ہاتھ سے تبرکاً چھوئے۔ ممکن نہ ہو تو یہاں لکڑی سے چھونا یا اشارہ کرکے ہاتھ چومنا نہیں۔ اور یہاں یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ.

رکن یمانی سے پورب کی طرف مقام مستجاب ہے، یہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہتے ہیں، جو چاہو دعا مانگو، یا دعاے جامع پڑھو، یعنی:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

یہ دعائیں لکھی گئی ہیں انھیں چلا چلا کر نہ پڑھو آہستہ آہستہ اس طرح پڑھو کے خود تم سنو دوسرا نہ سنے۔ دعا پڑھنے کے لیے کہیں رکے نہیں۔ طواف کرتے کرتے پڑھتا جائے۔

حجر اسود کے پاس پہنچے تو طواف کا ایک پھیرا ہو گیا پھر استلام کرے، اور حسب تفصیل بالا طواف کے سات پھیرے کرے۔

طواف کے بعد مقام ابراہیم میں آکر یہ آیت کریمہ:

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى"۔

پڑھ کر دو رکعت نماز طواف پڑھے۔ پہلی میں سورہ فاتحہ کے بعد "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝" اور دوسری میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝" یہ نماز واجب ہے۔ اگر وقت مکروہ ہے تو بعد میں پڑھے، نماز طواف پڑھ کر یہ دعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَافِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِي ذُنُوْبِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّه، لَايُصِيْبُنِيْ اِلَّامَا كَتَبْتَ لِيْ وَارْضٰى مِنَ الْمَعِيْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِيْ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن.

اے اللہ! تو میرا چھپا اور ظاہر سب جانتا ہے، تو میرا عذر قبول فرما اور میری حاجت تجھے معلوم ہے، تو میری مراد دے اور جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے، تو میرے گناہ بخش دے، الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ ایمان جو میرے دل میں پیوست ہو جائے، اور سچا یقین کہ میں جانوں کہ مجھے وہی ملے گا جو تو نے میرے لیے لکھ دیا ہے اور میں اس معاش پر راضی ہوں جو تو نے مجھے نصیب کی ہے اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان۔

نماز ودعا سے فارغ ہو کر ملتزم کے پاس آئے اور حجر اسود کے قریب اس سے لپٹے اپنا سینہ اور پیٹ اور کبھی داہنا رخسار اور کبھی پورا چہرا اس پر رکھے۔ اور دونوں ہاتھ سر سے اونچا کر کے دیوار پر پھیلائے یا داہنا ہاتھ کعبہ کے دروازے کی طرف اور بایاں حجر اسود کی طرف پھیلائے اور یہ دعا پڑھے:

يَاوَاجِدُ يَامَاجِدُ لَاتُزِلْ عَنِّيْ نِعْمَةً اَنْعَمْتَهَا عَلَيَّ.

اے قدرت والے اے عزت والے مجھ سے زائل نہ کر جو نعمت تو نے مجھے بخشی ہے۔

ملتزم سے لپٹنے سے پہلے نماز طواف، اس طواف کے بعد ہے جس طواف کے بعد سعی ہے، اور جس کے بعد سعی نہیں اس میں نماز سے پہلے ملتزم سے لپٹے پھر جا کر مقام ابراہیم پر نماز طواف پڑھے۔ **سعی صرف عمرہ اور حج کے طواف کے بعد ہے۔**

اس کے بعد زم زم پہ آؤ۔ اگر ہو سکے تو خود ایک ڈول کھینچو ورنہ بھرنے والوں سے لے لو اور کعبہ کی طرف منہ کر کے تین سانسوں میں جتنا پی سکو خوب پیٹ بھر کر کھڑے کھڑے پیو۔ بسم اللہ سے شروع کرو، الحمد للہ پر ختم کرو۔ ہر بار کعبہ کی طرف نظر کرو باقی پانی بدن پر ڈالو یا منہ بدن سب پر، ہر بار کم از کم کچھ پانی ملو، پیتے وقت دعا کرو قبول ہوگی۔ اس وقت کی دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ.

یا وہی جامع دعا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

جب تک وہاں حاضر رہو جتنا ہو سکے زم زم پیو اور ہر بار پیٹ بھر کر پیو۔ اب حکومت نے بیر زم زم تہ خانہ میں کر دیا ہے اور نل لگا دیے ہیں۔ انھی نلوں سے پانی پیے اور کنویں پر دور ہی سے نگاہ ڈال لے۔ اس کے بعد سعی کے لیے پھر حجر اسود کے پاس آؤ اور اس طرح تکبیر وغیرہ کے ساتھ استلام کرو یا اس کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر ، لا إله إلا الله، والحمد لله۔ اور درود شریف پڑھتے ہوئے باب صفا سے نکل کر صفا کی طرف چلو۔ صفا کی پہلی سیڑھی پر چڑھو، اس سے آگے ہرگز نہ بڑھو۔ سیڑھی پر چڑھنے سے پہلے یہ پڑھو:

أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا

جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾.

اس سے شروع جس سے اللہ نے شروع فرمایا: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس لیے جو حج یا عمرہ کرے اس پر ان دونوں کے طواف میں کوئی گناہ نہیں۔ اب جو شخص نیک کام زیادہ کرے تو اللہ عزوجل بلاشبہ بدلہ دینے والا جاننے والا ہے۔

پہلی سیڑھی پر چڑھ کر کعبہ کی طرف منہ کرکے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک دعا کی طرح پھیلاؤ اتنی دیر تک جتنی دیر میں مفصل کی سورہ یا سورۂ بقرہ کی پچیس آیتیں تلاوت کی جائیں، ٹھہرو۔ تسبیح، تہلیل، تکبیر اور درود پڑھو، اپنے لیے، اپنے دوستوں اور دوسرے مسلمانوں کے لیے دعائے خیر کرو، یا دعائے جامع "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ." پڑھو۔

دعا میں ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو جب تک دعا مانگتا رہے، اٹھائے رہے، جب پوری دعا ختم ہو جائے تو ہاتھ چھوڑ دے پھر سعی کی اس طرح نیت کرے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيْدُ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ.

اے اللہ میں سعی کا ارادہ کرتا ہوں صفا و مروہ کے درمیان، اسے میرے لیے آسان فرما اور میری طرف سے قبول فرما۔

نیت کرتے ہی صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے۔ درود و ذکر جاری رکھے۔ جب پہلا سبز میل آئے تو وہاں سے دوڑنا شروع کرے، دوسرے میل تک دوڑتا ہوا جائے اس وقت یہ دعا پڑھے:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ وَ تَعْلَمُ مَا لَا نَعْلَمُ. إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا وَسَعْيًا مَشْكُورًا وَذَنْبًا مَغْفُورًا. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَا مُجِيْبَ الدَّعَوَاتِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ. اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

اے پروردگار! بخش اور رحم کر اور درگزر کر اس سے جسے تو جانتا ہے اور تو اسے جانتا ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ بے شک تو عزت و کرم والا ہے۔ اے اللہ! تو اسے حج مبرور کر، اور سعی مشکور کر اور گناہ بخش۔ اے

اللہ مجھ کو اور میرے والدین اور جمیع مومنین اور مومنات کو بخش دے،اے دعاؤں کے قبول فرمانے والے! اے پروردگار! ہم سے قبول کر بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے، اور ہماری توبہ قبول کر بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے پرودگار! تو ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو عذاب جہنم سے بچا۔

دوسرے میل سے آگے نکل کر یہ دعا پڑھتے ہوئے مروہ تک جاؤ:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

مروہ کی پہلی سیڑھی تک چڑھو۔ اس سے آگے نہ بڑھو، پھر کعبہ کی طرف منھ کر کے جیسا صفا پہ کیا تھا کرو، یعنی تسبیح، تکبیر، حمد وثنا، درود دعا۔ یہ ایک پھیرا ہوا۔ اسی طرح سات پھیرے کرو۔

عمرہ صرف اتنے ہی کا نام ہے۔ یعنی طواف اور سعی اگر وہ مفرد ہو تو اس کے لیے یہ طواف قدوم ہوا، وہ حجامت نہ بنوائے، بدستور احرام میں رہے۔ قران والا بھی احرام میں رہے۔ متمتّع حجامت بنوا کر عمرہ کے احرام سے باہر آجائے۔ پھر متمتّع آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے پھر دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھے، اس کے بعد حج کی نیت کرے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ نَوَيْتُ الْحَجَّ مُخْلِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى.

پھر لبیک پڑھے، آسانی اسی میں ہے کہ اضطباع کے ساتھ ایک نفل طواف کرلے جس میں رمل بھی کرے۔ طواف کے بعد سعی بھی کرے اب طواف زیارت کے بعد رمل اور سعی نہیں کرنی پڑے گی۔ طواف زیارت کے وقت بھیڑ بہت ہوتی ہے، رمل اور سعی میں دشواری ہوگی۔ آفتاب نکلنے کے بعد منی کو چلے۔ یہ ضروری ہے کہ ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھے۔ جب منیٰ نظر آئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ مِنًى فَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى أَوْلِيَائِكَ.

الٰہی! یہ منیٰ ہے۔ مجھ پر وہ احسان فرما جو اپنے اولیا پر تو نے کیا۔

آٹھویں کی ظہر سے لے کر نویں کی صبح تک پانچ نمازیں یہیں پڑھو۔ رات منیٰ میں گزارو، اور اگر اللہ

عزوجل توفیق دے تو پوری رات ذکر وعبادت میں گزارے، اس رات میں خاص پڑھنے کی دعا یہ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ عَرْشُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْأَرْضِ مَوْطِئُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْبَحْرِ سَبِيلُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي النَّارِ سُلْطَانُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ رَحْمَتُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْقُبُورِ قَضَاؤُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْهَوَاءِ رُوحُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاءَ، سُبْحَانَ الَّذِي وَضَعَ الْأَرْضَ، سُبْحَانَ الَّذِي لَا مَلْجَأَ وَمَنْجَا مِنْهُ إِلَّا إِلَيْهِ.

پاک ہے وہ جس کا عرش بلندی میں ہے، پاک ہے وہ جس کی حکومت زمین میں ہے، پاک ہے وہ کہ اس کا راستہ سمندر میں ہے، پاک ہے وہ کہ آگ میں اس کی سلطنت ہے، پاک ہے وہ کہ جنت میں اس کی رحمت ہے، پاک ہے وہ کہ قبر میں اس کا حکم ہے، پاک ہے وہ کہ ہوا میں جو روحیں ہیں اس کی ملک میں ہیں، پاک ہے وہ جس نے آسمان کو بلند کیا، پاک ہے وہ جس نے زمین کو پست کیا، پاک ہے وہ کہ اس کے عذاب سے پناہ اور نجات کی کوئی جگہ نہیں مگر اسی کی طرف۔

اس دعا کو ہزار بار پڑھے۔ اللہ تعالیٰ سے جو مانگے گا پائے گا۔ صبح مستحب وقت میں نماز فجر پڑھ کر لبیک ذکر اور درود شریف میں مشغول رہو، یہاں تک کہ سورج کوہ ثبیر پر چمکے۔ اس کے بعد عرفات چلو۔ دل کو اللہ عزوجل کی طرف متوجہ رکھو۔ یہ تصور کرو کہ ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ یہ نہ ہو سکے تو یہ تصور باندھو کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ کوشش کرو کہ غیر کا خیال دل میں نہ آئے۔

منیٰ سے نکل کر یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَلِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ اَرَدْتُ فَاجْعَلْ ذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا وَّحَجِّيْ مَبْرُوْرًا وَّارْحَمْنِيْ وَلَا تُخَيِّبْنِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ سَفَرِيْ وَاقْضِ بِعَرَفَاتٍ حَاجَتِيْ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا اَقْرَبَ غَدْوَةٍ غَدَوْتُهَا مِنْ رِّضْوَانِكَ وَاَبْعَدَهَا مِنْ سَخَطِكَ، اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ غَدَوْتُ وَعَلَيْكَ اعْتَمَدْتُّ وَوَجْهَكَ اَرَدْتُّ فَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ تُبَاهِيْ بِهِ الْيَوْمَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ وَاَفْضَلُ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوا، اور میں نے تجھ پر بھروسہ کیا۔ اور تیرے وجہ کریم کا ارادہ کیا۔ میرے گناہ بخش اور میرے حج کو مبرور کر۔ اور مجھ پر رحم کر اور مجھے نقصان میں نہ ڈال، اور میرے لیے میرے

سفر میں برکت دے، اور عرفات میں میری حاجت پوری کر۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ میرا چلنا اپنی خوش نودی سے قریب کر اور اپنی ناخوشی سے دور کر۔ اے اللہ میں تیری طرف چلا اور تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری ذات کا ارادہ کیا۔ تو مجھے ان میں سے کر جن کے ساتھ آج تو اُن سے مباہات کرے گا، جو مجھ سے بہتر اور افضل ہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے عفو و عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ جو دنیا و آخرت میں ہمیشہ رہنے والی ہے، اور اے اللہ رحمت نازل فرما بہترین مخلوق محمد ﷺ اور ان کی آل واصحاب پر۔

راستے بھر ذکر و عبادت و دعا کرتا جائے۔ جب جبل رحمت پر نظر پڑے اور زیادہ خشوع و خضوع حضور قلب اور ذکر و دعا میں کوشش کرے۔ عرفات میں پہنچ کر اس پہاڑ کے پاس اگر جگہ ملے تو بہتر ورنہ جہاں جگہ ملے ٹھہرے، البتہ بطن عُرنہ میں نہ ٹھہرے۔ دوپہر تک جو وقت ملے جہاں تک ہو سکے رب العالمین کے حضور گریہ وزاری کرے۔ ذکر، لبیک، دعا، استغفار، کلمۂ توحید، درود شریف کی کثرت کرے، حسب طاقت صدقات خیرات کرے، اس وقت کی خاص دعا یہ ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

دوپہر سے پہلے کھانے پینے دیگر ضروریات سے فارغ ہولے۔ دوپہر ڈھلتے ہی مسجد نمرہ جائے، سنتیں پڑھ کر خطبہ سنے، امام کے ساتھ ظہر پڑھے۔ ظہر کے بعد فوراً عصر کی امامت ہوگی۔ جماعت سے عصر پڑھے۔ بیچ میں سلام و کلام تو بڑی بات ہے، سنتیں بھی نہ پڑھے، ظہر اور عصر ملا کر پڑھنا اسی وقت جائز ہے کہ نماز امیر الحج کے پیچھے جماعت سے پڑھے، جو ظہر اکیلے پڑھے یا خاص جماعت سے پڑھے اسے وقت سے پہلے عصر پڑھنا جائز نہیں۔

موجودہ امام مقیم ہوتے ہوئے قصر کرتا ہے۔ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھے۔ نماز نہ ہوگی اگرچہ خود یہ مسافر ہو۔

اس کے بعد سارے خیالوں سے دل ہٹا کر صدق دل سے اپنے کریم مہربان رب کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ میدان قیامت میں حساب اعمال کے لیے اس کے حضور میں حاضری کا تصور کریں۔ پورے خشوع و خضوع، عاجزی انکساری کے ساتھ لرزتے کانپتے، ڈرتے امید کرتے، آنکھیں بند کیے، گردن جھکائے دستِ

دعا آسمان کی طرف سر سے اونچا پھیلائے۔ تکبیر، تہلیل، تسبیح، لبیک، حمد، ذکر، دعا، توبہ واستغفار میں ڈوب جائے، رونے کی کوشش کرے، جتنا رو سکے، ایک قطرہ آنسو کا نکل گیا تو دلیل قبول ہے، اثنائے ذکر و دعا لبیک کی بار بار تکرار کرے۔ آج کے دن کی دعائیں بہت منقول ہیں بہتر یہ ہے کہ دعائے جامع " اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. " بار بار پڑھو۔ اور سب سے آسان اور سب سے بہتر یہ ہے کہ سارا وقت درود، ذکر اور تلاوت قرآن میں گزارو۔ حضور اقدس ﷺ کے وسیلہ اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے توسل سے جو جائز بات چاہو مانگو۔

یہ وقوف عرفہ حج کی جان اور اس کا سب سے بڑا رکن ہے۔ وقوف کے لیے کھڑا رہنا افضل ہے۔ وقوف میں نیت اور رو بہ قبلہ ہونا بھی افضل ہے۔ وقوف سے پہلے غسل کرنا، حالت وقوف میں باوضو رہنا، روزہ نہ رکھنا سنت ہے۔ جب سورج ڈوبنے کا یقین ہو جائے اور رات کا تھوڑا حصہ آجائے تو مزدلفہ چلو، راستہ بھر ذکر، درود شریف، لبیک، زاری وبکا میں مصروف رہو۔ مغرب کی نماز ابھی نہ پڑھو۔ مزدلفہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا جَمْعٌ. اَسْأَلُكَ اَنْ تَرْزُقَنِيْ جَوَامِعَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ. اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَرَبَّ الْبَلَدِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. اَسْأَلُكَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ اَنْ تَغْفِرَلِيْ ذُنُوْبِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَتَجْمَعَ عَلَى الْهُدٰى اَمْرِيْ وَتَجْعَلَ التَّقْوٰى زَادِيْ وَذُخْرِيْ وَالْاٰخِرَةَ مَاٰبِيْ وَهَبْ لِيْ رِضَاكَ عَنِّيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَامَنْ بِيَدِهِ الْخَيْرُ كُلُّهٗ اَعْطِنِي الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَاصْرِفْ عَنِّي الشَّرَّ كُلَّهٗ اَللّٰهُمَّ حَرِّمْ لَحْمِيْ وَعَظْمِيْ وَشَحْمِيْ وَشَعْرِيْ وَسَائِرَ جَوَارِحِيْ عَلَى النَّارِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

اے اللہ یہ جمع (مزدلفہ) ہے، میں تجھ سے تمام خیر کے مجموعہ کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! مشعر الحرام کے رب، رکن ومقام کے رب، اور عزت والے شہر کے رب اور عزت والی مسجد کے رب! میں تجھ سے بوسیلہ تیرے وجہ کریم کے سوال کرتا ہوں کہ میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور ہدایت پر میرے کام کو جمع کردے۔ اور تقوی کو میرا توشہ اور ذخیرہ کر اور آخرت میرا مرجع کر۔ دنیا اور آخرت میں مجھ سے راضی رہ۔ اے وہ ذات! جس کے قبضہ میں تمام بھلائی ہے مجھ کو ہر قسم کی بھلائی عطا کر اور ہر طرح کی برائی سے بچا۔ اے اللہ! میرے گوشت اور ہڈی اور چربی اور بال اور تمام اعضا کو جہنم پر حرام کردے۔ اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔

حتی الامکان جبل قزح کے پاس اترو۔ وہاں جگہ نہ ملے تو جہاں جگہ ملے اترو۔ جب عشا کا وقت ہو جائے تو مغرب اور عشا ایک ساتھ پڑھو خواہ امام کے ساتھ پڑھو، یا اپنی خاص جماعت کرو، یا اکیلے پڑھو ہر صورت میں یہی حکم ہے۔ (کہ وقت عشا میں مغرب بہ نیت ادا پڑھیں پھر عشا پڑھیں، یہاں دونوں نماز کو ایک ساتھ پڑھنے کے لیے مسجد یا امام کی کوئی شرط نہیں آپ تنہا پڑھیں یا جماعت سے بہر حال دونوں نمازیں عشا کے وقت ایک ساتھ پڑھیں) مغرب اور عشا کے درمیان سنت اور نوافل نہ پڑھو۔ عشا کے فرض کے بعد مغرب اور عشا کی سنتیں اور وتر پڑھو۔

کوشش کرو کہ پوری رات عبادت میں بسر ہو اور اگر سونا ہے تو باوضو سوئے۔ صبح صادق سے اتنے پہلے اٹھو کہ ضروریات وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو کر لو۔ بہت اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھو۔

اب اس کے بعد دربار اعظم کی حاضری کا دوسرا وقت آیا۔ اگر مشعر حرام (یہ ایک پہاڑ ہے اسے جبل قزح بھی کہتے ہیں۔ اب وہاں اس نام کی ایک مسجد بھی بنادی گئی ہے۔ ''مسجد مشعر الحرام'') میں جگہ ملے فبہا نہیں تو اس کے دامن میں، وہاں بھی جگہ نہ ملے تو وادیٔ محسر (وادیٔ محسر منیٰ اور مزدلفہ کے بیچ میں واقع ہے اور یہ ان دونوں کی حدود سے خارج ہے، یہاں اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا، یہاں ٹھہرنا جائز نہیں) چھوڑ کر اسی طرح جیسے عرفات میں کیا تھا یہاں بھی کرو۔ یہیں سے چھوٹی چھوٹی کھجور کی گٹھلی کے برابر کم از کم ۴۹ر کنکریاں پاک جگہ سے لے کر تین بار دھو لو (مزدلفہ میں وقوف کا اصلی وقت صبح صادق سے لے کر اجالا ہونے تک ہے لہذا جو اس وقت کے بعد پہنچا، یا بغیر عذر کے صبح صادق سے پہلے مزدلفہ چھوڑ کر چلا گیا تو کفارہ کی قربانی لازم ہوگی۔ بیمار، ضعیف مجبوراً وقت سے پہلے منیٰ چلے گئے تو دم واجب نہیں مگر کچھ صدقہ وخیرات کر دینا چاہیے۔)(۱)

---

(۱) فتاوی ہندیہ میں ہے:

وقت الوقوف فيها من حين طلوع الفجر إلى أن يسفر جدا، فإذا طلعت الشمس خرج وقته، ولو وقف فيها في هذا الوقت أو مر بها جاز كما في الوقوف بعرفة، وقبله أو بعده لا يجوز ، كذا في التبيين . ولو جاوز حد المزدلفة قبل طلوع الفجر فعليه دم لترك الوقوف بها إلا إذا كانت به علة أو مرض أو ضعف فخاف الزحام فدفع منها ليلا فلا شيء عليه، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية، ج: ١، ص: ٢٥٤، ٢٥٥، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، دار الكتب العلمية، بيروت) (مرتب غفرله)

جب آفتاب نکلنے میں دو رکعت پڑھنے کا وقت باقی رہ جائے تو منیٰ کی طرف کوچ کرو۔ راستے میں بدستور ذکر، دعا، درود شریف، لبیک کی کثرت کرو، اور یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَفَضْتُ، وَمِنْ عَذَابِكَ اَشْفَقْتُ، وَ إِلَيْك رَجَعْتُ، وَ مِنْكَ رَهِبْتُ فَاقْبَلْ نُسُكِيْ وَعَظِمْ اَجْرِيْ وَارْحَمْ تَضَرُّعِيْ وَاقْبَلْ تَوْبَتِي وَاسْتَجِبْ دُعَائِيْ.

اے اللہ! تیری طرف واپس ہوا، اور تیرے عذاب سے ڈرا، تیری طرف رجوع کی، اور تجھ سے خوف کیا، تو میری عبادت قبول فرما، میرا اجر زیادہ کر، میری عاجزی پر رحم کر، اور میری توبہ قبول کر، اور میری دعا قبول کر۔

مزدلفہ سے کم از کم ۴۹ر کنکریاں لے، اور اگر تیرہویں ذوالحجہ کو بھی منیٰ میں قیام کا ارادہ ہو تو ستر (۷۰) کنکریاں لے۔ احتیاطاً کچھ زیادہ لے لے۔ مزدلفہ سے منیٰ پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی تو اسی وقت رمی کرے۔ دسویں کی رمی کا وقت طلوع فجر سے گیارہویں کی فجر تک ہے مگر سنت یہ ہے کہ طلوع آفتاب سے زوال تک ہو۔ اور زوال سے غروب تک مباح اور غروب سے فجر تک مکروہ۔ یوں ہی دسویں کی فجر سے طلوع آفتاب تک مکروہ۔ لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے دن میں رمی نہ کر سکا، رات میں کر لی تو مکروہ نہیں۔ مریض یا اتنا کمزور جو جمرہ تک نہ جا سکتا ہو وہ کسی دوسرے کو حکم دے سکتا ہے کہ اس کی طرف سے رمی کر دے۔ یہ دوسرا شخص پہلے اپنی طرف سے رمی کرے پھر اس کی طرف سے کرے۔ اگر کوئی خواہ مرد ہو یا عورت رمی چھوڑ دے گا تو اس پر کفارہ کے طور پر ایک بکری، یا بھیڑ، یا دنبہ کی قربانی واجب ہے۔

جب منیٰ پہنچے، سب سے پہلے جمرۃ العقبہ پر جا کر کنکری مارے۔ کنکری مارتے وقت یوں کھڑا ہو کہ منیٰ داہنے ہاتھ پر اور کعبہ بائیں ہاتھ پر اور جمرہ کی طرف منھ ہو۔ سات کنکریاں الگ الگ چٹکی میں لے کر داہنا ہاتھ خوب اٹھا کر کہ بغل کی رنگت ظاہر ہو رہی ہو رمی کرے۔ ہر کنکری مارتے وقت یہ پڑھے:

بِسْمِ اللهِ اَللهُ أَكْبَرُ رَغْماً لِلشَّيْطَانِ. رِضاً لِلرَّحْمٰنِ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجّاً مَبْرُوْراً وَسَعْياً مَشْكُوْراً وَذَنْباً مَغْفُوْراً.

اللہ کے نام سے مارتا ہوں، اللہ بہت بڑا ہے۔ شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے، رحمن کو راضی کرنے کے لیے، اے اللہ! اس کو حج مبرور کر، اور سعی مشکور کر، اور گناہ بخش دے۔

یہ دعا نہ یاد ہو تو صرف بِسْمِ اللهِ اَللّٰہُ أَكْبَرُ کہ کر مارے، پہلی ہی کنکری مارتے لبیک بند کر دے اور کنکری مارتے وقت ہی وہاں سے چل دے۔

اس کے بعد قربانی کرے، قربانی کے بعد قبلہ رو ہو کر مرد سر منڈوائیں، اور عورتیں بال کتروائیں۔
افضل یہ ہے کہ دسویں ہی کو ورنہ گیارہویں یا بارہویں کو طواف زیارت کے لیے مکہ حاضر ہو، یہ فرض ہے۔
حج کے احرام کے بعد طواف نفل میں جو رمل اور سعی یا صرف سعی کر چکا ہے تو اس طواف میں رمل وسعی کچھ نہیں، ورنہ ہے۔

گیارہویں تاریخ کو بعد نماز ظہر پھر کنکری مارنے چلو۔ آج تینوں جمروں پر کنکری ماری جائے گی۔
اسی طرح بارہویں کو بھی، افضل یہ ہے کہ تیرہویں کو بھی دوپہر بعد رمی کرے، لیکن اگر حجاج بارہویں کو چلے گئے تو کوئی حرج نہیں، واپسی کے وقت طواف وداع کرے، اس میں نہ اضطباع ہے، نہ رمل نہ سعی۔ اس طواف کے بعد دروازۂ کعبہ کے سامنے کھڑا ہو کر چوکھٹ کو بوسہ دے، اور حج وزیارت قبول ہونے اور بار بار حاضری کی توفیق کی دعا مانگے۔

اَلسَّآئِلُ بِبَابِكَ يَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَمَعْرُوْفِكَ وَ يَرْجُوْ رَحْمَتَكَ .

تیرے دروازے پر سائل تیرے فضل واحسان کو مانگتا ہے، اور تیری رحمت کا امیدوار ہے۔ یاد دعاے جامع پڑھے۔

پھر ملتزم پر آکر غلاف کعبہ تھام کر اسی طرح لپٹو ذکر اور دعا کی کثرت کرو، اس وقت یہ دعا پڑھو:
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللهُ. اَللّٰهُمَّ كَمَا هَدَيْتَنَا لِهٰذَا فَتَقَبَّلْهُ مِنَّا وَلَا تَجْعَلْ هٰذَا أٰخِرَ الْعَهْدِ مِنْ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَارْزُقْنِي الْعَوْدَ اِلَيْهِ حَتّٰى تَرْضٰى بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ .
سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ہدایت دی، اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، اے اللہ! جس طرح تو نے اس کی ہدایت دی، اسی طرح تو اسے قبول فرما، اور بیت اللہ شریف کی یہ ہماری آخری حاضری نہ کر، اور اس کی طرف لوٹنا ہمیں نصیب کر حتی کہ اپنی رحمت کے سبب ہم سے راضی ہو جا، اے

سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔ اور سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام دنیا کا پروردگار ہے، اور اے اللہ! درود بھیج ہمارے سردار محمد اور ان کی آل واصحاب پر۔

پھر حجر اسود کو بوسہ دو، اور جو آنسو رکھتے ہو گراؤ، اور یہ پڑھو:

يَا أَمِيْنَ اللهِ فِيْ أَرْضِهٖ إِنِّيْ أُشْهِدُكَ وَكَفٰى بِاللهِ شَهِيْدًا، إِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَآ إِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَاَنَا اُوَدِّعُكَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ لِتَشْهَدَنِيْ بِهَا عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى فِيْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ عَلٰى ذٰلِكَ وَاُشْهِدُ مَلَائِكَتَكَ الْكِرَامَ. وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اے زمین میں اللہ کے امین! میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور اللہ کی گواہی کافی ہے کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں تیرے پاس اس شہادت کو امانت رکھتا ہوں کہ اللہ کے حضور قیامت کے جس دن بڑی گھبراہٹ ہوگی، تو میرے لیے اس کی شہادت دے گا۔ اے اللہ! میں تجھے اور تیرے عزت والے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں۔ اے اللہ! درود بھیج ہمارے سردار محمد اور ان کی آل واصحاب پر۔

پھر الٹے قدم کعبہ کی طرف منھ کر کے مسجد سے باہر آؤ اور اگر الٹے قدم چلنے میں دشواری ہو تو بار بار مڑ کر کعبہ کو حسرت سے دیکھتے رہو۔ اس کی جدائی پر روتے یا کم از کم رونے والے جیسا حال بناتے ہوئے مسجد کریم کے دروازے سے بایاں پاؤں پہلے بڑھا کر نکلو اور اس وقت کی دعا پڑھو۔ اس وقت نکلنے کے لیے سب سے بہتر باب الحزورہ ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کی میقات

جب سے ہندوستانی حج کر رہے ہیں اس وقت سے لے کر آج تک اسی پر فتوی دیا جاتا ہے کہ "کوہ یلیلم" ہندوستانیوں کی میقات ہے، اسی پر ہمیشہ سے عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے۔ اسی کے مطابق جہاز والے اعلان بھی کرتے ہیں۔ مگر اب چند سالوں سے کچھ لوگوں نے اپنے ذہن سے یہ نکال لیا ہے کہ ہندوستانیوں کی میقات "بحرہ" ہے، جو جدہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ہے۔ اسی کے مطابق یہ لوگ جہاز میں احرام نہیں باندھتے بلکہ

جدہ پہنچ کر باندھتے ہیں۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ جو شخص میقات سے نہ گزرے کچھ فاصلے سے گزرے تو اس کی میقات راستے کا وہ مقام ہے جو میقاتوں کے درمیان دونوں میقاتوں میں سے کسی ایک کی محاذات (سیدھ) میں ہو۔ جدہ دو میقاتوں یعنی جحفہ اور یلملم کے درمیان ہے، جب یلملم سے جحفہ تک خط کھینچتے ہیں تو یہ خط بحرہ پر گزرتا ہے، اس لیے ہندوستانیوں کی میقات ''بحرہ'' ہوئی۔

اتنی بات تو مسلم ہے کہ دو میقاتوں کے درمیان گزرنے والے کی میقات دونوں میں سے کسی ایک کی محاذات ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

وكل من قصد مكة من طريق غير مسلوك أحرم إذا حاذى ميقاتا من هذه المواقيت، كذا في محيط السرخسي ... وإن سلك بين الميقاتين في البحر أو البر اجتهد وأحرم إذا حاذى ميقاتا منهما وأبعدهما أولى بالإحرام منه، كذا في التبيين.(1)

جو ایسے راستے سے مکہ جانا چاہے جو چالو نہ ہو تو وہ کسی بھی میقات کی سیدھ میں پہنچے احرام باندھ لے، اور جو دو میقاتوں کے درمیان چل رہا ہے، خواہ سمندر میں ہو خواہ خشکی میں تو وہ کوشش کر کے معلوم کرے اگر کسی میقات کی سیدھ میں پہنچ گیا تو احرام وہیں باندھ لے۔

اور ہمیں یہ بھی تسلیم ہے کہ محاذات سے مراد حرم کی طرف جاتے ہوئے محاذات ہے۔ یعنی جانے والا جب کعبہ کا رخ کرے تو میقات اس کے داہنے ہاتھ یا بائیں ہاتھ پڑے۔ اور یہ بھی تسلیم ہے کہ یلملم سے جحفہ تک جب خط مستقیم کھینچا جائے گا تو وہ ''بحرہ'' پر گزرے گا، مگر ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ بحرہ، یلملم جحفہ کے محاذی ہے، جحفہ کی بات کرنا تو یہاں خارج از مبحث ہے۔ اعتبار قریب ترین میقات کا ہے۔ بحرہ سے قریب یلملم ہے، اس کو سامنے رکھ کر بحث کرنی ہے۔ یلملم مکہ سے تقریباً سو کلو میٹر ہے اور جدہ تقریباً ۷۵ر کلو میٹر، بحرہ جدہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ہے، تو اس کا فاصلہ ۳۵ر ۴۰ر کلو میٹر سے زائد نہ ہوگا۔ اب ہر شخص سوچے کہ جو مقام مکہ معظمہ سے سو کلو میٹر دور ہے، اس کے محاذی وہ مقام کیسے ہو سکتا ہے جو مکہ معظمہ سے صرف ۴۰ر کلو میٹر دور ہو۔ اس کے محاذی وہ جگہ ہوگی جو مکہ

---

(1) الفتاوى الهندية، ج: ١، ص: ٢٤٤، كتاب المناسك/ الباب الثاني في المواقيت، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

معظمہ سے سو کلو میٹر کی دوری پر ہو۔ اس میں لم یہ ہے کہ زمین کروی گیند کی شکل کی ہے۔ محاذات کے لیے اس پر جو خط کھینچا جائے گا وہ مستقیم نہیں کماندار ہوگا۔ اب جس کا جی چاہے نقشہ بنا کر کعبہ کو مرکز مان کر پرکار کے ایک سرے کو کعبہ پر اور دوسرے کو یلیلم پر رکھ کر خط کھینچے تو اسے معلوم ہوگا کہ جدہ سے بھی ۲۵؍ کلو میٹر دور سمندر میں یلیلم کی سیدھ پڑے گی، جس کے آگے کوئی احرام باندھے بغیر آئے گا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جو شخص جدہ احرام باندھے بغیر اترے گا، خواہ وہ پانی کے جہاز سے خواہ ہوائی جہاز سے اس پر دم لازم آئے گا۔

رہ گئی یہ بات کہ پھر اس پر عمل درآمد کیوں ہے کہ جب جہاز یلیلم کے سیدھے دکھن جانب پہنچ جاتا ہے تو علما احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاز جب جدہ بندرگاہ کے قریب پہنچ جاتا ہے تو جہاز میں ایک ہفتہ سے مقید حجاج اترنے کے لیے اپنا بستر باندھنے سامان سمیٹنے میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس وقت احرام باندھنے کا موقع کہاں رہتا ہے، اور میقات سے پہلے احرام باندھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے، اس لیے حجاج کی آسانی کے لیے پہلے ہی احرام باندھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حجاج پر لازم ہے کہ اس کا خیال رکھیں، اور جدہ پر ہرگز ہرگز احرام کے بغیر نہ اتریں بلکہ عام حجاج کے ساتھ جب جہاز میں احرام کے لیے سیٹی ہو، احرام باندھ لیں اور اس نئی اپج پر دھیان نہ دیں ورنہ ان پر دم لازم ہوگا، گناہ الگ ہوگا، اور دم نہ دیں تو وہ ذمہ میں رہ جائے گا۔

نماز سفر

(۱) اگر آپ کے وطن سے دہلی، یا جہاں سے آپ کو ہوائی جہاز یا بحری جہاز ملے وہ ۹۲؍ کلو میٹر کی دوری پر ہے، تو اپنی آبادی سے نکلنے کے بعد ظہر، عصر، عشا میں قصر کریں۔ یعنی فرائض بجائے ۴؍ رکعت کے صرف ۲؍ رکعت پڑھیں۔ فجر و مغرب میں قصر نہیں، ان کے فرائض پورے پڑھیں، اسی طرح سنتوں میں بھی قصر نہیں، اگر موقع ہو تو پوری پڑھیں ورنہ معاف ہیں۔

(۲) ممبئی، دہلی، مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، جہاں بھی جائیں اگر وہاں مسلسل پندرہ دن یا زائد ٹھہرنے کی نیت ہو، پندرہ دن کے اندر اندر کہیں ۹۲؍ کلو میٹر کی دوری پر نہ جانا ہو تو قصر نہ کریں، پوری نمازیں پڑھیں، اور اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو تو قصر کریں۔

(۳) کہیں بھی ٹھہرنے کے بعد اگر ۹۲ر کلومیٹر کی دوری پر سفر کرنا ہو تو راستے میں قصر ہے خواہ پندرہ دن یا زائد رک کر سفر شروع کیا ہو، خواہ کم رکا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگر پندرہ دن ٹھہرنے کے بعد سفر شروع کیا ہے تو جب تک آبادی سے باہر نہ نکل جائے قصر جائز نہیں۔ اگر پندرہ دن سے کم میں سفر شروع کیا ہے تو آبادی میں بھی قصر ہے۔

(۴) مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد اگر ۸ر ذی الحجہ پندرہ دن یا اس سے زائد ہے تو پوری نماز پڑھیں۔ مکہ میں بھی اور منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں بھی، اور اگر پندرہ دن سے کم ہے تو مکہ معظمہ میں بھی قصر کریں، اور منیٰ عرفات مزدلفہ ہر جگہ، اگر چہ بعد حج مکہ معظمہ پہنچنے سے وطن واپس ہونے کی تاریخ ۱۵ر دن بعد ہو۔

در مختار، میں ہے:

فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج إلى منى وعرفة فصار كنية الإقامة في غير موضعها وبعد عوده من منى تصح.[1]

اگر حج کرنے والا مکہ میں ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں پہنچا تو اس کی اقامت کی نیت درست نہیں، اس لیے کہ وہ منیٰ اور عرفات میں جائے گا، تو گویا نیت ایسی ہوئی جیسے کوئی ایسی جگہ اقامت کی نیت کرے جو اقامت کے لائق نہیں، منیٰ سے واپسی کے بعد اقامت کی نیت صحیح ہے۔

(۵) مکہ معظمہ ایسے وقت پہنچا کہ ذوالحجہ کی ۸ر تاریخ ۱۵ر دن بعد تھی؛ اس لیے وہ مکہ معظمہ پندرہ دن قیام کر کے منیٰ آیا تو منیٰ، عرفات، مزدلفہ ہر جگہ پوری نماز پڑھے۔ پھر حج سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ آیا، اور اب ۱۵ر دن سے کم رہنے کا ارادہ ہے تو بھی مقیم ہی ہے، قصر نہ کرے پوری نماز پڑھے۔

(۶) مسافر پر فرض ہے کہ قصر کرے اسے پوری پڑھنا جائز نہیں اگر پوری پڑھے گا تو گنہ گار ہوگا۔[2]

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، ج:۲، ص:۶۰۶، ۶۰۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) صحیح مسلم شریف میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللَّهُ الصَّلاَةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ -صلى الله عليه وسلم- فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا، وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً. (الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۴۱، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، مجلس البركات.)

بدائع الصنائع میں ہے:

(۷) مسافر پر قصر اس وقت ہے جب وہ تنہا پڑھے، یا مسافر امام کے پیچھے پڑھے، اور جب مقیم امام کے پیچھے پڑھے تو پوری پڑھے اور اگر مسافر نے ایسے مقیم کے پیچھے نماز پڑھی جو قصر کرتا ہے تو مسافر کی نماز نہ ہوگی۔ جیسے منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں موجودہ امام ہیں کہ مقیم ہوتے ہوئے قصر کرتے ہیں۔ ان کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں، نماز نہیں ہوگی، نہ مسافر کی نہ مقیم کی۔

طواف کے مسائل

(۱) عازمین حج کو دیکھا گیا ہے کہ وہ احرام باندھتے ہی اضطباع کر لیتے ہیں، یعنی چادر اپنی بغل سے نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال لیتے ہیں، اور اسی طرح نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ یہ غلط طریقہ ہے، اضطباع کے ساتھ نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے، اضطباع صرف اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہے، وہ بھی صرف اسی وقت تک جب تک طواف کر لے۔ طواف ختم ہوتے ہی اضطباع ختم کر کے چادر عادت کے مطابق دونوں شانوں پر ڈال لیں، سعی کی حالت میں اضطباع نہیں۔

(۲) بہت سے حجاج رکن شامی و عراقی کا بوسہ دیتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں، رکن یمانی پر صرف دونوں ہاتھ یا داہنا ہاتھ رکھ کر بوسہ دیں، اور اگر بھیڑ کی وجہ سے میسر نہ آئے تو ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھ چومنے کی بھی ضرورت نہیں۔

(۳) طواف کے لیے "باب السلام" سے داخل ہونا مسنون ہے۔ "باب السلام" کعبہ شریف کے پورب مطاف کے کنارے تھا، اب موجودہ حکومت نے اسے اٹھا دیا ہے، وہاں سیاہ پتھر کے نشان بنا دیے ہیں۔ عام حجاج کو اس کا پتا بھی نہیں چلتا۔ حجاج کو چاہیے کہ کعبہ کے پورب اس کو تلاش کر لیں۔

قال أصحابنا : إن فرض المسافر من ذوات الأربع ركعتان لا غير وقال الشافعي : أربع كفرض المقيم إلا أن للمسافر أن يقصر رخصة ، من مشايخنا من لقب المسألة بأن القصر عندنا عزيمة ، والإكمال رخصة وهذا التلقيب على أصلنا خطأ ؛ لأن الركعتين من ذوات الأربع في حق المسافر ليستا قصرا حقيقة عندنا بل هما تمام فرض المسافر ، والإكمال ليس رخصة في حقه بل هو إساءة ومخالفة للسنة ، هكذا روي عن أبي حنيفة أنه قال : من أتم الصلاة في السفر فقد أساء وخالف السنة.(كتاب الصلاة، فصل فی صلاۃ المسافر، ج: ۱، ص: ۳۷، برکات رضا، پور بندر.) (مرتب غفرلہ)

(۴) عام حجاج کو معلوم نہیں ہوتا کہ "باب الصفا" کہاں ہے؟ بعض ناواقف مروہ سے سعی شروع کردیتے ہیں، اگر مروہ سے سعی شروع کی جائے گی تو یہ پھیرا لغو ہوگا، شمار نہ ہوگا، محنت بھی رائیگاں جائے گی۔ حجاج کو چاہیے کہ سعی کے لیے حجر اسود کا استلام کر کے سیدھے کونے پر مسجد حرام کے دالان میں آئیں۔ حجر اسود کی سیدھ میں مسجد حرام سے باہر نکلنے کا جو دروازہ ہے وہی باب الصفا ہے، اس سے نکلتے ہی صفا ہے۔

(۵) چوں کہ حجامت کی بنوائی وہاں ان دنوں ۵/ ریال ہوجاتی ہے یعنی ہندوستانی روپے سے ۱۲۱/ روپے۔ اس لیے بہت سے بخیل اپنے آپ قینچی سے چند بال کے کچھ حصے کاٹ لیتے ہیں، اور احرام کھول دیتے ہیں، اس لیے احرام سے باہر آنے کے لیے بہتر یہی ہے کہ پورا سر منڈوالیں، اور منڈوانا منظور نہ ہو تو پورے سر کے بالوں سے ایک انگلی کے پور کے برابر کتریں، یہ مستحب ہے۔ یا کم از کم چوتھائی بالوں کو انگلی کے پور کے برابر ضرور کاٹیں، اگر چوتھائی سر کے بال کتریں تو ایک پور سے زائد کتریں، بال چھوٹے بڑے ہوتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ چھوٹے بال ایک پور سے کم کٹیں یہ ترکِ واجب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اپنے ہاتھ سے سر مونڈلیں، یا اس کا وہ جس کی حجامت نہیں بنی ہے سر مونڈ دے یا کتر دے۔(۱)

رمی کے مسائل

(۱) سب سے زیادہ حجاج کنکری مارنے میں غفلت کرتے ہیں، کچھ لوگ دور سے کنکری مارتے ہیں جو ادھر ادھر چلی جاتی ہے، بہتر تو یہی ہے کہ کنکری (جمرہ) ستون پر لگے، ورنہ یہ ضروری کہ زیادہ سے زیادہ جمرہ سے تین ہاتھ کے فاصلے پر گرے، اگر تین ہاتھ سے زائد کے فاصلے پر گرے گی تو وہ شمار میں نہیں آئے گی۔

(۲) معمولی عذر کی وجہ سے دوسروں سے کہہ دیتے ہیں کہ ہماری طرف سے بھی کنکری مار آنا، جن کے ساتھ عورتیں ہوتی ہیں وہ از خود عورتوں کے وکیل بن جاتے ہیں حالاں کہ یہی عورتیں مکے کے بازاروں میں گھنٹوں دھکے کھاتی پھرتی ہیں۔ صرف ایسے مریض اور کمزور کی طرف سے دوسرے کو کنکری مارنا درست ہے جو سواری پر بھی جمرہ نہیں جاسکتا۔ فقہا نے لکھا ہے کہ کوئی اتنا کمزور ہے کہ جمرہ پر پہنچ گیا اور خود کنکری مارنے کی قوت

(۱) بہار شریعت، حصہ:۶، حلق و تقصیر کا بیان، ص:۱۱۴۲، مطبوعہ دعوت اسلامی۔ (صرف مفہوم لیا گیا ہے بلکہ کہیں کہیں کچھ زائد چیزیں بھی ہیں۔)

نہیں رکھتا تو اس کا ساتھی مریض کے ہاتھ پر کنکری رکھ کر رمی کرادے، ایسی صورت میں وہ مرد اور وہ عورتیں جو سامان خریدنے کے لیے مکہ معظمہ کے بازاروں میں دھکے کھانے کی قوت رکھتی ہیں، انھیں یہ کب درست ہوگا کہ وہ خود کنکری نہ ماریں، دوسروں کو وکیل کریں۔ ایسے لوگ ضرور رمی کے تارک ہوں گے اور ان پر دم واجب ہوگا۔ دسویں تاریخ کو ۹ر بجے تک کوئی خاص بھیڑ نہیں ہوتی ہے، آسانی سے رمی کی جاسکتی ہے اسی طرح بعد عصر بھی بھیڑ بہت کم ہوتی ہے اور رات میں جمرہ بالکل خالی رہتا ہے، بالفرض دن بھر بھیڑ میں دبنے کچلنے کا اندیشہ ہے تو کمزور مرد اور عورتیں رات میں کنکری ماریں۔ عذر کی بنا پر رات میں کنکری مارنے میں کوئی کراہت نہیں۔ اس سے یہی نہ ہوگا کہ دسویں کو قربانی نہ ہوسکے گی، احرام نہ کھل سکے گا، طواف زیارت نہ ہوسکے گا، مگر اس میں کوئی حرج نہیں اور بلا عذر شرعی خود کنکری نہ مارنا دوسری سے رمی کرانا جرم ہے جس پر گناہ بھی ہے اور دم بھی۔ یہی گیارہویں اور بارہویں کو کریں، بارہویں کو اگر مکہ معظمہ واپسی کا ارادہ ہے تو بعد عصر کنکری ماریں۔

(۳) بعض حجاج بارہویں کو قبل زوال کنکری مار کر مکہ معظمہ چل دیتے ہیں، یہ اصل مذہب حنفی کے خلاف ہے، اور ایک ضعیف روایت ہے اس پر عمل جائز نہیں؛ لہٰذا گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے پہلے رمی کرلی تو رمی نہ ہوئی اس کا اعادہ اسی دن ضروری ہے۔ اگر اس دن اعادہ نہ کریں گے تو دم واجب ہوگا۔

طواف زیارت فرض ہے اگر دسویں کو موقع نہ مل سکے تو بارہویں کی مغرب سے پہلے کرلیں ورنہ دم واجب ہوگا۔ [1] عورتوں کے لیے بھی طواف زیارت فرض ہے لیکن اگر حیض ونفاس کی وجہ سے بارہویں تک نہ

---

(۱) ”جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے“ میں ہے: حجاج کے بے پناہ ازدحام اور مسجد حرام میں داخلہ ناممکن ہونے کی وجہ سے جو حجاج بارہویں ذی الحجہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے طوافِ زیارت نہ کرسکیں اور اس وجہ سے انھوں نے تیرہویں کو طواف زیارت کیا ان پر دم یا کوئی کفارہ واجب نہیں کہ عذر کی وجہ سے یہ تاخیر معاف ہے، علاوہ ازیں حضرات صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ (یعنی قاضی امام ابو یوسف وامام محمد بن حسن شیبانی رحمہا اللہ تعالیٰ) کے اصل مذہب میں یہ تاخیر جائز، خلاف سنت ہے اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مختصر کرخی میں تحریر فرمایا ہے کہ طواف زیارت کا وقت ایام تشریق کے اختتام تک ہے یعنی تیرہویں ذی الحجہ تک۔ تو عذر شدید کی حالت میں اس قول پر عمل کی اجازت ہوگی۔

ہدایہ میں ہے: ومن اخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة، وكذا إذا أخر طواف الزيارة. وقالا: لا شيء عليه في الوجهين. (الہدایۃ، کتاب الحج/باب الجنایات، ج:۱، ص:۲۵۶، مجلس برکات)

در مختار میں ہے: فان أخره عنها أى أيام النحر، ولياليها منها، كره تحريما ووجب دم لترك الواجب وهذا عند الإمكان، فلو طهرت الحائض إن قدرَ اربعة اشواط ولم تفعل لزم دم، وإلا لا.

ردالمحتار میں "ولياليها منها" کے تحت ہے:
واما فى حق الطواف فالمراد به الليالى المتخللة بين أيام النحر لأنه إذا غربت الشمس من اليوم الثالث الذى هو آخر أيام النحر ولم يطف لزمه دم كما ياتى فى مسألة الحائض فالليلة التى تعقب الثالث ليست تابعة له فى حق الطواف وإلا لكان فيها أداءً بلا لزوم دم كما فى الرمي فتدبر. (رد المحتار، كتاب الحج/ مطلب فى طواف الزيارة، ج:۳، ص:۵۳۸، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

شرح لباب میں ہے: (اول وقت طواف الزيارة طلوع الفجر الثانى من يوم النحر فلا يصح قبله) خلافاً للشافعي حيث يجوزه بعد نصف الليل منه (ولا أخرله فى حق الصحة، فلو أتى به ولو بعد سنين صح ولكن يجب فعله فى أيام النحر) أى أو لياليها عند الإمام. و يسن إجماعا فيكره تاخيره عنها بالاتفاق تحريما أو تنزيها (فلو اخره عنها) اى بغير عذر (ولو الى أخرايام التشريق لزمه دم) اى على الأصح لما قاله فى الغاية وايضاح الطريق وهو الصحيح وفى بعض الحواشى: "وبه يفتى" وهو المذكور فى المبسوط وقاضيخان والكافى والبدائع وغيرها، خلافاً لما ذكره القدورى فى شرح مختصر الكرخي أن آخره إلى آخر أيام التشريق وتبعه الكرمانى صاحب المنافع والمستصفى (المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط المعروف بشرح اللباب، ص:۱۵۵، باب طواف الزيارة، مطبع مصر)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی "مطلب في طواف الزيارة" میں شرح لباب سے "شرح مختصرَ كرخى" کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے اور "جد الممتار" میں اس پر کوئی کلام نہیں ہے۔

اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ازدحام کثیر اور عذر کی بنا پر وقوف مزدلفہ کا وجوب ہی ساقط ہو جاتا ہے یعنی اصل عبادت ہی معاف ہو جاتی ہے تو یہاں ایام النحر کے دوران طواف زیارت کی ادائگی کا وجوب بھی عذر شدید اور ازدحام کثیر کی بنا پر قابل عفو ہوگا کہ یہاں عبادت صرف وقت سے مؤخر ہوئی ہے، اصل عبادت کی ادائگی تو بہر حال لازم ہے۔ ہاں! یہ تاخیر صرف تیرہویں ذی الحجہ تک ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، نیز آگے آرہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اگر کسی نے اتنی تاخیر کی کہ ایام تشریق بھی گزر گئے تو اب وہ جب بھی طواف کرے گا دم واجب ہوگا کہ ایک تو تیرہویں کے بعد وہ عذر نہیں باقی رہ جاتا جو باعث تخفیف ہے اور دوسرے امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صراحت کے مطابق بھی وقت طواف تیرہویں ہی تک ہے، اس کے بعد نہیں۔ لہٰذا جس نے چودہویں ذی الحجہ کو یا اس کے بعد طواف کیا وہ دم دے۔ ہاں! حج اس کا بھی صحیح ہے۔ شرح لباب کی یہ عبارت اوپر منقول ہوئی: فلو أتىٰ به ولو بعد سنين صح. والله تعالىٰ أعلم. (جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، جلد:۳، ص:۳۹۲-۳۹۴، مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

کر سکیں تو ان پر دم لازم نہیں آئے گا، جب بھی پاک ہوں طواف زیارت کر لیں۔ حیض و نفاس میں عورتیں نماز، تلاوت، طواف نہیں کر سکتیں، ہاں منیٰ، عرفات، مزدلفہ جانا اور رمی کرنا اسی حالت میں جائز ہے۔

قِران کا بیان

نیت کے بیان میں گزر چکا ہے کہ حج کی تین قسمیں ہیں:

۱- تمتّع ۲- قِران ۳- افراد۔

چوں کہ عام طور پر لوگ تمتع ہی کرتے ہیں اس لیے ہم نے تمتع کے احکام مفصل بیان کر دیے مگر ضرورت اس کی بھی ہے کہ دوسری اقسام کے احکام بھی مختصر طور سے بیان کر دیے جائیں۔

قِران کے معنی ملانے کے ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ حج، عمرہ کے ساتھ ملا کر ادا کیا جائے، قران کرنے والا نماز احرام کے بعد یہ نیت کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَیَسِّرْ هُمَالِیْ، وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ تَعَالٰی.

"اے اللہ! میں نے حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی، ان دونوں کو میری طرف سے قبول فرما۔ میں نے اللہ عزوجل کے لیے حج اور عمرے کی نیت کی۔"

قارن مکہ معظمہ پہنچ کر پہلے عمرہ کرے یعنی عمرے کا طواف اضطباع اور رمل کے ساتھ اور صفا ومروہ کی سعی کرے مگر حجامت نہ بنوائے نہ احرام کھولے اور وقوف عرفہ سے پہلے حج کے لیے ایک اور طواف کرے جسے طواف قدوم کہتے ہیں، اگر طواف زیارت والی سعی اسی طواف کے ساتھ کرنا چاہے اور اسی میں آسانی ہے تو اس طواف میں اضطباع بھی کرے اور رمل بھی اور اگر افضل پر عمل کرنا چاہے تو ابھی سعی نہ کرے اس صورت میں اس طواف میں نہ اضطباع ہے نہ رمل۔ جب طواف زیارت کرے تو اس میں اضطباع اور رمل کرے اس کے بعد سعی کرے۔

طواف قدوم کے بعد بھی حجامت نہ بنوائے نہ احرام کھولے، احرام باندھے ہوئے مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے نفل طواف جتنا چاہے کرے مگر عمرہ نہیں کر سکتا، آٹھویں تاریخ کو اسی احرام کے ساتھ منیٰ جائے اور تفصیل بالا

کے مطابق حج کے تمام ارکان ادا کرے، دس کو رمی جمرہ کے بعد قربانی کرے، اس پر بھی قربانی واجب ہے، پھر حجامت بنوا کر احرام کھولے، پھر طواف زیارت کرے۔ جس جرم کی وجہ سے تمتع کرنے والے پر ایک دم ہے قارن پر دو۔

افراد کا بیان

افراد کے معنی ہیں تنہا کرنا، یہاں مراد یہ ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ نہ کرے صرف حج کرے، احرام کی نیت یوں کرے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ، وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی.
"اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو میرے لیے اسے آسان فرما اور میری طرف سے قبول فرما، میں نے اللہ کے لیے حج کی نیت کی۔

صرف حج کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں، یہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج کے لیے طواف قدوم کرے، چاہے تو اسی کے بعد سعی بھی کرے اس صورت میں اس طواف میں اضطباع اور رمل کرے، اور اگر طواف زیارت کے بعد سعی کرنا چاہتا ہے تو اس میں اضطباع ہے نہ رمل مگر طواف زیارت میں اضطباع اور رمل ضروری ہوگا اور اس کے بعد طواف قدوم سے فارغ ہو کر نہ حجامت بنوائے نہ احرام کھولے بدستور احرام باندھے رہے، آٹھویں ذو الحجہ کو اسی احرام کے ساتھ منیٰ جائے اور حج کرے، دسویں کو کنکری مار کر احرام کھول دے اور طواف زیارت کرے۔ اس پر قربانی واجب نہیں مگر مستحب ہے اگر کرے گا بہت ثواب پائے گا، نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں، مفرد بھی حج سے فراغت کے پہلے عمرہ نہیں کر سکتا۔

مکہ معظمہ کے چند متبرک مقامات

غار حرا:

ان میں سب سے اہم غار حرا ہے جہاں حضور اکرم ﷺ نے قبل نبوت مدت دراز تک اور بعد نبوت بھی عبادت فرمائی ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسی حالت میں اب بھی ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اس لیے اس کی زیارت کو ضرور حاضر ہو۔ وہاں حاضر ہو کر اس یقین کے ساتھ دو رکعت ادا

کرے کہ یہاں حضور اقدس ﷺ کا جسم اقدس ضرور مس ہوا ہے بلکہ پیشانی بھی مس ہوئی ہے، یہ مبارک غار مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر جبل نور میں ہے۔ اسی جبل نور پر وہ متبرک جگہ بھی ہے جہاں شق صدر ہوا تھا۔

غار ثور:

یہ وہ مقدس غار ہے جس میں حضور اقدس ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے ہجرت کے موقع پر تین دن تین راتیں قیام فرمایا تھا اور اب بھی اسی حالت میں ہے اس لیے یقین ہے کہ اس کی زمین، اس کے در و دیوار ضرور ان حضرات کے جسم مبارک سے مس ہوئے ہیں، یہ غار ثور مکہ معظمہ سے قریب قریب پانچ کلومیٹر دکھن جانب ہے، اس کی بلندی بھی تقریباً ڈھائی کلومیٹر ہے۔

جنت المعلیٰ:

یہ مکہ معظمہ کا قبرستان ہے، اس کی زیارت کو بھی ضرور جائے، اس میں ہزارہا صحابۂ کرام و تابعین و اولیاء اللہ کے مزارات ہیں، اس قبرستان کے دو حصے ہیں۔ ایک سڑک کے اتر جانب، اس میں اتر جانب ایک چھوٹے سے کمپاؤنڈ میں اسلام کی عظیم محسنہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا اور حضور اقدس ﷺ کے آبا و اجداد کے مزارات ہیں، یہیں حضرت عبد المطلب کا بھی مزار ہے اس کی بھی زیارت کریں، اور ابو طالب کی بھی قبر ہے اس کی زیارت نہ کریں کہ انھیں ایمان نصیب نہیں ہوا تھا۔ دوسرا حصہ سڑک کے دکھن ہے، اس میں حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں۔

دیگر مساجد و مآثر:

مولد النبی ﷺ جہاں حضور اقدس ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی، یہ جگہ صفا سے پورب لب سڑک ہے۔ دو منزلہ عمارت بنی ہے نیچے کتب خانہ ہے، اوپر تار، ٹیلیفون کا دفتر ہے اور بورڈ لگا ہے:

"وزارة الحج والأوقاف، مكتبة مكة المكرمة".

دار حمزہ:

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی جاے پیدائش، یہ جگہ مسفلہ میں ہے۔ باب الھجرۃ کے بالکل سامنے والی گلی میں وہاں مسجد بنی ہوئی ہے، اس گلی کا نام ہی "شارع حمزہ" ہے۔

مسجد ذی طوی:

تنعیم جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہے، یہاں حضور ﷺ نے احرام کی حالت میں قیام فرمایا تھا۔

مسجد جن:

اس جگہ جنوں نے حضور اقدس ﷺ سے قرآن سنا تھا، یہ مسجد جنت المعلیٰ کے قریب دکھن جانب ہے۔

مسجد رایہ:

اسی جگہ فتح مکہ کے دن حضور اقدس ﷺ نے جھنڈا گاڑا تھا، یہ مسجدِ جن کے قریب ہی ہے۔

دار خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہا:

اس مقدس گھر میں برسہا برس تک حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا، یہیں تمام صاحب زادیاں اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالی عنہ کے علاوہ تمام صاحب زادے پیدا ہوئے، یہ جگہ شارع فیصل پر ایک گلی میں ہے، وہاں دار الحفاظ قائم ہے۔

جبل بو قبیس:

یہ صفا کے قریب بیت اللہ کے سامنے ہے، اسی پہاڑ پر حضور اقدس ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا، اب وہاں ایک مسجد ہے جسے مسجد بلال کہتے ہیں۔

منیٰ میں جمرۃ العقبہ:

(بڑے شیطان) کے قریب ہی وہ مبارک گھاٹی ہے جہاں انصار کرام نے ایمان قبول فرمایا، جہاں سے ہجرت کا منصوبہ بنا۔

غار مرسلات:

یہ بھی منیٰ ہی میں ہے اس جگہ سورہ مرسلات نازل ہوئی تھی، اس کی بڑی فضیلت ہے۔

منیٰ ہی میں مسجد کبش بھی ہے جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والتسلیم حضرت اسماعیل کو قربان کرنے لے گئے تھے، وہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ اور کثیر مخصوص مبارک آثار ہیں، فرصت کے ایام میں پوچھ پوچھ کر ہو سکے تو سب جگہ حاضری دے، بغیر پوچھے ہوئے کتابوں میں دیکھ کر تلاش کرنا ناممکن ہے، ذکر اس لیے کر دیا کہ اس سے یہ معلوم ہو جائے کہ مخصوص مآثر کیا کیا ہیں، اس کے علاوہ کتنے مآثر دار ارقم، دار ام ہانی وغیرہ نجدی حکومت نے نیست و نابود کر دیے۔

حاضری مدینہ طیبہ

فضائل:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾"(۱)

اپنے اوپر ظلم کرنے والے اگر تمھارے پاس حاضر ہو کر اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کریں تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پائیں گے۔

حدیث (۱): حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔(۲)

---

(۱) سورۃ النساء، آیت: ۶۴۔

(۲) ● سنن الدار قطني، ج: ۳، ص: ۳۳٤، رقم الحديث: ۲٦۹٥، كتاب الحج، ونصه: عن ابن عمر قال: قال رسول الله . صلى الله تعالى عليه وسلم. "من زار قبري وجبت له شفاعتي".

● شعب الايمان للبيهقى، ج: ٦، ص: ٥١، رقم الحديث: ۳۸٦۲، كتاب المناسك.

حدیث (۲): فرمایا جو میری زیارت کو آئے سوائے میری زیارت کے اور کسی حاجت کے لیے نہ آئے تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔ (۱)

حدیث (۳): فرمایا: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہے جیسے میری حیات میں میری زیارت سے مشرف ہوا۔ (۲)

حدیث (۴): فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کیا۔ (۳)

زیارت اقدس قریب قریب واجب ہے جو اس سے محروم رہا بہت بڑا محروم ہے، جب مدینہ طیبہ کا سفر شروع کرے تو اپنی خوش بختی پر ناز کرے اور اللہ عزوجل کا شکر کرے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اپنے حبیب کے در پر لے جا رہا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے تصور میں ڈوب جاؤ، سرکار کی اس عنایت بے غایت پر ناز کرو کہ اپنے دربار میں بلا رہے ہیں، راستے بھر جس قدر زیادہ ہو سکے درود شریف پڑھتے رہو، جب حرم مدینہ آئے تو بہتر یہ کہ پیدل ہو، روتے ہوئے، آنکھیں نیچی کیے ہوئے، سر جھکائے ہوئے جتنی ہو سکے درود شریف کی کثرت کرو، اگر ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو، جب گنبد خضرا نظر آئے کھڑے ہو جاؤ، اس وقت خصوصیت سے جتنا زیادہ ہو سکے درود وسلام کی کثرت کرو۔ اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ.

مسجد اقدس کی حاضری سے پہلے ایسی تمام ضروریات سے فارغ ہو لے جو دل بٹنے کا باعث ہوں، پھر

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، ج: ١٢، ص: ٢٩١، رقم الحديث: ١٣١٤٩، ونصه: عن ابن عمر، قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: من جاء ني زائرا لا تُعمِلُه حاجة إلا زيارتي كان حقا علي أن أكون له شفيعا يوم القيامة.

(۲) ● المعجم الكبير للطبراني، ج: ١٢، ص: ٤٠٦، رقم الحديث: ١٣٤٩٧، ونصه: عن ابن عمر عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- من حج فزار قبري بعد وفاتي كان كمن زارني في حياتي.
● سنن الدار قطني، ج: ٣، ص: ٣٣٣، رقم الحديث: ٢٦٩٣، ولفظه: فكأنما زارني في حياتي.

(۳) الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي، ج: ٨، ص: ٢٤٨، ترجمة النعمان بن شبل الباهلي، ونصه: عن ابن عمر قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- "من حج البيت فلم يزرني فقد جفاني". (مرتب غفرلہ)

ہو سکے تو غسل کرلے ورنہ وضو اور مسواک کرے۔ سفید، صاف ستھرے عمدہ سے عمدہ جو کپڑے نصیب ہوں وہ پہنے، خوش بولگالے، مل سکے تو مشک افضل ہے۔

غرض کہ اچھی سے اچھی عمدہ سے عمدہ ہیئت بطریق مسنون و مستحب بنالو، اس کے بعد آستانۂ اقدس کی طرف تواضع وعاجزی کے ساتھ چلو، اگر اس وقت کچھ آنسو نکل آئے تو قسمت بن گئی، بہتر یہ ہے کہ باب جبریل سے داخل ہو۔ (یہ مشرق میں واقع ہے۔)

جب مسجد اقدس کے دروازے پر حاضر ہو صلاۃ وسلام عرض کرکے تھوڑی دیر رکے رہو گویا سرکار سے حاضری کی اجازت مانگ رہے ہو پھر بسم اللہ کہہ کر سیدھا پاؤں اندر رکھو اور یہ دعا پڑھو۔

بِسْمِ اللهِ مَاشَآءَ اللهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ.

ہوش، گوش، قلب ودماغ، آنکھ زبان سب خیال غیر سے پاک کرکے محبوب رب العالمین کے تصور میں ڈوب جاؤ حتی کہ مسجد اقدس کے نقش ونگار زیبائش کو بھی نہ دیکھو، قدم بہت آہستہ آہستہ رکھو کہ آواز نہ ہونے پائے۔ خبردار! دھیان رکھو کہ کوئی آواز بلند نہ نکلے۔

یقین جانو کہ حضور اقدس ﷺ سچی، حقیقی، دنیاوی، جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، وہ تمھیں دیکھ رہے ہیں، نہ صرف دیکھ رہے ہیں بلکہ تمھارے دل کے خطرات وخیالات پر بھی مطلع ہیں، اگر اس وقت جماعت صحیحہ قائم ہو تو جماعت میں شریک ہو جاؤ، ورنہ اگر غلبہ شوق مہلت دے اور وقت مکروہ نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد شکرانۂ حاضری دربار اقدس سورۂ فاتحہ اور "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" سے سنت کی رعایت کرتے ہوئے مختصر سے مختصر پڑھو، اگر محراب نبوی میں جگہ مل جائے تو کیا کہنا، ورنہ جہاں جگہ ملے وہاں پڑھو، پھر سجدۂ شکر ادا کرو، اللہ عزوجل سے اس کے حبیب ﷺ کے ادب کا سوال کرو اور یہ کہ حاضری کو قبول فرمالے اور حضور بھی قبول فرمالیں۔

حاضری بارگاہ

اس کے بعد گناہوں کی ندامت سے شرمندہ، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتے کانپتے، کمال ادب میں ڈوبے ہوئے حضور اقدس ﷺ کے عفو وکرم کی امید رکھتے ہوئے حضور والا کی پائنتی یعنی پورب کی طرف سے مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو۔

حضور اقدس ﷺ اس طرح جلوہ فرما ہیں کہ سر مبارک پچھم ہے اور پائے اقدس پورب ہیں اور روئے انور دکھن، اس کے بعد یہ تصور کرے کہ اب میں حضور اقدس ﷺ کی نگاہ اقدس کے سامنے ہوں، پورے وقار وادب، خوف وامید کے ساتھ قندیل کے نیچے، چاندی کی کیل کے سامنے جو حجرۂ مبارکہ کی جنوبی دیوار میں چہرہ انور کے مقابل لگی ہے۔ (حجرہ مبارکہ کے اردگرد جالیاں لگ جانے کی وجہ سے یہ چاندی کی کیل نظر نہیں آتی، اس کے مقابل جالیوں میں گول سوراخ ہیں وہیں، کھڑا ہو) کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے قبلہ کی طرف پیٹھ کیے ہوئے مزار پر انوار کی طرف منہ کرکے جیسے نماز میں ہاتھ باندھتے ہیں اس طرح باندھ کر کھڑے ہو۔ اب نہایت ادب ووقار کے ساتھ غمگین وشرمندہ دل، معتدل آواز سے یہ سلام عرض کرو۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ . اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ وَاُمَّتِكَ اَجْمَعِيْنَ . اَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ يَارَسُوْلَ اللهِ .

پھر جن لوگوں نے سلام عرض کرنے کی درخواست کی ہو سب کا سلام عرض کرے، اپنے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے جو چاہے مانگے۔

اس رسالہ کے پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ جب کبھی ان کی حاضری ہو ان کے اس ناکارہ غلام شریف الحق کا سلام بھی عرض کردیں۔ اسی طرح رسالہ کے شائع کرنے والے کا سلام بھی عرض کردیں اور ہم سب کے لیے شفاعت کا سوال کریں۔

پھر اپنے داہنے ہاتھ یعنی پورب کی طرف ایک ہاتھ کی مقدار ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے چہرۂ نوارنی کے سامنے کھڑے ہوکر عرض کرے، یہاں بھی جالیوں میں سوراخ بنا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَزِيْرَ رَسُوْلِ اللهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ فِي الْغَارِ وَفِي الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ .

پھر ایک ہاتھ اور پورب ہٹ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے روبرو کھڑے ہوکر عرض کرو، یہاں بھی گول سوراخ بنا ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُتَمِّمَ الْاَرْبَعِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عِزَّ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ .

پھر ایک بالشت پچھم کی طرف پلٹو اور حضرت صدیق وفاروق کے درمیان کھڑے ہوکر عرض کرو۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا خَلِيْفَتَيْ رَسُوْلِ اللهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا ضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللهِ. وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَسْأَلُكُمَا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ بَارَكَ وَسَلَّمَ .

یہ سب حاضریاں قبولیت دعا کی جگہ ہیں، جتنی چاہو دعا مانگو اور درود وسلام پر اکتفا کرو تو بہتر ہے اور جی چاہے تو یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ وَاُشْهِدُ رَسُوْلَكَ وَاَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ وَاُشْهِدُ الْمَلٰئِكَةَ النَّازِلِيْنَ عَلٰى هٰذِهِ الرَّوْضَةِ الْكَرِيْمَةِ الْعَاكِفِيْنَ عَلَيْهَا اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ مُقِرٌّ بِجِنَايَتِيْ وَمَعْصِيَتِيْ فَاغْفِرْلِيْ وَامْنُنْ عَلَيَّ بِالَّذِيْ مَنَنْتَ عَلٰى اَوْلِيَآئِكَ فَاِنَّكَ الْمَنَّانُ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ .

اس کے بعد منبر اطہر کے قریب حاضر ہوکر دعا مانگو، پھر منبر اور روضۂ مبارکہ کے درمیان ریاض الجنۃ (جنت کی کیاریاں) میں حاضر ہو اور وقت اگر مکروہ نہ ہو دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگو، مسجد شریف کے ہر ہر ستون کے پاس نماز پڑھو اور دعا مانگو، جب تک مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو ایک سانس ضائع نہ ہونے دو، ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد اقدس میں باطہارت حاضر رہو۔ نماز، تلاوت، درود میں وقت گزارو،

کوشش کرو کہ کم از کم ایک ختم قرآن مجید وہاں ہو جائے، اگر قوت ہو تو دن روزے میں گزارو، کم از کم چالیس نمازیں مسجد اقدس میں ضرور پڑھو اس پر نفاق اور دوزخ سے آزادی کا وعدہ ہے، اس کا ہمیشہ خیال رکھو کہ نماز یا کسی وقت بھی مزار اقدس کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

جنت البقیع کی زیارت سنت ہے، سرکار اعظم کی حاضری کے بعد وہاں حاضر ہو خصوصاً جمعہ کے دن، یہاں قریب قریب بیس ہزار صحابہ مدفون ہیں، یہاں جب حاضر ہو تو سارے آسودگان بقیع کو مخاطب کر کے یوں سلام عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ اَنْـتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكُمْ لَاحِقُوْنَ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ الْبَقِيْعِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَـنَا وَلَهُمْ .

چاہے تو اتنا اور بڑھا لے:

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِوَالِدَيْنَا وَلِأَسَاتِذَتِنَا وَلِإِخْوَانِنَا وَلِأَخَوَاتِنَا وَلِأَوْلَادِنَا وَلِأَحْفَادِنَا وَلِأَصْحَابِنَا وَلِأَحْبَابِنَا وَلِمَنْ لَـهُ حَقٌّ عَلَيْنَا وَلِمَنْ اَوْ صَانَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

پھر درود شریف، سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی، چاروں قل، یا جتنا قرآن شریف پڑھ سکو، سب کے لیے ایصال ثواب کرو، اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہو کر سلام عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ثَالِثَ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ذَا الْهِجْرَتَيْنِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ذَا النُّورَيْنِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُجَهِّزَ جَيْشِ الْعُسْرَةِ بِالنَّقْدِ وَالْعَيْنِ. جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ رَّسُوْلِهٖ وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ وَعَنِ الصَّحَابَةِ اَجْمَعِيْنَ .

حضور اقدس ﷺ کے صاحب زادے حضرت سیدنا ابراہیم اور صاحب زادی حضرت رقیہ اور دیگر صحابہ کرام کی بارگاہ میں حاضر ہو، حضرت عباس، حضرت امام حسن، سر مبارک حضرت امام حسین کے مزارات پر حاضر ہو، ازواج مطہرات کے مزارات پر بھی حاضری دے، اب حکومت گیٹ میں تالا بند کیے رہتی ہے، کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں، اس لیے گیٹ کے باہر سے ہی کھڑے ہو کر سلام کرے اور فاتحہ پڑھے۔

(میں ۱۴۰۵ھ میں حاضر ہوا تھا، سنا ہے اب مخصوص اوقات میں کھول دیا جاتا ہے۔)[1]

قبا شریف کی ضرور زیارت کرے، ہفتہ کا دن ہو تو بہتر اور پیدل جائے تو کیا کہنا۔ وہاں حاضر ہو کر دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ حدیث میں ہے: قبا میں نماز عمرہ کے مثل ہے۔ شہداے احد شریف کی بھی زیارت کرے۔ حضور اقدس ﷺ ہر سال کے شروع میں یہاں تشریف لے جاتے۔ کوہِ احد کی بھی زیارت کرے، کوہ احد پر چڑھے بھی اور اس پر اُگی ہوئی سبزیوں میں سے کچھ کھائے بھی، ہمیشہ پنج شنبہ کے دن صبح کو بہتر ہے۔ مسجد غمامہ، مسجد قبلتین، مساجد خمسہ وغیرہ کی بھی زیارت سے مشرف ہو۔ مدینہ طیبہ کے وہ مبارک کنوئیں جو حضور کی طرف منسوب ہیں کسی سے حضور نے وضو فرمایا، کسی کا پانی پیا، کسی میں لعاب دہن ڈالا ان کی بھی زیارت کرے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا زِيَارَةَ حَرَمِكَ وَحَرَمِ حَبِيْبِكَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

واپسی کے بعد

گھر واپس ہونے کے بعد حج وزیارت کی نعمت ملنے پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کرے، اللہ کے حبیب ﷺ کے سچے ارشاد کے مطابق یہ اعتقاد رکھے کہ اب میں گناہوں سے پاک وصاف ہو گیا ہوں، اس لیے اب پوری کوشش کرے کہ اللہ عزوجل اور اس کے حبیب ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے، نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرے اور ہر گناہ سے بچے۔

حج مبرور مقبول کی یہی علامت ہے کہ حج کے بعد آدمی کا حال پہلے کی بہ نسبت بہتر ہو جائے یعنی دین کی پابندی، اللہ عزوجل کا خوف، رسول اللہ سے حیا بڑھ جائے۔ ایک بار یہ نعمت ملی ہے دوبارہ ملے یا نہ ملے کون جانے۔

---

(۱) جنت البقیع کا گیٹ فجر کی نماز کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ زائد وقت کے لیے کھلا رہتا ہے، اسی طرح تقریباً ہر نماز کے بعد تدفین کے لیے بقیع کا گیٹ کھلتا ہے، ان اوقات میں حاضری ہو سکتی ہے لیکن اس وقت بقیع کے اندر راستہ بنا دیا گیا ہے اور اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا کہ راستے میں قبریں نہ پڑیں اس لیے باہر ہی کھڑے ہو کر سلام پیش کریں، دعا کریں اور واپس ہو جائیں۔ مشاہدی

مناسک حج ایک نظر میں

حج کا پہلا دن ۸/ ذی الحجہ	حج کا دوسرا دن ۹/ ذی الحجہ	حج کا تیسرا دن ۱۰/ ذی الحجہ	حج کا چوتھا دن ۱۱/ ذی الحجہ	حج کا پانچواں دن ۱۲/ ذی الحجہ
مکہ سے منیٰ کو روانگی	فجر کی نماز منیٰ میں ادا کر کے عرفات کو روانگی	مزدلفہ میں اول وقت، فجر کی نماز کے بعد واجب وقوف، ذکر ودعا۔ سورج نکلنے میں جب دو رکعت ادا کرنے کا وقت باقی رہے تو منیٰ کو روانگی	رمی کرنا زوال کے بعد	رمی کرنا زوال کے بعد
منیٰ میں آج کے دن	ظہر کی نماز عرفات میں پڑھنی ہے	بڑے شیطان کی رمی	پہلے چھوٹے شیطان کی	پہلی چھوٹے شیطان کی
ظہر	وقوف عرفات	پھر قربانی	پھر درمیانے شیطان کی	پھر درمیانے شیطان کی
عصر	عصر کی نماز عرفات میں پڑھنی ہے	پھر سر کے بال مونڈانا یا کتروانا	پھر بڑے شیطان کی رمی کرنا ہے	پھر بڑے شیطان کی رمی کرنا ہے
مغرب	مغرب کے وقت مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ کو روانگی	پھر طواف زیارت کو مکہ جانا	طواف زیارت اگر کل نہیں کیا تھا تو آج کرلیں	طواف زیارت اگر نہیں کیا تھا تو آج مغرب سے پہلے ضرور کرلیں
عشا پڑھنی ہے	مغرب اور عشا کی نمازیں عشا کے وقت مزدلفہ میں ادا کرنی ہیں	رات منیٰ میں قیام	رات منیٰ میں قیام	۱۳/ ذی الحجہ کو اگر قیام کیا تو اس دن بھی تینوں جمروں پر رمی واجب ہے اس کا وقت صبح تا غروب آفتاب ہے مگر قبل زوال مکروہ ہے
رات منیٰ میں قیام	رات مزدلفہ میں قیام کرنا ہے			

نوٹ: اس کے علاوہ حج کے بقیہ دنوں میں روزمرہ کی طرح نمازیں ادا کریں۔ طواف زیارت کا وقت ۱۰/ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۲/ ذی الحجہ کے غروب آفتاب یعنی مغرب تک ہے، طواف زیارت سے رات کے کسی بھی حصہ میں فارغ ہوں تو بقیہ رات قیام کے لیے منیٰ چلے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲] رمی جمرات کے اوقات میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں

روز نامہ ”انقلاب“ ممبئی کی ۱۴/ یا ۱۵/ اپریل کی اشاعت میں ایک مضمون نظر سے گزرا جس کا عنوان ہے: ”رمی جمرات کے اوقات میں تبدیلی لانے پر غور“ جس کے اندر مکتوب تھا کہ ”جمرات پر کنکری مارنے پر جو حوادثات ہر سال ہوتے رہتے ہیں؛ اس لیے سعودی مفتی صاحبان اس پر غور کر رہے ہیں کہ اس کے اوقات میں تبدیلی کر لی جائے۔ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو کنکری مارنے کا وقت بعد ظہر شروع ہوتا ہے اس کو بدل کر نماز فجر کے بعد سے شروع کر دیا جائے، نیز سعودی مفتی صاحبان کا خیال ہے کہ شیطان کو کنکری مارنے کے رکن پر ظہر سے پہلے عمل شروع کرنا اسلامی روایات کے خلاف نہیں ہوگا، توقع ہے کہ آئندہ سال حج سے قبل اس سلسلے میں فتوی جاری کر دیا جائے گا۔

نیز اسی میں لندن کے اخبار ”الحیات“ کے حوالے سے خبر دی ہے کہ اس قسم کے فتوی کی راہ ہموار کرنے کے لیے سعودی علما جو وہابی مکتب فکر کے سخت پابند ہیں آٹھویں صدی کے ابو حنیفہ النعمان کی لچک دار تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے غیر معمولی اقدام کریں گے“۔

یہ پورا مضمون کئی وجہ سے قابل تنقید ہے، ہم اس وقت سر دست اس بات پر روشنی ڈال رہے ہیں کہ کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو کنکری مارنے کا وقت نماز فجر کے بعد مقرر کرنا درست ہے؟ اور کیا حنفی مذہب کے مطابق ایسا کرنا صحیح ہے؟

اول: ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو کنکری مارنے کے وقت کی ابتدا دوپہر ڈھلنے سے ہوتی ہے، اس کے پہلے کنکری مارنا کالعدم ہے؛ اس لیے کہ حج کے ارکان قیاسی نہیں کہ ہم اپنی عقل و منشا کے مطابق اس میں جو چاہیں ردو بدل کریں، حج کے سارے ارکان اور ان کے اوقات من جانب الشرع متعین اور مقرر ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس ﷺ نے جس طرح جس ترتیب اور اوقات کی تعیین کے ساتھ حج فرمایا اسی طرح ہم پر حج کے افعال ادا کرنا لازم ہے، اس کے خلاف کرنے سے حج میں نقص لازم آئے گا۔ اس سلسلے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں ہے:

عن جابر قال: رمى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الجمرة يوم النحر ضحى وأما بعد فإذا زالت الشمس.[1]

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) کو چاشت کے وقت کنکری ماری اور اس کے بعد جب سورج ڈھل گیا تب ماری۔

نیز ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا:

فمكث بها ليالي أيام التشريق يرمي الجمرة، إذا زالت الشمس.[2]

حضور ﷺ نے ایام تشریق میں منیٰ میں قیام فرمایا اور جمرہ پر کنکری مارتے جب سورج ڈھل جاتا۔

اسی کے مطابق صحابۂ کرام کا عمل یہ تھا کہ ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کو زوال کے بعد کنکری مارا کرتے تھے۔

ابوداؤد میں اسی صفحہ پر نیز بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا یہ قول مذکور ہے:

كنا نتحين زوال الشمس فإذا زالت الشمس رمينا.[3]

ہم سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے رہتے، جب سورج ڈھل جاتا تو ہم کنکری مارتے۔

ان احادیث کی روشنی میں چاروں ائمہ مذاہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا متفقہ مذہب یہ ہے کہ ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کو کنکری مارنے کا وقت دوپہر کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس کے قبل وقت نہیں ہوتا۔ کچھ اسلاف کا یہ مذہب ضرور ہے کہ ان

---

(۱) ● الصحيح للبخاری، ج:۱، ص:۲۳۵، كتاب المناسك، باب رمی الجمار، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ٤٢٠، كتاب الحج، باب بيان وقت استحباب الرمی، رقم الحديث: ۱۲۹۹، مجلس البركات.
● السنن لأبی داؤد، ج: ۱، ص: ۲۷۱، كتاب الحج، باب في رمی الجمار، رقم الحديث: ۱۹۷۳.

(۲) السنن لأبی داؤد، ج: ۱، ص: ۲۷۱، كتاب الحج، باب في رمی الجمار، رقم الحديث: ۱۹۷۳.

(۳) ● الصحيح للبخاری، ج:۱، ص:۲۳۵، كتاب المناسك، باب رمی الجمار، مجلس البركات.
● السنن لأبی داؤد، ج: ۱، ص: ۲۷۱، كتاب الحج، باب في رمی الجمار، رقم الحديث: ۱۹۷۳.

دنوں میں قبل زوال بھی رمی صحیح ہے مگر ان حضرات کا قول مرجوح ہونے کی وجہ سے بالکلیہ متروک ہے۔

عہد رسالت سے آج تک پوری امت کا یہی مذہب ہے اور اسی پر عمل ہے، ان دنوں میں رمی جمار کا وقت زوال سے پہلے نہیں ہوتا زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، کسی نے ان تاریخوں میں زوال سے پہلے رمی نہیں کی۔

حضرت امام نووی شافعی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

وأما أيام التشريق فمذهبنا ومذهب مالك وأحمد وجماهير العلماء أنه لا يجوز الرمي في الأيام الثلاثة إلا بعد الزوال لهذا الحديث الصحيح . . . دليلنا أنه ﷺ رمى كما ذكرنا وقال ﷺ لتأخذوا مناسككم. [1]

ہمارا اور امام مالک اور امام احمد اور جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ ایام تشریق (۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ) میں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں، اس حدیث صحیح کی وجہ سے ، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ویسے ہی رمی فرمائی جیسے ہم نے ذکر کیا، اور ارشاد فرمایا کہ "تم لوگ مجھ سے حج کے ارکان سیکھ لو"۔

حتی کہ علامہ ماوردی نے اس پر اجماع کا دعوی فرمایا جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے، اور یہی دیوبندی جماعت کے ممتاز اور معتمد عالم خلیل احمد انبیٹھوی نے بذل المجہود میں لکھا:

فأما بعد ذلك إلى يوم النحر فبعد زوال الشمس أي فرمى الجمار الثلاث بعد زوال الشمس، وهذه المسئلة مجمع عليها. [2]

یوم نحر (دسویں تاریخ) کے بعد تینوں جمرات کی رمی سورج ڈھلنے کے بعد ہے اور اس پر اجماع ہے۔

قرن ثانی میں اس مسئلے میں کچھ اختلاف تھا مگر اس کے بعد احادیث صحیحہ کی بنا پر پوری امت کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو قبل زوال رمی جائز نہیں ، اور حضرت علامہ ماوردی کے دعوی اجماع کا حاصل یہی ہے۔

رہ گیا احناف کا مذہب وہ بھی صحیح، مختار، مفتی بہ یہی ہے کہ گیارہویں، بارہویں کو قبل زوال رمی جائز

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم ابن الحجاج على هامش الصحيح مسلم، ج: ۱،ص: ٤٢، كتاب الحج، باب بيان وقت استحباب الرمي، مجلس البركات.

(۲) بذل المجهود شرح سنن أبي داود، ج: ۳،ص: ۱۷۹، كتاب الحج، باب في رمى الجمار.

نہیں، ان دنوں میں رمی کا وقت بعد زوال ہے، سارے متون میں یہی مذکور ہے۔

قدوری میں ہے:

فإذا زالت الشمس من اليوم الثاني من أيام النحر رمى الجمار الثلاث (إلى أن قال) فإذا كان من الغد رمى الجمار الثلاث بعد زوال الشمس.[1]

یوم نحر کے دوسرے دن جب سورج ڈھل جائے تو تینوں جمار پر کنکری مارے ایسے ہی اس کے دوسرے دن زوال شمس کے بعد کنکری مارے۔

اور یہی فتاوی خانیہ، ہدایہ، کنز، تنویر الابصار، نور الایضاح وغیرہ سارے متون میں ہے۔

ہمارا اصل مذہب وہی ہے جو متون میں مذکور ہے، اور یہی ہمارے علمائے احناف کا مختار مفتیٰ بہ ہے، جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے۔ ہاں! ایک روایت ضعیف حضرت امام حسن سے تو یہی ہے کہ ۱۲/ تاریخ کو بعد زوال رمی کی جائے، لیکن اگر کسی نے قبل زوال کر لی تو کافی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

فی المشهور من الرواية.[2]

اس کے تحت عنایہ میں ہے:

احتراز عما روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه إن كان من قصده أن يتعجل في النفر الأول فلا بأس بأن يرمي في اليوم الثالث قبل الزوال وإن رمى بعده فهو أفضل.[3]

(مشہور کی قید) اس سے احتراز ہے، جو امام حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی کہ اگر اس کا قصد یہ ہے کہ نفر اول میں جلدی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ تیسرے دن زوال سے قبل رمی کر لے، اور اگر زوال کے بعد رمی کرے تو افضل ہے۔

مگر اس روایت کو ہمارے علمانے دو طرح مرجوح قرار دیا:

---

(۱) مختصر القدوری، ص: ۹۹.

(۲) الهداية، كتاب الحج، باب الإحرام، ج: ۱، ص: ۲۳۲، مجلس بركات، مبارك پور.

(۳) العناية، ج: ۲، ص: ۳۹۳.

اول جو متون میں ہے وہ ظاہر مذہب ہے، اور یہ روایت نوادر میں سے ہے۔ روایت نوادر کے مقابل ظاہر مذہب کو ترجیح ہوگی۔

ثانی دلیل کے اعتبار سے بھی یہ مرجوح ہے۔ امام ابن ہمام نے اور صاحب عنایہ وغیرہ نے فرمایا کہ حج کے ارکان کی ادائگی کے وقت اور جگہ کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ کی پیروی لازم ہے جس طرح یہ جائز نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے جو رکن جہاں ادا کیا اس جگہ کو تبدیل کیا جائے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ وقت میں تبدیلی کی جائے۔

اور جب قبل زوال رمی کی اجازت مرجوح اور ضعیف ہے تو نہ اس پر فتوی دینا درست اور نہ اس پر عمل جائز۔ در مختار میں ہے:

فعلينا اتباع ما رجحوه وصححوه الفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للإجماع.[1]

ہم پر اسی کا اتباع واجب ہے، جس کی علمانے تصحیح کی، جس کو ترجیح دیا، قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

اس کو آپ یوں سمجھیے جیسے کسی بارے میں حدیث صحیح اور ضعیف متعارض ہوں تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حدیث صحیح کو ترجیح ہوگی اسی طرح اگر کسی امام سے دو روایتیں متعارض ہوں، ایک صحیح دوسری ضعیف تو صحیح کو ترجیح دینا لازم ہے۔ تعجب ہے علماے سعودیہ پر کہ وہ ادنی ادنی سی جرح پر احادیث حسنہ کو بھی ناقابل عمل قرار دیتے ہیں اور یہاں صحیح حدیث کے خلاف اور سارے مذہب کے صحیح قول کے خلاف ایک ضعیف مرجوح روایت پر عمل کرنے کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔ نیز یہ لوگ اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں، حنبلی مذہب بھی یہی ہے کہ ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو بعد زوال رمی کی جائے۔ قبل زوال رمی جائز نہیں۔

مذہب حنبلی کی معتبر کتاب المغنی لابن قدامہ میں ہے:

ولا يرمي في أيام التشريق إلا بعد الزوال فإن رمى قبل الزوال أعاد.[2]

---

(۱) الدر المختار، المقدمة، ج: ۱، ص: ۱۷۷/ ۱۸۰، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) المغني لابن قدامه، ج: ۳، ص: ٤٥٢.

ایام تشریق میں رمی نہ کرے مگر بعد زوال اگر قبل زوال رمی کرے تو لوٹائے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے ایسی کوئی روایت نہیں کہ ۱۲ر کو قبل زوال رمی جائز ہے۔ اس سے ثابت کہ حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ۱۲ر اور ۱۳ر کو قبل زوال رمی درست نہیں بعد زوال ہی رمی ضروری ہے۔

رہ گئے حوادثات کی وجہ سے ارکان حج کے اوقات میں تبدیلی کسی طرح مسلمان برداشت نہیں کر سکیں گے۔ یہ حوادث برسہا برس سے ہو رہے ہیں مگر سعودی حکومت نے اس کے سدباب کے لیے نہ کچھ سوچا نہ انتظام کیا، مجھے حیرت ہے کہ سعودی حکومت ساڑھے چار سو ریال فی حاجی کس لیے وصول کرتی ہے؟

حوادث کے اسباب میں سب سے بڑا سبب حجاج کی عجلت ہے، نیز حکومت کی لا پرواہی۔ یہ حوادث زیادہ تر دس کو ہوتے ہیں، یا ۱۲ر کو۔ دس کو حجاج کو یہ جلدی رہتی ہے کہ جلد از جلد احرام کھول دیں، حالاں کہ وہ اگر صبر کریں اور احرام کھولنے کے لیے بے چین نہ ہوں تو کوئی حادثہ نہ ہو، یہ ضرور ہے کہ ۱۰ر ذی الحجہ کو زوال سے پہلے پہلے کنکری مار لینا سنت ہے لیکن اس کا وقت غروب آفتاب تک بلا کراہت ہے، بلکہ رات میں بھی اگر عذر کی بنا پر کنکری ماریں تو کراہت نہیں۔

اسی طرح ۱۲ر ذی الحجہ کو اگر وہ مکہ واپس ہوں تو جلدی نہ مچائیں تو کوئی حادثہ نہ ہو۔ اس سلسلے میں حکومت پر لازم ہے کہ وہ جمرہ پر بہت مستعد اور چاق و چوبند فوجیوں یا شرطیوں کو متعین کرے اور ان کی مقدار بھی معتدبہ ہو، جو بھیڑ پر قابو پا سکیں، ایک اندازہ لگالیں کہ بیک وقت ایک جمرے پر کتنے آدمی کنکری مار سکتے ہیں اتنی ہی آدمیوں کو وقفے وقفے پر جمرہ پر جانے دیں تو کوئی حادثہ نہ ہوگا، اس طریقے پر مزید غور کر کے مناسب اقدام کیا جائے۔ پھر جب علما نے تصریح فرمادی کہ اگر دن میں کسی عذر کی وجہ سے ۱۲ر ذی الحجہ کو کنکری نہیں مار سکا تو رات میں بلا کراہت جائز ہے، زیادہ سے زیادہ یہی نہ ہوگا کہ ۱۳ر ذی الحجہ کو منی میں پھر رہنا پڑے گا تو اس میں کیا حرج ہے، ایک دن مزید رک جائیں، ۱۳ر ذی الحجہ کو بعد زوال کنکری مار کر مکہ واپس آئیں۔ یہ عمل بلا شبہ سنت و شریعت کے مطابق ہوگا لیکن اگر بالفرض سعودی مفتیوں نے رمی کے وقت میں تبدیلی کی تو یہ دین میں ان کی بے جا مداخلت ہوگی، جسے مسلمان کبھی نہیں برداشت کر سکیں گے۔

دسویں کو توصبح ہی سے کنکری ماری جاتی ہے، اس کے باوجود اس دن بھی حادثے ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع وقت کی تبدیلی مسئلے کا حل نہیں بلکہ انتظام کی درستی یا شریعت کی رخصت کے مطابق تاخیر مسئلے کا حل ہو سکتی ہے۔

مضمون مذکور میں ہے کہ رمی کا وقت بعد ظہر ہے، یہ غلط ہے۔ رمی کا وقت دوپہر کے بعد فوراً ہی شروع ہو جاتا ہے اگر کسی نے نماز نہیں پڑھی، دوپہر ڈھلتے ہی فوراً رمی کر لی تو صحیح ہے، اسی طرح اس میں یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ آٹھویں صدی کے امام ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ حضرت امام اعظم دوسری صدی کے امام اور تابعی ہیں۔ واللہ تعالی اعلم

[۴] عرفات میں ظہر کے ساتھ عصر، یا مزدلفہ میں عشا کے وقت میں عشا کے ساتھ مغرب پڑھنا قضا نہیں ادا ہے

مسئلہ — حج کے ارکان میں عرفات و مزدلفہ کے میدان میں حاجیوں کو دو وقت کی نماز (عصر و مغرب) قضا کرنا پڑتا ہے عرفات کے میدان میں دو وقت کی نماز قضا کرنا اس لیے پڑتا ہے کیوں کہ ہمارے آقا و مولی رسول اللہ ﷺ کیے تھے سائل ان مسائل کی جانکاری کی وجہ سے ایک مولانا صاحب کی تقریر سن کر ان باتوں پر شک کرتا ہے کہ یہ باتیں صحیح ہیں کہ نہیں؟ لہذا سائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں مطمئن فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد سمیر الدین انصاری، بھوانی پور، دھنباد، بہار

۱۰ر صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

عرفات کے میدان میں ظہر و عصر قضا نہیں کی جاتی بلکہ مقام عرفات میں ظہر و عصر دونوں نمازیں ملا کر پڑھی جاتی ہیں۔ یوم عرفات میں نماز عصر کا وقت اس شخص کے لیے جو امام کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے ظہر کے بعد متصلاً ہے۔ یہ قضا کرنا نہیں ہوا بلکہ نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا ہوا۔

اسی طرح مزدلفہ میں مغرب کا وقت مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشا کا وقت ہے اس لیے یہ بھی قضا کرنا ہرگز

نہیں ہو سکتا، ہاں! عرفات میں اس شخص کے لیے جو امامِ حج کے ساتھ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس کے لیے یہ مسنون ہے کہ عصر بھی ظہر کے وقت میں پڑھ لے۔ ظہر ہی کی جماعت کے ساتھ متصلا۔ اس کے لیے اس دن شرط مذکور کے ساتھ ظہر ہی کا وقت عصر کا بھی وقت ہے۔ یہ نماز قضا کرنا نہیں بلکہ اپنے وقت میں پڑھنا ہے جو خاص اس دن چند شرائط کے ساتھ اور دنوں کے وقت سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اسی طرح عرفات میں مغرب کی نماز نہ پڑھنا قضا نہیں بلکہ اس دن مغرب کا وقت ہٹا کر اس شخص کے لیے جو مزدلفہ جائے عشا کا وقت کر دیا گیا ہے، یہ نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عرفات میں مغرب پڑھے یا راستہ میں پڑھے حتی کہ مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشا کا وقت آنے سے پہلے پڑھے تو گنہ گار ہوگا اس پر واجب ہے کہ عشا کا وقت ہونے کے بعد دوبارہ عشا سے پہلے عشا سے ملا کر مغرب کی نماز پڑھے۔

حاصل یہ نکلا کہ عرفات میں ظہر کے ساتھ عصر ملا کر پڑھنا، یا مزدلفہ میں عشا کے وقت میں عشا کے ساتھ مغرب ملا کر پڑھنا قضا نہیں ادا ہے کہ اس دن ان نمازوں کے اوقات تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴] تمتع یا قران کیا ہے تو شکرانے کی قربانی واجب ہے

مسئلہ - بہار شریعت جلد ششم، ص: ۸۹۰ پر ہے یہ قربانی وہ قربانی نہیں جو بقر عید میں ہوا کرتی ہے کہ وہ تو مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مال دار پر واجب ہے اگرچہ حج میں ہو، الخ

عرض کرنا یہ ہے کہ یہاں سے حجاج کرام پہلے جہاز سے گئے اور طے شدہ پروگرام کے تحت ایام حج کے دوران پندرہ دن سے زیادہ قیام مکہ مکرمہ میں رہا اور ۱۰ر ذوالحجہ کو نصاب کی قیمت کے روپے موجود تھے اگرچہ خرچہ کے لیے تھے آیا ان کی قربانی ۱۰ر ذوالحجہ والی عید کی قربانی ہوئی یا شکرانہ حج کی، اگر عید الاضحیٰ کی ہوئی تو شکرانہ کی قربانی ان کے ذمہ ابھی باقی ہے یا نہیں، اگر ہے تو وہ یہاں قربانی کر کے برادری کو کھلا سکتے ہیں اور جاموس کی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

صوفی شاہد اشرفی، گڑیا براہ سنگریا، گنگانگر، راجستھان

الجواب

ایسی صورت میں اس نے اگر تمتع یا قران کیا ہے تو حج کے شکرانے کی بھی قربانی واجب ہے اور اگر وہ ان

دنوں میں مقیم ہوگیااور حوائج اصلیہ سے نصاب فارغ ہے تواس پر عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے، اسے اختیار ہے کہ وہ یہ قربانی منیٰ میں کرے یااپنے وطن میں کسی کو قربانی کرنے کے لیے وکیل بناجائے اور یہ وکیل اس کے وطن اس کے گھر میں جہاں چاہے اس کی طرف سے قربانی کردے۔ البتہ حج کے شکرانے کی قربانی منیٰ میں ہی ہوناواجب ہے، وہ حدود حرم کے باہراور کہیں نہیں ہوسکتی، ارشاد ہے: هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ. (۱)

کوئی بھی قربانی ہو خواہ حج کے شکرانے کی ہو یا عید الاضحیٰ والی سب میں جاموس [بھینس] جائز ہے، جاموس حقیقت میں بقر ہی کی ایک قسم ہے۔ واللہ تعالی اعلم

یکم صفر ۱۴۱۳ھ

[۵-۱۰] دسویں، گیارہویں، بارہویں ذوالحجہ کی رات منیٰ میں گزارناسنت ہے

مسئلہ- (۱) حدود حرم شریف کا رقبہ کہاں تک ہے؟

(۲) کیامنیٰ، عرفات، مزدلفہ حدود حرم شریف یعنی مکہ معظمہ کی حد میں شامل ہیں؟

(۳) مکہ معظمہ میں پندرہ دن سے زیادہ قیام کرنے پر نماز قصر نہیں ہے تو منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں بھی قصر نہیں ہے۔ فرض نماز پوری پڑھنی ہوگی کیوں کہ منیٰ، عرفات، مزدلفہ حدود مکہ معظمہ میں ہی ہیں۔

(۴) دسویں گیارہویں بارہویں رات منیٰ میں بسر کرناسنت ہے۔ نہ مزدلفہ میں، نہ مکہ میں، نہ راہ میں، تو جو دس یا گیارہ کو طواف کے لیے گیا، واپس آکر رات منیٰ میں ہی گزاریں؟ اس حکم کے خلاف رات مکہ میں گزار دیں توکیادم، کفارہ، صدقہ دیناہے یانہیں؟

(۵) بارہویں تاریخ کوتینوں جمرے پر رمی قبل زوال کیاتوکسی طرح کاکفارہ ہے یانہیں؟

(۶) اگر منیٰ مکہ معظمہ کی حدود میں نہیں آتا ہے توجو حاجی منیٰ سے آکر مکہ معظمہ میں قربانی، دم، صدقہ کرتے ہیں تواداہوگایانہیں؟

محمد حسین اگوانی، سلامت واڑی روڈ، اودے پور، راجستھان

---

(۱) القرآن الكريم، سورة البقرة، آيت: ۲۸۶-

الجواب

①،②- حدود حرم کے نشان کے لیے مکہ معظمہ کے چاروں طرف ستون نصب ہیں۔اس وقت ذہن میں محفوظ نہیں کہ چہار جانب کتنے کتنے میلوں پر ہیں اور حدود حرم کے قریب ترین گاؤں کا کیانام ہے۔اور نہ اس میں کوئی خاص فائدہ۔عرفات، مزدلفہ حرم کے حدود سے باہر ہیں۔ منیٰ حدود حرم میں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

③ مکہ معظمہ میں پندرہ دن قیام کے بعد بانوے کیلو میٹر کے اندر جہاں کہیں بھی جائے گا نماز پوری پڑھے گا، حدود حرم اور غیر حدود حرم کی تخصیص نہیں۔ مدار کار مقدار مسافت ہے۔ کہیں بھی پندرہ دن قیام کرنے کے بعد وہاں سے کسی اور جگہ جائے تو اگر جہاں جانا مقصود ہے اس کی مسافت بانوے کیلو میٹر یا اس سے زائد ہے تو اس آبادی سے نکلتے ہی اس پر قصر واجب ہے اور اگر جہاں جانا ہے وہ جگہ بانوے کیلو میٹر نہیں تو قصر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

④ دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ کو اگر کسی نے منیٰ میں رات نہیں گزاری کہیں اور گزاری تو سنت کا تارک ہوا مگر اس پر دم نہیں۔ دم مخصوص ہے حج کے واجبات میں سے کسی کے چھوڑنے کے ساتھ۔ سنت کے ترک پر دم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑤ کفارہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑥ حج اور عمرہ کی قربانیاں یوں ہی اعمال حج کی غلطیوں پر جو دم واجب ہوتا ہے ان سب جانوروں کو حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ حدود حرم سے باہر کرے گا تو صحیح نہ ہوں گی۔ خاص منیٰ میں ہونا ضروری نہیں۔ اس لیے اگر قران، تمتع کی قربانیاں یا دم کے جانور منیٰ کے باہر مکہ معظمہ میں ذبح کیے تو بھی صحیح ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ

[۱۱] حجاج کا کسی کو قربانی کا وکیل بنانا جائز ہے

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں:

حجاج کرام منیٰ پہنچ کر قربانی کا پیسہ وہاں کی کمیٹی کے حوالے کر دیتے ہیں اس شرط پر کہ میرے نام قربانی

کر دیجیے گا، کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

سرفراز احمد، محلہ پرانی بستی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی
۲۴ر اگست ۱۹۸۶ء

الجواب

یہ تو جائز ہے کہ قربانی کرنے کا کسی کو وکیل کر دیا جائے، اس میں ادنی کراہت بھی نہیں اور یقیناً حجاج کے لیے اس میں آسانی بھی ہے۔ عموماً دسویں ذوالحجہ کو حجاج تھکے ہارے رہتے ہیں پھر رمی جمرہ کی صعوبت کے بعد منیٰ جانا اور جانور خریدنا بڑی ہمت کا کام ہے، اگرچہ حج کا لطف انھیں مشقتوں کے تحمل میں ہے۔ فإن العطایا بقدر البلایا.

نیز یہی سنت بھی ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرے اگر اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو۔ مگر اس کے باوجود اس میں کوئی حرج نہیں کہ کسی دوسرے کو قربانی کا وکیل کر دیا جائے خصوصاً بیمار، کمزور، بوڑھے افراد کو۔ لیکن کمپنیوں کو قربانی کے لیے پیسے دینا احتیاط کے خلاف ہے۔ آج کل خدا کا خوف دلوں سے نکل چکا ہے، ہر جگہ بد دیانتی پھیلی ہوئی ہے، کیا معلوم کمپنی والے کیا کریں گے؟ ہزاروں روپیوں کے صرف اور سیکڑوں صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد تھوڑی سی آسانی کے لیے کیوں ایسا کام کیا جائے جس سے ایک عبادت مشتبہ ہو جائے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۲-۱۵] بارہویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت بعد زوال شروع ہوتا ہے

مسئلہ- ❶ عمرہ میں طواف وسعی کے بعد صرف تحلیق یا تقصیر رہ جاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ معتمر طواف وسعی کے بعد اپنا یا کسی دوسرے محرم کا بال کاٹ سکتا ہے؟ اگر عورت کا کوئی محرم نہ ہو تو وہ خود اپنا بال یا اس کا شوہر احرام کی حالت میں جب کہ وہ طواف وسعی سے فارغ ہو چکا ہے کاٹ سکتا ہے؟

❷ ۱۲ر ذی الحجہ کو رمی کا وقت بعد زوال شمس شروع ہوتا ہے۔ رمی کے بعد اسی دن حجاج کو مکہ شریف واپس ہونا پڑتا ہے اگر زوال کے بعد رمی کی جائے تو دور حاضر میں کثرت ازدحام کے سبب زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے بلکہ کتنی موتیں واقع ہو جاتی ہیں جیسا کہ عام مشاہدہ ہے، ان خطرات سے بچنے کے لیے عام طور پر

لوگ صبح سے رمی کرنے لگتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ

(الف) جو رمی قبل زوال ہوتی ہے اس سے واجب ساقط ہوگا کہ نہیں؟

(ب) اگر جواب نفی میں ہو تو کیا دم لازم آئے گا؟

(ج) اگر رمی ادا ہو گئی تو کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی قول صبح صادق سے وقت شروع ہو جانے کے بارے میں منقول ہے؟ اگر کوئی قول مرجوح اور غیر مفتیٰ بہ ہو تو کیا عند الضرورہ اس پر عمل ہو سکتا ہے؟ اگر ائمہ کرام کا ابتداے وقت میں اختلاف ہو تو اسے بھی واضح فرمادیں۔

۳ حدود میقات (جیسے جدہ) میں رہنے والے اگر عمرہ کرنا چاہیں تو کیا میقات کے اندر (جدہ) سے احرام باندھ کر عمرہ کریں گے؟

۴ یہ جو کتابوں میں مذکور ہے کہ سر کے بال کی ایک چوتھائی کی تحلیق یا تقصیر واجب ہے تو کیا اس سے سر کے پورے بال مراد ہیں یا سر کے کسی ایک حصہ کا ایک چوتھائی بال منڈا لیا جائے (جیسے اخیر میں سر کا مسح) تو واجب ادا ہو جائے گا؟ بینوا توجروا

غلام یسین، گلاس اسٹور، ناگپور، ایم پی

الجواب

۱۔ معتمر سعی سے فارغ ہونے کے بعد خود اپنا بال بھی تراش سکتا ہے، یا مونڈ سکتا ہے، اور دوسرے معتمر کا بھی۔ اسی طرح عورت بھی خود اپنا بال تراش سکتی ہے۔ عامہ کتب فقہ میں فرمایا: ثم قصر أو حلق. (ترجمہ) پھر اپنا بال کترے یا مونڈے۔

اس میں ضمیرِ فاعل کا مرجع خود محرم ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ خود اپنا بال تراش سکتا ہے یا مونڈ سکتا ہے۔

بہار شریعت میں ہے: جب احرام سے باہر ہونے کا وقت آگیا تو اب حرم اپنا یا دوسرے کا سر مونڈ سکتا ہے اگرچہ یہ دوسرا بھی محرم ہو۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ۱۲ویں ذی الحجہ کو بر بنائے مذہب صحیح مفتیٰ بہ اور مشہور رمی کا وقت بعد زوال ہی شروع ہوتا ہے۔ چوں کہ لوگ ۱۲ کو بھاگنے میں جلدی کرتے ہیں؛ اس لیے بھیڑ میں پڑ کر مشقت اٹھاتے ہیں۔ اگر لوگ جلدی نہ

(۱) بہار شریعت، جلد اول، حصہ ششم، ص: ۱۱۴۲، مکتبۃ المدینۃ.

مچائیں عصر کے وقت تک انتظار کریں تو بہت آسانی ہوجاتی ہے یا اگر بالفرض بعد عصر بھی بھیڑ ہو تو بعد مغرب رمی کریں۔ اس وقت قطعاً بھیڑ نہیں ہوتی۔

امام حسن بن زیاد کی روایت سے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا ایک قول مروی ہے کہ جو شخص ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ آنا چاہتا ہو وہ طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے پہلے رمی کر سکتا ہے۔

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

احتراز عن ما روى الحسن عن أبي حنيفة أنه إن كان من قصده أن يتعجل في النفر الأول، فلا بأس بأن يرمي في اليوم الثالث قبل الزوال ، وإن رمى بعده فهو أفضل، وإن لم يكن ذلك من قصده لا يجوز أن يرمي إلا بعد الزوال.[1]

مگر یہ روایت ضعیف ہے، اس پر عمل جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس پر دم وغیرہ واجب نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

❸ ہاں ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ جہاں ہیں وہیں سے احرام باندھیں، ویسے ان کو اجازت ہے کہ حرم کے باہر حل میں کسی جگہ سے احرام باندھ لیں۔ واللہ تعالی اعلم

❹ اس سے مراد سر کے کسی بھی حصہ کی چوتھائی ہے یعنی اگر سر کے کسی حصے کی چوتھائی مونڈ دی خواہ اگلے حصے کی چوتھائی یا پچھلے کی، یا داہنے، یا بائیں تو واجب ادا ہو گیا۔ اسی طرح سر کے کسی بھی چوتھائی حصے کے بالوں میں سے انگلی کے پور کے برابر کتر لیا تو واجب ادا ہو گیا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ کل بالوں کی چوتھائی۔ واللہ تعالی اعلم

۱۰/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۰ھ

[۱۶-۱۸] قربانی کے بعد فوراً بال مونڈانا ضروری نہیں

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ منیٰ میں بعض خیموں میں جب آگ لگ گئی تو گھبرا کر بچاؤ کے لیے بعض حجاج تتر بتر ہو گئے اور

---

(۱) العناية شرح الهداية، ج: ۲، ص: ۳۹۳، باب الإحرام.

❶ ان میں سے بعض حاجی جو قربانی کر چکے تھے لیکن سر نہیں منڈوایا تھا مکہ آکر سر منڈوایا اور سعی وطواف کیا۔

❷ ان میں سے بعض حاجی ایسے بھی تھے جنھوں نے نہ قربانی کی تھی اور نہ ہی سر منڈوایا تھا مکہ چلے آئے اور دوسرے دن منیٰ واپس چلے گئے اور تیسرے دن قربانی کی اور سر منڈوایا۔

❸ ان میں سے بعض حاجی ایسے بھی تھے جنھوں نے سرے سے قربانی اور سر منڈوانے کا کام منی میں نہیں کیا۔

مندرجہ بالا حالت میں کیا شرعی قباحت پیش آئی؟ اور شرعی نقص کی حالت میں کیا صدقات یا کفارہ ہیں تاکہ آیندہ ان صورتوں سے بچا جا سکے؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

حاجی عبد الحکیم، ریوڑی تالاب، وارانسی

الجواب

❶- یہ واجب ہے کہ دسویں ذی الحجہ سے لے کر بارہویں کے غروب آفتاب تک (سر مونڈوائے یا بال کتروائے اور قربانی کرے) دسویں کی رمی کے بعد قربانی کرے اور قربانی کے بعد سر منڈوائے یا بال کتروائے۔ قربانی کرنے اور بال مونڈوانے کی جگہ حرم ہے۔ اندرون حرم کہیں بھی قربانی کرے یا بال منڈائے، واجب ادا ہو جائے گا۔ کسی طرح کا کوئی کفارہ ودم وغیرہ لازم نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کرنے اور سر منڈانے میں چار چیزیں لازم ہیں:

(۱) دسویں ذی الحجہ کی رمی کے بعد ہو۔ (۲) بارہویں ذی الحجہ تک قربانی اور سر منڈانا ہو جائے۔ (۳) اندرون حرم ہو۔ (۴) قربانی پہلے ہو سر بعد میں منڈائے۔ یہ ضروری نہیں کہ قربانی کے بعد فوراً بال منڈائیں اس لیے اگر تاخیر ہو گئی تو کوئی حرج نہیں۔ مذکورہ پہلی دونوں صورتوں میں کوئی دم وغیرہ واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ ان لوگوں نے اگر قربانی اور حلق (سر منڈانا) ۱۲/ ذو الحجہ تک اور حدود حرم میں کیا تو ان پر بھی دم وغیرہ واجب نہیں۔ اور اگر حدود حرم کے باہر کیا یا ۱۲/ ذو الحجہ کے بعد کیا تو ضرور دم واجب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۹ھ

[۱۹] جو شخص مکہ مکرمہ ایسے وقت پہنچا کہ منیٰ کی روانگی میں پندرہ دن سے کم ہے وہ مکہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں قصر کرے گا

مسئلہ — زید ۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ کو بہ سلسلہ حج مکہ مکرمہ پہنچا اور مکہ شریف میں ۲۸/ روز قیام کی نیت کر کے نماز پوری پڑھنے لگا پھر ۸/ ذی الحجہ سے ۱۲/ تک منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں حج کے ارکان کی ادائیگی کے لیے قیام رہا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں نماز قصر پڑھے گا یا پوری پڑھے گا؟

مولانا نعمان خاں قادری، صدر المدرسین الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی، فیض آباد، یوپی

۵/ صفر ۱۴۱۴ھ

الجواب

زید پر منیٰ سے واپسی تک قصر واجب تھا مکہ معظمہ میں بھی اور عرفات و مزدلفہ میں بھی۔

در مختار میں ہے:

فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم يصح نيته لأنه يخرج إلى منى وعرفات فصار كنية الإقامة في غير موضعها و بعد عوده من منى تصح.(۱)

البتہ منیٰ سے واپسی کے بعد اب مسافر نہ رہا مقیم ہو گیا اور پوری نماز پڑھے یہ مسئلہ میں نے اپنے رسالے "مسائل حج و زیارت" میں بیان کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۰] سفر حج میں تجارت کرنے میں حرج نہیں

مسئلہ — زید نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا روانگی سے پہلے یہ قصد کیا کہ ماں کو حج میں اس لیے ساتھ رکھا ہے کہ آتے وقت ماں کے گلے میں پانچ چھ بھری سونے کا ہار ڈال دوں گا اور خود پانچ ٹیپ ریکارڈ اور پانچ چھ سیکو

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج: ۲، ص: ۶۰۶، ۶۰۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية، بيروت.

فائیب گھڑی اس کے علاوہ کچھ الگ سے رقم جمع کر رہا ہوں دوسری اشیا خریدنے کے لیے تا کہ حج کا خرچ اٹھا سکوں لہذا ایسی حالت میں زید کا حج بیت اللہ ہو گا یا نہیں؟

مولانا اختر حسین، چندن بازار، بھدرک، بالاسور، اڑیسہ

الجواب

حج کے لیے جائے اور ساتھ ہی ساتھ تجارت بھی کرے تو کوئی حرج نہیں۔ قرآن کریم میں حج کے دنوں کے بارے میں فرمایا گیا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ[1]

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ ایام حج میں بذریعہ تجارت اللہ کا فضل یعنی روزی تلاش کرو۔ واللہ تعالی اعلم

[۲۱-۲۶] اگر عورت کو سفر حج میں شوہر کے انتقال کی خبر ملے تو کیا کرے

مسئلہ- ایک عورت حج کو گھر سے روانہ ہوئی اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اس کی خبر حسب ذیل مقامات پر اگر پہنچے تو عدت وفات کس طرح گزارے مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

❶ ابھی ممبئی میں تھی، شوہر انتقال کر گیا تو کیا کرے گھر واپس آئے یا حج کے لیے روانہ ہو؟

❷ پانی کے جہاز یا ہوائی جہاز پر سوار ہو چکی تھی اس کے بعد شوہر کے انتقال کی خبر ملی تو پھر عدت کیسے گزارے؟

❸ اگر وہ مکہ معظمہ پہنچی ابھی حج کو کچھ دن باقی ہیں کہ شوہر کے انتقال کی خبر ملی تو حج کر کے واپس آ کر عدت گزارے یا بغیر حج کیے ہوئے عدت گزارنے کے لیے گھر روانہ ہو جائے۔

❹ اگر حج کے خاص ایام میں خبر ملی تو پھر عدت کیسے گزارے

❺ اگر شرعا یہ حکم ہو کہ خبر پاتے ہی مکہ معظمہ سے یا مدینہ منورہ سے گھر واپس آئے لیکن جو محرم ساتھ ہے وہ کہتا ہے کہ ارکان حج و حاضری مدینہ پاک کے بعد مکان روانہ ہوں گا تو کیا عورت بغیر محرم کے واپس آ سکتی ہے؟ اگر آنا چاہے اور حکومت وقت سعودیہ بغیر محرم کے آنے کی اجازت نہ دے تو پھر کس طرح عدت گزارے؟

❻ اگر شرعا یہ حکم ہو کہ جہاں بھی ہو گھر آ کر عدت گزارے مگر حکومت سعودیہ اجازت نہ دے تو پھر اس

(۱) القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۹۸.

کو مجبوراً مکہ معظمہ میں رکنا پڑے گا تو جتنے دن وہ مکہ معظمہ میں گزارے گی وہ دن عدت میں شمار کیے جائیں گے کہ نہیں، یا پھر گھر آکر چار مہینے دس دن عدت گزارے گی؟

امید ہے کہ سوالات مذکورہ کا جواب مفصل دیں گے۔ میں آپ کے جواب کو چھپوادوں اس سے تمام لوگوں کو واقفیت ہو جائے گی؛ اس لیے جواب مدلل مع نام کتاب و باب کے تحریر فرمائیں۔

محفوظ الرحمن، گڑھا، سابر کانٹھا، گجرات

۴ / ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

الجواب

(۱-۶) حکم یہ ہے کہ اگر عورت شوہر کی وفات کے وقت اپنے سکونتی مکان میں نہیں تھی تو اس پر واجب ہے کہ فوراً بلا تاخیر شوہر کے اس گھر میں واپس آئے جس میں وہ رہتی تھی۔

درمختار میں ہے: طلقت أو مات وهي زائرة في غيرمسكنها عادت إليه فورا لوجوبه عليها وتعتدانِ في بيت وجبت فيه[۱].

اس کے تحت شامی میں ہے: هو ما يضاف إليهما بالسكنى قبل الفرقة[۲].

مگر یہ کہ واپس آنا ناممکن ہو، اگر آپ غور کریں گے تو آپ کے سارے سوالوں کا جواب اسی سے مل جائے گا۔ اگر ممبئی میں اس کے شوہر کی وفات ہوئی یا شوہر کی وفات کی خبر ملی تو وہ فوراً بلا خیر اپنے اس گھر میں واپس آئے جس میں وہ شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔ بقیہ مقامات سے واپس آنا ناممکن ہے؛ اس لیے کہ اس عورت کے لیے جہاز واپس نہیں ہوگا اور جہاز پہنچ جانے کے بعد نجدی حکومت اس کے اس ٹکٹ پر جو واپسی کے لیے اس کو ملا ہے کسی دوسرے جہاز سے اسے واپس نہیں کرے گی بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ اسی جہاز سے واپس ہو جو اس کے لیے متعین ہے ایسی صورت میں وہ وہیں مقیم رہے گی جب اس کی واپسی کا جہاز ملے اس سے واپس ہو ممبئی پہنچ کر حتی الامکان کوشش کرے کہ جلد از جلد گھر واپس ہو اور یہ عدت شوہر

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۵، ص:۲۲۵، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۵، ص:۲۲۵، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الكتب العلمية، بيروت.

کی وفات کے دن سے شمار کرے گی۔

تنویر الابصار اور در مختار میں ہے:

ومبدء العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور، وتنقضي العدة وإن جهت المرأة بهما أي بالطلاق والموت لأنها أجل فلا يشترط العلم بمضيه[1]. واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۷] بیوی کے حج کی صحت کے لیے شوہر کا حج کرنا ضروری نہیں

مسئلہ- زید کسی مجبوری کی بنا پر حج نہیں کر رہا ہے باوجودے کہ زید مال دار اور روبصحت ہے۔ خوشی خوشی اپنی زوجہ ہندہ کو حج کے لیے بھیجنا چاہتا ہے ایسی صورت میں بغیر شوہر کے حج کیے عورت ہندہ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

محمد منظور احمد، لکڑی ٹال، پی.جی روڈ، جہان آباد

الجواب

بیوی کے حج کی صحت کے لیے شوہر کا حج کر لینا ضروری نہیں ہے اگر شوہر نے حج نہ بھی کیا ہو اور عورت حج کرے تو عورت کا حج ہو جائے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے جب عورت کے ساتھ اس کا شوہر نہیں تو کوئی ذی رحم محرم عورت کے ہمراہ رہے۔ ذی رحم محرم سے مراد ایسا رشتہ دار مرد ہے جس سے اس عورت کا نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۲۸] نس بندی کرانے والا حج کر سکتا ہے

مسئلہ-نس بندی کرانے والا حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

شہادت علی بھندرہ گومو، بکارو، بہار

(۱) تنوير الأبصار و الدر المختار فوق رد المحتار، ج:٥،ص:٢٠٢، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الكتب العلمية، بيروت.

الجواب

کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰؍ صفر ۱۴۱۲ھ

[۲۹] زکات نہ دینے والے کا حج ادا ہو جائے گا

مسئلہ- جس سال کی زکات نہ دی ہو اس پیسے سے حج ہو جائے گا یا نہیں اور حج کے بعد بھی وہ زکات نہیں دیتا ہے تو کیا ایسے شخص کو حج کا ثواب ملے گا یا نہیں اور اس کے لیے شرعی کیا حکم ہے؟ ایسا شخص اگرچہ نمازی ہو مستحق جہنم ہے یا نہیں؟

جناب محمد عمر، محلہ چوہان، جسپور، نینی تال

الجواب

حج ہو جائے گا، فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ البتہ زکات نہ دینے کی وجہ سے ضرور مستحق نار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰؍ محرم ۱۴۱۰ھ

[۳۰] ایام حج میں مناسک حج ادا کرنے سے حج ہو جائے گا

مسئلہ- عرب ممالک کے سلاطین و امارات تیل کی دولت خداداد کو دنیا میں اشاعت دین و نفاذ شریعت محمدی کے بجائے دنیوی، سیاسی مصالح کے مد نظر ذی استطاعت اشخاص کو حج و عمرہ کرانے اور ان کی ضیافتوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ کیا یہ مصرف شرعاً جائز ہے؟ کیا ان لوگوں کا ایسا حج و عمرہ مقبول و معتبر قرار پائے گا۔ یا ان لوگوں کو اپنی ذاتی کمائی سے مکرر حج کرنا لازمی ہے تاکہ فرض ادا ہو؟

عبد العزیز تحصیل دار، ٹیپو سلطان روڈ، رائچور، کرناٹک

الجواب

تیل وغیرہ کی جو آمدنی یہاں ہوتی ہے وہ حکومت کے بیت المال کی ملک ہے کسی بادشاہ، یا حکومت کے

سربراہ کی ذاتی ملک نہیں کہ وہ جہاں چاہے خرچ کرے بلکہ وہ شرعا پابند ہے کہ بیت المال کی رقوم وہیں صرف کرے جو بیت المال کے مصارف ہوں۔

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

ومصرف الجزية والخراج (إلى أن قال:) مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء والمتعلمين والقضاة والعمال ورزق المقاتلة وذراريهم وإلى هنا تمت مصارف بيت المال ثلاثة[1].

اس لیے کسی کو بھی بیت المال کے پیسے سے حج وعمرہ کرانا بیت المال میں تعدی اور اس کے مصرف کے غیر میں صرف کرنا ہے خواہ وہ ذی استطاعت ہو یا مفلس قلاش۔ اسی طرح اس نیت سے کسی کی ضیافت کرنا کہ یہ ہماری برائیوں پر پردہ ڈالے اور ہماری مدح وستائش کرے بھی حرام وگناہ ہے، اس قسم کے لوگوں کو یہ ضیافت بھی حرام اور اس طرح حج وعمرہ کرنا بھی حرام، لیکن جو شخص حرم مکہ میں پہنچ کر عمرہ کے ارکان ادا کر لے، یا ایام حج میں حج کے مناسک ادا کر لے تو اس کا عمرہ وحج اس معنی کر ہو جائے گا کہ وجوب اور فرض ساقط ہو جائے گا۔ اگرچہ مال حرام صرف کرنے کا وبال ساتھ ساتھ ہوگا۔ حج وعمرہ کے قبول ہونے کی بھی امید نہیں۔ لا يقبل الله إلا الطيب[2]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۱] حکومت کی طرف سے نگراں کے طور پر جانے والے حج کر سکتے ہیں

مسئلہ۔ عصر حاضر کی گورنمنٹ حجاج کرام کی نگرانی نیز دیگر ضرورتوں کے لیے جو وفد روانہ کرتی ہے تو کیا اس کے شرکا ادائگی حج میں شامل ہو سکتے ہیں؟ بالتفصیل بہر نوع تحریر فرمائیں۔

ڈاکٹر رضوان انصار، سدھولی، سیتاپور، یوپی

۸ / رجب ۱۴۱۸ھ

---

(۱) تنوير الأبصار والدر المختار فوق رد المحتار، ج:٦، ص:٣٤٨، ٣٤٩، ٣٥٠، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) مسند أحمد بن حنبل، ج:٣، ص:٣٢٨، رقم الحديث: .

الجواب

بلا شبہہ یہ لوگ حج کر سکتے ہیں اور عمرہ بھی کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲؍ محرم ۱۴۲۰ھ

[۳۲] حج فرض ہونے کے بعد تاخیر کرنا گناہ ہے

مسئلہ- زید ایک ٹورز کی نمائندگی کرتا ہے، ٹور والے حج کے لیے ممبر دینے کی وجہ سے حج کے لیے لے جا رہے ہیں جب کہ زید پر خود فرض حج نہیں ہے تو آیا زید حج کے لیے جا سکتا ہے یا نہیں اور جا سکتا ہے تو خود اپنا حج کرے گا یا اپنے ماں باپ کے نام سے اور خود کا حج کرتا ہے تو اس کا حج نفل ہو گا یا فرض، تسلی بخش جواب دے کر مطمئن فرمائیں؟

محمد رفیق رضوی، الیکٹرک کارنر،، محمد علی چوک، آکولہ، مہاراشٹر

الجواب

زید ٹورز والوں کے صرفے سے حج کے لیے جا سکتا ہے کوئی حرج نہیں ادنیٰ کراہت بھی نہیں۔ البتہ اس پر لازم ہے کہ پہلا حج اپنی طرف سے کرے اس لیے کہ یہاں تو اس پر حج فرض نہیں ہو گا کیوں کہ اسے استطاعت نہیں لیکن جب یکم شوال لغایت ۹؍ ذی الحجہ کے مابین مکہ معظمہ پہنچ جائے گا تو اس پر حج فرض ہو جائے گا، نہیں کرے گا تو تاخیر کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہو گا۔ اگرچہ اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے اور اس کا یہ حج، حج فرض ہو گا آیندہ پھر کبھی موقع ملے تو والدین کی طرف سے کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

[۳۳] حج فرض کے بعد حج نفل ممنوع نہیں

مسئلہ- حجاج کرام کی ایک تقریب میں زید نے کہا کہ حج ہر مسلمان پر ایک ہی مرتبہ فرض کیا گیا ہے اور دوسری مرتبہ حج کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کا ذکر صحیح بخاری شریف میں ہے۔

کیا فرض حج کے بعد نفل حج کیا جا سکتا ہے؟

اس بابت کیا فرماتے ہیں علماے دین قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

حاجی ظہیر انصاری

۲۸/اپریل ۱۹۹۹ء

الجواب

حج فرض کے بعد، حج نفل ہرگز ہرگز ممنوع نہیں بلکہ مشروع ہے، صحابہ کرام نے متعدد حج کیے، کچھ صحابۂ کرام ہر سال بلا ناغہ حج کیا کرتے تھے۔ زید نے غلط کہا اس نے غلط مسئلہ بتایا جس کی وجہ سے زید زمین وآسمان کے فرشتوں کی لعنت کا مستحق ہوا۔

حدیث میں ہے: من أفتی بغیر علم لعنته ملائكة السماء والأرض (۱).

نیز اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا اور اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا، ارشاد ہے:

من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار (۲).

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہرگز نہیں فرمایا اور نہ بخاری میں کہیں ہے اور نہ کسی حدیث کی کتاب میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۲۵/محرم ۱۴۲۰ھ

[۳۴] حج کی صحت کے لیے جماعت یا امام شرط نہیں

مسئلہ- سعودی عرب بالخصوص حجاز مقدس میں آج کل نجدیوں اور وہابیوں کی حکومت ہے، کعبہ شریف، مسجد نبوی اور دیگر مساجد کی امامت وغیرہ سب انھیں وہابیوں اور نجدیوں کے قبضہ واختیار میں ہے اور بقول اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "وہابی، نجدی، اور دیوبندی وغیرہ سب کفار ومرتدین کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں"۔ (الملفوظ مکمل، ص:۲۰۱، اور ۲۹۳)

لہٰذا ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو سنی حضرات حجاز مقدس فریضۂ حج ادا کرنے جاتے ہیں

---

(۱) الجامع الصغير للسيوطی، ج:۲، ص:۵۱۷، حرف ميم، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

(۲) الصحيح لمسلم ج:۱، ص:۷، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات.

ان کا حج کس طرح ہوتا ہوگا؟ کیوں کہ ان سنیوں کو اپنی نمازیں انھیں وہابی، نجدی اماموں کی اقتدا میں ادا کرنا ہوتی ہیں اور بقول اعلی حضرت "وہابیوں اور نجدیوں کی اذان اور اقامت و امامت وغیرہ سب باطل ہیں"۔ (الملفوظ مکمل، ص:۹۳)

لہذا صورت مسئولہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ حجاز مقدس پر وہابیوں اور نجدیوں کا تسلط ہوتے ہوئے سنی حضرات حج کرنے کی غرض سے حجاز مقدس جائیں یا حضور مفتی اعظم ہند کے فتوے "تنویر الحجہ" پر عمل کرتے ہوئے ارادہ حج اس وقت تک کے لیے ملتوی رکھیں جب تک کہ وہاں وہابیوں اور نجدیوں کی حکومت اور قبضہ ہے؟ براہ کرم اس پیچیدہ اور اہم مسئلہ کا واضح حل پیش کریں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتائیں کہ جو سنی حضرات وہاں حج کرنے جاتے ہیں اور اپنی نمازیں وغیرہ انھیں وہابیوں کی اقتدا میں ادا کرتے ہیں ان کا فریضۂ حج ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟

ڈاکٹر سید اقبال احمد، معظم پور، تلہر، شاہ جہاں پور، یوپی

الجواب

پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے الملفوظ کی جو دو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں کسی میں نجدی کا لفظ نہیں کسی کتاب کی عبارت نقل کرنے میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا خیانت ہے۔

حج ایسی عبادت ہے جس کی صحت کے لیے جماعت یا امام شرط نہیں، اسی لیے یہاں نہ کوئی امام ہوتا ہے، نہ مقتدی۔ بلکہ تمام حجاج اپنے اپنے مناسک تنہا، تنہا ادا کرتے ہیں۔ حج کا رکن اعظم وقوف عرفہ ہے جس میں حجاج اللہ کا ذکر اور استغفار و دعا کرتے ہیں، یہ وقوف تنہا تنہا بھی ہوتا ہے اور اجتماعی طور پر بھی۔ مگر ان میں کوئی امام نہیں ہوتا، نہ ہی کوئی مقتدی۔ اس لیے تنہا، تنہا ایک شخص یا دس بیس اشخاص کے حج کے مخصوص ایام میں مناسک حج ادا کرنے سے حج ادا ہو جائے گا۔

نیز حج صحیح ہونے کے لیے نمازوں کا صحیح ہونا ضروری نہیں بلکہ حج کا صحیح ہونا نماز پر موقوف نہیں اس لیے جو لوگ نجدی اماموں کے پیچھے ایام حج میں نمازیں پڑھتے ہیں ان کا بھی حج ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے مذہب کے کسی مفتی سے پوچھیں کہ ایک شخص حج کرنے گیا حج کے تمام مناسک کما حقّہٗ ادا کیے مگر شامت نفس سے ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی اس کا حج ہوا یا نہیں؟

یہ بالکل حق و درست ہے کہ نجدی امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، آپ لوگوں کے شیخ الاسلام حسین احمد ٹانڈوی صاحب نے اپنے مشہور گالی نامے "الشہاب الثاقب" میں لکھا ہے: "وہابیہ شان رسالت میں انتہائی

گستاخانہ کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے سوا تمام دنیا کے مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں"۔

اس پر امت کا اجماع ہے کہ کسی نبی کی ادنی سی گستاخی کرنے والا کافر ہے، اور کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے اب آپ ہی بتائیں کہ نجدی امام کے پیچھے نماز کیسے صحیح ہوگی، یقینا جو لوگ نجدیوں کے عقائد کفریہ سے واقف نہیں وہ نجدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا التوائے حج کا فتوی جب ظالم نجدی اہل سنت کا قتل عام کر رہے تھے امن وامان غارت تھا اس وقت سے متعلق ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ جب خود مکہ معظمہ میں امن نہ ہو تو حج ملتوی ہے۔ اعتراض کرنے سے پہلے اصل حالات معلوم کر لینا چاہیے۔ واللہ تعالی اعلم

۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۷ھ

[۳۵] حج کی کوئی خاص نماز نہیں جس کے بغیر حج نہ ہو

مسئلہ- اس سال میں ان شاء اللہ حج کے لیے جاؤں گا۔ پیسے جمع کیے اور فارم وغیرہ کی سبھی کاروائی ہو چکی ہے، ہوائی جہاز سے بغداد شریف ہوتے ہوئے حج بیت اللہ کرنا ہے۔ (۱) بزرگوں کے مزار اقدس پر ہاتھ رکھ کر ہاتھ کو چومنا جائز ہے یا ناجائز، اگر ناجائز ہے تو تعظیم ومحبت وعقیدت کی بنیاد پر چومنے کا اور کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

(۲) حرم شریف اور مدینہ شریف میں آج کل وہی بد عقیدہ پیش امام ہوں گے تو ایسے موقع پر حج کی نماز ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی اور ان جگہوں پر پنج وقتہ نماز با جماعت کس طرح پڑھا جا سکے گا؟ میرے ساتھ ضعیف العمر میرے والد محترم بھی ہیں ان کی خدمت کا انتظام دیکھتے ہوئے شریعت کے حدود میں جو بھی پریشانیاں آئیں گی ان شاء اللہ گوارا کروں گا۔ آسان طریقہ نبھ جانے والا از روے شرع بیان فرمائیں۔

میں ایک مرحومہ کی طرف سے حج بدل کے لیے جا رہا ہوں اور انھوں نے اپنی حیات میں ہی مجھے انتخاب کر کے پیسے وغیرہ دیے اور میں نے حج کے لیے پیسے جمع کر دیے اور کاغذی کاروائی بھی ہو چکی ایک صاحب نے مسئلہ بیان کیا کہ آپ نے حج نہیں کیے ہیں تو کیسے حج بدل کے لیے جا رہے ہیں۔ میری حالت یہ ہے کہ میرے اوپر حج فرض نہیں۔ اب ان حالات میں بیان فرمائیں کہ از روے شرع اس حج کے لیے کیا حکم ہے؟

فیض احمد خاں نوری، مخدومی بک ڈیپو، رسول پور درگاہ کچھوچھہ شریف، فیض آباد، یوپی

الجواب

کامل ادب یہ ہے کہ محبوبان بارگاہ کے مزارات کو ہاتھ نہ لگایا جائے، بوسہ نہ دیا جائے، ہمارے گندے ہاتھ منھ اس لائق کہاں کہ ان پاک، طیب، طاہر، نظیف مقامات پر لگائے جائیں کسی بھی جگہ ہاتھ لگا کر اپنا ہاتھ چوم لینا جائز ہے، ناجائز و گناہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حج کی کوئی خاص نماز نہیں کہ اگر وہ نماز نہ پڑھی جائے تو حج ادا نہ ہو، عرفات میں ظہر و عصر جب کہ امام معین کے پیچھے باجماعت ادا کی جائے ایک ساتھ پڑھنے کا حکم ہے تاکہ وقوف عرفہ میں آسانی ہو اور دعا کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے، آپ اپنے خیمہ ہی میں نماز پڑھیں ظہر اپنے وقت میں اور عصر اپنے وقت میں، آپ کے ساتھ جب کہ آپ کے ضعیف والد ہیں تو انھیں لے کر نہ مسجد نمرہ جاسکتے ہیں نہ موقف اعظم میں یوں ہی انھیں خیمہ میں چھوڑ کر آپ تنہا جائیں اور اپنا خیمہ بھول جائیں تو حج کا سارا لطف غارت ہو جائے گا، ماں باپ کی تلاش اور الجھن میں دعا بھی نہ ہو سکے گی؛ اس لیے آسانی اس میں ہے کہ آپ اپنے ضعیف ماں باپ کے ساتھ خیمہ ہی میں رہیں۔ اگر سنی صحیح العقیدہ امام کے ساتھ جماعت مل جائے تو بہتر ورنہ اکیلے نماز پڑھ لیں، البتہ اگر ہو سکے تو بعد عصر ورنہ جس وقت موقع ہو اپنے والدین کو لے کر خیمہ سے باہر کھلے میدان میں جتنی دیر کھڑے رہ کر دعا وغیرہ کر سکیں کریں۔ مزدلفہ میں بھی اپنے ماں باپ کا ساتھ نہ چھوڑیں جہاں جگہ ملے وہیں ٹھہر جائیں جب صبح صادق ہونے کی توپ ہو نماز فجر پڑھ کر وقوف کریں یعنی کھڑے ہو کر دعا وغیرہ پڑھیں اور جب سورج نکلنے میں دو رکعت کی مقدار باقی رہ جائے تو وہاں سے چلیں، کنکری مارنے میں جلدی نہ کریں تجربہ شاہد ہے کہ دن بھر اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ آپ کے ماں باپ جمرہ تک پہنچ نہیں پائیں گے آپ چاہیں تو دن ہی میں کسی وقت کنکری مار آئیں مگر ماں باپ کو رات میں لے جائیں یہی نہ ہوگا کہ احرام دیر تک باندھے رہنا پڑے گا قربانی بجائے دس کے گیارہ کو ہوگی اس میں کوئی حرج نہیں۔

حرم شریف میں نجدی امام کے پیچھے نماز ہرگز ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کہیں اور پڑھیں اپنی نماز الگ اکیلے پڑھیں، اللہ عزوجل آپ کی ہر موقع پر مدد فرمائے گا۔ جملہ مراحل آسان ہوں گے جہاں بھی حاضر ہوں اس کم ترین کا سلام عرض کریں اور ہر موقع اجابت پر دعاے خیر و مغفرت کریں اور یہ درخواست پیش کریں کہ دوبارہ پھر بلائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۶] ارض مقدس مکہ شریف میں یہودی، نصرانی فوجیوں کو لانا حرام ہے

مسئلہ - اپنی موروثی بادشاہت کی بقا کے لیے دشمنان اسلام کی افواج کو مقدس سرزمین عرب پر تعینات کرانا، ان کی امداد کرنا، مکہ معظمہ کی بے حرمتی کو برداشت کرنا ایسے افعال وحرکات کے مرتکبین کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ عبد العزیز تحصیل دار، ٹیپو سلطان روڈ، کرناٹک

الجواب

مسلم اور ابو داؤد میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لأخرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب حتى لا أدع إلا مسلما. (۱)

میں یہود ونصاری کو جزیرۂ عرب سے ضرور ضرور نکالوں گا یہاں تک کہ اس میں صرف مسلمان کو چھوڑوں گا۔ کنز العمال میں بحوالہ مسلم انھیں سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

أخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب. (۲)

یہود اور نصاری کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔

اس ارشاد کے بموجب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے پورے جزیرۂ عرب سے نکال کر باہر کر دیا؛ اس لیے ایسے فوجیوں کو- جو یا تو یہودی ہیں یا نصاری یا ملحد- عرب کی سرزمین کے کسی بھی حصے میں لانا حرام وگناہ ہے، اور اس ارشاد رسول کی خلاف ورزی پھر اس سے بھی زیادہ شرمناک بے حیائی بے غیرتی اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو رسوا کرنے والی یہ مجروحی حرکت ہے کہ ان فوجیوں کی خدمت کے لیے عورتوں کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ان کے لیے شراب اور خنزیر منگایا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک موہوم شبہے کی بنا پر کیا جا رہا ہے کہ صدام حسین کہیں نجدیوں پر حملہ نہ کر دے جب کہ امریکن فوجیوں کے آنے تک صدام حسین نے نہ تو نجدی حکومت پر حملے

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۹٤، كتاب الجهاد والسير، باب اخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب، مجلس البركات.

(۲) مسند البزار، ج: ۱، ص: ۳٤۹، رقم الحديث: ۲۳۰، مسند عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، مما روى جابر بن عبد الله عن عمر.

کی دھمکی دی تھی اور نہ اس کی کسی حرکت سے اس کا شبہہ ہوتا تھا کہ وہ نجدی حکوت پر حملہ کرنا چاہتا ہے، کویت کو لے لینے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے ملکوں کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ کویت کا معاملہ ان سب سے الگ ہے۔

اولاً: ایرانیوں کے زمانے سے لے کر ماضی قریب تک کویت عراق کا حصہ تھا موجودہ شیخ کے باپ دادا نے ترکیوں سے غداری کر کے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اس کے انعام میں انگریزوں نے عراق کا اتنا حصہ کاٹ کر موجودہ شیخ کے باپ دادا کو دیا تھا، ملت کے ساتھ غداری کے انعام میں کسی ملت فروش غدار کو جو کچھ ملے اسے واپس لینے کا حق ہر مسلمان کو ہمیشہ ہے۔

ثانیاً: عراق، ایران کی جنگ کے ایام میں کویت کے شیخ نے عراق و کویت کے مابین ایک متنازعہ حصہ سے تیل کی چوری کی تھی۔ صدام حسین نے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا، کویت کے شیخ نے انتہائی متکبرانہ الفاظ میں انکار کر دیا۔ نیز اس تیل کے چرانے کے بعد عراق کی معیشت کو نقصان پہنچانے کے لیے کویت کے شیخ نے پٹرول کا بھاؤ گرا دیا ایسے چور اور مار آستین کا علاج یہی تھا جو صدام حسین نے کیا۔ نجدی حکومت کو کیا خطرہ تھا کہ اس نے امریکن فوجیوں کو بلا کر ارض مقدس کی حرمت پامال کی۔

خلاصہ یہ کہ نجدی حکمراں کو کسی طرح جائز نہیں کہ وہ ان امریکیوں کو عرب کی پاک سرزمین پر ایک منٹ بھی رہنے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۳۷] کعبۂ مقدسہ میں صرف ایک دروازہ ہے

مسئلہ— خدمت عالیہ میں عرض یہ ہے کہ نعیمی خطبات حصہ سوم، ص:۱۴۱ بعنوان مدینہ منورہ یہ عبارت درج ہے: ”سامعین محترم! آپ بیت اللہ شریف میں کھڑے ہو کر اس میزاب رحمت کو غور سے دیکھیں یہ آگے سے تھوڑا سا جھکا ہوا ہے اور اس کے سامنے خانۂ کعبہ کا جو دروازہ ہے اسے باب مدینہ کہتے ہیں اور اس میزاب رحمت کا رخ بھی جانب مدینہ ہے۔“

مندرجہ بالا عبارت میں میزاب رحمت کے سامنے خانہ کعبہ میں جس دروازے کا ذکر ہے جو باب مدینہ بھی ہے اس دروازے کے متعلق ایک حاجی صاحب کا کہنا ہے کہ میزاب رحمت کے سامنے کوئی دروازہ نہیں ہے۔ خانۂ کعبہ میں ایک ہی دروازہ ہے جو جانب مشرق ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حاجی صاحب کا قول صحیح ہے یا کتاب میں جو مذکور ہے وہ صحیح ہے نیز کعبہ شریف میں کتنے دروازے ہیں اور کس کس سمت میں ہیں اور میزاب رحمت کے سامنے کوئی دروازہ ہے بھی یا نہیں؟

رب قدیر نے حضور کو تقریباً دو مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کا شرف بخشا ہے لہذا حضور سے گزارش ہے کہ اپنے مشاہدہ اور کتب حدیث وفقہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

محمد جابر حسین، خطیب وامام مسجد، مدرسہ نبویہ، نیک اپارٹمنٹ، سامنے سات بنگلہ ممبئ

الجواب

بہتر یہ ہوتا کہ خطبات نعیمی کے مصنف باحیات ہیں انھیں سے پوچھتے۔ کعبۂ مقدس میں صرف ایک دروازہ ہے جو مشرقی دیوار میں وسط سے جنوب کی طرف کچھ ہٹا ہوا ہے جس کا رخ مشرق کی جانب ہے، کعبۂ مقدسہ میں اور کوئی دروازہ نہیں۔ میزاب رحمت جانب شمال ہے، میزاب رحمت کے نیچے یا اس سمت میں کعبۂ مقدسہ میں کوئی دروازہ نہیں۔

پھر خطبات میں ہے: اور اس کے سامنے خانۂ کعبہ کا دروازہ ہے، میزاب رحمت کے سامنے خانۂ کعبہ کے دروازے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میزاب رحمت خانۂ کعبہ کی چھت میں جس دیوار کے اوپر نصب ہے وہ دیوار کعبہ شریف کی جانب شمال آخری حد ہے پھر میزاب رحمت کے سامنے خانۂ کعبہ میں کسی دروازے کے ہونے کا سوال ہی نہیں۔ غالباً خطیب صاحب کی مراد یہاں خانۂ کعبہ سے مسجد حرام شریف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میزاب رحمت کے سیدھ میں کوئی دروازہ ہو جس کا نام باب مدینہ ہو۔ اتنا یاد پڑتا ہے کہ مسجد حرام شریف میں جانب شمال بھی دروازہ ہے اس کا نام کیا ہے یہ ذہن میں نہیں رہا۔ میزاب رحمت کی سیدھ میں پورب جانب کچھ ہٹ کر ایک دروازہ ہے جس کا نام "باب الحزورہ" ہے۔ یہ ذہن میں اچھی طرح یاد ہے۔ یہ ذہن میں یوں محفوظ رہ گیا کہ عہد رسالت میں مسجد حرام کی کوئی چہار دیواری نہیں تھی اور جہاں یہ دروازہ ہے اس کے قریب ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا، شب ہجرت ہجرت کرتے وقت حضور اقدس ﷺ نے کعبۂ مقدسہ پر حسرت بھری وداعی نظر ڈالی تھی اور فرمایا تھا اے کعبہ تو مجھے روے زمین پر سب سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں یہاں سے نہ جاتا۔ باقی دروازوں کے بارے میں کسے ہوش وخیال کہ وہ دیکھتا پھرے کہ کون دروازہ کہاں ہے اور کیا نام ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۶/ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ

فصل في أحكام الطواف

طواف کے احکام

[٣٨] امرأة حاضت عاشرا من شهر ذي الحجة، تطوف أم لا

حضرة صاحب الفضيلة المفتي العلامة محمد شريف الحق الأمجدى - حفظه الله - رئيس قسم الإفتاء بالجامعة الأشرفية بمبار كفور، أعظم جراه

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد فإني أرجو أن تكونوا بفضل الله تعالى في صحة جيدة وهناء موفور، إنكم لا تعرفوننى ولكني أعرفكم معرفة جيدة . أنا من أهل مكة المكرمة ومن مريدى حضرة الشيخ الأكبر العلامة محمد مصطفى رضا خان القادرى البريلوى المفتي الأعظم بالهند - رحمه الله تعالى - و من تلاميذ صاحب الفضيلة العلامة السيد محمد المغربي - حفظه الله - ونرجو من فضيلتكم الجواب على سوال وهو كمايلى :

إن امرأة من حجاج إفريقيا في هذه السنة وقعت ههنا في اضطراب شديد وقلق بالغ قصتها أنها جاءت إلى مكة المكرمة بالطائرة الأولى للحجاج، حسب ذلك كانت الطائرة الراجعة إلى وطنها بإفريقيا في المرحلة الأولى في ١٤/ ذى الحجة، ولكن من سوء حظها أنها حاضت عاشرا من الشهر المذكور، و من عادتها أنها تحيض في كل شهر خمسة أيام، و كان زوجها معها فبذل أقصى جهوده لتبديل تذكرتها وإجازة رجوعها بطائرة في ما بعد، ولكن لم تثمر جهوده، فسأل المعلم عن حكم هذه الصورة فأجاب ''لها أن تطوف في حال الحيض ، ولا حرج فيه فإنها معذورة''. ثم سألت بعض علماء مكة عن حكمها ، فقالوا : ''عليها أن تمكث ثم تطوف بعد أن تطهر من حيضها ثم ترجع إلى الوطن.'' ولكن زوجها لا يستطيع أن يشتري تذكرتين جديدتين لنفسه ولزوجه، فرجعت إلى

وطنها بإفريقية بعد الطواف في حالة الحيض عملا بما قال معلمها . يمكن أن تقع امرأة أخرى في المستقبل في مثل هذه الظروف الشديدة الحرجة فالمسئول من سماحتكم أن ما ذا تفعل؟ إن طواف الزيارة من أركان الحج ، و لاحج بغيره، وهو لا يكون إلا في المسجد الحرام ولا يجوز للمرأة أن تدخله وهي حائض ، فإن لم تحصل لها إجازة الرجوع بطائرة أخرى، ولم تستطع على اشتراء تذكرة جديدة ترجع بها فيما بعد فهل يجوز لها الطواف في تلك الحال ؟ وهل تأثم بالطواف أم لا؟ وهل تجب عليها الكفارة من دم وغيره أم لا؟

عبدالله

محلّة الجياد ، مكة المكرمة.

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

جامدا و مصليا و مسلما

أما بعد، فأخذتني حيرة شديدة بأن علماء مكة لم يحلوا هذه المسئلة ، والأمر هامّ خطير. فإن قال لها عالم أن تطوفي و أنت حائض، ولا حرج فيه كما قال المعلم فهو أثم لأن الحائض لايجوز لها الدخول في مسجد، فضلا عن المسجد الحرام، وكذا القول لامرأة أن تدخل المسجد وهي حائض من المآثم عند الشريعة الإسلامية البيضاء ، ولكن الفقهاء- رحمهم الله - حلوا كل قضية وإن كانت في غاية الصعوبة والإشكال ، فقالوا : يقول لها أحد من العلماء إن طافت امرأة حائض أثمت وعليها أن تذبح بدنة ولكن صح طوافها وتتأدى فريضة الطواف ففي ردالمحتار على الدر المختار :

''نقل بعض المحشين عن منسك ابن أمير حاج : لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا ؟ قالوا: يقال لها: لا يحل لك دخول المسجد وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافك وعليك ذبح بدنة وهذه مسألة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء.''[1]

فعلى هذه المرأة التي ذكرتم قصتها أن تذبح بدنة، وهو كفارة وتتوب إلى الله تعالى

(١)ردالمحتار فوق الدر المختار، ج: ٣،ص: ٥٣٩، كتاب الحج، دار الكتب العلمية، بيروت.

لدخولها المسجد الحرام وطوافها حائضاً ، ويجب ذبح هذه البدنة في الحرم فإن تذبح في وطنها لا تخرج عن الكفارة، ولكن ليس عليها أن تأتي مكة و تذبح نفسها تلك البدنة بل يجوز لها أن توكل أحداً من سكانها يذبحها عنها في الحرم ، و على المعلم الذي قال لها ''طوفی، ولا حرج فيه فإنك معذورة'' أن يتوب فأخبروه بهذا الحكم الشرعي إن لم يكن لكم فيه حرج. والله تعالى أعلم

[۳۹] حالت حیض میں طواف زیارت پر بدنہ واجب ہے

مسئلہ — ۸؍ ذی الحجہ کو منیٰ گئے، ۹؍ ذی الحجہ کو عرفات، غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ آئے اور رات گیارہ بجے عورت حائضہ ہوگئی۔ مزدلفہ سے دس تاریخ کو منیٰ کے لیے روانہ ہوئی۔ منیٰ میں تاریخ ۱۱؍ اور ۱۲؍ کی دوپہر تک رہی۔ ۱۲؍ تاریخ کی شام کو مکہ شریف آگئی اور ۱۴؍ تاریخ کو دہلی کے لیے روانہ ہوگئی۔ اس طرح پانچ دن ہوئے ہیں۔ اب یہ عورت طواف زیارت کب کر سکتی ہے؟

محمد صدیق رضوی نوری، جواہر مارگ، اندور

الجواب

اس عورت پر فرض ہے کہ حیض سے پاک ہونے تک مکہ معظمہ میں رہے۔ طواف صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مسجد حرام کے اندر ہو، حائضہ کو مسجد حرام میں جانا حرام۔ نیز حالت حیض میں طواف سخت ممنوع۔ اور اگر کوئی عورت کل یا چار پھیرے کرے تو کفارہ میں بدنہ واجب ہے۔ اور پاک ہونے کے بعد دوبارہ کرنا واجب ہے اور اگر طواف زیارت نہیں کیا تو حج مطلقاً نہ ہوگا اور یہ عورت شوہر کے لیے کبھی بھی حلال نہ ہوگی جب تک یہ طواف نہیں کرلے گی۔ اس لیے اس پر لازم ہے کہ مکہ معظمہ میں رکی رہے اور پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرکے آئے۔ عورت کی اس مجبوری پر درخواست دینے پر ٹکٹ کی تاریخ کمپنی والے بدل دیتے ہیں پھر ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر حج سے واپسی کی تاریخیں مقرر کی جائیں تاکہ ایسے آزار میں عورت مکہ معظمہ رک سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷؍ شوال ۱۴۱۸ھ

[۴۰، ۴۱] بغیر نیت کے طواف صحیح نہیں

مسئلہ- ❶ ایک عورت حج کے طواف کے وقت ناپاک ہوگئی تو وہ بعد میں طواف کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر واپسی کے وقت ناپاک ہوگئی تو کیا کرے۔

❷ ایک عورت حج کے طواف میں اپنے بیٹے کے ساتھ تھی، اس کا بیٹا بھیڑ میں غائب ہوگیا۔ اس کے گروپ والوں نے اس کو ساتھ لیا۔ اس نے ابھی طواف کی نیت نہیں کی تھی یہاں تک کہ چوتھے پھیرے پر گروپ کے آدمی نے کہا اب چار پھیرے ہوگئے۔ اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

مخدومہ زوجہ محترمہ سید العلما سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ، مارہرہ شریف، خانقاہ برکاتیہ

الجواب

❶- اگر یہ طواف جس کے ادا کرنے کے وقت ناپاک ہوئی، طواف زیارت ہے جو قربانی اور بال منڈوانے یا کتروانے کے بعد دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو فرض ہے، تو پاک ہونے کے بعد طواف کرے۔ اگر واپسی تک ناپاک رہی تو اس پر فرض ہے کہ رکے اور طواف فرض کر کے واپس ہو۔

آج کل ہوائی جہاز کی واپسی کے ٹکٹوں کی تاریخ مقرر ہونے سے دشواری ہوتی ہے لیکن معلم سے یا خود کوشش کر کے اور اپنا عذر بیان کر کے تاریخ تبدیل کرائی جا سکتی ہے۔

خدانخواستہ اگر وہ نہ رکے اور ناپاکی کی حالت میں طواف فرض کرے گی تو گنہ گار ہوگی۔ پھر اگر دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو کیا ہے تو کفارے میں بدنہ ہے۔ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی۔ طواف زیارت حج کا دوسرا رکن ہے اگر اسے نہیں ادا کرے گی تو پورے طور سے احرام سے باہر نہ ہوگی یعنی شوہر کے قریب جانا جائز نہ ہوگا اور جب تک اس کو ادا نہیں کر لیتی ہے حج پورا نہیں ہوگا۔ بے طواف کیے ہوئے اگر گھر آجائے گی تو بھی فرض ہوگا کہ مکہ معظمہ جا کر یہ طواف کرے۔ اور اگر یہ طواف جس کے کرنے کے وقت عورت ناپاک ہوئی، طواف رخصت ہے اور اسے واپس آنا ہے تو معاف اور اگر پاک ہونے کے بعد اتنا موقع مل جائے کہ طواف کر سکے تو اس پر واجب ہے کہ طواف کر کے آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷- یہ چاروں پھیرے کالعدم ہوئے اب سے پھر طواف کی نیت کر کے جدید سات پھیرے کرے۔ طواف صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ بغیر نیت کتنے بھی پھیرے کرے وہ طواف نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۴۲] اگر حالت طواف میں وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر کے بنا کرے

مسئلہ — زید نے بحالت صحت وسلامتی حج بیت اللہ شریف کے لیے درخواست دی منظوری کے کچھ عرصہ کے بعد مسلسل علیل ہو گیا۔ یعنی غلبہ ریح وقطرات کا شکار بن گیا، اس عالم میں صرف نصف گھنٹہ یا کچھ زائد طہارت صغریٰ میں پاک رہنا ممکن ہے اب اگر حالت طواف میں حدث لاحق ہو جائے تو وضو کر کے از سر نو طواف کرے، یا اسی جگہ سے طواف کی بنا کرے جس جگہ حدث لاحق ہوا ہے اور ایسا کرنے سے زید گنہ گار تو نہ ہوگا۔ اور کوئی جرم عائد تو نہ ہوگا؟

عبد الکریم، محلہ اسٹیشن، مکرانہ، راجستھان

الجواب

جب زید نصف گھنٹہ یا اس سے زائد کچھ دیر اس طرح گزار سکتا ہے کہ نہ ریح خارج ہو، نہ پیشاب کا قطرہ آئے تو وہ معذور نہیں۔ ریح خارج ہونے یا پیشاب کا قطرہ آنے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ یہ پہلے اس بات کی کوشش کرے کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے کہ اس میں تخفیف ہو مثلاً پیشاب کے قطرات روکنے کے لیے سوراخ میں روئی بھر لیں یا لنگوٹ استعمال کریں بہر حال حالت طواف میں اگر اس کا وضو ٹوٹ جائے گا تو طواف چھوڑ کر فوراً وضو کرے اور جتنا طواف کر چکا تھا وہ شمار ہوگا اسی پر بنا کر کے بقیہ طواف کرے مثلاً چار پھیرے کرنے کے بعد وضو ٹوٹا تھا تو وضو کر کے پھر تین پھیرے کرے، حالت احرام میں لنگوٹ میں حرج نہیں جب کہ بے سلے ہوئے ہوں۔ سلا ہوا لنگوٹ یا کوئی کپڑا باندھنا، پہننا بہر حال منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷؍ ذو قعدہ ۱۴۱۸ھ

[۴۳] جس طواف کے بعد سعی ہے اس میں رمل سنت ہے

مسئلہ — کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ حج کرنے والے خانۂ کعبہ شریف میں سینہ تان کر چلتے ہیں اور پیر پٹک پٹک کر چلتے ہیں کیوں کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور ﷺ نے اسی طرح سے کیا تھا، تو کیا جو حج کے دوران کعبہ شریف میں سینہ تان کر اور پیر پٹک پٹک کر نہیں چلتے گنہ گار ہوتے ہیں؟ کیا خانۂ کعبہ شریف میں سینہ تان کر چلنے اور پیر پٹک کر چلنے سے نیکی ملتی ہے؟ محمد سمیر الدین انصاری، بھوانی پور، دھنباد، بہار

۱۰؍ صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

ہر وہ طواف کہ جس کے بعد سعی ہے اس میں رمل سنت ہے۔ رمل کہتے ہیں کہ جلد جلد چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے شانہ ہلاتے ہوئے سینہ تان کر قوی و بہادر آدمی کی طرح چلے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(ورمل) أي مشى بسرعة مع تقارب الخُطا وهز كتفيه (في الثلاث الأول) استنانا (فقط)[1].

رمل یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے اس لیے اگر کسی نے رمل ترک کر دیا تو اس نے خلاف سنت کیا اس لیے اس کا یہ طواف مکروہ تنزیہی ہوا مگر اس پر کچھ واجب نہیں۔

شامی میں ہے: و ينبغي أن يكره تنزيها لمخالفة السنة (بحر)[2].

اور جس شخص نے رمل کر کے سنت پر عمل کیا اسے ضرور ثواب ملے گا۔ پیر پٹک کر چلنا کہیں منقول نہیں بلکہ یہ ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فصل في أحكام السعي

[۴۴، ۴۵] مسعیٰ کی دوسری منزل پر بھی سعی درست ہے

مسئلہ- ① مسلمان مدینہ منورہ سے عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر مکہ شریف آیا، عمرہ کر کے احرام کھول دیا۔ چند روز وہاں مقیم رہا پھر ۸/ ذی الحجہ کو اس نے خالص حج کی نیت سے حرم مکہ میں احرام باندھا اور حج کے ارکان ادا کیے وہ عند الشرع مفرد ہو گا یا متمتّع؟ بعض علما کا کہنا ہے کہ افراد کے لیے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔ داخل حرم احرام باندھنے سے متمتّع ہو گا، عند الاحناف حقیقت کیا ہے؟

---

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار، ج:۳،ص:۵۱۰، کتاب الحج، دار الکتب العلمیہ، بیروت.

(۲) رد المحتار علی هامش الدر المختار، ج:۳،ص:۵۱۱، کتاب الحج، مطلب في طواف القدوم، دار الکتب العلمیہ، بیروت ،لبنان.

❷ سعودی حکومت نے حجاج کی کثرت اور جگہ کی تنگی کے پیش نظر صفا اور مروہ کے اوپر بھی دوسری منزل کی شکل دیکر مسعیٰ بنادیا ہے جس سے سعی کرنے والوں کو کسی حد تک سہولت ہوگئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوپر کے حصہ میں سعی درست ہے یا نہیں اور اس سے واجب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ شکل ثانی میں اعادہ نہ کرنے کے سبب کیا اس پر دم لازم آئے گا؟

علی محمد رضوی، ناگ پور، بنگالی پنجہ

الجواب

❶- یہ متمتّع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ مسعیٰ سعی کی دوسری منزل پر بھی سعی درست ہے۔ وہاں سعی کرنے سے کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہوگا[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) "جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے" میں ہے:

مسعیٰ کی چھت سے سعی: مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طریقہ سے قریب تر رہیں جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں سعی زمین پر ہی ہوتی تھی، کسی چھت پر نہیں؛ اس لیے جہاں تک گنجائش ملے زمین سے سعی کی پابندی کی جائے۔ ورنہ بلا وجہ طریقۂ سنت کے خلاف عمل ہوگا۔ ہاں! ازدحام یا ساعی کے مرض وضعف کی حالت میں چھت سے سعی بلا کراہت درست ہے۔

چھت سے طواف: اگر مسجد حرام کی چھت سے کعبۂ مقدسہ کا طواف ہو تو فرض طواف ادا ہو جائے گا جب کہ درمیان میں دیوار وغیرہ حاجب نہ ہو۔ لیکن اگر نیچے مطاف میں گنجائش ہے تو چھت سے طواف مکروہ ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا اور چلنا پایا جاتا ہے جو مکروہ ہے۔ ساتھ ہی اس حالت میں طواف، کعبہ سے قریب تر ہونے کے بجائے بہت دور ہو رہا ہے اور بلا وجہ اپنے کو سخت مشقت اور تکان میں ڈالنا بھی ہوتا ہے جب کہ قریب تر مقام سے طواف کرنا افضل ہے اور بلا وجہ اپنے کو مشقت میں ڈالنا منع۔ ہاں! اگر نیچے گنجائش نہ ہو یا گنجائش ہونے تک انتظار سے کوئی مانع ہو تو چھت سے طواف بلا کراہت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. (مرتب غفرلہ)

الباب الثالث في العمرة

[۱] عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کیے بغیر احرام کھول دینے سے دم واجب ہے

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں:

انڈیا کا آدمی زید سعودی میں نوکری کرتا ہے ایام حج میں بنیت زیارت مدینہ شریف گیا، مدینہ شریف سے واپسی میں عمرہ کی نیت کر کے احرام باندھا، دو سو کلو میٹر جانے کے بعد گاڑی خراب ہوئی۔ تین دن رکنا پڑا بھول کر احرام کھول دیا، پھر یاد آنے پر احرام پہنا اور عمرہ کیا اب زید پر شرعاً کیا حکم ہے؟ دم وغیرہ کے لیے اس وقت زید کے پاس کچھ پیسے بھی نہیں بچے تھے؟ بینوا توجروا

سید ظہیر احمد کرناٹک، ۱۷ر جون ۱۹۹۸ء

الجواب

زید پر دم واجب ہے اور اس عمرہ کی قضا بھی۔ ہاں اگر دوبارہ احرام باندھتے وقت اس نے یہ نیت کر لی کہ جو احرام میں نے کھول دیا ہے اس عمرہ کی قضا کروں گا تو جدید عمرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر قضا کی نیت نہ کی تو پہلے عمرہ کی قضا واجب ہے اور دم بہر حال واجب ہے۔ پتہ ہونے اور نہ ہونے کا عذر یہاں قابلِ قبول نہیں، اس وقت دم نہیں دیا تو اب دم دے، حرم میں جا کر خود جانور خرید کر قربانی کرے، یا کسی معتمد آدمی کے یہاں پیسے بھیج دے جو اس کی طرف سے حرم میں بنیت کفارہ قربانی کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ر ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

[۲، ۳] متمتّع بھی حج سے پہلے عمرہ کر سکتا ہے

مسئلہ- ❶ کیا زندہ یا مردہ کے نام پر عمرہ کر سکتے ہیں؟

❷ کوئی حاجی آٹھ ذی الحجہ کے پہلے کسی کے نام سے یا اپنے ہی نام سے عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں، نیز حج کرنے کے بعد مزید عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

ایس ایم رحمن، .K.S.A

الجواب

① - زندہ کے نام سے بھی اور مردہ کے نام سے بھی عمرہ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

② حاجی آٹھ ذی الحجہ سے پہلے بھی عمرہ کر سکتا ہے اور تیرہ ذی الحجہ کے بعد بھی، البتہ بعض علمانے فرمایا ہے کہ: متمتع حج سے پہلے عمرہ نہیں کر سکتا، لیکن یہ صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ متمتع بھی حج سے پہلے عمرہ کر سکتا ہے۔

منحۃ الخالق میں ہے:

وَهَذَا الْمُتَمَتِّعُ آفَاقِيٌّ غَيْرُ مَمْنُوعٍ مِنَ الْعُمْرَةِ فَجَازَ لَهُ تَكْرَارُهَا ؛ لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ أَيْضًا كَالطَّوَافِ ا ھ. وَفِي حَاشِيَةِ الْمَدَنِيِّ أَنَّ مَا فِي اللُّبَابِ مُسَلَّمٌ فِي حَقِّ الْمُتَمَتِّعِ السَّائِقِ لِلْهَدْيِ ، أَمَّا غَيْرُ السَّائِقِ فَلَا ؛ لِأَنَّهُ خِلَافُ مَذْهَبِ أَصْحَابِنَا جَمِيعًا ؛ لِأَنَّ الْعُمْرَةَ جَائِزَةٌ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ بِلَا كَرَاهَةٍ إِلَّا فِي خَمْسَةِ أَيَّامٍ لَا فَرْقَ فِي ذَلِكَ بَيْنَ الْمَكِّيِّ وَالْآفَاقِيِّ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي النِّهَايَةِ وَالْمَبْسُوطِ وَالْبَحْرِ وَأَخِي زَادَهْ وَالْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ وَغَيْرُهُمْ [1]. واللہ تعالیٰ اعلم

[۴-۸] حدود حرم میں احرام باندھ کر عمرہ کرنے سے دم لازم ہے

مسئلہ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مندرجہ ذیل میں فقہ حنفی کے مطابق مطلع کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

① میں اس وقت سعودیہ میں رہ کر اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، احباب، یا کسی مسلمان کی جانب سے بلا اجازت حج یا عمرہ کر سکتا ہوں یا نہیں جب کہ وہ لوگ ہندوستان میں ہیں؟

② کیا مذکورہ اشخاص کے جانب سے حج یا عمرہ کرنے کے بعد ان لوگوں پر حج یا عمرہ لازم ہو جاتا ہے جب کہ ان کے پاس پہلے بھی استطاعت نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہے؟

③ بحالت استطاعت بھی نفل حج یا عمرہ دوسرے سے کرایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

④ عمرہ کے بعد اکثر لوگوں کو دیکھا کہ اپنے سر سے صرف ایک جگہ سے ایک انچ لمبا بال کٹوا لیتے ہیں، کیا یہ درست ہے یا احناف کے مطابق کوئی اور حکم ہے؟ مطلع فرمائیں۔

---

(۱) منحة الخالق على البحر الرائق، ج:٢، ص: ٦٤٢، باب المتمتع، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

⑤ ایک شخص نے حدود حرم میں کسی غیر شخص (عورت) کے لیے احرام باندھ کر عمرہ کر لیا اور مسئلہ بتانے والا دوسرا آدمی ہے اس میں معافی کی گنجائش کہاں تک ہے اور دم کس پر واجب ہوگا صاحب عمرہ، پر یا عمرہ کرنے والے پر، یا مسئلہ بتانے والے پر؟ یاد رہے کہ ان تینوں کا اب اس زندگی میں ایک جگہ جمع ہونا ناممکن ہے۔ کیا روزہ رکھنے سے یا صدقہ کرنے سے اس کی تلافی ہو جائے گی؟

علی احمد، جدہ، سعودیہ

۲۸ر فروری ۱۹۸۰ء

الجواب

① - آپ وہاں رہتے ہوئے کسی بھی مسلمان کی طرف سے حج و عمرہ کر سکتے ہیں خواہ وہ آپ کا رشتہ دار ہو یا نہ، خواہ اس نے آپ کو اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، خواہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔ اس کا حال یہ ہوگا کہ آپ جس کی طرف سے حج و عمرہ کریں گے اسے نفل حج یا نفل عمرہ کا ثواب ملے گا۔ اب اس میں تفصیل ہے کہ جس کی طرف سے حج و عمرہ کیا گیا اس پر حج اگر فرض ہے اور وہ اس کے ادا کرنے پر بھی قادر ہو تو آپ کا یہ حج اس کے حج فرض کے قائم مقام نہ ہوگا۔ ہاں! اگر وہ شخص مر گیا ہو تو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالی آپ کا کیا ہوا حج اس کے حج فرض کے قائم مقام ہو جائے، اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس پر حج فرض ہے مگر وہ اس پر قادر نہیں تو اس صورت میں اس کی طرف سے حج فرض ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ کو اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم دے یا اجازت دے۔ والمسئلة مصرحة فی عامة کتب الفقه۔ **واللہ تعالی اعلم**

② - محض اس بنا پر کہ کسی کی طرف سے کسی نے حج یا عمرہ کر لیا اس پر حج یا عمرہ فرض یا واجب نہیں ہوگا بلکہ ان لوگوں پر اسی وقت حج یا عمرہ فرض یا واجب ہوگا جب ان لوگوں کو استطاعت ہوگی۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔[1] ۔ واللہ تعالی اعلم

③ نفل حج، یا نفل عمرہ استطاعت ہوتے ہوئے بھی دوسرے سے کرایا جا سکتا ہے۔ **واللہ تعالی اعلم**

④ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور حج میں طواف افاضہ کے بعد مردوں کے لیے افضل یہ ہے کہ پورا بال منڈوائیں یا کتروائیں اور کم از کم چوتھائی بال منڈوانا یا کتروانا واجب ہے۔ کتروانے میں یہ ضروری ہے کہ

(۱) القرآن الکریم، سورة البقرة، آیت: ۲۸۶-

انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کتروائیں۔

در مختار میں ہے:ثم قصر بأن يأخذ من كل شعرة قدر الأنملة وجوبا وتقصير الكل مندوب والربع واجب[1].

اسی میں ہے:"حلقه لكل أفضل".[2]

شامی میں ہے:وفي الشرنبلالية : يظهر لي أن المراد بكل شعرة أي من شعر الربع على وجه اللزوم ومن الكل على سبيل الأولوية فلا مخالفة في الإجزاء لأن الربع كالكل كما في الحلق[3].

⑤ اس صورت میں دم عمرہ کرنے والوں پر ہے نہ بتانے والوں پر اور نہ اس پر جس کی طرف سے وہ عمرہ کر رہا ہے۔ بتانے والا البتہ گنہ گار ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ جرم عمرہ کرنے والے کا ہے اور کفارہ مجرم ہی پر ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے کسی کے کہنے سے قتل کیا تو قصاص قاتل پر ہے کہنے والے پر قصاص نہیں، گناہ گار ضرور ہوگا۔

در مختار میں ہے:

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع إلخ. أقول: فكذا المعتمر[4]. والله تعالى أعلم

اس صورت میں دم ہی واجب ہے اس دم کے عوض روزہ یا صدقہ کافی نہ ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم

۹/ جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص:٥٣٤،٥٣٥، كتاب الحج، مطلب في رمي الجمرة، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان۔

(۲) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳،ص: ٥٣٥، كتاب الحج، مطلب في رمي الجمرة، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان۔

(۳) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳،ص: ٥٣٤، ٥٣٥، كتاب الحج، مطلب في رمي الجمرة، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان۔

(۴) الدر المختار، ج:٤،ص: ٣٢، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

[۹] دوسرے کے نام عمرہ کرنا

مسئلہ- ایک شخص حج کرنے گیااور کسی دوسرے کے نام عمرہ کیاجو وہاں موجود نہیں یعنی جس کانام یاد آتا گیاعمرہ کرتا گیاتوکیااس آدمی کاعمرہ ہوجائے گا؟

مانسابازار

۱۴/اگست ۱۹۹۸ء

الجواب

ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴/جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

[۱۰] میت کی طرف سے عمرہ کرناجائز ہے

مسئلہ- میت کی طرف سے عمرہ کرناجائز ہے یانہیں؟

عبدالحلیم، نگرا، چھپرہ، بہار

الجواب

میت کی طرف سے عمرہ کرنابلاشبہ جائز و مستحسن ہے۔ سیدناعبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے حضور اقدس ﷺ کی طرف سے وصال کے بعد کئی عمرے کیے۔ علامہ شامی علامہ تقی الدین سبکی سے ناقل وہ فرماتے ہیں: إن ابن عمر كان يعتمر عنه ﷺ عمرا بعد موته من غير وصية-[۱]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد حضور کی طرف سے عمرے کیاکرتے تھے حالاں کہ حضور نے وصیت نہیں کی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳/رجب ۱۴۲۰ھ

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳ ، ص:۱۵۳، كتاب الجنائز، دار الكتب العلمية، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ ، بيروت، لبنان.

[۱۱] رمضان میں عمرہ کے لیے جانے سے حج فرض نہ ہو گا

مسئلہ- اگر حامد رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر حج کرنا فرض ہو جائے گا؟

محمد رفیع الدین صدیقی، کیراف مفتی تراب الدین صاحب

الجواب

رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے جانے سے حج فرض نہیں ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۲] جس کے نام عمرہ کرنا ہو اس کا نام لے کر نیت کریں

مسئلہ- میں اپنے والدین، پیر اور استاذ کے نام عمرہ کرنا چاہتا ہوں، جب مجھے موقع ملے گا میں حج کے پہلے اور اس کے بعد مکہ معظمہ میں نفل عمرہ کرتا رہوں گا، اس لیے مجھے طواف اور سعی کے بعد بار بار قصر یا حلق کرانا ہو گا یا صرف ایک بار؟ اس لیے کہ میں روزانہ مکہ سے باہر جا کر مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر مکہ میں آؤں گا تو طواف وسعی کرنے کے بعد روزانہ حلق یا قصر کیسے ممکن ہے؟ براہ کرم تفصیلی طور پر جواب دے کر مشکور فرمائیں کہ مجھے اپنے عزیزوں کے نام الگ الگ عمرہ کرنے کے لیے کیا کرنا ہو گا؟

فصیح خان، پاکیزہ بک ڈپو، ڈالٹن گنج، پلاموں، بہار

الجواب

جس کے نام عمرہ کرنا ہو احرام باندھتے وقت اس کی طرف سے نام لے کر نیت کریں، دل میں اس کا پختہ خیال جمائیں اور دعا میں یوں کہیں: اَللّٰهُمَّ أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ عَنْ فُلَانٍ فَيَسِّرْهَا لِيْ وَتَقَبَّلْهَا مِنْهُ۔

احرام کھولنے کے لیے حلق یا قصر ضروری ہے، بال نہ ہوں تو بھی استرہ یا ریزر سر پر پھیرنا ضروری ہے۔ بغیر اس کے احرام سے باہر نہ ہوں گے اس لیے کفایت شعاری اس میں ہے کہ ایک ساتھی دوسرے کے سر پر استرہ یا سیفٹی ریزر پھیر دے بلکہ وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر سیفٹی ریزر پھیر سکتا ہے۔ آپ بڑا عمرہ بھی ضرور کریں اگرچہ دو ایک ہی صحیح۔ وہاں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا ہے، وہاں جو متبرک کنواں ہے اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلی فرمائی ہے اور اس وقت سے اب تک یہ کنواں خشک نہیں ہوا ہے۔ میری درخواست ہے کہ تمام بارگاہوں میں میرا سلام عرض کریں اور یاد رہے تو میرے لیے دعاے مغفرت دخیر کے ساتھ یہ بھی دعا کریں کہ دوبارہ بلایا جاؤں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الباب الرابع في الجنايات

جرم اور ان کے کفارے

[۱] وقوف مزدلفہ چھوٹ جانے سے دم واجب ہے

مسئلہ- چار حاجی مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے، انھیں معلم کا خیمہ نہیں ملا، وہ ٹیکسی پر سوار ہو کر پوری رات مزدلفہ اور اس کے آس پاس خیمہ کی تلاش میں سرگرداں رہے، دس ذی الحجہ کو بوقت ظہر منیٰ میں معلم سے ملے، اس طرح وہ مزدلفہ میں اتر کر وقوف نہیں کر سکے۔ ان پر دم کی قربانی واجب ہے یا نہیں، اگر واجب ہے تو انھوں نے حرم میں نہیں کی اب کیا کرنا چاہیے، یہاں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

صوفی شاہد اشرفی، راجستھان

الجواب

اگر یہ لوگ طلوع فجر سے خوب اجالا ہونے تک بلکہ طلوع آفتاب کے قبل تک مزدلفہ کے حدود میں گزار لیے تو ان کا وقوف مزدلفہ ہو گیا اگر چہ تھوڑی ہی دیر کے لیے گزرے ہوں، اور اگر صبح صادق کے طلوع سے لے کر طلوع آفتاب تک مزدلفہ کے حدود سے باہر رہے، ایک آن کے لیے بھی مزدلفہ کے حدود میں داخل نہیں ہوئے تو ان پر دم واجب ہے، کیوں کہ ان کو وقوف مزدلفہ نہیں ملا۔

شامی میں لباب سے ہے:

وأول وقته طلوع الفجر الثاني من يوم النحر ، وآخره طلوع الشمس منه ، فمن وقف بها قبل طلوع الفجر أو بعد طلوع الشمس لا يعتد به، وقدر الواجب منه ساعة ولو لطيفة[۱].

جن جن صورتوں میں دم واجب ہے، اس کی تفصیل میں تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

---

(۱) رد المحتار على هامش الدر المختار، ج:۳، ص:۵۲۹، كتاب الجنائز، مطلب في وقوف بمزدلفة، دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان.

أو ترك السعي أو أكثره، أو الوقوف بجمع يعني مزدلفة[1].

وقوف مزدلفہ چھوٹ جانے کی وجہ سے جن پر دم واجب تھا اور وہ جب تک مکہ معظمہ میں رہے دم نہیں دے سکے تو اب ان پر واجب ہے کہ کسی کے ذریعے حدود حرم میں ایک بکری، یا بھیڑ یا دنبہ کی اس نیت سے قربانی کریں کہ یہ وقوف مزدلفہ چھوڑنے کا دم ہے۔ انھیں میں ہے:

ويتعين الحرم لا منى، للكل[2]. واللہ تعالیٰ اعلم

یکم صفر ۱۴۱۳ھ

[۲] قربانی سے پہلے سر منڈانے کا حکم

مسئلہ- فرائض حج میں اگر بھول کر قربانی سے پہلے سر منڈوالیں تو کیا کرنا ہوگا؟ از روے شرع مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد رحمت اللہ، پوسٹ بکس نمبر ۲۷۷، المدینۃ المنورہ، سعودی عرب

الجواب

حج تین طرح کا ہوتا ہے ایک **افراد** یعنی حاجی میقات سے صرف حج کا احرام باندھے اس حاجی کو مفرد کہتے ہیں۔ دوسرے **تمتع** یعنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھے مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کر کے احرام کھول دے پھر مکہ سے صرف حج کا احرام باندھے اسے متمتع کہتے ہیں۔ تیسرے **قران** یعنی میقات ہی سے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھے، اسے قارن کہتے ہیں۔ مفرد نے اگر قربانی سے پہلے سر منڈالیا تو اس پر نہ کوئی گناہ ہے، نہ کفارہ ہے، نہ کوئی دم؛ اس لیے کہ مفرد پر قربانی واجب نہیں۔ اگر وہ قربانی نہ بھی کرتا اور سر منڈالیتا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ ہاں! اگر متمتع اور قارن قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیں گے تو ان پر دم واجب ہوگا۔ اس تقدیر پر اس پر دو قربانی واجب ہوگی ایک جنایت کی یعنی ترتیب بدلنے کی، دوسرے تمتع یا قران کی، حضور اقدس

(۱) تنوير الأبصار والدر المختار، ج: ٣، ص: ٥٨٥، ٥٨٦، كتاب الحج، باب الهدي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
(۲) تنوير الأبصار والدر المختار، ج: ٤، ص: ٤٠، كتاب الحج، باب الهدي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

ﷺ نے تمتع فرمایا تھا اور رمی کے بعد قربانی کی تھی پھر سر منڈایا تھا اس سے ثابت ہوا کہ حج کے افعال میں ترتیب واجب ہے۔

در مختار میں ہے:

أو قدم نسكا على آخر فيجب في يوم النحر أربعة أشياء الرمي ثم الذبح لغير المفرد ثم الحلق ثم الطواف لكن لا شيء على من طاف قبل الرمي والحلق نعم يكره "لباب" وقد تقدم كما لا شيء على المفرد إلا إذا حلق قبل الرمي؛ لأن ذبحه لا يجب ويجب دمان على قارن حلق قبل ذبحه دم للتأخير ودم للقران[۱]. والله تعالى اعلم

[۳] قربانی سے قبل سر مُنڈانے پر دم واجب ہے

مسئلہ- زید نے مزدلفہ میں ایک سعودی کو روپیہ دیا کہ کل میری طرف سے قربانی کا بکرا خرید کر کر دینا کیوں کہ قربانی کی جگہ سعودی کے علاوہ باہر کا آدمی نہیں جا سکتا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو زید نے بڑے شیطان کو پتھر مار کر سر منڈا لیا یہ سوچ کر کہ میری طرف سے قربانی کر دی گئی ہوگی۔ اور احرام بھی کھول دیا۔

ارکان حج سے فراغت کے بعد زید کی ملاقات اس سعودی سے ہوئی تو اس نے بتایا کہ میں نے قربانی دسویں ذی الحجہ کے بجائے گیارہویں ذی الحجہ کو کیا ہے۔ ایسی صورت میں زید کا حج ادا ہوا یا دم دینا ہوگا؟

محمد انیس، پنڈول بزرگ، سیتامڑھی، بہار

الجواب

اس صورت میں آپ پر دم واجب ہے۔ یعنی اس کے کفارے میں ایک بکری حرم میں قربان کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰/ ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ

---

(۱) الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۳، ص: ۵۸۸، كتاب الحج/ باب الجنايات، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

الباب الخامس في الحج عن الغير

حج بدل کا بیان

[۱-۵] شرعی حج بدل کی شرطیں

مسئلہ- ❶ حج بدل کا طریقہ کیا ہے؟ مسائل شرعیہ سے آگاہ فرمائیں

❷ میرے والد محترم کا انتقال ہو چکا ہے ان کے اوپر حج فرض نہیں تھا اور نہ ان کی اس قسم کی کوئی وصیت تھی مگر میں اپنا حج کر چکا ہوں اور اب اپنے والد کا حج بدل کرنا چاہتا ہوں۔ حج کی قسموں میں سے کون سی قسم کا حج کروں جس میں ارکان بھی ادا ہو جائیں اور آسانی بھی ہو۔

❸ اس دور میں پہلے کے فلائٹ کے حاجیوں کو پہلے مدینہ شریف بھیج دیتے ہیں اگر میں حج قران کرنا چاہوں تو ائرپورٹ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کر کے احرام کھول دوں یا قائم رکھوں، یا مدینہ شریف سے حج قران وعمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ آؤں

❹ اگر میں حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ ائرپورٹ سے باندھ کر مکہ معظمہ جاؤں اور احرام کی حالت میں مدینہ شریف جاسکتا ہوں یا نہیں کیوں کہ مدینہ شریف میقات کے باہر ہے؟

❺ زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا اور زید حج کرنے جارہا ہے اور اس کی والدہ پہلے اپنا حج کر چکی ہیں ساتھ میں زید اپنی والدہ کو اپنی بیوی کے حج بدل کے لیے لے جانا چاہتا ہے تو زید کی والدہ کس طریقہ سے حج بدل کریں؟

مرد عورت کا اور عورت مرد کا حج بدل کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

حاجی کمال احمد، دلال ٹولہ، جلال پور، امبیڈکر نگر، یوپی

الجواب

❶- شرعی حج بدل کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

(۱) جس کی طرف سے حج بدل کرنا ہے اس پر حج فرض ہو۔ (۲) اس نے حج بدل کرنے کا حکم دیا ہو، اگر اس نے حکم نہیں دیا ہے تو حج بدل نہ ہوگا۔ ہاں وارث مورث کی طرف سے کرے تو اس میں حکم کی ضرورت نہیں۔ (۳) جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے کل مصارف اس کے مال سے ہوں۔ یہ تین اہم شرطیں کسی متوفی کی طرف سے حج بدل کرنے کی ہیں۔ سوال میں نیچے جو صورتیں درج ہیں یہ حقیقت میں حج بدل نہیں، حج کا ایصال ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ آپ اپنے والد صاحب کی طرف سے حج کر سکتے ہیں لیکن چوں کہ یہ ایصال ثواب ہے اس لیے آپ کو اختیار ہے۔ افراد کریں، یا تمتع، یا قران۔ لیکن آسانی تمتع میں ہے۔ آپ کو اختیار ہے عمرہ بھی والد صاحب کی طرف سے کریں، یا حج بھی، یا عمرہ اپنی طرف سے اور حج والد صاحب کی طرف سے مگر اس صورت میں حج، حج افراد ہوگا۔ یعنی دم تمتع اور قران واجب نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ آپ میقات سے پہلے عمرہ کا احرام باندھیں۔ عمرہ کر کے مدینہ طیبہ جائیں۔ مدینہ طیبہ سے مکہ آتے ہوئے قران کا احرام باندھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❹ بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مشقت زیادہ ہے اور احرام میں جو چیزیں ممنوع ہیں ان کے ارتکاب کا خطرہ بہت زیادہ۔ عام طور پر لوگ تہبند باندھنے کے عادی نہیں، باندھتے ہیں تو سلا ہوا تہبند، بے سلا ہوا تہبند کوئی نہیں باندھتا۔ لوگ چادر اوڑھنے کے عادی نہیں، کھجلانے میں بال اکھڑنے کا اندیشہ ہے جس پر کفارہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❺ گزر چکا کہ یہ حقیقت میں حج بدل نہیں ایصال ثواب ہے، احرام کے بعد حج کی نیت کرتے وقت جو دعا کی جاتی ہے اس میں یہ بڑھا دے۔ عن زوجة فلانة، اللهم تقبله عنها۔

دعا یوں پڑھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيْدُ الْحَجَّ عَنْ فُلَانَةَ بِنْتِ فُلَانَةَ فَتَقَبَّلْهُ عَنْهَا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❻ کر سکتی ہے اسی طرح مرد عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؟ واللہ تعالیٰ اعلم

[۶] حج بدل کی شرط کا بیان

مسئلہ— کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے والد صاحب و والدہ صاحبہ نے دو سال

قبل حج کی درخواست دی تھی لیکن منظوری نہیں ہوئی، گزشتہ سال بیماری کی وجہ سے درخواست نہ دی اور امسال حج کے لیے تیار ہیں لیکن اب بھی پیشاب پاخانہ کا ایسا عارضہ ہے کہ اکثر کپڑا خراب ہوجایا کرتا ہے اور کبھی ٹھیک بھی رہتا ہے لیکن پھر بھی جانے کے لیے تیار ہیں۔ البتہ والدہ صاحبہ کمزور ہونے کی وجہ سے ہمت نہیں کرتیں، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ میں یا اور کوئی بھائی ماں کی طرف سے حج کے لیے چلا جائے۔ اگر ایسا نہ ہوسکے تو جو صورت ہو وہ تحریر فرمائیں۔

احسان احمد ولد محبوب حسن، محلہ پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

الجواب

اگر آپ کی والدہ پر حج فرض ہے یعنی ان کی ذاتی ملکیت میں اتنے پیسے ہیں کہ اس سے حج کے سارے اخراجات پورے ہوسکتے ہوں۔ اور واپسی تک جن جن لوگوں کا نان ونفقہ ان کے ذمہ ہے اس کی مقدار رقم بھی ہے تو ان کی طرف سے حج بدل کرنے کی دو بنیادی شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی والدہ کسی کو حکم دیں کہ وہ ان کی طرف سے حج بدل کرے۔ دوسرے یہ کہ حج کے ضروری اخراجات کل یا اکثر آپ کی والدہ کی دی ہوئی رقم سے پورے کیے جائیں۔

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

ويشترط الأمر به أي بالحج عنه فلا يجوز حج الغير بغير إذنه، ومن الشرائط النفقة من مال الآمر كلها أو اكثرها.(۱)

اور اگر آپ کی والدہ پر حج فرض نہیں بلکہ آپ کے والد یا آپ لوگ اپنے پیسوں سے ان کی جانب سے حج کرانا چاہتے ہیں تو بھی یہ ضروری ہے کہ وہ حج بدل کرنے والے سے کہیں کہ تم میری طرف سے حج کرو، یا حج کرنے والا ان سے اجازت لے لے کہ میں آپ کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کہہ دیں، اجازت ہے۔ دونوں صورتوں میں جو بھی والدہ کی طرف سے حج کرنے جائے، جسے والدہ بھیجیں وہ اپنے باپ کی خدمت کے لیے ان کے ساتھ جاسکتا ہے۔

---

(۱) تنویر الأبصار والدر المختار، ج:٤،ص: ١٦، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلمية، بيروت،لبنان.

اور اگر صورت یہ ہے کہ باپ اپنے صرفے سے اپنی خدمت کے لیے کسی لڑکے کو لے جانا چاہتا ہے تو پہلی تقدیر پر جب کہ والدہ پر حج فرض ہو، اس لڑکے کا والدہ کی طرف سے حج بدل نہ ہوگا اگرچہ والدہ اس لڑکے سے کہہ دیں کہ میری طرف سے حج کرنا، اور دوسری تقدیر پر جب کہ والدہ پر حج فرض نہ ہو والدہ کی طرف سے حج درست ہو جائے گا اگرچہ والدایک پیسہ بھی نہ دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۷] حج بدل کب کرا سکتا ہے؟

مسئلہ-اس مسئلہ کے بارے میں مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں کہ: حج بدل کب کرا سکتا ہے؟ اور حج بدل کا حکم کیا ہے؟ اور حج بدل کرنے کے لیے کس شخص کو حکم دے؟

محمد عاشق رضا، متعلم دار العلوم حمایت العلوم، گجپور گرانٹ، اترولہ، گونڈہ

الجواب

جب تک آدمی زندہ ہے اور بیت اللہ شریف تک جانے کی قوت کے ساتھ واپس آنے کا ظن غالب ہو تو حج بدل کرانا صحیح نہیں۔ ہاں جب اتنا کمزور اور بوڑھا ہو جائے، یا ایسا مرض یا معذوری ہو جائے کہ کعبہ شریف تک نہ جا سکے اور دوبارہ استطاعت کا ظن غالب بھی نہ ہو تو حج بدل کرا سکتا ہے۔ (۱) حج بدل کرانے کے لیے کسی کو بھی بھیج سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۸، ۹] ایصال ثواب کے لیے کسی کی طرف سے حج کرنے میں افراد کی شرط نہیں

مسئلہ- ① جمیل اپنے مرحوم عزیز (رشتہ دار) کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہے، تو کیا حج افراد ہی کرنا ضروری ہے؟

② ایک حج کی کتاب میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے تو کیا اس پر عمل کیا جا سکتا ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

---

(۱) در مختار میں ہے: حج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن (بشرط دوام العجز إلى الموت) لأنه فرض العمر حتى تلزم الإعادة بزوال العذر [ج: ٤، ص: ٥٨٨، كتاب المناسك، باب الحج عن الغير، دار الكتب.]

آج کل جس کو حج بدل کہا جاتا ہے اس کے لیے نہ کوئی شرط ہے نہ کسی طرح کی پابندی حتی کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس کے لیے حج کر رہا ہے اس پر حج فرض بھی ہو، یہ حج در حقیقت حج کرنے والے کا ہوتا ہے اور اپنے حج کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچا دیتا ہے فقہ کی اصطلاح میں اس کو اصابت (ثواب پہنچانا) کہتے ہیں۔

تو کیا جمیل اوپر لکھی عبارت پر عمل کرتے ہوئے حج تمتع کر کے اس کا ثواب اپنے مرحوم عزیز کو بخش سکتا ہے؟ از روے شرع خلاف ورزی تو نہیں ہے؟

محمد نصیر الدین، قصبہ ڈاکخانہ، امروہا۔ کانپور، یوپی

الجواب

(①، ②)- حج بدل کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی پر حج فرض تھا اور وہ نہ کر سکا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا اب پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

(الف) شخص مذکور نے وصیت کر دی تھی کہ میری طرف سے حج بدل کرا دیا جائے۔

(ب) شخص مذکور نے وصیت نہیں کی تھی مگر اس کا کوئی وارث اس کی طرف سے اس نیت سے حج بدل کرنا چاہتا ہے کہ اس کا فرض ساقط ہو جائے۔ بہار شریعت حصہ ششم میں اس کی شرطیں مذکور ہیں[1]۔ اس کے لیے

---

(۱) بہار شریعت میں ہے:

حج بدل کے لیے چند شرطیں ہیں:

(۱) جو حج بدل کراتا ہو اس پر حج فرض ہو یعنی اگر فرض نہ تھا اور حج بدل کرایا تو حج فرض ادا نہ ہوا، لہٰذا اگر بعد میں حج اس پر فرض ہوا تو یہ حج اس کے لیے کافی نہ ہوگا بلکہ اگر عاجز ہو تو پھر حج کرائے اور قادر ہو تو خود کرے۔

(۲) جس کی طرف سے حج کیا جائے وہ عاجز ہو یعنی وہ خود حج نہ کر سکتا ہو اگر اس قابل ہو کہ خود کر سکتا ہے، تو اس کی طرف سے نہیں ہو سکتا اگر چہ بعد میں عاجز ہو گیا، لہٰذا اس وقت اگر عاجز نہ تھا پھر عاجز ہو گیا تو اب دوبارہ حج کرائے۔

(۳) وقتِ حج سے موت تک عذر برابر باقی رہے اگر درمیان میں اس قابل ہو گیا کہ خود حج کرے تو پہلے جو حج کیا جا چکا ہے وہ ناکافی ہے۔ ہاں اگر وہ کوئی ایسا عذر تھا، جس کے جانے کی امید ہی نہ تھی اور اتفاقاً جاتا رہا تو وہ پہلا حج جو اس کی طرف سے کیا گیا کافی ہے مثلاً وہ نابینا ہے اور حج کرانے کے بعد انکھیارا ہو گیا تو اب دوبارہ حج کرانے کی ضرورت نہ رہی۔

(۴) جس کی طرف سے کیا جائے اس نے حکم دیا ہو بغیر اس کے حکم کے نہیں ہو سکتا۔ ہاں وارث نے مورث کی طرف سے کیا تو اس میں حکم کی ضرورت نہیں۔

ضروری ہے کہ حج کرنے والا افراد کرے اور میقات سے حج کا احرام باندھے اس میں نہ قران جائز ہے نہ تمتع۔

حج بدل کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی کو ثواب پہنچانے کے لیے اس کی طرف سے حج نفل کریں اس کے لیے کوئی خاص شرط نہیں۔ افراد، قران، تمتع سب کر سکتا ہے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے یہ صرف اسی دوسری صورت کے بارے میں لکھا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

۲ر ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ

[۱۰-۱۲] صاحب استطاعت پر پہلے اپنی طرف سے حج کرنا فرض ہے

مسئلہ- کیا فرماتے ہیں علماے دین مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں

(۱) زید کے والد پر حج فرض نہ تھا نہ انھوں نے بعد انتقال حج بدل کی وصیت کی تھی مگر اب زید برسر روزگار، متمول ہے وہ چاہتا ہے کہ پہلے اپنے والد کے نام کسی سے حج بدل کرائے، پھر اگر اللہ پاک دے گا تو ہم حج کریں گے۔ ایسی صورت میں وہ اپنے بجاے دوسرے سے حج بدل والد کے نام کرا سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۵) مصارف اُس کے مال سے ہوں جس کی طرف سے حج کیا جائے، لہٰذا اگر مامور نے اپنا مال صرف کیا حج بدل نہ ہوا یعنی جب کہ تبرّعاً ایسا کیا ہو اور اگر کُل یا اکثر اپنا مال صرف کیا اور جو کچھ اس نے دیا ہے اتنا ہے کہ خرچ اس میں سے وصول کرلے گا تو ہو گیا اور اتنا نہیں کہ جو کچھ اپنا خرچ کیا ہے وصول کرلے تو اگر زیادہ حصہ اس کا ہے جس نے حکم دیا ہے تو ہو گیا ورنہ نہیں۔

(۶) جس کو حکم دیا وہی کرے، دوسرے سے اُس نے حج کرایا تو نہ ہوا۔

(۷) سواری پر حج کو جائے پیدل حج کیا تو نہ ہوا، لہٰذا سواری میں جو کچھ صرف ہوا دینا پڑے گا۔ ہاں اگر خرچ میں کمی پڑی تو پیدل بھی ہو جائے گا۔ سواری سے مراد یہ ہے کہ اکثر راستہ سواری پر قطع کیا ہو۔

(۸) اس کے وطن سے حج کو جائے۔

(۹) میقات سے حج کا احرام باندھے اگر اس نے اس کا حکم کیا ہو۔

(۱۰) اُس کی نیت سے حج کرے اور افضل یہ ہے کہ زبان سے بھی لَبَّیْكَ عَنْ فُلَانٍ کہہ لے اور اگر اس کا نام بھول گیا ہے تو یہ نیت کر لے کہ جس نے مجھے بھیجا ہے اس کی طرف سے کرتا ہوں اور ان کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں جو ضمناً مذکور ہونگی۔ یہ شرطیں جو مذکور ہوئیں حجِ فرض میں ہیں، حجِ نفل ہو تو ان میں سے کوئی شرط نہیں۔ (ردالمحتار) (بہار شریعت، جلد اول، حصہ: ۶، ص: ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، مکتبۃ المدینہ) (مرتب غفرلہ)

❷ حج بدل کرنے والا اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہے اس کو بھی کچھ ثواب ملے گا کہ نہیں اور کرنے اور کرانے والے کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوں گے یا نہیں؟ اور کتنا ثواب پائے گا؟

❸ جس کی طرف سے گیا اسی کی طرف سے ہر رکن ادا کرے گا یا دونوں کی طرف سے ہر رکن ادا کرے گا۔ مثلاً عرفات، منیٰ، مزدلفہ، جمرات، طواف زیارت، طواف رخصت، صفا و مروہ کی سعی دو دو بار کرے گا یا کیا طریقہ اختیار کرے، اپنے بھی اور جس کی طرف سے گیا دونوں کی طرف سے کیا طریقہ ہوگا؟ تفصیلی مسائل طریقہ حج بدل بیان فرمائیں۔

جناب مولوی اعظم بیگ صاحب، مدرس برکات الانوار، موضع گلولی، تحصیل کالپی، جالون، یوپی

۱۷؍ محرم ۱۴۰۸ھ

الجواب

❶- اگر زید کو حج کرنے کی استطاعت ہے تو اس پر فرض ہے کہ اپنی طرف سے حج کرے، استطاعت کے بعد اگر معاذ اللہ حج نہیں کیا تو اس کے ذمہ فرض رہ جائے گا، اس کی شدید وعید حدیث میں آئی ہے۔ ارشاد ہوا:

فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا[1]. جس پر حج فرض ہوا اور وہ نہ کرے تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيّ عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه.

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صاحب اپنے بھائی یا رشتہ دار شبرمہ کی طرف سے حج کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی لبیک سنی تو دریافت فرمایا تو نے اپنی طرف سے حج کر لیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔[2]

ویسے اگر آپ اپنے والد کا حج بدل کریں گے تو وہ صحیح ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ یقیناً جو شخص حج بدل کرے گا اسے بھی ثواب ملے گا اور جو شخص کرائے گا اسے بھی ملے گا۔ ایسی

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۲۲۲، كتاب المناسك، مجلس بركات.

(۲) أخرجه أبو داؤد في سننه، ص: ۲۵۲، كتاب المناسك، ونصه: عن ابن عباس، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سمع رجلا يقول:: لبيك عن شبرمة، قال: "من شبرمة"؟ قال: أخ لي- أو قريب لي- قال: "حججت عن نفسك"، قال: لا، قال: "حج عن نفسك ثم حج عن شبرمة". (المرتب غفر لهٗ)

کوئی حدیث میرے علم میں نہیں کہ حج بدل کرانے والے کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

③ جو شخص حج بدل کو جائے اس پر واجب ہے کہ اپنی میقات سے پہلے حج کا احرام باندھے، احرام باندھتے وقت نیت میں یہ تصریح کرے کہ میں فلاں شخص کی طرف سے حج کر رہا ہوں، افضل یہی ہے کہ زبان سے لبیك عن فلاں کہہ لے، جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے اس کے وطن سے حج کو جائے اور حج کے سارے ارکان اسی شخص کی طرف سے ایک بار ادا کرے، جو شخص حج بدل کے لیے گیا ہے وہ خود اپنی طرف سے حج کا کوئی رکن ادا نہ کرے، ہاں جو شخص حج بدل کے لیے گیا ہے وہ اپنی طرف سے جتنا چاہے عمرہ کر سکتا ہے لیکن عمرے میں جو اخراجات ہوں گے وہ خود اس کے ذمہ ہوں گے۔ و اللہ تعالی اعلم

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے تو ان کا حج پورا کر دیا جائے گا اور اس کے لیے دس حج کا ثواب ہے۔ (۱)

لیکن جس پر حج فرض ہوا گر وہ خود اپنی طرف سے حج نہ کرے اور اپنے ماں باپ میں سے کسی کی طرف سے کرے تو حج فرض اس کے ذمہ رہ جائے گا اور خدانخواستہ اسی حال میں مر گیا تو آپ وعید سن چکے اس لیے بہر حال استطاعت کے بعد پہلے اپنی طرف سے حج کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[۱۳] عورت اپنے مرحوم شوہر کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے

مسئلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: شوہر کی خواہش تھی فریضہ حج ادا کرنے کی مگر فوت ہو گیا بیوہ اپنے مرحوم شوہر کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے یا نہیں ؟

فیروز رضا صاحب، جامع مسجد فونڈا، گوا

۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

---

(۱) أخرجه الدار قطني في سننه برقم: ۲٦۱۰، كتاب الحج ونصه: عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته، وكان له فضل عشر حجج.

الجواب

ضرور اس کی زوجہ اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے بشرطے کہ اپنے مال سے کرے اور حج کے لیے جائے تو کسی محرم کے ساتھ جائے۔ شوہر نے جو مال چھوڑا ہے وہ شوہر کے وارثین کا ہے، اس میں عورت کا بھی حق ہے اگر متوفی شوہر کی کوئی اولاد ہو تو اس کے ترکہ میں آٹھواں حصہ عورت کا ہے اور اگر کوئی اولاد نہ ہو تو چوتھائی حصہ عورت کا ہے بقیہ شوہر کا تمام ترکہ نقد و جنس، زیور، مکان، دوکان، زمین وغیرہ شوہر کے دوسرے وارثین کا ہے یہ عورت اگر اپنے مال سے اگرچہ وہی مال ہو جو اسے ترکے میں ملا ہے شوہر کی طرف سے حج کرنا چاہتی ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر دوسروں کے حصہ سے حج کرنا چاہتی ہے تو دوسرے وارثین کی اجازت سے کر سکتی ہے بشرطے کہ یہ لوگ عاقل بالغ ہوں اور اگر ان میں کچھ نابالغ یا مجنون یا معتوہ ہوں تو ان کے حصے سے حج بدل کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ ملک غیر میں تصرف ہوگا۔ اور یہ حرام ہے۔

حدیث میں ہے: ألا لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفس منه[1]۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۴] حج کرنے کی اجرت مانگنا حرام ہے

مسئلہ- کوئی آدمی حج بدل کے لیے تیار ہو جائے تو حج کے اخراجات کے علاوہ اس آدمی کے خاندان کا بھی خرچ برداشت کرنا پڑے گا یا نہیں؟

ناشر شاہ

الجواب

یہ حج کرنے والے اور کرانے والے کی صواب دید اور باہمی رضامندی پر ہے۔ اگر حج بدل کرنے والا حج کے اخراجات کے علاوہ اپنے حج میں مصروف رہنے کے دنوں کا اپنے اہل و عیال کے لیے بطریق معروف صرفہ مانگتا ہے تو وہ لے سکتا ہے۔ حرام یہ ہے کہ حج کرنے کی اجرت مانگے۔ واللہ تعالی اعلم

۱۷/ جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۲۵۵، باب الغصب، مجلس البركات. (المرتب غفر لهٔ)

[۱۵] جو شخص حج کر چکا ہوا سے حج بدل کے لیے بھیجنا افضل ہے

مسئلہ- جو مالی اعتبار سے حج کی استطاعت نہیں رکھتا اور ابھی حج بھی نہیں کیا ہے لیکن علم دین رکھتا ہے۔کیا اسے حج بدل کے لیے بھیجنا افضل ہے، یا ایسے شخص کو جو حج تو کر چکا ہے مگر اپنی ضرورت کے مسائل بھی نہیں جانتا۔

صوفی شاہد اشرفی، راجستھان

الجواب

افضل یہی ہے کہ جو شخص حج کر چکا ہے اسی کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے؛ اس لیے کہ بعض علما کے نزدیک اس شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز نہیں جس نے حج نہ کیا ہو اگرچہ صحیح یہ ہے کہ اسے بھی بھیجنا جائز ہے۔مگر اختلاف علما سے بچنا افضل ہے اس لیے اسی کو بھیجے جو حج کر چکا ہے۔

فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص:۶۶۴ پر یہ سوال ہے:

غیر مستطیع جس پر حج فرض نہیں حج بدل کے واسطے مقرر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب ص:۶۶۵ پر ارشاد فرمایا۔اس میں اختلاف ہے اور بہتر احتراز ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

تنویر الابصار اور در مختار میں ہے:

(فجاز حج الصرورة) من لم يحج (والمرأة والعبد وغيره) كالمراهق - وغيرُهم أولى لعدم الخلاف[1].

اس کے تحت شامی میں فتح سے ہے:

والأفضل أن يكون قد حج عن نفسه حجة الإسلام خروجا عن الخلاف، ثم قال: والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسه[2]. واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) تنویر الأبصار والدر المختار ، ج:٤،ص: ٢١، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلميه ، بيروت،لبنان.

(۲) رد المحتار على هامش الدر المختار ، ج:٤،ص: ٢١، مطلب في حج الضرورة، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلميه ، بيروت،لبنان.

[١٦] غیر حاجی کو حج بدل کے لیے بھیجا جا سکتا ہے

مسئلہ- ایک شخص پر حج فرض ہے اور حج کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے، ان کے والد محترم کا انتقال ہو چکا ہے، وہ شخص اپنے والد کے بدلے میں دوسرے کو لے جانا چاہتا ہے تو کیا جس شخص کو لے جانا چاہتا ہے اس شخص کا حاجی ہونا ضروری ہے یا غیر حاجی بھی دوسرے کے بدلے حج کر سکتا ہے؟

سید کمال احمد، مقام و پوسٹ رام چندر پور، آندھرا پردیش

الجواب

غیر حاجی حج بدل کر سکتا ہے لیکن یہ دوسرا شخص جو حاجی نہیں اور حج بدل کرے گا اس پر خود ایک قول کی بنا پر حج فرض ہو جائے گا اگرچہ راجح مختار یہی ہے کہ اس پر اپنی طرف سے حج کرنا فرض نہ ہو گا مگر اختلاف علما سے بچنا بہتر ہے، اس لیے افضل یہی ہے کہ ایسے شخص کو لے جائے جو حج فرض کر چکا ہو پھر اگر ایسے شخص کو لے گیا جس نے حج نہ کیا ہو تو حج بدل ہو جائے گا اور بر بنائے قول صحیح اس پر اس کی بنیاد پر حج بھی فرض نہیں ہو گا۔ ہاں! ایسے شخص کو نہ لے جائے جس کے ذمہ خود حج فرض ہو کہ ایسے شخص کو حج بدل کے لیے لے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (١) واللہ تعالیٰ اعلم

١٦/ ذو قعدہ ١٤٠٢ھ

[١٧] باپ دادا کی طرف سے حج بدل کرانے اور مسجد یا مدرسہ بنوانے کا اختیار ہے

مسئلہ- دو آدمی سامنے آئے جو اپنے والد یا اپنے دادا کے نام پر حج کرانا چاہتے ہیں کچھ لوگ ان کو یہ

---

(١) ردالمحتار میں ہے: ذكر في البدائع كراهة إحجاج الضرورة؛ لأنه تارك فرض الحج . ثم قال في الفتح بعد ما أطال في الاستدلال : والذي يقتضيه النظر أن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم؛ لأنه يتضيق عليه في أول سني الإمكان فيأثم بتركه، وكذا لو تنفل لنفسه ومع ذلك يصح؛ لأن النهي ليس لعين الحج المفعول بل لغيره وهو الفوات - (رد المحتار، ج: ٤، ص: ٢١، مطلب في حج الصرورة، باب الحج عن الغير، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان) (المرتب غفر لهٗ)

راے دے رہے ہیں کہ جتنے پیسے حج میں لگتے ہیں اتنے پیسے مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں صرف کردیں۔ اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے؟

حافظ عبدالحکیم، مدرسہ عزیزیہ نچلول بازار، گورکھ پور، یوپی
یکم رجب ۱۴۰۷ھ

الجواب

اگر اس شخص کے باپ دادا پر حج فرض تھا تو اس پر لازم ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے حج کرائے اور اگر اس کے باپ دادا پر حج فرض نہیں تھا تو اسے اختیار ہے خواہ حج کرائے یا مسجد و مدرسہ بنوائے اگر وہاں کوئی مسجد نہیں یا مسجد ہے جو تنگ ہوگئی ہے تو مسجد بنوانا زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح اگر وہاں کوئی دینی مدرسہ نہیں، یا ہے مگر توسیع کی ضرورت ہے تو مدرسہ بنوانا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالی اعلم

[۱۸] حج بدل کرنے والا کس طرح نیت کرے

مسئلہ- ایک غیر حاجی کو جس پر حج فرض نہیں صرف مسئلہ مسائل جاننے، دوسرے گہرے تعلقات کے باعث زید اپنے باپ یا ماں (مرحوم یا معذور) کی طرف سے حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں، اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ حج بدل کی نیت کس طرح کی جائے گی؟

قاری امیر الحسن، یتیم خانہ صفویہ، کرنیل گنج، گونڈہ، یوپی

الجواب

فوت شدہ افراد یا زندہ معذور افراد کی طرف سے کسی بھی شخص کو حج بدل کے لیے بھیج سکتے ہیں۔ حج بدل کرنے والے کو نیت میں یہ کہنا پڑے گا کہ میں نے فلاں کی طرف سے حج کرنے کی نیت کی۔ اور دل میں اس کا پختہ ارادہ کرنا پڑے گا۔ ورنہ حج بدل نہ ہوگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ حج کے سارے ضروری اخراجات درمیانی درجہ کے وہ شخص ادا کرے گا جو حج بدل کرا رہا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ حج بدل کرنے والا میقات پر حج کا احرام باندھ لے۔ واللہ تعالی اعلم

۲۳ر صفر ۱۴۱۵ھ

[۱۹] دادی سے پہلے ماں کی طرف سے حج بدل کرائیے

مسئلہ- یہ ناچیز حاجی عبدالصمد اپنی محترمہ والدہ صاحبہ سے تنہا ہے نہ کوئی بھائی نہ کوئی بہن، اس وقت دوسری ماں سے تین بھائی ہیں۔

جناب محترم والد صاحب اور سوتیلی ماں ۱۹۷۴ء میں حج بیت اللہ شریف کو گئے تھے۔

حاجی عبدالصمد مع اہلیہ صابرہ بیگم مرحومہ ۱۹۸۷ء میں حج کر چکے ہیں اہلیہ صابرہ بیگم کا انتقال ۱۹۹۷ء میں ہوگیا ہے میں تنہا ہوں میری کوئی اولاد نہیں ہے۔

میری والدہ کے انتقال کے بعد میری پرورش میری محترمہ دادی صاحبہ مرحومہ نے کی ہے۔

والدہ محترمہ مرحومہ یا دادی محترمہ مرحومہ کا حج بدل ہونا چاہیے۔ اس وقت دادی یا والدہ ایک ہی کا حج بدل کرانا ہے، کس کا پہلے ہونا چاہیے؟

میرے گھر میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

(۱) حاجی عبدالصمد تنہا (۲) عبداللطیف مع اہل وعیال

(۳) محمد ادریس مع اہل وعیال (۴) محمد اکبر، اہل وعیال

یہ چاروں بھائی ہیں، ابن حاجی عبدالرحیم صاحب مرحوم

میری پھوپھی، پھوپھا، چچا، چچی، خالہ، خالو، ماموں، ممانی، کوئی نہیں ہے۔ ان تینوں بھائیوں کی بیوی میں سے کسی کو لے جاسکتا ہوں یا نہیں۔

اس ناچیز حاجی عبدالصمد کے لیے دعا فرمائیں کہ اپنے مقصد میں کامیابی پائے اور اللہ تعالی حاجی عبد الصمد کو تندرستی دے دے تو خود کسی کو ساتھ لے جاکر حج بدل کرائے۔

حاجی عبدالصمد، رحیم منزل، سرائے چوک، جلال پور، امبیڈکر نگر، یوپی

۴ر اگست ۱۹۹۹ء

الجواب

میری دعا ہے کہ جب تک آپ کی حیات باقی ہے مولی عزوجل آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے کسی کا دست نگر اور محتاج نہ بنائے، اسلام وسنیت پر قائم رکھے اور اسی پر موت دے۔ (آمین) آپ پہلے اپنی

والدہ مرحومہ کا حج بدل کرائیے پھر اللہ تعالی توفیق دے تو دادی صاحبہ کا کرادیجیے گا، رشتہ داروں میں سب سے زیادہ حق ماں کو ہے یہاں تک کہ باپ سے بھی زیادہ ارشاد باری ہے:

"حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا"[1].

تیری ماں تجھ کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں لیے رہی اور اس نے تجھے تکلیف کے ساتھ جنا۔

حدیث میں ہے کہ: ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے، فرمایا تیری ماں۔ تو انھوں نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ۔[2]

حج بدل کے لیے بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جو حج کر چکا ہو لیکن اگر کسی وجہ سے ایسے مرد یا عورت کو بھیجا جس نے اپنا حج نہیں کیا ہے تو بھی جائز ہے حج بدل ہو جائے گا آپ نے جو فہرست پیش کی ہے ان میں سے کسی کو بھی حج بدل کے لیے بھیج سکتے ہیں، آپ تینوں بھائیوں کی بیویوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ حج بدل کے لیے نہیں لے جا سکتے، اس لیے کہ وہ آپ کی محرم نہیں۔ عورت کے لیے بانوے کیلو میٹر یا اس سے زیادہ سفر کے لیے محرم یا شوہر کا ہونا ضروری ہے۔ اپنے بھائیوں کی بیویوں میں سے جس عورت کو بھی حج بدل کے لیے بھیجیں تو خیال رکھیں کہ اس عورت کے ساتھ یا تو اس کا شوہر ہو یا کوئی محرم، آپ حج فرض ادا کر چکے ہیں اب آپ پر حج فرض نہیں پھر بھی آپ حج نفل ادا کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں، اور حج بدل میں اپنے بھائی کی بیویوں میں سے بشرط مذکور کسی کو بھی بھیج سکتے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم

یکم جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ

---

(۱) القرآن الكريم، سورة الأحقاف، آيت: ۱۵.

(۲) • أخرجه الإمام البخاري في صحيحه برقم: ۵۹۷۱، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله، من أحق الناس بحسن صحابتي؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "أمك"، قال: ثم من؟ قال: "ثم أمك"، قال: ثم من؟ قال: "ثم أبوك". باب من أحق الناس بحسن الصحبة، كتاب الأدب، ج: ۲، ص: ۸۸۳، وأخرجه الإمام أحمد في مسنده برقم: ۸۳۴۴، وبرقم: ۹۰۸۱ • وأخرجه ابن أبي شيبة برقم: ۲۵۴۰۳. (مرتب غفر لهٗ)

فہرست مضامین

عنوانات .... صفحہ

كتاب الزكاة

الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها

زکات واجب ہونے کی شرطوں کا بیان

الباب الثاني في زكاة السوائم

سائمہ کی زکات کا بیان

الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة

سونا، چاندی اور مال تجارت کی زکات کا بیان

الفصل في المعادن

دفینہ کا بیان

الباب الرابع في زكاة الزروع والثمار

زراعت اور پھلوں کی زکات

الباب الخامس في المصارف

مصارفِ زکات کا بیان

الباب السادس فی صدقۃ الفطر

صدقۂ فطر کا بیان

الباب السابع فی صدقۃ النفل

صدقات نافلہ کا بیان

فصل فيما يتصل بذلك

چندہ کرنے کا بیان

كتاب الصوم

الباب الأول في رؤية الهلال

رویت ہلال کا بیان

الباب الثاني في تفسير الصوم

ماہ رمضان اور روزے کے مسائل

الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره

روزے کے مکروہات کا بیان

فصل في مسائل السحور والإفطار

سحری اور افطار کا بیان

الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے

فصل في ما يوجب القضاء دون الكفارة

ان صورتوں کا بیان جن میں صرف قضا لازم ہے

فصل في ما يوجب القضاء والكفارة

ان صورتوں کا بیان جن میں کفارہ بھی لازم ہے

الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار

ان وجوہ کا بیان جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

الباب السادس في صوم النفل

نفل روزوں کے مسائل

الباب السابع في صوم النذر

منت کے روزے کا بیان

الباب الثامن فی الاعتکاف

اعتکاف کا بیان

كتاب المناسك

الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه

الباب الثاني في كيفية أداء الحج

مسائل حج وزیارت

فصل في أحكام الطواف

طواف کے احکام

فصل في أحكام السعي

الباب الثالث في العمرة

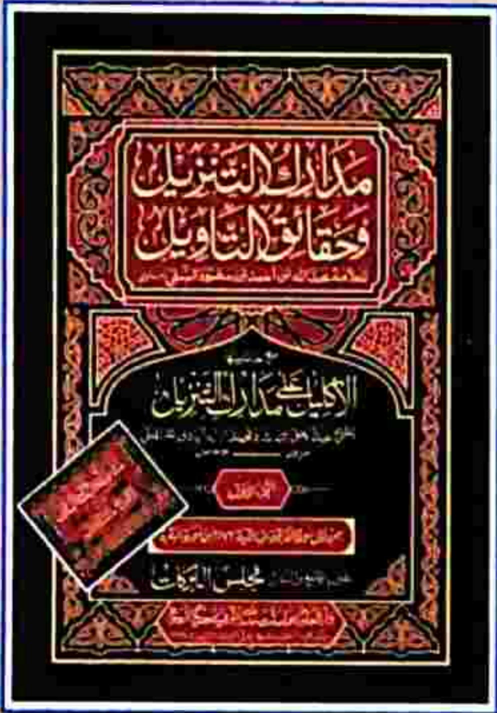
الباب الرابع في الجنايات

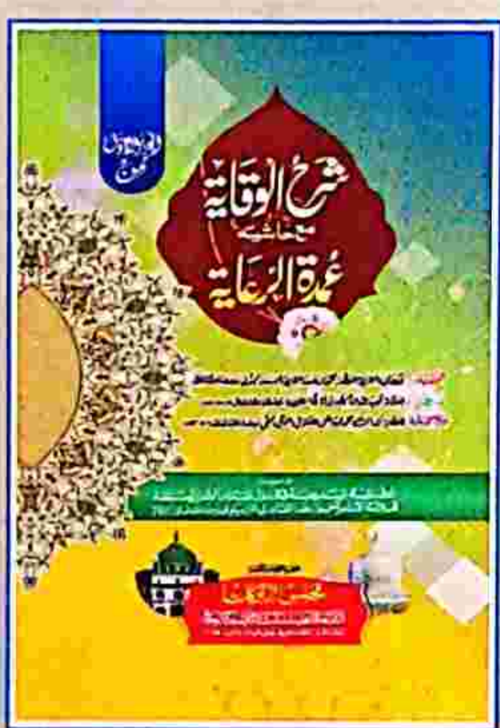
جرم اور ان کے کفارے

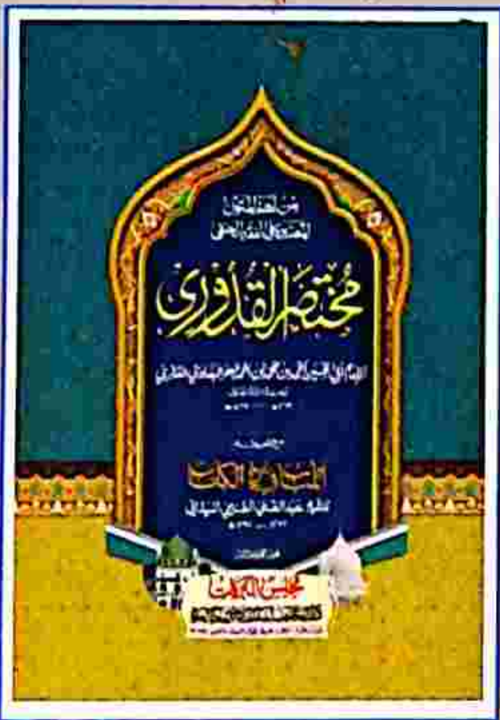
الباب الخامس في الحج عن الغير

حج بدل کا بیان

⊙ ⊙ ⊙ ⊙ ⊙









MAJLIS-E-BARKAT

149, Ground Floor, Katra Gokul shah Bazar
Matia Mahal, Jama Masjid Delhi- 110006
Mobile: 9911198459,8882618217,8851663176
011-71861891